

اسلام کا نظام محاصل

ترجمہ: کتاب الخراج

مصنفہ: امام ابو یوسفؒ

مترجمہ: محمد نجات اللہ صدیقی

ناشر: مکتبۂ چراغ راہ کراچی

کتاب الخراج

مولئف : امام ابو یوسفؒ

(اسلام کا نظامِ محاصل)

مترجم: محمد نجات اللہ صدیقی

پیشکش: طوبیٰ ریسرچ لائبریری

بشکریہ: مفتی محمد امداد اللہ یوسف زئی صاحب (اشرفیہ لائبریری)

طابع ــــــــ اخلاق حسین
ناشر ــــــــ مکتبہ چراغ راہ
آرام باغ روڈ۔ کراچی
مطبع ــــــــ پاکستان ٹائمز پریس۔ لاہور

بار اوّل ــــ ستمبر ۱۹۶۶ء ــــ ۱۱۰۰

Rs 21 - 00

فہرست ابواب

فہرست مضامین

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب

ساتواں باب

فصل (۱)

فصل (۲)

فصل (۳)

فصل (۴)

آٹھواں باب

فصل (۱)

فصل (۲)

فصل (۳)

فصل (۴)

فصل (۵)

بارھواں باب

تیرھواں باب

فصل (۲)

فصل (۳)

فصل (۴)

فصل (۵)

فصل (۶)

چودھواں باب

فصل (۱)

فصل (۲)

فصل (۳)

فصل (۴)

فصل (۵)

فصل (۶)

فصل (۷)

فصل (۸)

فصل (۹)

فصل (۱۰)

مُقدمۂ مُترجم

کتاب الخراج

مُقدمۂ مُترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۂ مترجم

اردو زبان میں اسلامی قانون کے اہم ماخذ کے ترجموں کی ضرورت اور اہمیت کسی دلیل کی محتاج نہیں یہ ضرورت اب پہلے سے شدید ہو گئی ہے۔ دورِ جدید میں اسلامی زندگی کی تفصیلات کی ترتیب اور عصری تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی قانون کی تدوین جدید میں فقہ اسلامی کی بنیادی کتابوں سے استفادہ کرنا اولین شرائط میں داخل ہے۔ یہ اہم کام اس وقت تک بحسن وخوبی انجام نہیں پا سکتے جب تک ملتِ اسلامیہ کے تعلیم یافتہ، ذہین اور صالح افراد کی ایک بڑی تعداد ان میں حصہ نہ لے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب ہم اہم عربی ماخذ کو مقامی زبانوں میں منتقل کرنے کا اہتمام کریں یہی ضرورت اس بات کی محرک بنی ہے کہ ہم مالی امور پر فقہ اسلامی کی ایک اہم دستاویز "کتاب الخراج" کا ترجمہ پیش کریں۔ ہمیں امید ہے کہ اسلامی معاشیات کے طلبہ، اسلامی قانون کی تدوین جدید پر غور کرنے والے اصحابِ علم، ماہرینِ قانون اور اسلامی قانون کا غیر جانب دارانہ مطالعہ کرنے والے محققین کے لیے یہ کتاب مفید ثابت ہوگی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ سے پہلے اس کتاب کے زمانۂ تصنیف کا تاریخی پس منظر، مصنف کے سوانح حیات اور خود اس کتاب کا اجمالی تعارف پیش کر دیا جائے تاکہ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھانے میں سہولت ہو۔

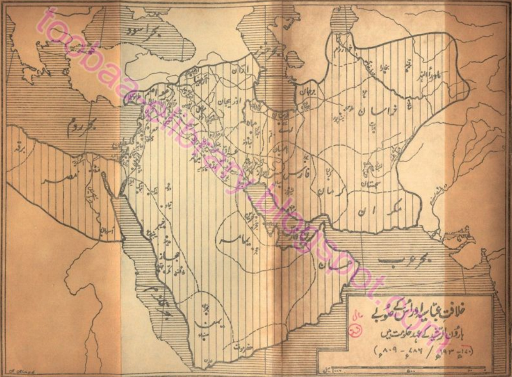
تاریخی پس منظر

کتاب الخراج کے مصنف نے بنو امیہ کے آخری زمانہ میں آنکھ کھولی۔ ان کے زمانہ شباب میں حکومت کی باگ ڈور بنو عباس نے سنبھال لی۔ اور جب وہ پختہ عمر کو پہنچے تو عباسی سلطنت کو مکمل استحکام حاصل ہو چکا تھا۔ ان کی عمر کے آخری سترہ سال جس کے دوران میں انہوں نے یہ کتاب مرتب کی، عباسی سلطنت کے دارالخلافہ بغداد میں گذرے۔ یہی زمانہ عباسی سلطنت کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔

اس طاقت ور اور مستحکم سلطنت کے حدود مشرق میں سرحد چین اور وادی سندھ تک مغرب میں لیبیا کے صحراؤں تک، شمال میں دریائے سیحون اور کوہ قفقاز تک اور جنوب میں وسط افریقہ اور یمن تک پھیلے ہوئے تھے۔ اپنے زمانہ میں دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے طاقت ور سلطنت تھی۔ اس کے خارجی تعلقات یورپ اور ہندوستان سے بھی تھے، اور ان ممالک سے خلیفہ ہارون الرشید (۱۷۰ھ — ۱۹۳ھ/۷۸۶ء — ۸۰۹ء) کے دربار میں گراں بہا تحائف بھی آتے تھے۔ ملک کا نظم و نسق، رسل و رسائل اور حمل و نقل کا اہتمام اور خبر رسانی اور ڈاک کا محکمہ اس دور کے اعلیٰ معیاروں کے مطابق تھا۔ سلطنت دو درجن سے زیادہ صوبوں میں تقسیم کر دی گئی تھی اور خلیفہ کے مقرر کئے ہوئے والی خلیفہ کی ہدایات کے تحت ان کے نظم و نسق کے ذمہ دار تھے۔

خلیفہ مالی امور کی تنظیم کی طرف خاص توجہ کرتا تھا، اور سلطنت کے خزانہ کے ساتھ عوام کی بہبود کا بھی لحاظ رکھتا تھا۔ نہروں، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر، سرائے، مساجد، کنوؤں، اور چشموں کے انتظام پر سرکاری خزانہ سے بڑی بڑی رقمیں صرف کی جاتی تھیں۔

معاشی اعتبار سے یہ دور فراخی اور خوش حالی کا دور تھا۔ وادی نیل، شام اور دوآبہ دجلہ و فرات جیسے زرخیز علاقوں کی وافر پیداوار کے سبب غلے اور پھل ارزاں اور بکثرت میسر تھے۔ مدینۃ السلام بغداد جسے خلیفہ منصور (۱۳۶ھ — ۱۵۸ھ/۷۵۴ء — ۷۷۵ء) نے ۱۴۵ھ میں دریائے دجلہ کے کنارے



خلافتِ عباسیہ اور اُس کے صوبے
ہارون الرشید کے عہدِ حکومت میں
(۱۷۰ھ - ۱۹۳ھ / ۷۸۶ء - ۸۰۹ء)
بحر اسود
بحر روم
مصر
خراسان
فارس
کرمان
مکران
سجستان
یمامہ
حجاز
یمن
عمان
بحر عرب

فروخت ہوتا تھا[1]۔ اشیارِ ضرورت کی یہ ارزانی گواہ ہے کہ عام محنت پیشہ افراد کو بھی ایک معقول معیارِ زندگی میسّر تھا۔ تاجر، دست کار، سرکاری ملازم اور فوج کے افراد کی حالت اس سے نسبتاً بہتر تھی۔

بڑے بڑے تاجروں، عمّالِ حکومت، فوجی افسران اور جاگیرداروں کا معیارِ زندگی عام معیارِ زندگی سے بہت بلند تھا۔ خاص طور پر خلیفہ کے خاندان اور وزرار کی دولت حساب سے بالا تھی۔ حکومت کا خزانہ، جسے اکثر عباسی خلفار نے اپنے ذاتی مصارف، انعام واکرام اور داد و دہش کے لیے بھی استعمال کیا ہے، دولت سے بھرپور تھا۔ منصور نے اپنی وفات پر بیت المال میں اکیاسی کروڑ درہم چھوڑے تھے[2]۔ اس کے پچیس سال بعد ہارون الرشید کی وفات پر بیت المال میں نوّے کروڑ درہم موجود تھے[3]۔ جب کہ مہدی (۱۵۸ھ — ۱۶۸ھ/۷۷۵ء — ۷۸۵ء) ہادی (۱۶۹ھ — ۱۷۰ھ/۷۸۵ء — ۷۸۶ء) اور خود رشید کی داد و دہش کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ہارون الرشید کے زمانہ میں سلطنت کی وہ آمدنی جو زمین کے خراج، جزیے اور عشور (محاصل چنگی) سے ہوتی تھی پچاس کروڑ درہم سالانہ سے زیادہ تھی[4]۔

خاندانِ خلافت کے افراد، وزرار اور اعلیٰ افسرانِ حکومت عالی شان محلوں میں رہتے تھے۔ غلاموں اور لونڈیوں کی کثرت تھی۔ ان کی تعداد ضروری خدمات سے نہیں متعیّن ہوتی تھی بلکہ سماجی حیثیت اور ریاست کا پیمانہ تھی۔ ان محلوں کی زندگی، ان کی آرائش اور زینت کے سامان، ان میں انواع واقسام کے کھانوں کے وسیع دسترخوان اور شعر و نغمہ کی وہ مجالس جو ان کے درمیان منعقد ہوتی تھیں، ان کے تذکرے اب الف لیلہ کی داستانوں کی زینت بن چکے ہیں۔

وسائلِ حیات کی اس فراوانی اور اربابِ اقتدار کی عیش و عشرت کی اس زندگی کا عوام پر بھی اثر پڑا تھا۔ اسلامی معاشرہ پر عجمی طرزِ زندگی کے گہرے اثرات مرتب ہو چکے تھے۔ دنیا کی لذتوں میں انہماک اور وسائلِ عیش و عشرت کی طرف میلان نمایاں تھا۔ جزیرۂ عرب کا سادہ طرزِ زندگی اور قرنِ اوّل کی پاکیزہ معاشرت اب دینی حلقوں اور ان سے مخلصانہ لگاؤ رکھنے والے عوام تک محدود تھی۔ اس زندگی کے حقیقی نمائندہ

---

[1] حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی: تاریخ بغداد، مکتبۂ خانجی: قاہرہ ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء، جلد اوّل، صفحہ ۷۰
[2] محمد ضیاء الدین الریس: الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ، مکتبۂ نہضۃ مصر، قاہرہ، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۳۳۸
[3] ایضاً، صفحہ ۴۲۱
[4] ایضاً، صفحہ ۴۲۵

اب وہ علمار رہ گئے تھے جو قناعت اور گوشہ گیری کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے اور ایک مخصوص طبقہ کی عیش پسندی، دنیا پرستی اور ریاست سے بیزار تھے۔ یہ علمار اپنے علم کو اربابِ اقتدار سے قرب کا ذریعہ اور جاہ و منزلت اور مناصبِ حکومت کے حصول کا وسیلہ نہیں بناتے تھے۔ مادیت اور دنیا میں انہماک کے بڑھتے ہوئے سیلاب میں وہ اسلام کی حقیقی تعلیمات کو اپنے عملی نمونے کے ذریعہ زندہ رکھنے اور درس و تدریس اور وعظ و ارشاد کے ذریعہ عام کرنے میں مصروف تھے۔ یہ لوگ اپنے علم کے علاوہ اپنے زہد و تقویٰ اور زندگی کے عام معاملات میں اپنے طرزِ عمل کے اعتبار سے بھی صحابۂ کرام کے جانشین اور سنّتِ نبوی کی یادگار تھے۔ بعض ممتاز علمار تجارت یا صنعت کے ذریعہ کسبِ معاش کرتے۔ علمار کی ایک جھوٹی سی تعداد ایسے افراد پر بھی مشتمل تھی جو صاحبِ دولت ہونے کے ساتھ اپنے کردار اور طرزِ زندگی میں اسلامی تعلیمات کے سچے نمونہ تھے۔

اس دور میں اسلامی معاشرہ میں فتنوں اور فرقوں کا بھی بہت زور تھا۔ شیعہ، خوارج، مرجئہ، جہمیہ، قدریہ، اور معتزلہ وہ چند اہم فرقے ہیں جو سیاست یا عقیدہ و مسلک میں اختلاف یا کسی خاص فلسفیانہ مسئلہ میں متضاد رائیں رکھنے کے سبب ظہور میں آئے تھے۔ سیاسی اور فلسفیانہ اختلاف کے پیدا کیے ہوئے یہ فرقے رفتہ رفتہ ایک ممتاز گروہ کی حیثیت اختیار کر لیتے تھے اور جہاں موقع ملتا باہم آویزش میں مصروف ہو جاتے۔ ایک مستحکم حکومت کے تحت جب جنگ و جدال کے مواقع کم ہو گئے تو مباحثوں اور مناظروں کا بازار گرم ہوا۔ اس کا ایک بڑا مرکز بغداد بھی تھا۔

عبّاسی دور میں فرزندانِ عجم کو حکومت پر اثر انداز ہونے اور وزارت اور خلیفہ کے قربِ خاص سے سرفراز ہونے کے مواقع ملے۔ اس سلسلہ میں خالد بن برمک (م ۱۶۳ھ) اور اس کے لڑکے یحییٰ بن خالد بن برمک (م ۱۹۰ھ) کا نام خاص طور پر لیا جا سکتا ہے۔ یحییٰ بن خالد خلیفہ ہارون الرشید کے ابتدائی سترہ سال تک جملہ مالی اور انتظامی امور میں عملاً آخری فیصلہ کن ہستی کی حیثیت رکھتا تھا۔ علم کے میدان میں بھی فرزندانِ عجم کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ ان کے زیرِ اثر عجم کے فلسفہ، طرزِ حکمرانی، مذہب اور طب و ہندسہ وغیرہ علوم و فنون کی کتابیں ترجمہ کے ذریعہ عربی میں منتقل کی گئیں۔ یہ کام جو بنو امیہ کے آخری زمانہ میں شروع ہو چکا تھا، عباسی خلافت کے ابتدائی ادوار میں بھی تیزی سے جاری رہا اور مامون الرشید (۱۹۸ھ — ۲۱۸ھ/۸۱۳ء — ۸۳۳ء) کے دَور میں ایک درجہ تک تکمیل کو پہنچ گیا۔

اسلامی علوم میں فلسفیانہ خیالات کی آمیزش شروع ہوئی۔ اسلام کی سادہ تعلیمات کی فلسفیانہ تعبیر اور عقاید کی عقلی توجیہ کی ضرورت محسوس کی گئی۔ مومن مخلص اور منافق فتنہ جو، ہر ایک نے اپنی اپنی نیت کے تحت یہ کام شروع کیا اور توجیہ و تاویل اور فلسفیانہ موشگافیوں کا ذوق وقت کی علمی فضا پر محسوس اثرات مرتب کرنے لگا۔

اہلِ ہوا و ہوس نے سیاسی، گروہی، اور محدود معنی میں "مذہبی" اغراض کے تحت اپنے منشا اور مسلک کی تائید میں روایتیں وضع کرکے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی طرف منسوب کرنا شروع کیا۔ وضع حدیث کا فتنہ اہلِ علم کے لیے ایک زبردست مسئلہ بن گیا اور عوام کے لئے احادیث میں صحیح اور موضوع کے درمیان تمیز دشوار ہوگئی۔

اس دور میں اسلامی علوم: تفسیر، حدیث، فقہ، اور سیر و مغازی کی باقاعدہ تدوین کا آغاز ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی سنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار کی تدوین اور قرآن و سنت سے اجتہاد کے ذریعہ احکام کے استنباط کے کام نے دوسری صدی ہجری میں ایک عظیم تحریک کی حیثیت اختیار کرلی۔ ذہین اور صالح افراد کی ایک بہت بڑی تعداد علم کے حصول اور درس و تدریس کے ذریعہ علم کی اشاعت پر کمربستہ ہوگئی۔ شہر شہر اور قریہ قریہ علم کا چرچا تھا۔ نحو، لغت، ادب اور قدیم تاریخ میں بھی، جو اسلامی علوم کے لیے ایک بنیادی ضرورت کی حیثیت رکھتے تھے، اعلیٰ درجہ کا کام ہو رہا تھا۔ نحو اور لغت کے قواعد کی ترتیب اور عربی ادب کے اسالیب کی تحقیق سے قرآن کریم کے صحیح فہم اور آیات و احادیث کو بے جا تاویل سے محفوظ رکھنے میں مدد ملی۔ علماء تفسیر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور تابعین سے منقول روایات کی روشنی میں مستند تفسیریں مرتب کیں۔ محدثین نے سنت کے مجموعے مرتب کئے، فتنۂ وضع حدیث کا مقابلہ کیا۔ اور احادیث میں صحیح اور موضوع، قوی اور ضعیف کو پرکھنے کے معیار مقرر کیے۔ فقہاء نے کتاب و سنت سے احکام شریعت کے استنباط کے اصول وضع کئے اور زمانہ کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور روزمرہ پیش آنے والے نئے مسائل میں اجتہاد و استنباط، استصلاح اور استحسان کے ذریعہ شریعت کے احکام معلوم کیے۔ صحابۂ کرام کے اجتماعی فیصلوں اور ان کی انفرادی رایوں کو مدون کیا۔ یہ دور ائمۂ مجتہدین کا دور تھا۔ ائمہ اربعہ کے فقہی اسکول زیرِ تشکیل تھے۔ اگرچہ عوام میں کسی ایک مجتہد کی رائے کو ترجیح دینے

کا رجحان پیدا ہونے لگا تھا لیکن اس طرح کی تقلیدِ جامد کا نام و نشان بھی نہ تھا جو بعد میں ظاہر ہوئی۔

یہ فقہ جو اس زمانہ میں کتاب و سنت کے مطابق، عرف و مصالح کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے مرتب کی جا رہی تھی۔ پوری عباسی سلطنت میں قانونِ ملکی کی حیثیت رکھتی تھی۔ اسلامی معاشرہ میں شخصی، خانگی، فوجی، اور بین الاقوامی ـــ جملہ معاملات زندگی ـــ فقہ اسلامی کے تحت تھے اور ملک کی تمام عدالتوں میں قاضی فقہ اسلامی کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

تفسیر، حدیث، فقہ، سیر و مغازی، اور دوسرے علوم کے جن بڑے بڑے ائمہ نے اس دور کو اپنے علمی کارناموں کے ذریعہ لازوال اہمیت کا حامل بنا دیا۔ ان سب کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔ ذیل میں ہم صرف چند نام درج کریں گے۔

تفسیر:- محمد بن السائب بن بشر الکلبی (م ۱۴۶ھ) سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ)، وکیع بن جراح (م ۱۹۷ھ)، سفیان عیینہ (م ۱۹۸ھ) اور اسحٰق بن راھویہ (م ۲۳۸ھ) وغیرہ

حدیث:- یحیٰی بن سعید الانصاری (م ۱۴۳ھ)، عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج (م ۱۴۹ھ)، مسعر بن کدام (م ۱۵۲ھ)، سعید ابن ابی عروبہ (م ۱۵۷ھ) امام شعبہ (م ۱۶۰ھ) سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ)، لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ)، امام مالک (م ۱۷۹ھ)، عبداللہ ابن مبارک (م ۱۸۱ھ)، یحیٰی بن سعید بن ابان (م ۱۹۴ھ)، وکیع بن جراح (م ۱۹۷ھ) — عبداللہ ابن وہب (م ۱۹۷ھ)، یحیٰی بن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) سفیان ابن عیینہ (م ۱۹۸ھ)، عبدالرحمٰن ابن مہدی (م ۱۹۸ھ)، یحیٰی ابن آدم القرشی (م ۲۰۳ھ)، امام شافعی (م ۲۰۴ھ)، ابو داؤد طیالسی (م ۲۰۴ھ)، یحیٰی بن معین (م ۲۳۳ھ)، علی بن المدینی (م ۲۳۴ھ)، ابوبکر عبداللہ بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)، اسحاق بن راہویہ (م ۲۳۸ھ)، امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) وغیرہ

فقہ:- محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ (م ۱۴۸ھ)، امام ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ)، امام زفر (م ۱۵۸ھ)، امام اوزاعی (م ۱۵۸ھ)، سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ)، لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ)، امام مالک (م ۱۷۹ھ)، عبداللہ ابن مبارک (م ۱۸۱ھ)، امام ابو یوسف (م ۱۸۲ھ)، امام محمد (م ۱۸۹ھ)، ابن القاسم (م ۱۹۱ھ)، عبداللہ ابن وہب بن مسلم مالکی (م ۱۹۷ھ)، ابو علی حسن

بن زیاد اللؤلؤی (م ۲۰۴ھ)، امام شافعی (م ۲۰۴ھ)، اشہب بن عبدالعزیز المالکی (م ۲۰۴ھ) اسد بن فرات (م ۲۱۳ھ)، ابو عبید القاسم ابن سلام (م ۲۲۴ھ)، یحییٰ بن یحییٰ لیثی مکی (م ۲۳۴ھ) امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) وغیرہ

تاریخ وسیر:- محمد ابن اسحاق (م ۱۵۱ھ)، ابو معشر نجیح (م ۱۷۰ھ)، محمد اسماعیل زیاد البکائی (م ۱۸۲ھ)، ہشام الکلبی (م ۲۰۶ھ)، ابو عبداللہ محمد بن عمر واقد الواقدی (م ۲۰۷ھ)، عبدالملک بن ہشام (م ۲۱۴ھ)، اصمعی (م ۲۱۶ھ)، ابن سعد الزہری (م ۲۲۳ھ)،

نحو ولغت:- خلیل نحوی (م ۱۷۰ھ)، سیبویہ (م ۱۸۰ھ)، یونس بن حبیب نحوی (م ۱۸۲ھ)، علی بن حمزہ الکسائی (م ۱۸۹ھ)، یحییٰ بن زیاد الفراء (م ۲۰۷ھ)، ابو عبیدہ (م ۲۰۹ھ) اخفش (م ۲۱۵ھ) وغیرہ

ان کے علاوہ شعر وادب کے میدان میں ابن مقفع (م ۱۴۲ھ)، بشار بن برد (م ۱۶۸ھ)، عباس ابن احنف (م ۱۹۲ھ)، ابو نواس (م ۱۹۸ھ)، اور ابو العتاہیہ (م ۲۱۰ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں

ابو یوسف کے زمانہ کے تاریخی پس منظر کا مطالعہ ختم کر کے خود ان کے سوانح حیات کا مطالعہ شروع کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ہم کوفہ کی علمی فضا کا خاص طور پر ذکر کردیں، جہاں امام ابو یوسف کی زندگی کے ابتدائی پچاس سال گذرے ہیں۔

کوفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں آباد کیا گیا تھا[1]، اور صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد نے یہاں اقامت اختیار کرلی تھی۔ ابن سعد نے طبقات کی چھٹی جلد میں ۱۵۰ صحابہ کا ذکر کیا ہے جنھوں نے یہاں طویل عرصہ اقامت فرمائی ہے۔ ان میں حضرت علی (م ۴۰ھ)، عبداللہ ابن مسعود (م ۳۲ھ)، ابو موسیٰ اشعری (م ۴۲ھ)، عمار ابن یاسر (م ۳۷ھ)، سعد بن وقاص (م ۵۵ھ) سعد ابن زید (م ۵۰ھ) اور سلمان فارسی جیسے بلند مقام اور اصحاب علم صحابہ بھی شامل ہیں آخری صحابی حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ نے کوفہ میں ۸۶ھ میں وفات پائی ہے۔ ابتدا ہی سے کوفہ اسلامی دنیا کا ایک عظیم علمی مرکز بن گیا تھا۔ صحابہ کرام نے قرآن وحدیث کی تعلیم کے ذریعہ کوفہ میں جلد ہی اصحاب علم

[1] ۱۷ھ یا ۱۹ھ میں (یاقوت معجم البلدان طبع بیروت ۱۹۵۶ء جلد ۴ صفحہ ۴۹۱)

کی ایک بڑی جماعت پیدا کر دی تھی۔ صحابہ کے بعد پہلی صدی ہجری میں جن اکابر علماء نے کوفہ کی دانش گاہ کو اپنے فضل وکمال سے سیراب کیا ہے ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:-

ربیع بن خثیم (م ۶۱ھ)، علقمہ (م ۶۲ھ)، مسروق بن الاجدع (م ۶۲ھ)، عمرو بن شرحبیل (م ۶۳ھ)، سلیمان بن ربیعہ (م ۶۵ھ)، ہمام بن حارث العابد (م ۶۵ھ)، حارث بن یزید (م ۷۴ھ) عبدالرحمٰن بن یزید (م ۷۳ھ)، عمرو بن میمون (م ۷۴ھ)، عبداللہ بن عتبہ (م ۷۴ھ) اسود بن یزید (م ۷۵ھ)، قاضی شریح (م ۷۸ھ)، سوید بن غفلہ (م ۸۰ھ) خثیمہ بن عبدالرحمٰن (م ۸۰ھ) شقیق بن سلمہ ابو وائل (م ۸۲ھ)، ابراہیم نخعی (م ۹۵ھ)، سعید بن جبیر (م ۹۵ھ)، امام شعبی (م ۱۰۳ھ)، حکم بن عتبہ (م ۱۱۰ھ)، حماد بن ابی سلیمان (م ۱۲۰ھ)، قاسم بن عبدالرحمٰن (م ۱۲۰ھ) ابو بکر ابن ابی موسیٰ، محارب بن دثار، سلیمان اصفر اور جبلہ بن سحیم وغیرہ۔

اس فہرست کے ذریعہ دوسری صدی ہجری میں کوفہ کے علمی ورثہ کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

دانش گاہ کوفہ کے اوّلین اساتذہ میں حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جیسے اکابر فقہائے صحابہ شامل ہیں۔ حضرت علیؓ کو خاندانی تعلق کی بنا پر، اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو شرف خدمت کے باعث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب رہنے کا موقع ملا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے کوفہ ہی مستقل اقامت اختیار کرلی تھی اور اپنی وفات تک یہاں سولہ، سترہ سال مقیم رہے۔ اس طویل مدت میں آپ سے بے شمار افراد نے علم حاصل کیا، اور ان میں سے ایک معتدبہ تعداد نے اتنی پختگی حاصل کرلی کہ اپنے علم کو درس وتدریس کے ذریعہ دوسروں تک منتقل کرسکیں۔ کوفہ کی علمی فضا حضرت عبداللہ ابن مسعود کی فقہ اور آپ کے طریقۂ اجتہاد واستنباط کی بنائی ہوئی فضا قرار دی جاسکتی ہے۔

عبداللہ ابن مسعود کے ایک ممتاز شاگرد علقمہ تھے جنھوں نے حضرت علی سے بھی علم حاصل کیا تھا علقمہ کے سب سے مشہور شاگرد ابراہیم نخعی تھے۔ ابو یوسف کے استاد، ابو حنیفہ، ابراہیم نخعی کے شاگرد حماد بن ابی سلیمان کے شاگرد تھے۔

مصنف کی سوانح حیات

نام و نسب

آپ کا نام یعقوب اور کنیت ابو یوسف ہے۔ بسلسلہ نسب انصار کے قبیلہ اوس کے خاندان بجیلہ سے جا ملتا ہے۔ یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن خُنَیس بن سعد بن حبتہ۔

سعد بن حبتہ انصاری صحابی تھے۔ اُن کے والد کا نام بجیر اور والدہ کا نام حبتہ تھا۔ جنگِ احد کے موقع پر عبداللہ ابن عمر اور رافع بن خدیج کے ساتھ سعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جہاد کے لیے چلنے کے خواہش مند ہو کر آئے تھے مگر آپ نے انھیں کم سن قرار دیا تھا[1]۔ اس کے دو سال بعد غزوۂ خندق میں شریک ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے تو آپ نے ازرہِ شفقت ان کے سر پر ہاتھ پھیرا[2]۔ سعد بن حبتہ نے کوفہ میں اقامت اختیار کر لی تھی اور وہیں وفات پائی۔ جنازہ کی نماز ارقم رضی اللہ عنہ نے پڑھائی[3]۔

بچپن اور طلب علم

آپ ۱۱۳ھ (۷۳۱ء) میں کوفہ میں پیدا ہوئے[4]۔ آپ کے والد ابراہیم کی معاشی حالت اچھی نہیں

---

[1] الموفق ابن احمد المکی: مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ طبع حیدرآباد ۱۳۲۱ھ جلد ۲، صفحہ ۲۰۹، محمد بن سعد: الطبقات الکبریٰ: طبع بیروت ۱۹۵۷ء جلد ۶، صفحہ ۵۲، اور خطیب تاریخ بغداد جلد ۱۴، صفحہ ۲۴۳۔

[2] الموفق ابن احمد المکی: جلد ۲، صفحہ ۲۱۰

[3] ایضاً صفحہ ۲۰۹ اور ابن سعد: جلد ۶ صفحہ ۵۲۔

[4] جمہور مورخین قاضی ابو یوسف کی ولادت کا سن ۱۱۳ھ بتاتے ہیں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (طبع جدید صفحہ ۱۶۴) نے بھی اسی کا ذکر کیا ہے لیکن بعض محققین کے نزدیک صحیح سنِ ولادت ۹۳ھ ہے نہ کہ ۱۱۳ھ۔ ملاحظہ ہو مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ ابی یوسف و محمد بن الحسن للذہبی۔ نشر کردہ لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۶۶ھ صفحہ ۳۷ پر علامہ زاہد الکوثری کا نوٹ۔

امام ابو یوسف ح

تھی اور خاندان کی زندگی عسرت میں بسر ہوتی تھی[1]۔ خاندان کی خستہ حالی کے سبب کم عمری ہی میں کسبِ معاش پر مجبور ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق ان کی والدہ نے ان کو ایک کپڑا دھونے والے کی دوکان پر ملازم رکھوا دیا تھا[2]۔ لیکن ان کو حصولِ علم کا بہت شوق تھا۔ فارغ اوقات میں اور اکثر کام چھوڑ کر اہلِ علم کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ ایسا کرنے میں اپنے والدین کی ناراضگی کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔

ابتداءً اصحابِ حدیث کی طرف زیادہ میلان رہا پھر ابن ابی لیلیٰ کے حلقۂ درس میں شریک ہونے لگے جہاں حدیث کے ساتھ فقہ کا بھی چرچا تھا۔ نو برس ان سے کسبِ فیض کے بعد امام ابو حنیفہ کی مجلس میں آنے لگے اور پھر اس مجلس سے اس طرح وابستہ ہوئے کہ جب تک امام صاحب زندہ رہے آپ کی صحبت نہ چھوڑی۔ امام ابو حنیفہ نے اپنی خداداد فراست سے پہچان لیا تھا کہ طالب علم ہونہار اور باصلاحیت ہے۔ چنانچہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ والدین کے اصرار کے سبب اُن کو درس چھوڑ کر کسبِ معاش کرنا پڑتا ہے تو آپ ان کی مالی امداد کرنے لگے تاکہ یکسوئی کے ساتھ علم حاصل کریں اور خاندان کے حقوق بھی ادا کرتے رہیں۔

ابو یوسف یعقوب کے ابن ابی لیلیٰ کا حلقۂ درس چھوڑ کر امام ابو حنیفہ کی شاگردی اختیار کر لینے کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ انھیں بعض فقہی مسائل میں ابن ابی لیلیٰ سے اختلاف تھا[3]۔ ایک سبب یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ نے قاضی کا منصب قبول کر لیا تھا جب کہ ابو یوسف کو ایسا کرنے سے اختلاف تھا[4]۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کو ابو حنیفہ کے شاگرد زفر سے فقہی مسائل پر بحث و مذاکرہ کے دوران یہ احساس ہوا کہ ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کے فقہی مسلک میں کیا فرق ہے[5]۔ مگر صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کو ابن ابی لیلیٰ کی مجلس ہی میں اس بات کا اندازہ ہوا کہ وہ اپنے فضل و کمال کے باوجود امام

---

[1] خطیب: جلد ۱۴۔ صفحہ ۲۴۴، الموفق ابن احمد: جلد ۲۔ صفحہ ۲۱۲

[2] ابن کثیر: البدایہ والنہایۃ۔ طبع قاہرہ ۱۹۳۲ء جلد ۱۰، صفحہ ۱۸۰۔ اور خطیب جلد ۱۴۔ صفحہ ۲۴۴۔

[3] الموفق ابن احمد المکی: جلد ۲۔ صفحہ ۲۱۳، اور شمس الدین السرخسی: المبسوط مطبعۃ السعادہ مصر ۱۳۳۱ھ جلد ۳۰۔ صفحہ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔

[4] سرخسی: جلد ۳۰۔ صفحہ ۱۲۸۔

[5] ایضاً صفحہ ۱۲۹

ابوحنیفہ کی رایوں کو کافی وزن دیتے ہیں اور مشکل مسائل میں ان کی رائے معلوم کرنے کا اہتمام کرتے ہیں[1] اس سے ان کے اندر یہ خیال پیدا ہوا کہ امام صاحب کا علمی اور اجتہادی مقام ابن ابی لیلیٰ سے زیادہ بلند ہے اور ان سے براہِ راست استفادہ کرنا چاہیے۔

ابویوسف کے زیادہ تر اوقات امام ابوحنیفہ کی صحبت میں گذرتے تھے۔ صرف رات کے وقت گھر تشریف لے جاتے تھے، اور کبھی کبھی مسلسل کئی دنوں تک امام صاحب کے پاس رہ جاتے اور گھر نہ جاتے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ایک مدت تک امام ابوحنیفہ کے ساتھ رہے لیکن ایک دن بھی ایسا نہ گزرا کہ فجر کی نماز ان کے ساتھ نہ ادا کی ہو۔ امام ابویوسف خود کہتے ہیں کہ میں کئی برس امام صاحب کی رفاقت میں رہا۔ مگر بجز بیماری کے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن بھی ان سے نہیں جدا ہوا[2]۔ میرا ایک بچہ وفات پاگیا۔ مگر میں اس کی تجہیز و تکفین پڑوسیوں کے ذمہ چھوڑ کر خود امام ابوحنیفہ کے درس میں شرکت کے لیے چلا آیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ درس چھوٹ جانے کا عمر بھر افسوس رہ جائے[3]۔

امام ابوحنیفہ کی مجلس علم میں امام ابویوسف کی شرکت ۹ سال[4] اور بعض روایات کے مطابق اس سے زیادہ عرصہ جاری رہی[5]۔ اتنے طویل عرصہ تک اس علمی مجلس سے تعلق کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب ہم امام ابوحنیفہ کے طرزِ تعلیم اور ان کے خصوصی علمی مجلس کی فضا پر نظر ڈالتے ہیں۔ یہ خصوصی مجلس جس کے اہم ترین رکن ابویوسف تھے اور جس میں امام محمد بن الحسن الشیبانی، امام زفر بن ہذیل، امام حسن بن زیاد اللؤلؤی، امام عبداللہ بن المبارک، وکیع بن الجراح، بشر بن غیاث المریسی، عافیہ بن یزید الازدی، شیخ داؤد طائی، وغیرہ اکابر علماء شریک ہوتے تھے، سماعت یا املاء کی مجلس نہ تھی بلکہ یہاں مسائل پر تفصیلی بحث

[1] الموفق ابن احمد المکی، جلد ۲۔ صفحہ ۲۱۳

[2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۱۵

[3] محمد زاہد الکوثری: حسن التقاضی قاہرہ۔ ۱۹۴۸۔ محمد کرتبع تابعین۔ مصنفہ مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی۔ دار المصنفین۔ ۱۹۵۹ء۔ "امام ابویوسف" صفحہ ۹

[4] الموفق بن احمد المکی: جلد ۲۔ صفحہ ۲۱۵

[5] سرخسی جلد ۳۰۔ صفحہ ۱۲۸

[6] حسن التقاضی محمد تبع تابعین۔ صفحہ ۸

و مذاکرہ ہوتا تھا جس میں استاد اور شاگرد سب آزادانہ حصہ لیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ابویوسف اور زفر یا دوسرے شاگردوں کے درمیان بحث ہوتی، امام اعظم خاموش رہتے، اور آخر میں دلائل کے ساتھ اپنی رائے پیش کر دیتے۔ پھر یہ رائے زیرِ بحث آتی اور اس طرح ایک ہی مسئلہ پر بعض اوقات کئی دنوں یا ایک مہینہ تک گفتگو جاری رہتی[1]۔ یہ اس مجلس کا امتیاز تھا جو کم از کم اس درجہ میں کسی اور حلقۂ درس کو نہیں حاصل تھا۔

اپنے امتیاز و شرکاء کی بدولت اس مجلس کو اہل علم کی نظر میں ایک خاص وزن حاصل تھا۔ وکیع بن جراح کے سامنے ایک دن ایک آدمی نے کسی بات پر یہ کہہ دیا کہ "ابوحنیفہ نے غلطی کی"، وکیع نے جواب دیا: "ابوحنیفہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں جب کہ ان کی مجلس میں ابویوسف اور زفر جیسے ماہرین قیاس، یحییٰ ابن ابی زائدہ، حفصہ ابن غیاث، حبان اور مندل جیسے حفاظ حدیث، قاسم ابن معن جیسے ماہر لغت و ادب، اور داؤد طائی اور فضیل ابن عیاض جیسے زاہد متورع موجود ہوتے ہیں جس کے ہم مجلس ایسے افراد ہوں اس سے غلطی کا امکان کم ہے کیوں کہ جب وہ غلطی کرے گا تو یہ لوگ اس کی اصلاح کر دیں گے[2]۔

ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ کے علاوہ ابویوسف نے اپنے دور کے دوسرے اکابر علماء فقہ و حدیث سے بھی استفادہ کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "میں قدماء محدثین کی روایت کی ہوئی حدیثیں لکھا کرتا تھا میں نے ابن اسحاق سے مغازی کا علم حاصل کیا، اور تفسیر کو کلبی سے اور سعید بن ابی عروبہ کی تصانیف سے سیکھا[3]۔ آپ نے موطا امام مالک کی سماعت امام مالک کے مشہور شاگرد اسد بن فرات (م ۲۱۳ھ) سے کی تھی۔ آپ کے اساتذہ میں ابواسحٰق شیبانی (م ۱۲۹ھ)، یحییٰ بن سعید انصاری (م ۱۴۳ھ)، لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ) اور ہشام بن وہب کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن شیوخ حدیث سے آپ نے حدیث روایت کی ہے ان کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ ان میں سے بعض حضرات کے نام یہ ہیں:۔

[1] ابن بزاز الکردری: مناقب الامام الاعظم۔ جلد ۱۔ صفحہ ۵۰۔ (یہ کتاب الموفق بن احمد المکی کی مناقب کے ساتھ اسی کے ذیل میں چھپی ہے)

[2] خطیب: تاریخ بغداد۔ جلد ۱۳۔ صفحہ ۲۴۷۔

[3] کردری: جلد ۲۔ صفحہ ۱۲۶

سلیمان بن مہران الاعمش (م ۱۴۸ھ)، ابن جریج (م ۱۴۹ھ)، مسعر بن کدام (م ۱۵۳ھ)، سعید بن ابی عروبہ (م ۱۵۶ھ)، امام شعبہ (م ۱۶۰ھ)، امام مالک (م ۱۷۹ھ)، سفیان ابن عیینہ (م ۱۹۸ھ)، اور ہشام بن عروہ (م ۲۰۴ھ)۔

جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے آپ نے سیر و مغازی کے مشہور عالم محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ) سے کتاب المغازی کی سماعت کی اور اس کی خاطر کچھ عرصہ امام ابوحنیفہ کے درس سے غیر حاضر رہے[1]۔ آپ نے نحو کے ایک عالم سے اس علم کی بھی باقاعدہ تحصیل کی تھی[2]۔

امام مالک ابو یوسف کے معاصر تھے۔ حدیث میں اپنے بلند مقام کے علاوہ فقہ و اجتہاد میں بھی ان کا درجہ بہت اونچا ہے۔ ابو یوسف حج کرنے گئے تھے تو امام مالک سے ملاقات کی تھی اور بعض اختلافی مسائل پر دونوں بزرگوں کے درمیان تبادلۂ خیال ہوا تھا۔ ان میں سے ایک مسئلہ صاع کی مقدار کا ہے۔ امام مالک سے گفتگو کے بعد ابو یوسف نے اپنے سابق قول سے رجوع کرکے صاع کی مقدار کے بارے میں اہل حجاز کے قول کو مستند تسلیم کر لیا تھا[3]۔ اسی طرح آپ نے اوقاف[4] کے مسئلہ میں امام مالک سے گفتگو کے بعد امام ابوحنیفہ کی رائے سے رجوع کرکے امام مالک کی رائے اختیار کر لی اور فرمایا: "ابو عبداللہ میں نے رجوع کرکے آپ کی رائے اختیار کر لی، اگر میرے رفیق نے وہ چیزیں دیکھی ہوتیں جو میں نے اب دیکھی ہیں تو میری طرح وہ بھی رجوع کر لیتے[5]۔"

درس و تدریس

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف نے امام ابوحنیفہ کی صحبت سے کچھ عرصہ تک استفادہ کرنے کے بعد ان کی زندگی ہی میں اپنا علیحدہ حلقۂ درس قائم کرکے علمی افادہ کا سلسلہ شروع کر دیا تھا لیکن امام صاحب کے نزدیک ابھی ان کا علم پختگی کو نہیں پہنچا تھا چنانچہ انہوں نے

---

[1] الموفق ابن احمد المکی، جلد ۲، صفحہ ۲۲۲

[2] کردری: مناقب، جلد ۲، صفحہ ۱۳۷، اور الموفق بن احمد المکی: جلد ۲، صفحہ ۲۳۷

[3] تبع تابعین صفحہ ۱۴، اور ابو عبید القاسم بن سلام: کتاب الاموال۔ قاہرہ ۱۳۵۳ھ صفحہ ۵۱۹ ما ۱۹۰۱

[4] یعنی صحابہ کے اوقاف

[5] فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲، صفحہ ۲۸۵، محمد ابو زہرہ: ابن تیمیہ مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۲ء، صفحہ ۳۵۴

اپنے کسی شاگرد کے ذریعہ ان سے چند مسائل دریافت کرائے۔ یہ ان کا تشفی بخش جواب نہ دے سکے اور انہیں اپنی ناپختگی کا احساس ہوا۔ اس واقعہ کے بعد انہوں نے امام اعظم سے علمی استفادہ کا سلسلہ پھر شروع کر دیا[1]۔ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ سے ابو یوسف نے ایک بار ایک مسئلہ دریافت کیا تو امام صاحب نے انھیں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی کہ ابھی ان کا علم اس قابل نہیں کہ خود مجلس درس قائم کریں[2]۔ ۱۵۰ھ میں امام ابوحنیفہ کے انتقال کے بعد سے ۱۶۶ھ میں عہدۂ قضا پر مامور ہونے تک آپ کا حلقۂ درس برابر قائم رہا۔ اس کے بعد بھی آپ نے اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے ساتھ رات کے وقت اور فارغ اوقات میں علمی افادہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کے عدالتی فیصلے بھی اہل علم اور طالبان علم کے لیے استفادہ کا ایک اہم ذریعہ تھے۔ تدریس اور منصب قضا دونوں ادوار میں آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

آپ سے بہت سے افراد نے فقہ و حدیث کا علم حاصل کیا جن میں امام محمد بن الحسن الشیبانی (م ۱۸۹ھ) کا نام سرفہرست ہے جو قاضی ابو یوسف کے بعد امام ابوحنیفہ کے ممتاز ترین شاگرد ہیں۔ ابو یوسف کے شاگردوں میں امام احمد بن حنبل، یحییٰ ابن آدم القرشی، یحییٰ بن معین، اسد بن فرات، وکیع ابن جراح، ابراہیم بن سلمہ طیالسی، علی بن المدینی اور قاضی ابراہیم بن الجراح مازنی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مشہور ادیب عمرو بن بحر الجاحظ (م ۲۵۵ھ) بھی آپ کے شاگرد ہیں۔

بعض تذکرہ نویسوں نے امام ابو یوسف سے امام شافعی کی ملاقات اور علمی استفادہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن محققین کے نزدیک یہ روایات صحیح نہیں ہیں[3]۔ امام شافعی قاضی ابو یوسف کے شاگرد امام محمد کے شاگرد تھے۔

آپ دو بار بصرہ تشریف لے گئے تھے۔ پہلی بار ۱۶۰ھ میں اور دوسری بار ۱۸۰ھ میں[4]۔ دونوں بار متعدد علماء نے آپ سے حدیث اور فقہ کے علوم میں استفادہ کیا۔

---

[1] حسن القاسمی محمد: تبع تابعین صفحہ ۱۷، اور ای فاگنان: فرانسیسی ترجمہ کتاب الخراج طبع پیرس ۱۹۲۱ء، مقدمہ صفحہ ۱۰

[2] تبع تابعین، صفحہ ۱۷

[3] ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۸۲، اور تبع تابعین، صفحہ ۲۳-۲۹

[4] خطیب: جلد ۱۴، صفحہ ۲۵۵

عہدۂ قضاء

تیسرے عباسی خلیفہ المہدی (۱۵۸ھ — ۱۶۸ھ) نے آپ کو ۱۶۶ھ میں بغداد کے مشرقی حصہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔[1] ایک دوسری روایت کے مطابق مہدی نے آپ کو اپنے لڑکے اور ولی عہد موسیٰ الہادی کا اتالیق مقرر کیا تھا اور ساتھ ہی آپ جرجان میں عہدۂ قضاء پر بھی مامور تھے۔[2] جب ہادی خلیفہ ہوا تو آپ کو اپنے ساتھ بغداد لایا۔ الہادی کے دور (۱۶۹ھ — ۱۷۰ھ) میں آپ پورے بغداد کے قاضی بنا دیے گئے۔ پھر جب ہارون الرشید خلیفہ ہوا تو اس نے ایک سال بعد ۱۷۱ھ میں آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ دے دیا اور اسی عہدہ پر آپ اپنی وفات (۱۸۲ھ — ۷۹۸ء) تک فائز رہے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ کو الہادی نے قاضی مقرر کیا تھا۔[3] اور بعض دوسری روایات کے مطابق ہارون الرشید نے مقرر کیا تھا۔[4] اوپر ہم نے جو تفصیل دی ہے اس کی روشنی میں بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ اصل صورت حال کیا تھی۔ یہ دونوں روایتیں آپ کے قاضی کی حیثیت میں ایک بلند تر عہدہ پر ترقی سے متعلق سمجھی جانی چاہئیں۔

ابو یوسف پہلے قاضی تھے جنھیں قاضی القضاۃ کا لقب دیا گیا تھا۔ اب پوری عباسی خلافت میں قاضیوں کا تقرر آپ کے مشورہ اور حکم کے مطابق انجام پانے لگا۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ آپ کو "قاضی قضاۃ الدنیا" کہا جاتا تھا۔ قاضی القضاۃ ہونے کے ساتھ آپ خلیفہ ہارون الرشید کے مشیر خاص بھی تھے اور وہ اہم سیاسی، مالی اور انتظامی امور میں آپ سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ آپ کو خلیفہ کا اعتماد حاصل تھا اور آپ اس کے مقربین خاص میں سے تھے۔ اس کی بے تکلف مجلسوں

[1] ابن خلکان: وفیات الاعیان۔ طبع قاہرہ۔ ۱۹۴۹ء جلد ۵۔ صفحہ ۳۲۳ — ۳۲۴۔
اور ابن عبدالبر: الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الفقہاء: مالک والشافعی وابی حنیفہؒ۔ مکتبہ قدسی قاہرہ ۱۳۵۰ھ صفحہ ۱۷۲۔

[2] محمد ابن سعد: الطبقات الکبریٰ۔ جلد ۶۔ صفحہ ۲۳۰

[3] ابن کثیر: البدایہ والنہایہ۔ جلد ۱۰۔ صفحہ ۱۸۰۔ ذہبی: مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ صفحہ ۳۷،
اور الموفق بن احمد المکی: مناقب الامام۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۲۱

[4] ابن خلکان: جلد ۵۔ صفحہ ۳۲۳ - ۳۲۴

میں بھی شریک رہتے اور وہ اپنے شخصی معاملات میں بھی آپ سے مشورہ لیا کرتا تھا۔

قاضی کی حیثیت سے امام ابو یوسف نے ہمیشہ شریعت کے مطابق فیصلے کیے اور عام وخاص، غریب وامیر اور محکوم وحاکم کے درمیان کوئی امتیاز نہ برتا۔ ایک بار ان کی عدالت میں ایک شخص نے الہادی امیر المومنین کے ایک باغ کے بارے میں یہ دعویٰ پیش کیا کہ وہ باغ اس کی ملکیت ہے۔ حقیقت یہی تھی۔ لیکن ہادی کے حق میں گواہیاں موجود تھیں۔ قاضی ابو یوسف نے خلیفہ کے خلاف فیصلہ کر لیا۔ جب ہادی نے دریافت کیا کہ اس مقدمہ میں کیا فیصلہ کیا گیا تو انہوں نے اس سے کہا کہ "امیر المومنین کا مخالف مجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ میں امیر المومنین سے اس بات پر حلف اٹھواؤں کہ ان کے گواہوں نے حق کے مطابق گواہی دی ہے۔" ہادی نے دریافت کیا کہ "کیا آپ کے نزدیک یہ مطالبہ درست ہے۔" انہوں نے جواب دیا کہ ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک ایسا ہی ہے (حالانکہ خود ابو یوسف اس کے قائل نہ تھے) یہ سن کر ہادی نے کہا کہ باغ اس شخص کے حوالہ کر دیا جائے۔[1]

نہ صرف یہ کہ ان کو خلیفۂ وقت کے خلاف فیصلہ کرنے میں کوئی جھجک نہ محسوس ہوتی تھی بلکہ ایک موقع پر جبکہ انھوں نے خلیفہ ہارون الرشید کے خلاف فیصلہ صادر کیا تھا۔ انھیں اس بات کا بڑا افسوس رہا کہ وہ مقدمہ کی کارروائی کے دوران خلیفہ اور فریق مخالف کو ایک ہی صف میں نہ کھڑا کر سکے۔ اس واقعہ کی روداد انھوں نے خود بیان کی ہے۔[2]

"میں نے منصبِ قضاء کو قبول کیا اور اس کی ذمہ داریوں سے اس طرح عہدہ برآ ہوا کہ اللہ سے امید ہے کہ وہ مجھ سے کسی ظلم یا بے جا طرف داری کا مواخذہ نہ کرے گا، بجز ایک دن کے واقعہ کے۔ میرے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ ایک باغ جو دراصل اس کی ملکیت ہے امیر المومنین (ہارون الرشید) کے قبضہ میں ہے۔ میں امیر المومنین کے پاس گیا اور انہیں اس دعویٰ کی خبر دی۔ انھوں نے کہا کہ باغ میرا ہے اسے (میرے والد) مہدی نے خریدا تھا۔ میں نے کہا کہ امیر المومنین مناسب سمجھیں

[1] خطیب، جلد ۱۴۔ صفحہ ۲۴۹، کردری۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۲۸، الموفق ابن احمد المکی۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۱۷،
اور ابن کثیر و ابن خلکان بحوالۂ بالا۔

[2] ابن کثیر: البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰۔ صفحہ ۱۸۱

تو اس شخص کو بلالیں تاکہ میں اس کا دعویٰ سن سکوں۔ اُسے بلالیا گیا، اور اُس نے باغ کے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کی ملکیت ہے۔ میں نے کہا: "امیرالمومنین کیا کہتے ہیں؟" انھوں نے جواب دیا کہ یہ میرا باغ ہے۔ میں نے اس آدمی سے کہا: "تو نے ان کا جواب سن لیا"۔ اس نے کہا: "یہ حلف اٹھائیں گے؟" میں نے دریافت کیا: "امیرالمومنین! کیا آپ حلف اٹھائیں گے؟" انھوں نے کہا: "نہیں"۔ میں نے کہا کہ میں تین بار آپ سے قسم کھانے کے لیے کہوں گا، اگر آپ نے قسم نہیں کھائی تو "امیرالمومنین" میں آپ کے خلاف فیصلہ صادر کردوں گا۔" پھر میں نے تین بار اُن سے قسم کھانے کو کہا مگر انھوں نے قسم نہیں کھائی۔ چنانچہ میں نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا کہ باغ اُس کا ہے۔

"ابویوسف کہتے ہیں کہ بحث کے دوران میں یہ چاہتا تھا کہ خلیفہ اپنی کرسی سے اتر آئے مگر میرے لیے یہ ممکن نہ ہو سکا کہ مدعی کو خلیفہ کے برابر بٹھادوں۔ قاضی ابویوسف نے حکم جاری کر دیا کہ باغ پر اس آدمی کو قبضہ دلوا دیا جائے۔"

اس دور میں اکابر علمائے حدیث و فقہ دربار سلطنت اور سرکاری مناصب سے کنارہ کش رہنے پر اصرار کرتے تھے۔ یہ شکل انھیں آزادیٔ رائے اور تقویٰ کے لیے محفوظ ترین نظر آتی تھی۔ دربار سے وابستگی کے بعد حکمران اور اس کے حاشیہ نشینوں سے بچنا مشکل تھا اور اندیشہ تھا کہ "وہی مال و دولت کی جمع اور حبِ جاہ کے فتنہ میں مبتلا ہو جائے اور علم کی امانت کا حق نہ ادا کر سکے۔ جن علماء نے یہ پالیسی اختیار کی تھی ان میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام سفیان ثوری، امام زفر، اور عبداللہ ابن مبارک جیسے بلند پایہ لوگ شامل ہیں۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قضا ایک شرعی ذمہ داری ہے جس سے اصحابِ علم ہی عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ پھر منصب قضاء قبول کرنے میں ابویوسف کے سامنے ایک اہم دینی مصلحت بھی تھی۔ وہ اس منصب کو ان احکامِ شریعت کے نفاذ، اور اس فقہ کی اشاعت کا ذریعہ بنانا چاہتے تھے جو ابوحنیفہ اور ان کے ممتاز شاگردوں نے کتاب و سنت کے مطابق، اجتہاد و استنباط کے ذریعہ مرتب کی تھی۔ ابوحنیفہ کے فقہی مسلک کی ترویج و اشاعت کو ابویوسف جو اہمیت دیتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے امام محمد کو ان کی ناپسندیدگی کے

باوجود، جہلم کے شہر رقہ میں قاضی کا عہدہ قبول کرنے پر بہ اصرار آمادہ کیا۔ آپ نے ان کو آمادہ کرنے کے لیے یہی دلیل پیش کی تھی کہ اس طرح شام میں ابوحنیفہ کے فقہی مسلک کی اشاعت کا موقع ملے گا۔[1]

اگرچہ امام ابوحنیفہ نے خلیفہ ابوجعفر منصور کے شدید اصرار کے باوجود خود یہ عہدہ نہیں قبول کیا تھا لیکن غالباً آپ اپنے شاگردوں کے لیے ایسا کرنے کی پوری گنجائش پاتے تھے۔ آپ کے لڑکے حماد ابن ابی حنیفہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آپ نے یہ فرمایا کہ "ہمارے ان چھتیس ۳۶ رفقاء میں سے اٹھائیس عہدۂ قضاء کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ چھ ایسے ہیں جو فتویٰ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور ان میں دو ایسے بھی ہیں جو قاضیوں اور مفتیوں کی تعلیم و تربیت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں" یہ فرما کر آپ نے ابویوسف اور زفر کی طرف اشارہ کیا۔[2]

بعد کی تاریخ بتاتی ہے کہ قاضی ابویوسف نے قاضی القضاۃ جیسا کلیدی منصب قبول کر کے حنفی فقہ کی ترویج و اشاعت میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ حنفی فقہ میں اتنی لچک موجود ہے کہ وہ مختلف علاقوں، مختلف قوموں، اور مختلف زمانوں کے تقاضے پورا کر سکتی ہے۔ اس کی اس صلاحیت کے ساتھ جب اسے ایک درجہ کی سرکاری سرپرستی حاصل ہو گئی تو وہ بہت جلد عباسی خلافت کے طول و عرض پر چھا گئی۔

عہدۂ قضاء قبول کرنے میں ابویوسف کے معاشی حالات کو بھی بڑا دخل تھا۔ جیسا کہ ذیل کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ امام ابویوسف جب کوفہ میں حلقۂ درس قائم کر کے علمی افادہ کی خدمت انجام دے رہے تھے تو ان کی مالی حالت بہت سقیم تھی، اور انھوں نے مجبوراً بغداد کا رُخ کیا تاکہ کسبِ مال کی کوئی شکل نکلے۔

"ابویوسف سے روایت کی جاتی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں مہدی کے دورِ خلافت میں کوفہ میں تھا۔ میں معاشی تنگ حالی میں مبتلا تھا۔ ایک دن میں نے اپنی بیوی کے مکان میں سے ایک لکڑی نکال کر اسے فروخت کر دیا تو میری ساس نے اس پر کچھ کہہ دیا۔ مجھے بڑی غیرت آئی اور میں بغداد چلا گیا۔ وہاں وزیر کے گھر گیا۔ اس نے مجھ سے صلاۃ الخوف

---

[1] تبع تابعین، صفحہ ۳۴۔ اور صفحہ ۱۲۳-۱۲۴

[2] خطیب، تاریخ بغداد، جلد ۱۴، صفحہ ۲۴۷، ۲۴۸۔

کے مسائل دریافت کیے۔ میں نے ان کا جواب دیا۔ وہ مجھے مہدی کے پاس لے گیا۔ میں نے (اس کے سوال کرنے پر) اسے صلاۃ الخوف اور اس کے بارے میں منقول اقوال بتلائے اس نے مجھے قضاء شرقی پر مامور کیا اور مجھے دس ہزار درہم دیئے۔ کچھ عرصے کے بعد اس کا انتقال ہوگیا۔ پھر میں ہادی کے ساتھ رہا۔ پھر میں ہارون کے ساتھ بھی رہا اور اس نے مجھے تمام ممالک کا قاضی بنا دیا۔"[1]

بعض روایات بتاتی ہیں کہ خلیفہ کو جب آپ کے بعض فتاویٰ کا علم ہوا تو اس نے آپ کے علم و تفقہ کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو عہدۂ قضا پر مامور کر دیا۔ اس مسئلہ کی بعض روایات کا تعلق آپ کے قاضی القضاۃ بنائے جانے سے بتایا جاتا ہے بعض روایات ایسی بھی ہیں جن سے آپ کی علمی دیانت پر حرف آتا ہے، مگر یہ روایات تاریخی طور پر ثابت نہیں۔[2]

عہدۂ قضاء پر فائز ہونے سے پہلے ابو یوسف کو جس درجہ معاشی پریشانیوں کا سامنا تھا اسی درجہ فراخی نصیب ہوئی۔ آپ کی ماہانہ تنخواہ سو دینار اور ایک ہزار درہم تھی[3] اس کے علاوہ خلیفہ نے بطور جاگیر زمینیں بھی دے رکھی تھیں۔ انعام و اکرام اور تحائف کے طور پر خلیفہ جو نقد، رقم اور سامان عطا کرتا رہتا تھا ان کا حساب لگانا مشکل ہے۔ بغداد اور پوری سلطنت میں آپ کی جاہ و منزلت اور رتبہ کا اندازہ آپ کے عہدہ، علم و فضل، مال و دولت، اور خلیفہ ہارون الرشید کے قرب خاص سے لگایا جاسکتا ہے۔

ابو یوسف پر تنقیدیں

امام ابو یوسف کے علم و فضل و تقویٰ اور دیانت اور ان کے کردار کی بلندی پر ان کے معاصر علماء اور بعد کے مؤرخین کی ناقابل تردید گواہیاں موجود ہیں۔ اختلاف رائے کے باوجود معاصر علماء کا یہ اعتماد انھیں اسی وقت حاصل ہو سکتا تھا جب دربار خلافت سے وابستگی کے باوجود وہ ان خرابیوں

[1] الموفق بن احمد المکی، جلد ۲۔ صفحہ ۲۳۹

[2] ابن خلکان، جلد ۵ صفحہ ۲۲۳-۲۲۴؛ اور الموفق ابن احمد المکی، جلد ۲۔ صفحہ ۲۲۸-۲۲۹

[3] کردری: مناقب جلد ۲۔ صفحہ ۱۴۳

سے پاک رہے ہوں جو سرکاری عہدوں پر فائز ہونے والے علماء اور سلاطین کے مقربین خاص میں عموماً پیدا ہو جاتی ہیں۔ لیکن ان کے عہدۂ قضا قبول کر لینے کی وجہ سے عام طور پر محدثین ان سے بدظن ہو گئے۔ آپ کے بارے میں متعدد ایسی روایات آئی ہیں جن سے آپ کے حسن کردار، حسن نیت اور تقویٰ پر حرف آتا ہے۔ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ایسی کئی روایات نقل کی ہیں[1]۔ بعض روایات میں آپ کے بارے میں بہت سخت الفاظ بھی آئے ہیں بعض مخالف رائیں امام بخاری اور امام احمد بن حنبل کی طرف بھی منسوب ہیں۔

ہمارے لیے ان تفصیلات میں جانا ضروری نہیں۔[2] زیادہ تر روایات کا منشا یہ ہے کہ قاضی ابو یوسف نے ہارون الرشید کو خوش کرنے یا اس کی کسی مشکل کو حل کرنے کے لیے اس کی مرضی کے مطابق فتوے دیے، یا ایسے شرعی حیلے وضع کیے جن کے ذریعہ ظاہرا طور پر شریعت پر عمل کرتے ہوئے اس کے احکام کے اصل منشا سے گریز ممکن ہو جائے بعض روایات میں خلیفہ کے خاندان کے کسی دوسرے فرد کی فرمائش پر اس کے حسب منشا فتویٰ صادر کرنے کی روداد آئی ہے[3]۔ لیکن ان روایات کے راویوں میں ناقابل اعتبار لوگ شامل ہیں اور محققین انھیں قابلِ التفات نہیں سمجھتے۔

بعض روایات کا ماحصل یہ ہے کہ قاضی صاحب کا علم خام تھا اور بعض اصحاب حدیث نے ان کے حافظہ کو کمزور اور ان کی روایات کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے۔

ایک روایت کے مطابق ان کی نحو کمزور تھی۔ مشہور عالم نحو علی بن حمزہ الکسائی نے ایک بار ہارون الرشید کی موجودگی میں قاضی ابو یوسف سے ایک فقہی مسئلہ دریافت کیا۔ ابو یوسف نے جو جواب دیا وہ غلط تھا اور اس غلطی کا سبب مسائل کے ایک عربی جملہ کا صحیح مفہوم نہ سمجھ سکنا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر بھی کسائی نے نحو میں ان کی کمزوری ثابت کرنے کے لیے یہی طریقہ

[1] خطیب: تاریخ بغداد۔ طبع خانجی۔ جلد ۱۴۔ صفحات ۲۴۸---۲۵۲۔ اور ۲۵۵-۲۵۷

[2] خطیب بغدادی کی نقل کی ہوئی روایات کے تنقیدی جائزہ کے لیے ملاحظہ ہو: محمد زاہد بن الحسن الکوثری: تانیب الخطیب ما ساق فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب۔ طبع قاہرہ ۱۹۴۲ء۔ صفحات ۱۶۴-۱۶۹۔ اور اسی مصنف کی حسن التقاضی۔ طبع قاہرہ ۱۹۴۸ء

اختیار کیا تھا[1]۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ ابو یوسفؒ جنھوں نے علم کتاب و سنت میں اختصاص کیا تھا، نحو کے بڑے ماہر نہ رہے ہوں لیکن یہ بات بھی قرینِ قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ وہ عربی جملوں کا مفہوم سمجھنے میں ایسی غلطی کر سکتے تھے جس کا ذکر مذکورہ بالا روایت میں آیا ہے۔ اوپر ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام ابو یوسف نے ایک عالم نحو سے اس علم کی بھی باقاعدہ تحصیل کی تھی۔ اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اس واقعہ کے بعد کی بات ہو۔

جیسا کہ امام ذہبی نے لکھا ہے: "قاضی ابو یوسف کے بارے میں بہت سی روائتیں ایسی ہیں جو ان کی سیادت، کرم، مردانگی، جاہ و منزلت، اور علم و فضل کے اعتبار سے ان کے مقام بلند پر گواہ ہیں۔ اور بعض روایات ایسی بھی نقل ہوئی ہیں جو ان کی شان کو گرانے والی ہیں۔ ان میں سے بعض غلط ہیں۔ ان روایتوں کو عقیلی اور ابن ثابت نے بیان کیا ہے اور یہ تاریخ بغداد وغیرہ میں پائی جاتی ہیں"[2]۔

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ "اکثر علماء ان کی فضیلت اور عظمت کے قائل ہیں۔ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں عبداللہ ابن مبارک، وکیع بن الجراح، یزید بن ہارون، محمد بن اسماعیل البخاری اور ابو الحسن دارقطنی وغیرہ سے ان کے بارے میں ایسے الفاظ نقل کیے ہیں جن کو کان سننا نہیں گوارا کرتے۔ لہٰذا میں نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے[3]۔"

بہرحال، اصحاب حدیث کے اس عام سوءِ ظن کا نتیجہ ہے کہ اصحاب صحاحِ ستہ میں سے کسی نے بھی اپنے مجموعوں میں قاضی ابو یوسف سے روایت نہیں کی ہے اور امام احمد بن حنبل نے جنھوں نے سب سے پہلے آپ ہی سے حدیث کا درس لیا تھا، بعد میں آپ سے حدیث کی روایت کرنا چھوڑ دیا تھا۔

لیکن آپ کی اصابتِ رائے، معاملہ فہمی، تدبّر، تفقّہ، قرآن فہمی، علم حدیث، کتاب و سنت کی

---

[1] یاقوت الرومی، معجم الادباء (ارشاد الاریب فی معرفۃ الادیب) المطبعۃ الاحمریہ۔ قاہرہ۔ جلد ۱۳، صفحہ ۱۶۵۔ ۱۶۷ (تذکرہ علی بن حمزۃ الکسائی)

[2] ذہبی بحوالۂ بالا۔ صفحہ ۴۶

[3] وفیات الاعیان۔ جلد ۵۔ صفحہ ۴۳۲

مزاج شناسی، قوتِ حافظہ اور اجتہادی صلاحیت پر آپ کی تصانیف خود گواہ ہیں۔ آئندہ صفحات میں ہم ان ممتاز علماء کی چند آراء بھی نقل کریں گے جنھوں نے آپ کے ایک اعلیٰ درجہ کے حافظ حدیث، فقیہ، مجتہد اور صاحبِ تقویٰ ہونے پر گواہی دی ہے۔ خود کتاب الخراج جس کا ہم آئندہ تعارف کرائیں گے، اور جس کے ترجمہ کا آپ مطالعہ کریں گے، ابو یوسف کی بلند صلاحیتوں کا سب سے بڑا مظہر ہے۔

آپ کا کارنامہ اور مقام

قاضی ابو یوسف کا سب سے بڑا کارنامہ فقہ کی ترتیب و تدوین اور امام ابو حنیفہ کے فقہی اسکول کو تکمیل و استحکام کے درجہ تک پہنچا کر اس کی اشاعت کرنا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کے قاضی القضاۃ کی حیثیت سے دنیا کے سب سے متمدن شہر میں پیش آمدہ مسائل میں شریعت کے مطابق فیصلے کرنے کے جس منصب پر آپ بارہ سال تک فائز رہے، اس نے آپ کے لیے اس بات کے مواقع فراہم کیے کہ انفرادی زندگی کے مسئلوں اور عام معاملات کے علاوہ حکومت کے نظم و نسق اور مالیات عامہ کے پیچیدہ امور و مسائل کا قریب سے مطالعہ کریں، ان میں عملاً حصّہ لیں اور نئے مسائل میں شریعت کا منشا معلوم کرنے کے لیے اجتہاد کریں۔ یہ مقام آپ کے معاصرین میں سے کسی فقیہ کو یہاں تک کہ خود آپ کے استاد امام ابو حنیفہ کو بھی نہیں حاصل تھا۔ اس خصوصی مقام کی بدولت آپ نے اسلامی قانون کے بعض ایسے ابواب پر بھی تفصیلی کام کیا جس پر دوسرے اس طرح کام نہ کر سکے۔ اس کا سب سے بڑا نمونہ خود یہ کتاب — کتاب الخراج — ہے

امام ابو حنیفہ کے بعد امام ابو یوسف حنفی مکتب فقہ کے سب سے بڑے معمار ہیں۔ آپ کے اجتہادات کو حنفی فقہاء کے نزدیک ہمیشہ غیر معمولی وزن حاصل رہا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک فقہ میں آپ کو ان معنی میں اجتہاد مطلق کا درجہ نہیں ملا تھا جن معنی میں یہ درجہ ائمہ اربعہ، بالخصوص ابو حنیفہ کو حاصل تھا۔ اس کی وجہ یہ حقیقت ہے کہ اکثر مسائل میں آپ امام اعظم کے دلائل کو صحیح تسلیم کر کے ان کے اجتہاد کو تسلیم کر لیتے تھے۔ آپ نے خود فرمایا ہے کہ جب کسی مشکل مسئلہ کو آپ کتاب و سنت کی روشنی میں خود نہیں حل کر سکتے تھے تو امام ابو حنیفہ کے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کرتے تھے[4]۔ ایک دوسرے موقع پر آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ جب میری رائے

---

[4] الموفق ابن احمد المکی۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۴۲

ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق ہوتی ہے تو مجھے بڑی تقویت محسوس ہوتی ہے بلکہ جب کسی مسئلہ میں میں ان سے اختلاف کرتا ہوں تو اپنے دل میں بڑا شک اور ضعف محسوس کرتا ہوں[1]۔

لیکن بعض محققین کے نزدیک یہ رائے درست نہیں۔ استاذ ابوزہرہ نے اپنی کتاب 'ابوحنیفہ'[2] میں اس بات کا ذکر کرنے کے بعد کہ ابن عابدین نے ابویوسف، محمد، اور زفر کو مجتہدین کے دوسرے درجہ 'مجتہدین فی المذہب' میں شمار کیا ہے یہ لکھا ہے کہ انہیں اس رائے سے اتفاق نہیں۔ ان کے نزدیک یہ حضرات اپنے فقہی فکر میں پوری طرح آزاد تھے اور کسی لحاظ سے بھی اپنے استاد کے مقلد نہیں تھے۔ اگر وہ ان سے اتفاق کرتے تھے تو یہ اتفاق دلائل کی روشنی میں ہوتا تھا اور انھوں نے بہت سے مسائل میں امام صاحب سے اختلاف بھی کیا ہے۔ ان شاگردوں اور امام اعظم کے اصول استنباط میں بھی بعض اہم فرق پائے جاتے ہیں۔ استاذ ابوزہرہ لکھتے ہیں کہ جس منطق کی رو سے ان ائمہ فقہ کو مجتہدِ مطلق کے درجہ سے نیچے اتارا جاتا ہے۔ وہی منطق امام ابوحنیفہ پر بھی صادق آسکتی ہے۔ کیوں کہ انھوں نے بھی اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان کے ذریعہ ابراہیم نخعی کی فقہ سیکھی تھی اور اکثر ان سے اتفاق کرتے تھے۔ اگر یہ بات امام اعظم کے مجتہد مطلق اور ایک مستقل بالذات فقیہ ہونے میں رکاوٹ نہیں تو امام ابویوسف وغیرہ کے سلسلہ میں بھی اسے اس درجہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔

امام ابویوسف کی ایک اور خصوصیت جو انہیں ابوحنیفہ اور ان کے دوسرے شاگردوں سے ممتاز کرتی ہے یہ ہے کہ وہ حدیث کے حفظ اور محدثین سے ربط کے اعتبار سے ان بزرگوں سے آگے تھے۔ متعدد علماء حدیث نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ "اصحاب رائے میں ابویوسف حدیث کے علم اور اس کے اتباع میں سب سے آگے ہیں۔" اس خصوصیت کا ابویوسف کے فقہی کام پر گہرا اثر پڑا ہے۔ انھوں نے بعض مسائل میں امام ابوحنیفہ کی رائے سے اختلاف کرکے کسی حدیث کے مطابق رائے ظاہر کی ہے، جس کی مثالیں آئندہ آئیں گی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بعض حدیثیں جو ابویوسف کے زمانۂ درس وتصنیف میں مشہور ہوچکی تھیں امام اعظم کے زمانہ میں مشہور نہ ہوئی ہوں اور آپ تک نہ پہنچی ہوں۔ ابویوسف نے حدیث کے بڑھتے ہوئے علم سے فائدہ اٹھا کر

[1] کردری، مناقب جلد ۱۔ صفحہ ۹۹

[2] طبع ثانی ۱۹۵۵ء۔ دارالفکر العربی۔ قاہرہ صفحات ۴۴۰۔۴۴۲

حنفی رایوں کو ان کی روشنی میں پرکھنے، انہیں مزید تقویت بخشنے اور کہیں کہیں ان میں حدیث صحیح کے مطابق ترمیم کرنے کی مفید خدمت انجام دی۔ لیکن اس حقیقت کو اس درجہ مغالطہ کے ساتھ پیش کرنا درست نہیں کہ امام ابویوسف کے اندر امام ابوحنیفہ کے "کسی درجہ مطلق قیاس واستدلال کے خلاف ایک ردِ عمل پیدا ہوگیا تھا[1]۔" اگر ابویوسف نے بعض مسائل میں قیاس سے حدیث کی طرف رجوع کیا تو یہ اپنی اصولوں کے تحت تھا جو احکام شریعت کے استنباط کے سلسلہ میں انھوں نے امام ابوحنیفہ سے سیکھے تھے، نہ کہ ان کے ردِ عمل کے تحت۔

تصانیف

امام ابویوسف کی علمی زندگی کو دیکھتے ہوئے اطمینان کے ساتھ یہ رائے ظاہر کی جاسکتی ہے کہ آپ کی تصانیف بہت زیادہ رہی ہوں گی۔ لیکن اس دور کے دوسرے ائمہ کی تصانیف کی طرح آپ نے اپنی 'فہرست' میں مندرجہ ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے[2]:

کتاب الصلاۃ۔ کتاب الزکوٰۃ۔ کتاب الصیام۔ کتاب الفرائض۔ کتاب البیوع۔ کتاب الحدود۔ کتاب الوکالۃ۔ کتاب الوصایا۔ کتاب الصید والذبائح۔ کتاب الغصب والاستبراء۔ اور امالی جسے بشر بن ولید نے روایت کیا ہے، جو ۳۶ کتابوں پر مشتمل ہے۔ کتاب اختلاف الامصار۔ کتاب الرد علی مالک بن انس۔ رسالۃ فی الخراج الی الرشید۔ کتاب الجوامع جسے یحییٰ بن خالد نے مرتب کیا ہے، جو چالیس کتابوں پر مشتمل ہے اس کتاب میں انھوں نے فقہا کے درمیان اختلاف کا اور ہر مختلف فیہ مسئلہ میں مختار رائے کا ذکر کیا ہے۔

حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں ان سے بیشتر کتابوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ اس نے ایک نئی کتاب 'ادب القاضی' کا ذکر کیا ہے[3]۔ امالی کے بارے میں اس نے لکھا ہے کہ اس کی تین

[1] جوزف شاخت: انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (طبع جدید) مقالہ "ابویوسف" صفحہ ۱۶۴۔۱۶۵، نیز شاخت: اوریجنس آف محمڈن جورس پروڈینس (آکسفورڈ ۱۹۵۰ء) صفحہ ۳۰۱، اور کلیمنٹ ہورٹ: تاریخ ادب عربی (انگریزی) لندن ۱۹۰۳ء۔ صفحہ ۲۳۵

[2] ابن ندیم: الفہرست۔ طبع لیپزگ ۱۸۷۱ء صفحہ ۲۰۳

[3] ملا کاتب چلپی (حاجی خلیفہ): کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون مطبعۃ العالم، ۱۳۱۰ھ، جلد ۱ صفحہ ۴۲

سو سے زائد جلدیں بتائی جاتی ہیں۔[1]

اب امام ابو یوسف کی جو تصانیف موجود ہیں اُن کے نام یہ ہیں:

کتاب الآثار۔ الرد علی سیر الاوزاعی، کتاب اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ اور کتاب الخراج۔

ان میں سے بجز کتاب الخراج کسی اور کتاب کا ذکر مذکورہ بالا فہرستوں میں نہیں ملتا۔ ممکن ہے بعض کتابیں امالی میں شامل ہوں۔

طلحہ بن محمد جعفر کی روایت ہے کہ قاضی صاحب نے اصولِ فقہ پر بھی ایک کتاب مرتب کی تھی اور یہ اس فن میں پہلی کتاب تھی۔[2] لیکن اب اس کا پتہ نہیں اور بعض محققین کے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں ہے۔[3]

جیسا کہ آگے ذکر آئے گا امام صاحب کی طرف 'رحیل' پر بھی ایک کتاب منسوب کی گئی ہے

کتاب الآثار: یہ کتاب امام اعظم ابو حنیفہ کی روایت کی ہوئی احادیث پر مشتمل ہے جسے ابو یوسف کے لڑکے ابو محمد یوسف بن یعقوب (م۔ ۱۹۲ھ) نے اپنے والد سے روایت کیا ہے۔ بعض احادیث خود قاضی ابو یوسف کی روایت کی ہوئی بھی ہیں۔ اس کا دوسرا نام مُسندِ ابی یوسف، اور اُسے مُسندِ ابی حنیفہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں بعض ایسی احادیث بھی ہیں جو حدیث کے کسی اور مجموعہ میں نہیں پائی جاتیں۔ یہ کتاب ۱۳۵۵ھ میں لجنۃ الاحیاء المعارف النعمانیہ، حیدر آباد دکن کے زیر اہتمام چھپی ہے اور بڑی تقطیع کے ۲۴۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب ۳۹ ابواب اور ۱۰۶۷ اقوال پر مشتمل ہے۔ شاخت نے لکھا ہے کہ اس میں ۱۰۰۹ احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۲۷۲ صحابہ کرام سے مروی ہیں۔ ناشر کو اس کا صرف ایک قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ میں مل سکا تھا جس کے بعض اوراق غائب تھے اور بعض جگہ عبارت مٹ گئی تھی۔ چنانچہ آخر کے چند صفحات اور کتاب النکاح، کتاب الایمان کا

---

[1] ایضاً جلد ۱، صفحہ ۱۴۸

[2] ابن خلکان جلد ۵، صفحہ ۴۲۲

[3] جوزف شاخت، مقالہ ابو یوسف، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (طبع جدید، صفحہ ۱۶۵)

[4] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ بحوالۂ بالا۔

کا بیشتر حصہ، کتاب الحدود، اور کتاب الشہادہ غائب ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اجتہادات کن حدیثوں پر مبنی تھے، احادیث سے استناد کے لیے ان کے سامنے کیا شرائط تھے، اور ان کی نظر میں مرسل حدیثوں اور کسی صحابی کے فتویٰ کو کیا وزن حاصل تھا۔

الرد علی سیر الاوزاعی: یہ کتاب قوانینِ جنگ اور ان سے متعلق امور مثلاً امان و صلح، سلب و غنیمت اور اہلِ حرب، مرتدین، باغیوں اور ذمی افراد وغیرہ کے احکام پر مشتمل ہے۔ امام اوزاعی نے اس موضوع پر امام ابو حنیفہ کی کتاب "السیر" کا رد لکھا تھا جس کے جواب میں ابو یوسف نے یہ کتاب مرتب کی۔ وہ عنوان کے تحت پہلے امام ابو حنیفہ کا قول نقل کرتے ہیں، پھر امام اوزاعی کا اعتراض اور ان کا قول، اس کے بعد دلائل کے ساتھ ان کی تردید کرتے ہوئے امام اعظم کے مسلک کو صحیح ثابت کرتے ہیں۔ کہیں وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ اوزاعی نے جو حدیث نقل کی ہے اُسے وہ ٹھیک طور پر نہیں سمجھ سکے ہیں اور اس سے غلط استدلال کر بیٹھے ہیں۔[1] کہیں آیت قرآنی سے استدلال میں ان کی غلطی کی نشان دہی کرتے ہیں۔[2] اور کہیں یہ ثابت کرتے ہیں کہ اوزاعی کے دو مختلف اقوال کے درمیان تناقض پایا جاتا ہے۔[3]

اس کتاب کی نوعیت مناظرانہ ہے اور کہیں کہیں لہجہ بہت سخت ہو گیا ہے۔[4]

اس کتاب کے مطالعہ سے امام ابو حنیفہ کا طرزِ استدلال و استنباط، ان کے قانونی ذہن کی وسعت اور نصوصِ کتاب و سنت سے استدلال میں ان کی باریک بینی اور رسائیِ فہم کے نمونے سامنے آتے ہیں۔

یہ نادر کتاب جس کا ہندوستان میں صرف ایک قلمی نسخہ دستیاب ہو سکا تھا، لجنۃ الاحیاء المعارف النعمانیہ کے زیر اہتمام ۱۳۵۷ھ میں چھپی ہے اور ۱۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے کچھ حصے امام شافعی

---

[1] الرد علی سیر الاوزاعی، قاہرہ، ۱۳۵۷ھ صفحہ ۱۴، اور صفحہ ۱۵

[2] ایضاً: صفحہ ۶۶

[3] ایضاً صفحہ ۷۷، اور صفحہ ۱۲۴

[4] ایضاً صفحات ۳۶، ۳۸، ۳۹، ۴۱ وغیرہ

کی کتاب الام میں بھی موجود ہیں۔ (جلد ۷، صفحات ۳۰۳ تا ۳۳۶)

کتاب اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ: یہ کتاب بھی لجنۃ احیاء المعارف النعمانیہ کے زیر اہتمام ۱۳۵۷ھ میں چھپی ہے اور ۲۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے کچھ حصے امام شافعی کی کتاب الام (جلد ۷، صفحات ۸۷ تا ۱۵۰) میں بھی ہیں اور بعض حصے سرخسی نے المبسوط میں بھی نقل کیے ہیں۔ (جلد ۳۰، صفحہ ۱۲۸ – ۱۶۷)

قاضی صاحب نے اس کتاب میں اپنے دونوں اساتذہ کے فقہی اختلافات کو نقل کر دیا ہے اور ہر مسئلہ پر بحث کر کے اپنی رائے بھی ظاہر کی ہے۔ اکثر مسائل میں وہ امام اعظم کی رائے کی تائید کرتے ہیں اور کہیں کہیں قاضی ابی لیلیٰ کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں[1]۔ ہر رائے کے دلائل پوری طرح واضح کر دیے گئے ہیں۔ خواہ وہ رائے ابوحنیفہ کی ہو یا ابن ابی لیلیٰ کی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ہمیں ان بزرگوں کے تفقہ اور قیاس و استنباط میں ان کے مخصوص طریقوں کا علم ہوتا ہے۔

اس کتاب کو امام محمدؒ نے روایت کیا ہے اور کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اس میں بعض اضافے بھی کیے ہیں[2]۔ لیکن یہ رائے صحیح نہیں معلوم ہوتی۔[3]

کتاب الخراج کا تعارف ہم آئندہ صفحات میں قدرے تفصیل کے ساتھ کرائیں گے

کتاب الحیل: ابویوسف کی طرف حیل کے موضوع پر بھی ایک کتاب منسوب کی جاتی ہے جس کے قلمی نسخے مصر کے کتب خانوں میں موجود ہیں[4]۔ یہی کتاب المخارج فی الحیل کے نام سے جوزف شاخت نے ایڈٹ کر کے ۱۹۳۰ء میں لیپزگ سے شائع کی ہے۔ شاخت نے اسے امام محمدؒ کی تصنیف بتایا ہے اور یہ لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے اس میں ابویوسف کی کتاب الحیل کے بعض حصے شامل کر دیے ہیں[5]۔ سرخسی نے بھی امام محمدؒ کی کتاب الحیل کی نسبت درست تسلیم کی

---

[1] مثلاً صفحہ ۱۴۸

[2] سرخسی: المبسوط، جلد ۳۰، صفحہ ۱۲۹

[3] ابوزہرہ: ابوحنیفہ، صفحات ۲۰۰ تا ۲۰۲

[4] حسن التقاضی، بحوالہ تبع تابعین، صفحہ ۹۷، ۹۸

[5] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (طبع جدید) صفحہ ۱۶۵

ہے[1]۔ اسی موضوع پر ایک کتاب خود امام ابوحنیفہ کی طرف بھی منسوب کی گئی ہے۔ لیکن امام محمد سے یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ اس کتاب کا شمار ہماری کتابوں میں نہیں ہے اور اس کو کسی نے گھڑ لیا ہے[2]۔ صحیح صورت حال یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ ان بزرگوں سے بعض حیلے منقول ہیں لیکن ان میں سے کسی کی طرف بھی کتاب الحیل کی نسبت صحیح نہیں ہے[3]۔ تاریخ کی کتابوں میں امام ابویوسف کی طرف بعض ایسے حیلے منسوب کیے گئے ہیں جن کی ان کی طرف نسبت صحیح نہیں معلوم ہوتی ہے[4]۔

ہمارے خیال میں شرعی حیلوں کے بارے میں ابویوسف کے مسلک پر مندرجہ ذیل روایت سے کافی روشنی پڑتی ہے:

"عمرو بن عاصم نے ہمیں خبر دی ہے کہ میں نے علی بن خشرم کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں ابویوسف کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جس نے یہ کہا ہو کہ اگر میں فلاں اور فلاں کام کروں تو میرا سارا مال مساکین پر صدقہ ہو جائے گا۔ ابویوسف نے کہا کہ وہ شخص اپنا مال کسی ایسے فرد کو دے دے جس پر اسے اعتماد ہو، پھر وہ کام کرے جس کے سلسلہ میں یہ قسم کھائی ہے، اور اس کے بعد اپنا مال واپس لے لے۔ اس پر ابوالیقظان نے آپ سے کہا کہ ابویوسف! اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔ ابویوسف نے دریافت کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے؟ ابوالیقظان نے، جو آپ کا املا لکھا کرتے تھے، کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ "یہود پر لعنت ہو" ان پر چربی حرام کی گئی تو انھوں نے اُسے فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی۔ ابویوسف نے کہا: اے احمق! اُس بات کو اِس سے کیا تعلق؟

---

[1] المبسوط، جلد ۳۰، صفحہ ۲۰۹

[2] مولانا مجیب اللہ ندوی: تبع تابعین، صفحہ ۱۷۳

[3] ملاحظہ ہو ابوزہرہ: صفحہ ۴۱۷ – ۴۱۹
حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" میں خصاف (م ۲۶۱ھ) کی کتاب الحیل کا ذکر کیا ہے لیکن امام ابویوسف کی طرف اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں منسوب کی ہے۔

[4] خطیب اور ابن کثیر کے محولہ بالا صفحات ملاحظہ ہوں۔

ہو نے چاہا تھا کہ حیلہ کر کے اس چیز کو اپنے لیے حلال کر لیں جو اللہ نے ان پر حرام کر دی تھی اور یہ اس شخص کا اپنا مال ہے جو اس کے لیے حلال ہے اور وہ اس غرض سے حیلہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ مال اس پر حرام نہ ہو جائے۔

راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر ابوالیقظان کو غصہ آگیا اور وہ (ابویوسف کی مجلس ترک کر کے) محمد بن حسن کے یہاں چلے گئے۔[۱]

بہر دانہ طریقہ سے غور کیا جائے تو ابوالیقظان کا غصہ سراسر بے جا نہیں نظر آتا بلکہ اپنے لیے ایک معقول بنیاد رکھتا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ اس نے جو مثال دی وہ مناسب حال تھی کہ نہیں، اس کا یہ احساس بالکل درست تھا کہ شریعت کے ایک صریح حکم کے اثر سے بچنے کے لیے کسی فرد کو ایک ذہنی کارروائی کرنے کا مشورہ دینا کسی فقیہ کے شایان شان نہیں۔

لیکن اب آپ ابویوسف کے اس جواب پر غور کریں جو انھوں نے ابوالیقظان کو دیا۔ ایک شخص نے اپنے ایک عاجلانہ اقدام سے اپنے کو ایک خطرہ میں مبتلا کر لیا ہے۔ فقیہ ایک ایسی شکل تجویز کرتا ہے جس سے شریعت کی علانیہ اور غیر مشتبہ خلاف ورزی کیے بغیر وہ اس خطرہ سے نکل سکتا ہے۔ اس طریقہ سے نہ تو کسی فرد کی حق تلفی ہوتی ہے نہ کسی حرام کا ارتکاب۔ ظاہراً طور پر قسم کا احترام بھی باقی رہتا ہے اور قسم توڑنے سے جو نقصان واقع ہو سکتا ہے اس سے بچنا بھی ممکن ہو جاتا ہے۔ یہ ایک شخص کی اپنی پیدا کی ہوئی قانونی پیچیدگی کے حل کا ایک رسمی طریقہ تھا جس کا مقصود قانون کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اس فرد کی انفرادی مصلحت کا تحفظ تھا۔

ائمہ احناف کا حیلوں کے بارے میں جو مسلک کیا تھا اس پر استاذ ابوزہرہ نے تفصیلی بحث کی ہے۔[۲] ان کی تحقیق یہ ہے کہ متقدمین احناف کی طرف جن حیلوں کی نسبت صحیح ہو سکتی ہے وہ ایسے حیلے نہیں جن سے کسی ایسی چیز کا جائز کرنا مقصود ہو جو فی نفسہ حرام ہے۔ ان حیلوں کے ذریعہ مباح طریقہ سے دفع ظلم، یا حصولِ حق چاہا گیا ہے، اگرچہ یہ طریقے شرع میں ان مقاصد کے لیے نہیں وضع کیے گئے تھے۔

---

[۱] الموفق احمد المکی: جلد ۲ - صفحہ ۲۲۱

[۲] ابوحنیفہ: صفحہ ۴۱۲ - ۴۳۴

ممکن ہے کہ بعض فقہاء نے اس سلسلہ میں مزید توسع سے کام لیا ہو۔ ہمیں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اس دور میں اسلامی معاشرہ مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگوں پر مشتمل تھا اور ان میں ایک کثیر تعداد ایسے افراد کی تھی جو احکامِ شریعت کی زیادہ سے زیادہ پابندی کا رجحان رکھنے کی بجائے زیادہ سے زیادہ رخصتوں کے متلاشی تھے۔ شرعی حیلوں کی ایک قسم انہی رخصت پسندوں کی پیداوار ہے۔ یہ وہ قسم ہے جو اکثر احکامِ شریعت کے منشا سے گریز کے تحت آجاتی ہے۔

حِیَل شرعی پر فقہاء کی تصنیف کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ قاضیوں اور مفتیوں کو اس بات سے باخبر کیا جائے کہ عوام کا ایک طبقہ احکامِ شریعت سے گریز یا ان کی اپنے مفاد کے مطابق تعبیر کرنے کے کیا طریقے اختیار کرتا ہے۔ ان کا مقصد ان قاضیوں اور مفتیوں کی تعلیم و تربیت تھا جو قانون کی باریکیوں اور قانون کے الفاظ کے ساتھ کھیلنے والوں کی چالاکیوں سے پوری طرح واقف نہ ہونے کی وجہ سے مسئلہ کی ان گہرائیوں میں اترے بغیر محض فریقین کے بیانات اور سطحی حالات کی بنیاد پر فیصلہ کر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حِیَل کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں اس بات کی نشان دہی کی گئی ہے کہ کون سے حیلے حرام ہیں اور کون سے حیلے مباح ہیں۔ حِیَل کی بحث کے یہی پہلو ہیں جن کے پیشِ نظر اس مبحث کو "فقہ کے ابواب میں سے ایک باب بلکہ اس کے فنون میں سے ایک فن" قرار دیا گیا ہے۔[۱]

بعض رایوں سے رجوع

امام ابویوسف نے اپنے بعض اجتہادات سے بعد میں رجوع کر لیا تھا اور بعض میں کچھ ترمیم کر لی تھی۔ اس طرح کے رجوع کی مثالیں ائمہ مجتہدین میں سے ہر ایک کے یہاں ملتی ہیں۔ ایسا کبھی کسی صحیح حدیث کا علم حاصل ہو جانے کے نتیجہ میں، اور کبھی مزید غور و فکر اور تجربہ کے نتیجہ میں ہوتا ہے۔ بعض محققین کے نزدیک قاضی ابویوسف کے یہاں رجوع کی کثرت میں ان کے عدالتی تجربات کو بڑا دخل تھا۔[۲] قاضی صاحب کے مرجوع مسائل کو مفتی مہدی حسن صاحب (دیوبند) نے امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے مرجوع مسائل کے ساتھ ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔

---

[۱] حاجی خلیفہ: کشف الظنون - جلد ۱ - صفحہ ۴۵۶

[۲] شاخت: انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (طبع جدید) - صفحہ ۱۶۵

وفات

دین و دنیا دونوں کی نعمتوں سے مالا مال ۶۹ سال کی زندگی کے بعد ۵ ربیع الاول ۱۸۲ھ (۲۱ اپریل ۷۹۸ء) کو جمعرات کے دن ظہر کے وقت قاضی القضاۃ امام ابو یوسف نے بغداد میں وفات پائی[1]۔ خلق خدا پر بڑا اثر تھا۔ خود خلیفہ ہارون الرشید بہت غمگین تھا۔ اس غم میں عوام، علما، اور معروف کرخی (م ۲۰۰ھ) جیسے بلند پایہ صوفیا سب شریک تھے۔ ہارون الرشید جنازہ کے ساتھ گیا، خود جنازہ کی نماز پڑھائی اور اپنے خاندان کے قبرستان میں دفن کرایا۔ اس سے فارغ ہوا تو عوام سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمام اہلِ اسلام کو چاہئے کہ ان کی وفات پر ایک دوسرے سے تعزیت کریں[2]۔

موت سے کچھ پہلے وصیت کی تھی کہ میرے مال میں سے ایک لاکھ درہم اہلِ مکہ، اہلِ مدینہ، اہلِ بغداد اور اہلِ کوفہ کے درمیان تقسیم کر دیا جائے[3]۔

آپ دبلے پتلے اور پستہ قد تھے[4]۔ شادی عنفوان شباب ہی میں ہو گئی تھی۔ اولاد کی صحیح تعداد نہیں معلوم۔ ایک بچہ صغر سنی میں وفات پا گیا تھا جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ایک دوسرے صاحبزادے ابو محمد یوسف بن یعقوب ایک بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ باپ سے تعلیم علم کے بعد ان کی زندگی ہی میں بغداد کے مشرقی حصہ کے قاضی مقرر کر دیے گئے تھے اور ۱۹۲ھ میں اپنی وفات تک اسی عہدہ پر فائز رہے۔ کتاب الآثار کے راوی بھی یہی ہیں۔

مناقب و محاسن

تقویٰ اور خوفِ آخرت کے آثار آپ کی پوری زندگی میں پائے جاتے تھے۔ احمد بن عطیہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن سماعہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ ابو یوسف قاضی ہونے کے بعد بھی روزانہ سو رکعت نماز ادا کرتے تھے[5]۔ حکومت کی طرف سے آپ کو کچھ زمینیں دی گئی تھیں جن کا خراج معاف تھا مگر آپ

---

[1] ابن خلکان: جلد ۵ صفحہ ۴۲۵۔ بعض روایات میں وفات کی تاریخ آخر ربیع الثانی ۱۸۲ھ بتائی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو الانتقاء لابن عبد البر صفحہ ۱۷۳، ذہبی، مناقب صفحہ ۴۷، محمد بن سعد: جلد ۶ صفحہ ۳۳۰

[2] تبع تابعین۔ صفحہ ۴۶-۴۷

[3] ایضاً صفحہ ۴۶-۴۷

[4] کردری: مناقب۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۲۶

[5] ذہبی: مناقب۔ صفحہ ۴۰

ہر سال ایک رقم بقدر محصول صدقہ کر دیتے تھے[1]۔ ذہبی نے روایت کی ہے کہ وفات کے قبل ابو یوسف فرمایا کرتے تھے کہ "کاش میں اسی فقر کی حالت میں مر گیا ہوتا جس میں پہلے تھا۔ خدا کی قسم میں نے عہدۂ قضا قبول کیا مگر کبھی دانستہ ظلم نہیں کیا، نہ کسی فریق کو دوسرے پر ترجیح دی، خواہ وہ صاحبِ اقتدار ہو یا عامی[2]۔"

آپ میں وہ جرأت و بے باکی بھی موجود تھی جو ہمیشہ علماءِ حق کا شعار رہی ہے۔ "ایک بار ہارون خطبہ دے رہا تھا۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس کو مخاطب ہو کر کہا کہ خدا کی قسم تم نے تو مال کی تقسیم برابر کی اور نہ عدل و انصاف سے کام لیا بلکہ اس کے بجائے فلاں فلاں برائیاں کیں۔ ہارون نے حکم دیا کہ اس کو گرفتار کر لیا جائے۔ نماز کے بعد وہ پیش کیا گیا۔ ہارون نے ایک آدمی ابو یوسف کو بلانے کے لیے بھیجا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ میں آیا تو وہ آدمی دو عقابوں کے بیچ میں کھڑا تھا اور اس کے پیچھے دو جلاد کوڑے لیے کھڑے تھے۔ ہارون نے کہا کہ اس شخص نے مجھ سے آج ایسی گفتگو کی ہے کہ اس سے پہلے کسی نے نہیں کی۔ یہ موقع بڑا نازک تھا، لیکن امام ابو یوسف نے نہایت جرأت کے ساتھ ہارون کو اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ کیا۔ کہا کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت تقسیم کی تو آپ سے بھی اسی طرح کی بات چیت کی گئی تھی۔

ما اُرید بہا وجہ اللہ — غنیمت مرضی الٰہی کے خلاف ہوئی ہے۔

یہ کتنی سخت بات تھی مگر آپؐ نے معاف کر دیا۔ کسی نے کہا: آپؐ نے عدل سے کام نہیں لیا۔ فرمایا: اگر میں عدل نہ کروں گا تو اور کون کرے گا، پھر کہنے والے سے کوئی باز پرس نہ کی۔ حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری نے آپؐ کے سامنے کوئی معاملہ پیش کیا، آپؐ نے حضرت زبیرؓ کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ انصاری نے غصہ میں کہا کہ اپنے پھوپھی زاد بھائی کے حق میں فیصلہ کر دیا، لیکن آپؐ نے اس گستاخی سے درگذر کیا اور کچھ نہ فرمایا۔

ہارون کے سامنے جب یہ اسوۂ نبوی آیا تو اس کا غصہ بالکل سرد ہو گیا اور اس شخص کو چھوڑ دینے کا حکم دے دیا[3]۔

---

[1] الموفق بن احمد المکی۔ مناقب، جلد ۲۔ صفحہ ۲۳۶

[2] ذہبی۔ صفحہ ۴۵

[3] تبع تابعین صفحہ ۴۹۔ بحوالہ محمد زاہد الکوثری: حسن التقاضی۔ صفحہ ۶۴

ابتدائی زندگی عسرت و تنگ دستی میں گذری پھر عہدۂ قضا کے زمانہ میں دنیا کی ہر نعمت اور وافر دولت میسر رہی مگر اتراہٹ اور غرور سے ہمیشہ پاک رہے۔ اپنے دروازہ پر کبھی دربان نہیں بٹھایا اور آخر عمر تک طالب علمانہ زندگی بسر کی۔ طبیعت میں سخاوت بھی تھی اور مختلف مواقع پر دوستوں اور اہلِ حاجت کی مدد کرتے رہتے تھے[1]۔

آپ کے علم و فضل کے معترف خود امام ابوحنیفہ بھی تھے۔ ادھر امام صاحب کی یہ رائے نقل کی جا چکی ہے کہ ابویوسف قاضیوں اور مفتیوں کی تعلیم و تربیت کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ابن کثیر راوی ہیں کہ امام ابوحنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ ان کے رفقاء میں ابویوسف سب سے زیادہ صاحبِ علم ہیں[2]۔ امام محمد روایت کرتے ہیں کہ ایک بار امام اعظم ابویوسف کی عیادت کو گئے۔ باہر نکل کر فرمانے لگے کہ آج زمین پر سب سے زیادہ صاحبِ علم یہ جوان ہے[3]۔ ہلال بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ابویوسف کو تفسیر، مغازی، ایام العرب، سب علوم پر پوری قدرت حاصل تھی۔ ان کے علم فقہ کا درجہ سب سے آخر میں آتا ہے[4]۔

آپ کے تفقہ کا آپ کے بڑے بڑے معاصرین نے اعتراف کیا ہے۔ طلحہ بن محمد بن جعفر کہتے ہیں کہ امام ابویوسف اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ تھے اور علم، قوت فیصلہ اور ریاست و قدرت میں منتہائے کمال کو پہنچے ہوئے تھے[5]۔ حسین بن ولید کہتے ہیں کہ جب ابویوسف گفتگو کرتے تو سننے والا مرعوب ہو جاتا اور ان کی باتوں کی باریکی سے حیران رہ جاتا۔ ایک دن میں نے انھیں ایک مشکل مسئلہ پر اظہارِ خیال کرتے دیکھا۔ وہ تیر کی سی تیزی سے اس مسئلہ کی گہرائی تک پہنچ گئے اور جو لوگ اس مجلس میں موجود تھے وہ ان کی بات کو ذرا بھی نہ سمجھ سکے۔ کیونکہ وہ مشکل اور باریک تھی۔ ہم ان (کی فہم رسا) پر حیران رہ گئے کہ اللہ نے انھیں کیسی صلاحیت اور کتنی قدرت

---

[1] تبع تابعین۔ صفحہ ۵۰۔ ۵۱

[2] البدایہ والنہایہ۔ جلد ۱۰۔ صفحہ ۱۸۰

[3] ابن خلکان۔ جلد ۵۔ صفحہ ۴۲۵

[4] ابن خلکان، جلد ۵ صفحہ ۴۲۵

[5] ابن خلکان: جلد ۵۔ صفحہ ۴۲۵

عطا فرمائی ہے[1]۔

خود آپ کا بیان ہے کہ "مجھ سے اعمش نے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ میں نے انھیں اس کا جواب دے دیا۔ انھوں نے پوچھا کہ تم نے یہ مسئلہ کہاں سے مستنبط کیا؟ تو میں نے جواب دیا کہ آپ کی اس حدیث سے جو آپ نے ہمیں سنائی تھی۔ پھر میں نے ان کو وہ حدیث سنا دی، تو انھوں نے مجھ سے کہا: 'یعقوب! مجھے یہ حدیث اس زمانہ سے یاد ہے جب تمھارے والدین جمع بھی نہیں ہوئے تھے، مگر اس کا صحیح منشا میں آج تک نہیں سمجھ سکا تھا'[2]۔

حدیث کے علم میں آپ اپنے رفقاء کے درمیان ممتاز تھے۔ ابراہیم بن ابی داؤد برلسی کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں نے اصحاب رائے میں ابویوسف کے مقابلہ میں حدیث کا حافظ، صحیح روایت کرنے والا، اور علم حدیث میں پختہ اور ثقہ کسی اور کو نہیں پایا[3]۔ مزنی کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ کے رفقاء میں ابویوسف حدیث کے اتباع میں سب سے آگے تھے[4]۔ امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جب حدیثیں لکھنا شروع کیا تو سب سے پہلے قاضی ابویوسف کے یہاں جانا شروع کیا۔ ان کے بعد دوسرے اساتذہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ابوحنیفہ اور محمد کی بہ نسبت ابویوسف ہم (اصحاب حدیث) سے زیادہ قریب ہیں[5]۔

آپ نے غیر معمولی قوت حافظہ پائی تھی۔ جس کے سبب آپ کو ایک ہی مجلس میں ایک بار سن کر بہت سی حدیثیں یاد ہو جاتی تھیں۔ علامہ ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) لکھتے ہیں کہ ابویوسف فقیہ، عالم اور حافظ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ حفظ حدیث کے باب میں مشہور تھے اور محدث کے پاس جاتے تو سن کر پچاس ساٹھ حدیثیں املا کرا دیتے[6]۔ علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ) نے بھی انھیں حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے۔ نیز دوسرے ائمہ فقہ و حدیث کی طرح امام ابویوسف بھی حافظ قرآن تھے۔

---

[1] الموفق ابن احمد المکی۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۲۰۔ ۲۲۱

[2] ابن خلکان: جلد ۵۔ صفحہ ۴۲۵

[3] ذہبی۔ صفحہ ۴۲۵

[4] ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ جلد ۱۰۔ صفحہ ۱۸۰

[5] ذہبی۔ صفحہ ۴۰

[6] محمد ابن سعد: الطبقات الکبریٰ۔ جلد ۶۔ صفحہ ۲۳۰

وکیع (ابن جراح) کہتے ہیں کہ میں ابن ابی زائدہ اور سفیان ابن عیینہ کوفہ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مسجد کے ایک گوشہ میں ابوحنیفہ بھی موجود تھے۔ ان (کی مجلس میں) لوگوں کی آوازیں بہت بلند ہو گئی تھیں۔ اتنے میں ابویوسف وہاں سے اُٹھ کر آئے اور ہمارے پاس بیٹھ گئے۔ ابن عیینہ نے ان سے کہا: کیا ابوحنیفہ مسجد کا کوئی لحاظ نہیں کرتے! مسجد میں یہ شور و شغب کیسا؟ وکیع کہتے ہیں کہ ابویوسف تو خاموش رہ گئے۔ پھر انھوں نے ایک علمی مسئلہ چھیڑ دیا جس میں ہمارے درمیان اختلاف تھا۔ ابن عیینہ نے اپنی رائے ظاہر کی، پھر میں بولا اور میں نے ان کی مخالفت کی۔ اس کے بعد ابن ابی زائدہ نے اپنی رائے پیش کی جو ہم دونوں کے خلاف تھی۔ ہم سب (دور زور سے) بولنے لگے۔ پھر ابویوسف نے کہا سبحان اللہ! آپ تین افراد ہیں اور آپ کی آوازیں اتنی بلند ہو گئیں۔ اس کے باوجود آپ تیس سے زیادہ افراد کو (ان کی آوازیں بلند ہو جانے کی وجہ سے) ملامت کرتے ہیں۔ پھر وہ اُٹھ کر چلے گئے۔[1]

آپ کی ذہانت اور حاضر جوابی کے اور بھی لطیفے مشہور ہیں۔ ایک واقعہ آپ نے خود بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "ایک دن میں رشید کے پاس گیا۔ اس کے ہاتھ میں دو موتی تھے جن کو وہ اُلٹ پلٹ رہا تھا۔ اس نے دریافت کیا: یعقوب! کیا تم نے ان سے اچھے بھی دیکھے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: وہ کیا چیز ہے؟ میں نے کہا وہ چیز جس میں وہ (موتی) اس وقت رکھے ہوئے ہیں۔

ابویوسف کہتے ہیں کہ یہ سن کر رشید نے دونوں موتی میری طرف پھینک دیے اور کہا کہ لے جاؤ۔ میں نے دونوں موتی اٹھا لیے اور چلا آیا۔"[2]

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایک دین دار اور صاحب تقویٰ عالم کے لیے اتنی طویل مدت تک ہارون الرشید جیسے عظیم حکمراں کے ساتھ خوش اسلوبی کے ساتھ نباہ کر لینا کسی غیر معمولی ذہین اور صاحب فراست آدمی ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

---

[1] المناقب احمد بن المکی۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۲۰

[2] ذہبی: صفحہ ۴۵

(۳)

کتاب الخراج

خراج کے موضوع پر تصانیف

کتاب الخراج قاضی القضاۃ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم ترین تصنیف اور اپنے موضوع پر فقہ اسلامی کی بہت اونچی کتاب ہے۔ خراج کے موضوع پر تاریخ میں متعدد کتابوں کا ذکر ملتا ہے حاجی خلیفہ نے صرف پانچ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔[1] لیکن ابن ندیم کی فہرست میں پندرہ کتابوں کا نام ملتا ہے۔[2] بعض اور نام دوسرے مآخذ میں ملتے ہیں۔ خراج پر ان مختلف تصانیف کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔ معاویہ بن عبید اللہ بن یسار الاشعری (م ۱۷۰ھ/۷۸۶ء) کی کتاب الخراج اس موضوع پر سب سے پہلی تصنیف ہے۔ یہ تیسرے عباسی خلیفہ المہدی کا وزیر تھا۔ اس کتاب کا ذکر الفہرست میں نہیں ملتا۔ لیکن معجم الادبا، (جلد ۶۔ صفحہ ۱۱) اور طبری میں ملتا ہے۔

۲۔ قاضی ابویوسف یعقوب ابن ابراہیم کی کتاب الخراج زمانی ترتیب کے لحاظ سے اس کے بعد آتی ہے۔

۳۔ الفہرست میں ایک اور عالم حفصویہ کا بھی ذکر ہے، جس نے خراج کے موضوع پر سب

---

[1] کشف الظنون۔ مطبعۃ العالم۔ ۱۳۱۰ھ۔ جلد ۲۔ صفحہ ۷۵

[2] ان ناموں کو جو "الفہرست" کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں ڈاکٹر اے بن شمس نے یحییٰ ابن آدم القرشی کی کتاب الخراج کے انگریزی ترجمہ کے مقدمہ میں یکجا کر دیا ہے۔ انہوں نے معجم الادبا، (یاقوت رومی)، المقریزی اور طبری وغیرہ مآخذ سے مزید ناموں کا اضافہ بھی کیا ہے۔ ہم نے کئی کتابوں کی یہ فہرست اسی مقدمہ سے نقل کی ہے۔ حوالوں کے لیے ملاحظہ ہو۔ اے ابن شمس۔ اسلامک ٹیکسیشن۔ لیڈن ۱۹۵۸ء۔ صفحہ ۳ تا ۶ کے ذیلی نوٹ۔

پہلے تالیف کی ہے۔[1] ڈاکٹر اے بن شمش کی رائے ہے کہ مصنف کا نام غلط درج ہو گیا ہے اور یہ دراصل معاویہ بن عبیداللہ کی کتاب کا ذکر ہے۔

۴۔ یحییٰ ابن آدم القرشی (م ۲۰۳ھ / ۸۱۸ء) کی کتاب الخراج جو مامون الرشید کے زمانہ (۱۹۸ھ — ۲۱۸ھ / ۸۱۳ء — ۸۳۳ء) میں مرتب کی گئی تھی۔

۵۔ ابو علی حسن بن زیاد اللؤلؤی (م ۲۰۴ھ / ۸۱۹ء) امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد کی طرف بھی ایک کتاب الخراج منسوب کی جاتی ہے۔

۶۔ مشہور عالم اور ادیب 'ابو عثمان عمرو بن بحر بن محبوب الجاحظ (م ۲۵۵ھ / ۸۶۹ء) کی طرف بھی ایک کتاب رسالۃ ابی النجم بالخراج' منسوب کی جاتی ہے۔

۷۔ عباسی خلیفہ المہتدی (۲۵۷ھ — ۲۵۸ھ / ۸۷۰ء — ۸۷۱ء) نے مشہور فقیہ قاضی احمد بن عمر الشیبانی الخصاف (م ۲۶۱ھ / ۸۷۵ء) کو ایک کتاب 'الخراج للمہتدی' مرتب کرنے کا حکم دیا تھا۔

۸۔ ابو عباس احمد بن محمد بن سلیمان بن بشر الکاتب (م ۲۷۰ھ / ۸۸۴ء) کو ایک کتاب 'الخراج الکبیر' کا مصنف بتایا گیا ہے جو ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

۹۔ الفہرست میں ایک دوسری 'الخراج' کا مصنف ابو عباس احمد بن محمد بن عبدالکریم (م ۲۷۰ھ / ۸۸۴ء) کو بتایا گیا ہے۔ ڈاکٹر اے بن شمش کا خیال ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا ذکر ۸ میں کیا گیا ہے۔

۱۰۔ ظاہری مکتب فقہ کے امام، ابو سلیمان داؤد بن علی بن داؤد بن خلف الاصبہانی (م ۲۷۰ھ / ۸۸۴ء) کو بھی ایک کتاب الخراج کا مصنف بتایا گیا ہے۔

۱۱۔ قدامہ بن جعفر بن قدامہ بن زید (م ۳۳۷ھ / ۹۴۸ء) کی کتاب الخراج وصنعۃ الکتابۃ جس کا ذکر آئندہ بھی آئے گا۔

۱۲۔ ابو القاسم عبیداللہ بن احمد بن محمد الکلدانی نے، جو عباسی خلیفہ المقتدر (۲۹۲ھ — ۳۲۰ھ / ۹۰۴ء — ۹۳۲ء) کا وزیر، اور دیوان سواد کا مہتمم تھا، اپنی کتاب الخراج کے دو نسخے ۳۲۶ھ

[1] ابن ندیم، الفہرست طبع لیپزگ، صفحہ ۱۳۵، طبع قاہرہ، صفحہ ۱۹۴

اور ۳۲۶ھ میں شائع کیے تھے۔

۱۳۔ المقتدر کے زمانہ میں ابو الحسن علی بن حسن المعروف بابن المشیطہ نے بھی کتاب الخراج لطیف مرتب کی تھی۔

۱۴۔ ابن ندیم نے اپنے ایک معاصر ابو الحسن علی بن واصف الکاتب کی کتاب 'الافصاح والتشقیف فی الخراج ورسومہ' کا ذکر کیا ہے۔

۱۵۔ خلیفہ المتقی (۳۳۰ھ — ۳۳۳ھ / ۹۴۱ء — ۹۴۴ء) کے وزیر عبدالرحمٰن بن عیسیٰ نے 'تاریخ اہل الخراج' پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس نے ایک مفصل 'کتاب الخراج' بھی لکھنی شروع کی تھی لیکن اسے مکمل نہ کر سکا۔

۱۶۔ اسحٰق بن یحییٰ بن سرزبک(?) النصرانی الکاتب کی طرف 'جو ابن ندیم (م ۳۸۵ھ) کا معاصر تھا، خراج پر دو کتابیں موسوم ہیں۔ ایک دو جلدوں اور ہزار صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب اور دوسری مختصر جو سو صفحات پر مشتمل ہے۔

۱۷۔ حاجی خلیفہ نے ایک کتاب الخراج کو نصر بن موسیٰ الرازی الحنفی کی تصنیف بتایا ہے۔

۱۸۔ الفہرست میں عبداللہ بن ارمارم(?) ابو القاسم کی کتاب الخراج کا بھی ذکر ہے۔

۱۹۔ محمد بن احمد بن علی بن خیار(?) الکاتب کی طرف بھی ایک 'کتاب الخراج' منسوب کی گئی ہے۔

۲۰۔ یاقوت الرومی نے علی بن احمد بن بسطام نامی عالم کو بھی صاحب الخراج لکھا ہے۔[1]

۲۱۔ الفہرست میں ایک شیعہ عالم ابو النضر محمد بن مسعود العیاشی کو "کتاب الجزیہ والخراج" کا مصنف بتایا گیا ہے۔

لیکن اب ان کتابوں میں سے صرف ابو یوسف، یحییٰ ابن آدم اور قدامہ بن جعفر کی کتابیں باقی رہ گئی ہیں۔

موضوع کے لحاظ سے ابو عبید القاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ / ۸۳۹ء) کی 'کتاب الاموال' کا شمار بھی اسی فہرست میں ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ امام شافعی نے کتاب الاُم میں بھی خراج کے موضوع پر علیحدہ سے گفتگو کی ہے۔ قدامہ بن جعفر کے معاصر ابن خرداذبہ نامی عالم جغرافیہ نے اپنی کتاب

[1] ارشاد الاریب فی معرفۃ الادیب (معجم الادباء) جلد ۵۔ صفحہ ۲۲۵

"المسالک والممالک" میں بھی اس موضوع پر لکھا ہے۔ ابن مقفع نے خلیفہ منصور کے نام اپنے خط رسالۃ الصحابہ میں بھی خراج اور امورِ خراج کی تنظیم پر گفتگو کی ہے۔ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی (م ۴۵۰ھ/ ۱۰۵۸ء) نے اپنی مشہور کتاب الاحکام السلطانیہ میں خراج اور متعلقہ موضوعات پر جو جامع گفتگو کی ہے اسے بعض محققین نے اس موضوع پر سب سے ٹھوس تحریر قرار دیا ہے[1]۔ قاضی ابویعلیٰ محمد بن الحسین الفرا (م ۴۵۸/ ۱۰۶۶ء) کی الاحکام السلطانیہ میں بھی خراج کے موضوع پر ایسی ہی بحث ملتی ہے۔ فقہ کی ہر جامع کتاب میں اس موضوع پر فی الجملہ سیر حاصل مواد ملتا ہے۔

خراج کا مفہوم

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (طبع اول) میں لفظ خراج کو آرامی زبان کے لفظ (CHOREGIA) سے نکلا ہوا بتایا گیا ہے جو محصول کے معنیٰ میں بولا جاتا تھا[2]۔ ڈاکٹر اے بن شمش نے اس کی اصل آرامی زبان کے لفظ (HALAK) کو بتایا ہے جو محصول کے مفہوم میں استعمال ہوتا تھا[3]۔ فقہاء اسلام نے بھی اکثر اسے اسی وسیع مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ جس کے دائرہ میں فئے اور غنیمت کی آمدنی، محاصل چنگی، زمین کے محاصل اور جزیہ وغیرہ آجاتے ہیں۔ اپنے مخصوص معنیٰ میں یہ لفظ زمین کے محصول کے لیے استعمال ہوا ہے۔ فقہ کی تمام کتابوں اور خود ابویوسف کی کتاب الخراج میں یہ لفظ ان دونوں ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے[4]۔

اوپر خراج کے موضوع پر جن کتابوں کا ذکر آیا ہے ان کے نام سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ وہ محاصل زمین یا صرف چند مخصوص محاصل سے بحث کرتی ہیں۔ یہ کتابیں عشر و زکوٰۃ، فئے اور غنیمت، عشور، جزیہ، خراج زمین اور سلطنت کے دوسرے مالی امور سے بحث کرتی ہیں بلکہ اکثر کتابوں میں متعلقہ امور کے طور پر بہت سے انتظامی امور کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ ان کو کتاب الخراج کا نام دیتے وقت

---

[1] محمد ضیاء الدین الریس، الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ، مکتبہ نہضۃ مصر، قاہرہ، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۴۔

[2] ایضاً صفحہ ۹

[3] اسلامک ٹیکسیشن، صفحہ ۶

[4] محمد ضیاء الدین الریس، صفحہ ۸۰، ۸۱، اور (DANIAL C. DENNETT (R)) (CONVERSION AND POLL TAX IN EARLY ISLAM) ہارورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۵۰ء، صفحہ ۸

ان مصنفین کے سامنے اپنے زمانہ کا عرفِ عام تھا جو خراج کے تحت ان تمام امور کو شامل کر لیتا تھا۔

کتاب الخراج کے مضامین کی وسعت

قاضی ابویوسف کی کتاب الخراج کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہے۔ مذکورہ بالا مالی امور کے علاوہ اس میں قوانینِ جنگ، فوجداری اور دیوانی قوانین، حکمراں اور افسرانِ حکومت کی ذمہ داریاں، رعایا کے فرائض، فلاحِ عامہ سے متعلق امور و مسائل، ذمی، معاہد، مستامن، حربی، مرتد اور باغی افراد کے احکام، محکمۂ ڈاک اور خبر رسانی وغیرہ پر بھی تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ زمینوں، چراگاہوں، دریاؤں، چشموں اور نہروں سے متعلق مسائل، اشکار اور بیع سے متعلق احکام بھی زیر بحث آئے ہیں۔ ان موضوعات کے ضمن میں بہت سی تاریخی معلومات بھی فراہم کی گئی ہیں اور مختلف ممالک کے فتح ہونے کی کیفیت تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اس کے مضامین وسعت کا اندازہ مفصل فہرست مضامین پر ایک نگاہ ڈالنے سے ہو سکتا ہے۔

وجہ تالیف

یہ کتاب دراصل ایک طویل یادداشت ہے جو قاضی القضاۃ ابویوسف نے خلیفہ ہارون الرشید (۱۷۰ھ — ۱۹۳ھ/ ۷۸۶ء — ۸۰۹ء) کے لیے لکھی تھی۔ ہارون الرشید نے خلیفہ ہونے کے بعد رعایا پر نرمی کرنے اور عدل کے ساتھ شریعت کے مطابق حکمرانی کرنے کا ارادہ کیا اور اس سلسلہ میں قاضی صاحب سے رہنمائی چاہی۔ جیسا کہ خود اس کتاب میں متعدد مقامات پر ذکر آیا ہے، اس نے مختلف انتظامی اور مالی امور سے متعلق سوالات کیے تھے اور نظامِ محاصل کے بارے میں شریعت کے ضوابط دریافت کیے تھے۔ ان سوالات کی ایک فہرست اس ترجمہ کے آخر میں دیے ہوئے اشاریہ مضامین کے عنوان 'امیر المومنین کے سوالات' کی مدد سے بآسانی مرتب کی جا سکتی ہے۔

جیسا کہ امام ابویوسف نے خود لکھا ہے، انہوں نے موضوع کی نزاکت اور خلافت کے لیے اس کی اہمیت کے پیشِ نظر کافی محنت اور توجہ سے ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے ہارون الرشید کے لیے ایک جامع اور مفصل کتاب مرتب کر دی۔ بعض اہم مسائل پر کسی رائے تک پہنچنے سے پہلے انہوں نے اہلِ علم کی مجلس منعقد کر کے اس پر بحث و مذاکرہ کیا[1] اور بعض مسائل پر مراسلت کے ذریعہ اہلِ علم سے ضروری

---

[1] کتاب الخراج - طبع ۱۳۴۶ھ - صفحہ ۵۶

معلومات حاصل کیں۔[۱]

کتاب میں مختلف فقروں کے شروع میں بار بار یہ عبارت آتی ہے کہ "ابو یوسف رحمۃ اللہ نے فرمایا" یا "ابو یوسف نے کہا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب املا کرائی گئی تھی اور شاگردوں نے یہ الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیئے تھے۔ بعد میں جب یہ کتاب روایت کے ذریعہ نقل کی جانے لگی تو یہ جملے بھی کتاب کا جزء بن گئے۔[۲] غالباً یہ جملے قاضی ابو یوسف کی اس اصل تحریر میں نہ رہے ہوں گے جو انھوں نے خلیفہ کو ارسال کی تھی ــــ واللہ اعلم بالصواب۔

مطبوعہ عربی کتاب الخراج جن دو ابواب اور متعدد فصلوں میں منقسم ہے وہ بھی قاضی صاحب کی تقسیم نہیں معلوم ہوتی بلکہ غالباً ان کے شاگردوں یا بعد میں کتاب کے نقل کرنے والوں کی کی ہوئی ہے بہرصورت یہ حقیقت شبہ سے بالا ہے کہ قاضی ابو یوسف نے یہ کتاب خود مرتب کی تھی اور اس کا پورا متن انھی کی تصنیف ہے۔

زمانۂ تصنیف

امام ابو یوسف ۱۷۱ھ میں قاضی القضاۃ مقرر کیے گئے تھے اور ۱۸۲ھ میں وفات پا گئے۔ کتاب الخراج اسی دوران کی تصنیف ہے۔ غالباً یہ کام اس دَور کے ابتدائی چند برسوں کے اندر ہی انجام پا گیا ہوگا۔

کتاب الخراج کے مختلف نسخے

آج کل کتاب الخراج کے تین مطبوعہ نسخے ملتے ہیں۔ پہلا ایڈیشن مطبعۂ امیریہ۔ بولاق مصر سے ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء میں شائع ہوا تھا، ناشر نے یہ صراحت نہیں کی ہے کہ یہ ایڈیشن کس قلمی نسخہ کے مطابق ہے۔ اس کے بعد طبع بولاق کی بعض غلطیوں کی تصحیح اور خزانۂ تیموریہ' دار الکتب المصریہ قاہرہ کے قلمی نسخہ نمبر ۲۹۰ سے مقابلہ کے بعد اس پر بعض اضافوں کے ساتھ اسے مطبعہ سلفیہ' قاہرہ نے ۱۳۴۶ھ میں شائع کیا۔ اسی مطبعہ سے ۱۳۵۲ھ میں دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے۔

بروکلمان نے کتاب الخراج کے بہت سے قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے جو برٹش میوزیم' لندن' انڈیا

[۱] ایضاً صفحہ ۴۶

[۲] جیسا کہ آگے صراحت کر دی گئی ہے ہم نے ترجمے سے اس ٹکڑے کو ساقط کر دیا ہے۔

آفس لائبریری' لندن' قومی کتب خانہ' پیرس' کتب خانۂ سلیمانیہ' استانبول' کتب خانۂ آیا صوفیہ' استانبول' کتب خانۂ داماد زادے' استانبول' اسٹیٹ لائبریری رام پور' اور پیشاور' زیتونیہ (ٹیونس) اور برلن کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔[۱]

کتاب الخراج کے فرانسیسی مترجم نے کتب خانۂ پیرس میں موجود چار مختلف نسخوں کا ذکر کیا ہے۔[۲]

ان مختلف نسخوں میں بعض الفاظ اور بعض عبارتوں کے اندر فرق ہے بعض نسخوں میں دوسرے نسخوں پر کچھ اضافے بھی ہیں۔ غالباً اس کا سبب کاتبوں اور نقل کرنے والوں کی غلطیاں ہیں۔ ہمارے لیے نسخوں کے ان اختلافات کی تحقیق ممکن نہیں ہو سکی۔ البتہ مطبعہ سلفیہ کے ایڈیشن (۱۳۴۶ھ) کے حاشیہ پر جو اختلافات درج تھے ان میں سے اکثر کو ہم نے ترجمہ میں بھی حاشیہ پر درج کر دیا ہے۔

اس کتاب کی بعض عبارتیں گنجلک ہیں جن کا مفہوم پوری طرح واضح نہیں ہوتا۔ ایسے بعض مقامات کی ہم نے ترجمہ میں نشان دہی بھی کر دی ہے۔ مضامین کی ترتیب اگرچہ فی الجملہ موزوں ہے لیکن بعض مضامین میں تکرار پائی جاتی ہے اور بعض اوقات ایک مضمون سے دوسرے کی طرف انتقال میں ربط اور مناسبت کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ اس کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ یہ رسالہ چند سوالات کے جوابات کا مجموعہ ہے نہ کہ ایک باقاعدہ تصنیف۔

خراج کی مختصر تاریخ

قبل اس کے کہ ہم اس کتاب کی خصوصیات پر روشنی ڈالیں۔ ہمیں خود امورِ خراج کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈال لینی چاہیے۔ ہمارے لیے اتنا کافی ہوگا کہ ہم اپنے مطالعہ کی ابتدا خلافت عباسیہ کے آغاز سے کریں لیکن عربی داں حضرات کو ہم اس موضوع پر محمد ضیاء الدین الریس' اسسٹنٹ پروفیسر تاریخ اسلامی' قاہرہ یونیورسٹی کی فاضلانہ تصنیف "الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ حتی منتصف القرن الثالث الہجری او التاریخ المالی للدولۃ الاسلامیہ" کے مطالعہ کا مشورہ دیں گے جس میں قرن اول سے تیسری صدی ہجری کے نصف تک کی تاریخ خراج پیش کی گئی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں مصنف

[۱] کارل بروکلمان: تاریخ ادب عربی (جرمن) لیڈن ۱۹۴۳ء۔ جلد ۱۔ صفحہ ۱۷۷، اور اس کا تتمہ (SUPPLEMENT) نمبر ۱۔ صفحہ ۲۲۸

[۲] ای۔ فاگنان: فرانسیسی ترجمہ کتاب الخراج۔ طبع پیرس ۱۹۲۱ء۔ مقدمہ صفحہ ۱۱۔

نے قبل اسلام کی رومی اور ایرانی سلطنتوں میں خراج کے نظام پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ذیل کی معلومات اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس عبداللہ السفاح (۱۳۲ھ — ۱۳۶ھ / ۷۴۹ء — ۷۵۴ء) کے عہد میں خراج کا محکمہ اس کے مشہور وزیر خالد بن برمک کے سپرد تھا جس نے رعایا کے ساتھ نرمی اور انصاف کا سلوک کیا۔ خود سفاح بہت سخی اور فراخ دل واقع ہوا تھا لیکن اس دور میں خارس کے علاقہ کے امیر ابو مسلم (م ۱۳۷ھ) کی دست درازیوں سے رعایا کو کافی تکلیف پہنچی۔ سفاح کے دور میں بنو امیہ کی بڑی بڑی جاگیروں اور وسیع املاک کی بحق سرکار ضبطی سے بہت سی زرخیز زمینیں اور عالی شان مکانات خلیفہ کے قبضہ میں آگئے۔ اور حکومت کی آمدنی میں بہت اضافہ ہوا۔ لیکن سفاح کو اپنے سیاسی مددگاروں اور فوج کے سپاہیوں اور امیروں کو عطایا دینے میں بہت مال صرف کرنا پڑا۔ اس نے انعام واکرام دینے میں بھی بہت زیادہ خرچ کیا۔ چنانچہ اس نے اپنے ترکہ میں کچھ بھی مال نہیں چھوڑا۔

عباسی خلافت کے استحکام اور دوسرے امورِ سلطنت کے ساتھ مالی نظام کی تنظیم کا کام دراصل سفاح کے بھائی ابو جعفر منصور کے زمانہ (۱۳۶ھ — ۱۵۸ھ / ۷۵۴ء — ۷۷۵ء) میں انجام پایا۔ ۱۳۷ھ میں ابو مسلم قتل کر دیا گیا اور کچھ عرصہ کے بعد اس کے خزانے بحق سرکار ضبط کر لیے گئے۔ منصور نے امورِ خراج کی تنظیم کی طرف خصوصی توجہ کی اور حماد ترکی کو علاقہ سواد کے محاصل پر نظر ثانی پر مامور کیا۔ اور مختلف علاقوں کے خراج کے دفتر مختلف ذمہ داروں کے سپرد کیے۔ اس نے خراجی زمینوں کو عشری بنانے کی ممانعت کر دی۔ بنو امیہ نے خراجی زمینوں میں کافی تصرف کیا تھا اور بہت سی خراجی زمینیں فروخت وغیرہ کے ذریعہ عشری بن گئی تھیں۔ عمر بن عبدالعزیز رح کا دور (۹۹ھ — ۱۰۱ھ / ۷۱۷ء — ۷۲۰ء) آیا تو آپ نے اس کی ممانعت کر دی کیوں کہ خراجی زمینیں ریاست کی ملکیت تھیں۔ آپ نے یہ حکم سنہ ۱۰۰ھ کے بعد ہونے والے انتقالات زمین پر نافذ کیا تھا۔ آپ کے بعد اس قانون کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ خلیفہ منصور نے اسے دوبارہ نافذ کیا اور اس کا اطلاق ان تمام خراجی زمینوں پر کیا۔ جو سنہ ۱۰۰ھ کے بعد فروخت کی گئی تھیں۔

خلیفہ منصور رعایا کی معاشی فلاح کا بڑا اہتمام کرتا تھا۔ وہ ملک کے ہر علاقہ میں اشیاء ضرورت کی

قیمتوں کے اتار چڑھاؤ پر نظر رکھتا تھا اور جہاں گرانی ہوتی نظر آتی اس کے سدباب کی تدابیر کرتا۔[1] وہ مختلف علاقوں کے عمال اور والیوں کے طرزِ عمل سے بھی باخبر رہتا اور یہ بھی معلوم کرتا رہتا تھا کہ بیت المال میں کتنی آمدنی ہوئی۔ اوپر ہم ذکر کر چکے ہیں کہ کس طرح اس نے بغداد کا مرکزی شہر آباد کر کے ملک کی صنعت و تجارت کو تقویت بخشی۔ منصور بہت کفایت شعار اور منتظم حکمراں تھا۔ وہ شعراء اور حاشیہ نشینوں کو بڑے بڑے انعامات دینے سے پرہیز کرتا تھا اور فضول خرچی سے دور تھا۔ وہ مسلمانوں کے بیت المال سے اپنی ذاتی ضروریات کے لیے مال نہیں لیتا تھا۔ سرکاری مال کی آمد و صرف کا پورا حساب رکھا جاتا تھا۔ بالخصوص[2] اخراجات کے سلسلہ میں منصور خود نگرانی کرتا تھا۔ بغداد کی تعمیر پر بہت مال صرف ہوا تھا[3] لیکن جملہ مصارف اس کی ذاتی نگرانی میں ہوئے تھے اور اس نے ماتحت افسروں سے ایک ایک درہم کا حساب لیا تھا۔

خلیفہ منصور کے نام اس دور کے مشہور ادیب اور دانشور ابن مقفع نے ایک یادداشت ارسال کی تھی جس میں اس نے امورِ سلطنت سے متعلق دوسرے مشوروں کے ساتھ امورِ خراج سے متعلق بھی بعض مشورے دیئے تھے۔ مثلاً یہ کہ فوجی افسران کو تحصیل خراج کا کام نہ دیا جائے کیونکہ اس سے ان افراد میں خرابی آجاتی ہے اور خیانت کا مرض پیدا ہوتا ہے جس سے خلیفہ کی اطاعت اور خیر خواہی میں بھی فرق آجاتا ہے۔ عمال اور افسرانِ فوج کی تنخواہیں مقرر ہونی چاہئیں اور ایک متعین اور معلوم وقت پر دی جانی چاہئیں۔ ابن مقفع نے نظامِ خراج کی اس خامی کی طرف توجہ دلائی کہ خراج کی شرحیں والی بطورِ خود تبدیل کرتے رہتے ہیں، جس سے رعایا کو سخت تکلیف پہنچتی ہے۔ اس نے مشورہ دیا کہ محاصل زمین کی شرحیں خلیفہ کی جانب سے متعین کی جانی چاہئیں اور ان شرحوں اور ان کے مطابق تحصیل خراج کی تفصیلات درج رجسٹر کی جانی چاہئیں تاکہ محصلین خراج کے ظلم اور ان کی خیانت کا دروازہ بند ہو سکے۔

خلیفہ منصور سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اس نے اپنے لڑکے، مہدی، کو وصیت کی تھی کہ فتنے

---

[1] منصور کے عہدِ خلافت کے ابتدائی دور میں نرخ گراں تھے لیکن بغداد کی تعمیر کے چند سال کے بعد ہی کافی ارزانی آگئی جس کا ذکر اوپر تاریخی منظر میں آچکا ہے۔

[2] یعنی ۴۰,۰۰۰,۸۳۳ (چالیس لاکھ آٹھ سو تینتیس) درہم۔ خطیب: تاریخ بغداد، جلد ۱۔ صفحہ ۶۹۔ (شذرات) ابن جریر طبری جلد ۹۔ صفحہ ۲۶۳۔

[3] رسالۃ الصحابہ، جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔

کے مال سے دست کش رہتا کیوں کہ میں جو ترکہ چھوڑ کر جا رہا ہوں اس کے ہوتے ہوئے تمھیں مزید کی ضرورت نہیں۔ رعیت کا مال ذاتی ضروریات پر نہ صرف کرنا۔ نہ ان کو بے جا صرف کرنا۔ عوام کو آرام پہنچانا۔ ان کے مصالح کا اہتمام کرنا، ان کو تکلیف پہنچانے والی چیزوں کا ازالہ کرنا، اور ان کی معاش میں وسعت پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔ خزانہ اور مال کا حساب رکھنا اور فضول خرچی نہ کرنا کیوں کہ ہنگامی ضروریات کسی وقت بھی پیش آسکتی ہیں۔

تیسرے عباسی خلیفہ المہدی (۱۵۸ھ — ۱۶۹ھ / ۷۷۵ء — ۷۸۵ء) کے دور میں بھی ظلم کے ازالہ اور عدل کے قیام کی طرف خاصی توجہ کی گئی۔ ۱۵۹ھ میں مہدی نے وزارت اور جملہ مرکزی محکموں کی نگرانی کا اہم منصب ابو عبید اللہ معاویہ بن یسار (م ۱۷۰ھ) کے سپرد کیا (جس کی کتاب الخراج کا ذکر اوپر گذر چکا ہے) اور ۱۶۳ھ تک اس منصب پر یہی لائق اور مدبر وزیر فائز رہا۔ مہدی نے یہ فرمان جاری کیا کہ عوام سے بقایا خراج کی تحصیل کے لیے انھیں سخت سزائیں نہ دی جائیں۔ ۱۶۲ھ میں اس نے یہ حکم دیا کہ پورے ملک میں قیدیوں اور کوڑھ کے مرض میں مبتلا افراد کے لیے بیت المال سے روزینے جاری کیے جائیں۔ مہدی نے فارس کا والی خالد بن برمک کو مقرر کیا۔ خالد نے عملاً یہ کام اپنے لڑکے یحییٰ کے سپرد کر دیا۔ جس نے درختوں پر لیا جانے والا خراج معاف کر دیا اور خراج کی تحصیل میں سہولتیں پیدا کیں۔

المہدی کے دور میں نظام خراج ایک اہم اور بنیادی اصلاح عمل میں لائی گئی۔ ایرانی سلطنت کے دور میں کسریٰ انوشرواں کے زمانہ (۵۳۱ء — ۵۷۸ء) سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ زمین کا محصول رقبہ کے حساب سے ایک متعین شرح کے مطابق وصول کیا جاتا تھا۔ مثلاً اتنے درہم فی جریب، اور اتنا غلہ فی جریب۔ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ (۱۳ھ — ۲۳ھ / ۶۳۴ء — ۶۴۴ء) میں جب عراق اور شام کے یہ علاقے اسلامی مملکت کے حدود میں آگئے تو بھی یہی طریقہ باقی رکھا گیا۔ اصطلاحی الفاظ میں اس طریقۂ تحصیل کا نام 'نظام المساحۃ' (پیمائش رقبہ پر مبنی نظام) ہے۔ یہ طریقہ خلفاء راشدین، بنو امیہ، اور پھر عباسی خلافت میں منصور کی وفات تک جاری رہا۔ جب غلہ نسبتہً گراں ہوتا ہے تو اس نظام سے کاشتکاروں کو فائدہ ہوتا ہے کیوں کہ متعین نقد محصول کو وہ تھوڑا غلہ فروخت کر کے ادا کر سکتے ہیں، لیکن سرکاری خزانہ کی وہ آمدنی جو متعین نقد رقم کی شکل میں ہوتی ہے اپنی قوتِ خرید کے اعتبار سے کم ہو جاتی ہے۔ یہ بات حکومت کو خراج کی شرح میں بڑھانے کی طرف مائل کرتی ہے جسے

رعایا پسند نہیں کرتی۔ اس کے برعکس جب غلہ سستا ہوتا ہے تو متعین نقد محصول کاشتکاروں کو بہت گراں گزرتا ہے، مگر حکومت اپنے مفاد کے پیشِ نظر کسی تخفیف پر نہیں آمادہ ہوتی۔ غلہ کی متعین مقدار میں وصول کرنا بھی پیداوار میں کمی بیشی کے ساتھ کاشتکاروں کے لیے گراں بار یا سہل ہوتا رہتا ہے۔

خلیفہ منصور کے عہد میں بغداد کی تعمیر کے بعد غلہ اور دوسری اشیاء ضرورت کے نرخ کافی اونچے ہو گئے تھے، جب کہ اس کے دورِ خلافت کے ابتدائی چند برسوں میں خاصی گرانی تھی۔ صورتِ حال میں اس تبدیلی کی بنا پر نظام خراج میں کسی بنیادی اصلاح کی ضرورت محسوس کی گئی اور مہدی کے وزیر ابو عبید اللہ نے سابق نظام کو بدل کر 'نظام مقاسمہ' یعنی پیداوار میں ایک متعین نسبت سے بٹائی کا اصول نافذ کرنے کی تجویز پیش کی۔ مہدی نے یہ اصلاح نافذ کر دی۔ اس نظام میں خوبی یہ ہے کہ قیمتوں کے اتار چڑھاؤ اور پیداوار کی کمی بیشی کا اثر کاشتکاروں اور سرکاری خزانہ دونوں پر یکساں پڑتا ہے اور ان تبدیلیوں سے دونوں کے مفاد میں کوئی ٹکراؤ نہیں پیدا ہوتا، نہ آئے دن خراج کی شرح میں تبدیل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ واضح رہے کہ جہاں تک عشری زمینوں کا تعلق ہے قرنِ اوّل سے یہی طریقہ زیرِ عمل تھا۔ اب ۱۶۰ھ سے یہی طریقۂ تحصیل خراجی زمینوں کے سلسلہ میں بھی اختیار کر لیا گیا اور مختلف اقسام کی زمینوں کی پیداوار میں سے ریاست مندرجہ ذیل نسبتوں کے مطابق ایک حصہ بطور محصول وصول کرنے لگی۔

۱۔ چشموں اور بارش سے سیراب ہونے والی زمینوں سے	نصف پیداوار
۲۔ ڈول اور رہٹ سے سینچی جانے والی زمینوں سے	تہائی پیداوار
۳۔ زیادہ محنت طلب 'دوالیب' کی مدد سے سیراب کی جانے والی زمینوں سے	چوتھائی پیداوار

البتہ کھجور، دوسرے درختوں اور انگور کی بیلوں وغیرہ پر حسبِ سابق متعین مقداروں میں خراج وصول کیا جاتا رہا۔

اس اصلاح پر ہم نے قدرے تفصیلی گفتگو اس لیے کی ہے کہ جیسا کہ ہم آگے بتائیں گے قاضی ابو یوسف نے اس کتاب میں ان دونوں نظاموں کا موازنہ کرتے ہوئے نظام مقاسمہ کو ترجیح دی ہے۔

ان کی گفتگو سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ اس اصلاح سے عوام کو فائدہ ہوا۔

لیکن مہدی اپنے دورِ خلافت کے آخر میں فضول خرچی کرنے لگا اور خراج کی آمدنی جو مذکورہ بالا اصلاح کے سبب بڑھ گئی تھی بلا حساب خرچ ہونے لگی۔ یعقوب ابن داؤد نے، جو ابو عبید اللہ کے بعد منصب وزارت پر آیا تھا، مہدی کو اسراف اور عیش پسندی کی طرف مائل کر دیا۔ انعام و اکرام اور عطایا اور ہدایا میں کثیر رقمیں صرف کی جانے لگیں۔ سلطنت کا خزانہ خالی ہو گیا اور منصور نے جو بڑی رقم چھوڑی تھی وہ بھی صرف ہو گئی۔

غالباً اسی صورتِ حال نے مہدی کو مجبور کیا کہ بعض نئے محاصل عائد کرے اور بعض محاصل کی شرحوں میں اضافہ کرے۔ ۱۶۷ھ میں مصر میں دکانداروں اور بار برداری کے جانوروں پر محصول عائد کیا گیا۔ زمین کے متعینہ خراج کو دو چند کر دیا گیا اور خراج کی تحصیل میں سختی برتی جانے لگی۔ ان باتوں کو رعایا اور خود فوج کے افراد نے برا مانا اور مصر کے بعض علاقوں میں شورش برپا ہو گئی۔ علاقہ سواد کی بارانی زمینوں کی پیداوار میں سے اب نصف کی جگہ ۳/۵ پیداوار بطور خراج وصول کی جانے لگی۔

محرم ۱۶۹ھ میں مہدی کی وفات کے بعد اس کا لڑکا موسیٰ الہادی خلیفہ ہوا۔ لیکن اس کا دورِ خلافت صرف چودہ ماہ رہا کیونکہ وہ ربیع الاوّل ۱۷۰ھ میں ۲۶ سال کی عمر میں وفات پا گیا۔ اس کے مختصر دور میں بھی انعام و اکرام اور دوسرے اخراجات اسی طرح جاری رہے جس طرح مہدی کے آخری زمانہ میں شروع ہوئے تھے۔ اس دور میں مالیات عامہ کے سلسلہ میں اور کوئی بات قابلِ ذکر نہیں۔

ربیع الاوّل ۱۷۰ھ (ستمبر ۷۸۶ء) کے وسط میں ہارون الرشید مسندِ خلافت پر متمکن ہوا۔ سیرت و کردار میں ہارون الرشید خلیفہ منصور سے قریب تھا لیکن مال خرچ کرنے میں وہ بھی بہت فیاض واقع ہوا تھا۔ محل کی زندگی بھی منصور کی سادہ زندگی سے بہت دور تھی۔ خالد بن برمک کا لڑکا یحییٰ ولی عہدی کے زمانہ میں ہارون کا اتالیق رہ چکا تھا اور اس کی بیوی نے ہارون کو دودھ بھی پلایا تھا، چنانچہ ہارون یحییٰ کو "باپ" کہہ کر پکارتا تھا۔ خلیفہ ہونے کے بعد ہارون نے یحییٰ کو وزیر مقرر کیا اور جملہ امورِ سلطنت میں اسے کلّی اختیارات دے دیے۔

یحییٰ بن خالد بن برمک (م ۱۹۰ھ) بہت لائق اور مدبر وزیر تھا۔ اس نے خراج کی تحصیل میں

رعایا کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا۔ اس کی تجویز پر ۱۷۲ھ میں سواد کی بارانی زمینوں کے خراج کی شرح پیداوار کے ۳/۵ سے گھٹا کر پھر ۱/۲ کر دی گئی۔ اس نے آب پاشی کے لیے کئی نہریں تعمیر کرائیں جن میں ایک نہر کی تعمیر پر جس کا نام "ابو الجند" رکھا گیا تھا، دو کروڑ درہم خرچ ہوئے تھے۔ یحییٰ کا ایک لڑکا فضل سلطنت کے مشرقی علاقوں کا اور دوسرا مغربی علاقوں کا والی مقرر کیا گیا تھا۔ فضل نے خراسان میں سرائیں، مسجدیں، اور پانی کے حوض تعمیر کرائے۔ اور کاشتکاروں کے سر کا بار ہلکا کرنے کے لیے بقایا محاصل خراج کے رجسٹر جلا دیے اور ان کا مطالبہ ساقط کر دیا۔ اس دور میں سلطنت کے مختلف علاقوں سے ہونے والی آمدنی کی تفصیلات تاریخ کی بعض کتابوں میں موجود ہیں۔ ایک حساب کی رو سے خراج کی مجموعی سالانہ آمدنی ترپن کروڑ تین لاکھ بارہ ہزار (۵۳۰۳۱۲۰۰۰) درہم تھی۔[1]

لیکن خاندان برامکہ کے ان اصحاب اقتدار، یحییٰ بن خالد (م ۱۹۰ھ) فضل بن یحییٰ (م ۱۹۳ھ) اور جعفر بن یحییٰ (م ۱۸۷ھ) نے سرکاری اموال میں بے جا تصرفات کیے، اپنے لیے خزانے جمع کیے، عالی شان محل تعمیر کرائے، اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگے۔

اس خاندان کا اقتدار ۱۸۷ھ میں ختم ہو گیا جب کہ خلیفہ ہارون الرشید نے جعفر کو قتل کرا دیا اور یحییٰ اور فضل کو قید میں ڈال دیا۔ ان کے خزانے ضبط کر لیے گئے اور ان کے قبضہ میں جتنے محل، مکانات اور زمینیں تھیں سب چھین لیے گئے۔

خود ہارون الرشید مال صرف کرنے میں بہت فراخ دست بلکہ غیر محتاط واقع ہوا تھا۔ اس نے بکثرت انعامات دیئے اور غربا اور اہلِ حاجت میں بھی بہت دولت تقسیم کی۔ لیکن اس کے باوجود اس کی وفات پر خزانہ میں نوّے کروڑ (۹۰۰۰۰۰۰۰۰) درہم موجود تھے۔

جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں، کتاب الخراج ہارون الرشید کے دورِ خلافت کے ابتدائی چند برسوں کے اندر لکھی گئی ہے۔ اب جب کہ ہم آغاز خلافت عباسیہ سے اُس وقت تک کی مالی تاریخ پر ایک نظر ڈال

---

[1] الجہشیاری: الوزراء والکتاب صفحہ ۲۸۱-۲۸۸، محمد ضیاء الدین الریس: الخراج فی الدولۃ الاسلامیۃ صفحہ ۴۲۵ [اس کتاب کے صفحات ۴۲۳ تا ۴۴۷ پر خراج کی آمدنی کے وہ چار گوشوارے نقل کر دیے گئے ہیں جو بالترتیب جہشیاری، ابن خلدون، قدامہ بن جعفر اور ابن خرداذبہ نے مرتب کیے ہیں اور ہارون الرشید، مامون الرشید، مامون الرشید کے دور کے آخری اور معتصم کے دور کے ابتدائی برسوں اور واثق کے زمانہ سے متعلق ہیں]

چکے ہیں مناسب ہوگا کہ خود اس کتاب کی خصوصیات کا مطالعہ کریں۔

کتاب الخراج کی خصوصیات

یہ کتاب امام ابو یوسف کے تفقہ اور ان کے اجتہادی کارنامہ کا بہترین نمونہ اور اہم اجتماعی اور مالی امور میں ان کے فکر کی آئینہ دار ہے۔ ساتھ ہی یہ کتاب اپنے دَور کے اقتصادی حالات پر بھی کچھ روشنی ڈالتی ہے اور تاریخ اسلام کے بعض خصوصی ابواب مثلاً مختلف ممالک کے فتح ہونے کی کیفیت، ان سے صلح کے شرائط اور خلافتِ راشدہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے دَور میں نظامِ محاصل پر تفصیلی مواد پیش کرتی ہے۔

نصح و تذکیر

کتاب کا سب سے مؤثر حصہ اس کے ابتدائی صفحات ہیں۔ جن میں قاضی ابو یوسف نے خلیفہ کو تقویٰ، خوفِ خدا اور رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی ذمہ داریوں کو کما حقہٗ ادا کرنے کی تلقین کی ہے ان صفحات میں ان کا اسلوب بہت شگفتہ ہے۔ انھوں نے اپنے زمانہ کے سب سے طاقت ور حکمراں کو نہایت صفائی کے ساتھ یہ بتا دیا ہے کہ اگر اس نے اپنی رعایا کی فلاح سے غفلت برتی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنّت سے انحراف کیا تو اس کا انجام بہت بُرا ہوگا۔ ایک مختصر مگر جامع اور موثر تقریر کے بعد آپ نے ذکرِ الٰہی، قربِ قیامت، خیر و شر کے انجام، جہنم کی ہولناکی، آخرت میں جواب دہی، جنت کی نعمتوں، اور امام کی ذمہ داریوں سے متعلق احادیث پیش کر کے خلیفہ کو نصیحت کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے خلفائے راشدین اور عمر بن عبد العزیز، رضوان اللہ علیہم اجمعین، کے آثار کے ذریعہ اس مضمون کو تکمیل تک پہنچایا ہے۔

تاریخی مواد

مختلف قانونی مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے قاضی صاحب نے اس بات کی ضرورت محسوس کی ہے کہ اسلامی فتوحات اور مفتوحہ علاقوں کے مالی بند و بست پر قدرے تفصیلی روشنی ڈالیں چنانچہ انھوں نے بنو نضیر، بنو قریظہ، اور اہلِ خیبر کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں اور ان کے بارے میں آپ کے طرزِ عمل پر، بنو نجران اور عرب کے دوسرے قبائل سے آپ کے برتاؤ پر، فتح مکہ اور صلح حدیبیہ پر اور عہدِ نبوی کے بعض دوسرے واقعات سے متعلق تاریخی مواد پیش کیا ہے۔ آپ نے

غنیمت اور فئے کی تقسیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور جنگ کے بارے میں آپ کی سنّت واضح کی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے مرتدین کے ساتھ قتال کرنے اور آپ کے دَور میں فئے کے اموال کی صحابہ کے درمیان تقسیم پر تاریخی مواد پیش کیا ہے اور آپ کے عہدِ خلافت میں ہونے والی فتوحات کی روداد بھی بیان کی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نسبتہً طویل عہدِ خلافت اور انتظامی اور مالی امور میں آپ کے اختیار کیے ہوئے طریقے اس کتاب میں ابو یوسف کے استنباط و اجتہاد کا سب سے بڑا ماخذ ہیں۔ آپ کے عہد کی فتوحات، مفتوحہ علاقوں کا بند و بست، نصاریٰ بنو تغلب کے ساتھ آپ کا برتاؤ، محاصل چنگی کا آغاز، عراق و شام کی زمینوں کے بارے میں آپ کا تاریخی فیصلہ، اموال فئے کی تقسیم کے بارے میں آپ کی پالیسی، آپ کے زمانہ میں خراج کی شرحیں اور اس کی تحصیل کے طریقے، آپ کی دی ہوئی جاگیریں، احیاءِ اموات سے متعلق آپ کے مقرر کیے ہوئے ضابطے، اہلِ ذمہ کے ساتھ آپ کا برتاؤ، آپ کے کیے ہوئے معاہدے، اور عمّالِ حکومت کی سیرت و کردار، طرزِ رہائش اور مشاہروں کے بارے میں آپ کا نظریہ ۔۔۔۔ وغیرہ وہ اہم موضوعات ہیں جن پر اس کتاب میں مستند تاریخی مواد ملتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی بعض نظائر پیش کیے گئے ہیں جو نجران یمن کے اہلِ ذمہ، جاگیروں اور بعض فوجداری قوانین سے متعلق ہیں۔ حضرت علیؓ کے دَور کو باغیوں کے ساتھ برتاؤ اور اہلِ قبلہ محاربین کے احکام کے بارے میں شریعت کا منشا معلوم کرنے کے لیے سند کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور آپ کے عہد کے بعض دوسرے نظائر سے بھی استناد کیا گیا ہے۔ اس طرح اس کتاب میں خلافتِ راشدہ سے متعلق ضمناً خاصا تاریخی مواد فراہم کر دیا گیا ہے۔ بنو امیہ کے دَور میں مصنف نے صرف حضرت عمر بن عبد العزیز کے دَور پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ اور دفع مظالم، محاصل کی تحصیل اور اس کے طریقہ میں شرعی اصلاحات کے نفاذ، عشر، خراج، جزیہ اور عشور کی شرحوں، اور فلاحِ عامہ سے متعلق امور پر آپ کے نظائر سے استنباط کیا ہے۔ عبد الملک بن مروان کے دَور کی ایک نظیر عراق میں جزیہ اور خراج کی شرحوں کے سلسلہ میں پیش کی گئی ہے۔

"مالی نظام" کے سلسلہ میں ان تاریخی تفصیلات کی بڑی اہمیت ہے کیوں کہ اسلامی معاشرہ کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاءِ راشدین کی سنّت احکامِ شریعت کا ماخذ ہے۔ اس مبارک دَور کے بعد کے صالح حکمرانوں کا طرزِ عمل بھی بعد میں آنے والوں کے لیے رہنمائی حاصل کرنے کا ایک

اہم ذریعہ ہے۔ فئے کی تقسیم، زمینوں کے بندوبست، محاصل کے نظام، صلح و جنگ، معاہدہ، امان اور ثالثی کے ضابطے اور دوسرے سیاسی، مالی اور انتظامی امور میں جو طریقے قرنِ اول اور بعد کے صالح حکمرانوں کے دور میں اختیار کیے گئے تھے ان کے مطالعہ اور تجزیہ کے بغیر قاضی ابو یوسف اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے دور میں خلیفہ کو ان امور میں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی مخصوص مسئلہ آتا ہے، مثلاً یہ سوال کہ عیسائیوں اور یہودیوں کی ان عبادت گاہوں کے بارے میں حکومت کی پالیسی کیا ہونی چاہیے جو ملک میں مختلف مقامات پر پائی جاتی ہیں تو ابو یوسف اس کا واضح جواب دینے سے پہلے تاریخی طور پر اس بات کی تحقیق کرتے ہیں کہ جب یہ ممالک فتح کیے گئے تھے تو مسلمانوں کی جماعت نے مفتوحہ علاقوں کے عیسائی اور یہودی باشندوں کے ساتھ کیا معاہدہ کیا تھا۔ اسی طرح سرزمین عرب کے بعض علاقوں کی زمینوں کے بارے میں جب وہ یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ ان کے محاصل میں کوئی تبدیلی نہیں کی جانی چاہیے تو اس کی بنیاد بھی ان کا تاریخی طرزِ استدلال ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے خود اس دور کے اقتصادی اور انتظامی حالات کا بھی علم ہوتا ہے جس میں یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ ان امور سے متعلق اصلاحات تجویز کرنے کے ضمن میں قاضی صاحب نے بہت سی انتظامی خرابیوں کی نشان دہی کی ہے۔ آپ نے افسرانِ حکومت کے طرزِ عمل میں پائی جانے والی خرابیوں پر قدرے تفصیلی روشنی ڈالی ہے[1]۔ ان تفصیلات کو پڑھ کر اس زمانہ میں والیوں، عمالِ خراج، جزیہ وصول کرنے والوں، قید خانوں کے منتظمین، خبر رسانی کے ذمہ داروں اور محکمۂ ڈاک کے کارکنوں کی بعض کوتاہیاں اور خرابیاں سامنے آتی ہیں۔

اصلاحی تجاویز

آپ نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ والی، عامل صدقہ یا محصل جزیہ صرف ایسے افراد کو مقرر کیا جائے جن کی سیرت اچھی اور کردار قابلِ اعتماد ہو[2]۔ آپ نے بتایا ہے کہ آج کل بد دیانت اور

[1] صفحات ۱۰۲-۱۰۳، ۱۲۵-۱۴۳، ۲۱۸، ۲۲۰ وغیرہ (یہ اور آئندہ صفحات میں مذکورہ سارے حوالے ۱۳۴۶ھ کے مطبوعہ عربی نسخہ کتاب الخراج کے صفحات کے حوالے ہیں۔ چونکہ اس عربی نسخہ کے صفحات کے نمبر اس ترجمہ کے حاشیہ پر درج کئے گئے ہیں۔ لہٰذا ان مقامات کو تلاش کرنے میں زحمت نہ ہوگی۔

[2] صفحہ ۱۲۷ اور ۱۴۷۔

غیر ذمہ دار والی سرکاری اموال کو خود کھاتے اور اپنے حاشیہ نشینوں کو کھلاتے ہیں[1]۔ تحصیل خراج پر ہر اس شخص کو مامور کر دیتے ہیں جو ان کی خوشامد کرے اور ان کے دروازہ پر آ کر پڑ رہے[2]۔ آپ نے یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ والی کے ساتھ ایک فوجی دستہ مقرر کیا جانا چاہیے جو خلیفہ کا وفادار اور قابلِ اعتماد ہو۔ یہ دستہ فوج کے صالح، صاحبِ فہم اور خوش حال افراد پر مشتمل ہو جانا چاہیے[3]۔ اس سے تحصیل خراج میں سہولت پیدا کرنے سے زیادہ عمالِ خراج کی دست درازیوں اور خیانتوں کا سدِ باب تھا۔

قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ ایک ذمہ دار فرد کو پوری مملکت میں صدقات کی تحصیل کے نظام کا ذمہ دار اور نگران مقرر کر دینا چاہیے۔ خراج کے محصل اور صدقہ کے محصل الگ الگ ہونے چاہئیں اور تحصیل، جمع اور صرف کسی مرحلہ میں بھی ان دو مختلف قسم کے محاصل کو گڈمڈ نہیں ہونے دینا چاہیے[4]۔ آپ نے اہلِ خراج پر کیے جانے والے مظالم کی نشان دہی کرتے ہوئے ان کے سدِ باب اور اہلِ جزیہ و خراج کے ساتھ نرمی کے سلوک کی تاکید کی ہے[5]۔ ان لوگوں سے ہدیہ، تحفہ، ہرکاروں کی اجرت، کاغذات کی قیمت، باربرداری کے اخراجات وغیرہ کے نام پر جو ناجائز رقمیں وصول کی جاتی ہیں ان کی قطعی ممانعت کی ہے[6]۔ آپ نے تجویز پیش کی ہے کہ افسرانِ حکومت کے طرزِ عمل کی جانچ اور ان سے احتساب کے لیے خصوصی عہدہ دار مقرر کیے جائیں جو ملک میں دورہ کر کے خراج کے عاملوں اور والیوں کے طرزِ عمل کا جائزہ لیں اور اس جائزہ کے نتائج سے خلیفہ کو باخبر رکھیں[7]۔ آپ نے بہت زور دیا اور مؤثر انداز میں خلیفہ سے درخواست کی ہے کہ وہ مظالم کی فریاد سننے کے لیے خود اجلاس کیا کرے

[1] صفحہ ۱۲۷ اور ۲۲۰

[2] صفحہ ۱۲۷

[3] صفحہ ۱۲۸ — ۱۲۹

[4] صفحہ ۹۵

[5] صفحہ ۱۲۶، ۱۲۹، ۱۴۷ — ۱۴۸ وغیرہ

[6] صفحہ ۱۰۲ اور ۱۳۰

[7] صفحہ ۱۳۲ — ۱۳۳

تاکہ حکومت کے کارندے فدیں اور ظلم وجور سے باز رہیں[1]

انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ سرکاری غلّہ کی حفاظت کے سلسلہ میں عمّالِ خراج اکثر غفلت اور لاپرواہی سے کام لیتے ہیں اور جب اس میں سے کچھ چوری چلا جاتا ہے، یا کسی اور سبب سے اس میں کچھ کمی واقع ہو جاتی ہے تو اس کمی کو پورا کرنے کا مطالبہ کاشتکاروں سے کرتے ہیں جو صریح ظلم ہے[2]۔ انھوں نے لکھا ہے کہ غلّہ کی دوائی اور بصفائی کے کام میں تاخیر نہ ہونی چاہیے اور غلّہ کو بہت عرصہ تک کھلیانوں میں نہ پڑا رہنا چاہیے۔ پیداوار میں سے حکومت کا حصّہ وصول کرنے کے لیے پیداوار کی مقدار اندازہ کے ذریعہ متعیّن کرنی چاہیے بلکہ ناپ تول کے ذریعہ اس کی ٹھیک ٹھیک مقدار معلوم کی جانی چاہیے۔ کاشتکاروں اور حکومت کے حصّے الگ الگ کرنے میں ناپ تول یکساں رکھنی چاہیے، کسی فریق کے ساتھ افراط یا تفریط کا سلوک نہیں کرنا چاہیے[3]۔ سرکاری حصّہ وصول کرنے کا ایک دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پیداوار فروخت کر کے قیمت میں سے حکومت کا حصّہ نقد وصول کر لیا جائے، یا قیمت کا منصفانہ تخمینہ کرا کے اس کے مطابق حکومت کا حصّہ لے لیا جائے[4]

خراج کی شرحیں

امام ابو یوسف نے ہارون الرشید کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے متعیّن مقدارِ غلّہ یا دراہم کی شکل میں خراج عائد کرنے (نظام المساحۃ) کی خرابیاں واضح کی ہیں۔ اس نظام کے نتیجہ میں بیت المال کی آمدنی گھٹ جاتی ہے، اور اہلِ خراج کو بھی ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرنے کے مواقع ملتے ہیں۔ جب غلّہ سستا ہوگا تو خراج میں لیے جانے والے غلّہ کی متعیّنہ مقداریں ریاست کے لیے کفایت نہیں کریں گی، لیکن ان مقداروں میں اضافہ دشوار ہوگا۔ جب غلّہ مہنگا ہوگا تو کاشتکاروں پر بے جا بار پڑے گا اور ریاست متعیّنہ خراج میں تخفیف کے لیے نہیں آمادہ ہوگی[5]۔ اس بے جا

---

[1] صفحہ ۱۳۳ — ۱۳۴

[2] صفحہ ۱۲۹

[3] صفحہ ۱۳۰

[4] صفحہ ۵۹

[5] صفحہ ۵۷ — ۵۸

اور ناقابلِ برداشت بار کے نتیجہ میں کاشتکاروں کے اندر اپنی زمینیں چھوڑ کر چلے جانے کی طرف میلان پیدا ہوگا[1]۔ پھر آپ نے 'نظام المقاسمہ' (پیداوار میں ایک متعیّن نسبت کے ساتھ شرکت کے اصول) کی خوبیاں واضح کی ہیں[2]۔ اور یہ تجویز پیش کی ہے کہ یہی طریقہ درختوں، کھجوروں اور انگور کی بیلوں والی زمینوں کے لیے بھی اختیار کیا جائے۔ آپ نے کاشتکاروں کے ساتھ بٹائی (مقاسمہ) کی نئی شرحیں تجویز کی ہیں جو خلیفہ مہدی کی مقرر کی ہوئی شرحوں سے ہلکی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی نے ابو عبید اللہ کی تجویز پر جو شرحیں نافذ کی تھیں وہ اب کاشتکاروں کے لیے گراں بار بن گئی تھیں۔ سابق شرحوں کے مقابلہ میں آپ کی تجویز کردہ شرحیں درج ذیل ہیں[3]

زمین کی تقسیم	مہدی کی نافذ کردہ سابق شرحیں[4]	ابو یوسف کی مجوزہ شرحیں[5]
۱۔ بارانی زمینیں	$\frac{1}{2}$ پیداوار	$\frac{2}{5}$ پیداوار
۲۔ ڈول اور رہٹ سے سیراب کی جانے والی زمینیں	$\frac{1}{3}$ "	$\frac{3}{10}$ "
۳۔ دوالیب سے سیراب کی جانے والی زمینیں	$\frac{1}{4}$ "	—
۴۔ موسمِ گرما میں بونے والی فصل[6]	—	$\frac{1}{4}$ "
۵۔ کھجور، انگور، سبزیوں اور درختوں والی زمینیں	متعیّن خراج	$\frac{1}{3}$ "

اس طرح قسم اوّل کی زمینوں کے خراج میں پیداوار کے $\frac{1}{10}$ کی اور قسم دوم کی زمینوں کے خراج میں $\frac{1}{30}$ پیداوار کی تخفیف تجویز کی گئی تھی اور قسم پنجم کی زمینوں پر متعیّن دراہم کی شکل میں خراج

---

[1] صفحہ ۱۰۱

[2] صفحہ ۵۹ اور صفحہ ۱۰۰ — ۱۰۱

[3] صفحہ ۵۹

[4] الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ، صفحہ ۴۱۱

[5] کتاب الخراج - صفحہ ۵۹

[6] غالباً یہ وہی فصل ہے جسے دوالیب سے سیراب کیا جاتا تھا (ملاحظہ ہو الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ - صفحہ ۴۱۱)

عائد کرنے کے بجائے ان کی پیداوار میں سے ½ حصہ بطور خراج لینا تجویز کیا گیا تھا۔

ابو یوسف نے خراج یا جزیہ کی تحصیل کا ٹھیکہ دینے کی مخالفت کی ہے اور اس طریقہ کی مضرتوں پر گفتگو کی ہے جس سے اس زمانہ کے رواج پر روشنی پڑتی ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ ٹھیکہ دار کاشتکاروں اور اہل جزیہ کی فلاح وبہبود سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے، ان کو صرف اس کی فکر ہوتی ہے کہ مالیہ وصول ہو جائے اور اس کے لیے وہ رعایا پر ہر طرح کا ظلم وستم ڈھاتے ہیں۔ مزید براں وہ رعایا سے اس سے کہیں زیادہ وصول کرتے ہیں جتنا کہ حکومت کو ادا کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر اس طریقہ کے نتیجہ میں حکومت کی آمدنی کم ہوتی ہے اور ملک میں تباہی مچتی ہے۔ اس سے شریعت کا منشا بھی نہیں پورا ہوتا ہے[۱]

محاصل

محاصل کے بارے میں قاضی صاحب کا فکر یہ ہے کہ شریعت نے جن محاصل کو متعین شرحوں کے ساتھ نافذ کیا ہے انھیں انہی شرحوں کے ساتھ وصول کیا جانا چاہیے اور شریعت کے مقرر کردہ مصارف میں صرف کرنا چاہیے۔ نقد مال، سامانِ تجارت، اور مویشیوں کی زکوٰۃ۔ پیداوار پر عشر اور نصف عشر اور رکاز کا خمس اسی اصول کے تحت آتا ہے۔

جزیہ کی شرحیں بھی انھوں نے وہی تحریر کی ہیں جو سنّت سے ثابت ہیں اور ان شرحوں میں انھوں نے کوئی تبدیلی نہیں تجویز کی ہے۔

زمین کے خراج کے بارے میں ان کا نظریہ یہ ہے کہ اس کا نظام اور اس کی شرحیں مصالح کے مطابق تبدیل کی جا سکتی ہیں۔ یہ شرحیں رعایا کے لیے قابل برداشت ہونی چاہئیں، اور ان کی تعیین میں بیت المال کی آمدنی کے ساتھ ساتھ رعایا کی فلاح و بہبود کا پورا لحاظ رکھنا چاہیے۔ ان کے نزدیک ہلکی شرحیں آبادی کی کثرت اور خوش حالی میں اضافہ کا باعث بنتی ہیں جو مملکت کی فلاح وبقا کے لیے ضروری ہے۔

ان کے نزدیک یہ بات بہت ضروری ہے کہ خراج اور جزیہ کی شرحیں مرکزی حکومت کی طرف سے متعین کی جائیں اور ان شرحوں اور متعلقہ انتظامی ضابطوں میں مقامی عمال حکومت کو ترمیم وتبدیلی کا حق نہ دیا جائے[۲]

---

[۱] صفحہ ۱۲۵ — ۱۲۹

[۲] صفحہ ۱۰۲ - ۱۰۳، ۱۲۸ - ۱۳۲

انھوں نے محاصل چنگی (عُشور) پر جو بحث کی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کسی معقول مصلحت کے تحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عاید کردہ محاصل کے علاوہ نئے محاصل عائد کرنے کو بھی درست سمجھتے ہیں، بشرطیکہ اس میں ظلم وجور کا شائبہ نہ ہو۔ انھوں نے لکھا ہے کہ عشور کی تحصیل میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ یہ محاصل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عائد کیے تھے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، یہ کوئی نیا محصول نہیں بلکہ مال تجارت کی زکوٰۃ ہے جو ان سے سال میں ایک بار زکوٰۃ کی متعینہ شرح، ۲½ فی صد کے مطابق وصول کی جائے گی۔ اہلِ ذمہ، اور حربی افراد کے لیے یہ ایک نیا محصول ہے۔ جس کی نوعیت خراج کی ہے[۱] انھوں نے بتایا ہے کہ تاریخی طور پر اہلِ ذمہ پر یہ محاصل اس لیے عائد کیے گئے تھے کہ جب مسلمان تاجر غیر مسلم ممالک میں تجارت کے لیے جاتے تھے تو ان سے چنگی وصول کی جاتی تھی[۲] نیز ایک حربی قوم نے ایک بار حضرت عمر کو یہ لکھا تھا کہ ہمیں اپنے ملک میں تجارت کے لیے آنے کی اجازت دیجیے اور اس کے عوض ہم سے چنگی وصول کیجیے۔ چنانچہ حضرت عمر نے صحابہ کرام سے مشورہ کے بعد ان کی درخواست قبول کر لی اور حربی تاجروں پر محاصل چنگی عائد کیے[۳]

ریاست کی ذمہ داریاں

اسلامی ریاست کی معاشی ذمہ داریوں کے بارے میں اس کتاب میں خاصا مواد ملتا ہے۔ امام ابو یوسف نے لکھا ہے کہ امام اپنی رعایا کی دنیوی اور مادّی فلاح کا نگراں اور اس کے اہتمام کا مکلف ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر آن خلق خدا کی بہبود کی فکر میں لگا رہے۔ اور کبھی اس سے غافل نہ ہو۔ انھوں نے ہارون الرشید کو رفاہِ عامہ اور معاشی فلاح سے تعلق رکھنے والے متعدد امور کی طرف متوجہ کر کے ملک کی مادّی ترقی کے لیے اہتمام کرنے پر ابھارا ہے۔ ان کی تجاویز میں نمایاں اہمیت چھوٹی بڑی نہروں کی تعمیر، سیلاب کی روک تھام، دریاؤں اور نہروں پر بند تعمیر کرنے اور افتادہ زمینوں کو کارآمد بنانے کی ترغیب کو حاصل ہے[۴] اسلامی ریاست کی فلاحی ذمہ داریوں پر اصولی گفتگو انھوں

---

[۱] صفحہ ۱۲۰ اور ۱۴۹

[۲] صفحہ ۱۶۱

[۳] صفحہ ۱۶۱ - ۱۶۲

[۴] صفحہ ۱۰۲ اور ۱۳۱ — ۱۳۲ وغیرہ

نے اپنے مقدمہ میں کی ہے، اور متعین مجاویز کتاب کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی ہیں جن کو اشاریۂ مضامین کی مدد سے یکجا کیا جا سکتا ہے۔

امن وامان کا قیام، نظم ونسق کا استحکام، عدل وانصاف کا اہتمام، محکمۂ ڈاک کی تنظیم، فوجداری جرائم پر عبرت خیز سزاؤں کا نفاذ کے ذریعہ ان کا انسداد اور قیدخانوں کی اصلاح وغیرہ وہ دوسرے انتظامی امور ہیں جن کی ذمہ داری حکومت کے سر ہے۔ ابو یوسف نے اس کتاب میں خلیفہ کو بار بار ان امور کی طرف متوجہ کیا ہے۔ خاص طور پر انھوں نے عدل وانصاف اور رفع مظالم پر بہت زور دیا ہے، اور آخرت کی جواب دہی کا احساس دلانے کے پہلو بہ پہلو اس حقیقت پر بھی زور دیا ہے کہ اس طریقے سے حکومت کی آمدنی میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور ملک کی معاشی خوش حالی میں بھی۔[۱]

قاضی صاحب کو رعایا کا مجموعی مفاد، ان کی اجتماعی قوت، اور ان کی آئندہ نسلوں کی بہبود بہت عزیز ہے۔ وہ متبادل طریقوں میں ہمیشہ اس طریقہ کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہیں جو مسلمانوں کے لیے زیادہ مفید اور رعایا کے لیے زیادہ خوش آئند ہو۔ اس بارے میں ان کے نقطۂ نظر کو ان کے اس تبصرہ کے مطالعہ سے سمجھا جا سکتا ہے جو انھوں نے عراق وشام کی زمینوں کے بارے میں حضرت عمر کے تاریخی فیصلہ کی روداد نقل کرنے کے بعد کیا ہے۔[۲]

معاشیات کے نظری مسائل

اس کتاب میں علم معاشیات کے نظری مسائل سے کوئی بحث نہیں کی گئی ہے۔ ان کے زمانہ تک قیمتوں اور دوسرے معاشی مظاہر کے علمی تجزیہ وتحلیل کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی تھی اور غالباً ان کی نظر بھی ان امور کی طرف نہیں گئی تھی۔ البتہ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ ایک مقام پر انھوں نے یہ لکھا ہے کہ ارزانی غلہ کی کثرت کے سبب نہیں ہوتی، نہ غلہ کی گرانی اس کی قلت پر موقوف ہے۔ یہ اللہ کا فیصلہ اور اس کا حکم ہوتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ غلہ فراواں ہو مگر گراں ہو، اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ غلہ کم ہو مگر ارزاں ہو۔[۳] یہ بات قاضی صاحب نے اپنے مشاہدہ کی بنا پر کہی ہے، اور ہم بھی یہ جانتے

---

[۱] صفحہ ۱۲۳

[۲] صفحہ ۵۷

[۳] صفحہ ۵۸

ہیں کہ یہ بات صحیح ہے، لیکن وہ آگے بڑھ کر اس مظہر کی توجیہ کے لیے مقدار زر کی کمی بیشی یا احتکار کرنے والوں کی سرگرمیوں کا جائزہ نہیں لیتے۔

ابو یوسف کے نزدیک امام کو غلہ کے نرخ نہیں مقرر کرنے چاہئیں۔ اس کی دلیل کے طور پر وہ قیمتوں کے بارے میں اپنے مذکورہ بالا مشاہدہ کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین حدیثیں بھی روایت کرتے ہیں۔[۱] حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ایک اثر بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز سے پہلے اموی حکمرانوں کے دور میں بعض اشیاء کی ارزانی کا ایک سبب یہ تھا کہ حکمراں اہل ذمہ سے ان کی برداشت سے زیادہ خراج وصول کرتے تھے جس کی ادائگی کی خاطر انھیں اپنی بعض چیزیں فروخت کرنی پڑتی تھیں اور (رسد میں اس طرح اضافہ کے سبب) ان چیزوں کے نرخ گر جاتے تھے۔[۲]

کتاب الخراج کا فقہی پہلو

امام ابو یوسف کے فقہی مسلک اور اجتہاد واستنباط کے بارے میں ان کے طریقہ کو اس کتاب کی مدد سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ ان کی قانونی نظر کی باریک بینی، زیر غور مسئلہ کے عملی پہلو پر نظر اور اس کے لحاظ اور کتاب وسنت، اقوالِ صحابہ اور سلف صالحہ کے طرز عمل کے بارے میں ان کی وسیع معلومات اور صحیح فہم کے نمونے کتاب کے ہر ورق پر موجود ہیں۔

مختلف مسائل پر گفتگو کرتے وقت وہ سب سے پہلے کتاب وسنت کے نصوص کو دیکھتے ہیں۔ اگر کسی مسئلہ میں ان کو کوئی صحیح حدیث مل جاتی ہے تو قیاس کو ترک کرنے یا امام ابو حنیفہ سے اختلاف کرنے میں انھیں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا۔ ذیل میں ہم ان مسائل کا ذکر کریں گے جن میں انھوں نے اپنے استاد امام ابو حنیفہ سے اختلاف کیا ہے۔ ان مسائل کے جائزہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اختلاف اکثر حدیث پر مبنی ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہ سے اختلاف کی مثالیں

۱۔ افتادہ زمینوں (موات) کا احیا (کارآمد بنا لینا) ایسا کرنے والے کو اس زمین کا مالک بنا دیتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ احیا، امام کی اجازت سے کیا جائے۔ ابو یوسف

---

[۱] صفحہ ۱۵۷ — ۱۵۸

نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احادیث اور حضرت عمرؓ سے مروی آثار کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ احیاءِ موات کے لیے امام کی اجازت ضروری نہیں، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عام اجازت دی ہے وہی کافی ہے، بشرطیکہ اس سے کسی دوسرے فرد کی حق تلفی یا ضرر رسانی نہ ہو رہی ہو۔ حدیث کی بنا پر ابوحنیفہ سے اختلاف کرنے کے باوجود انھوں نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ امام اعظم کا مسلک اس حدیث کو رد کر دینے کے ہم معنیٰ نہیں۔ انھوں نے وہ مصالح بھی بیان کر دیے ہیں جن کی بنا پر امام صاحب نے یہ رائے اختیار کی ہے[1]

۲۔ زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ پیداوار کم ہو یا زیادہ، صدقہ بہر صورت وصول کیا جائے گا۔ لیکن ابویوسف کے نزدیک اگر پیداوار کی مقدار پانچ وسق سے کم ہو تو صدقہ نہیں واجب ہو گا۔ ابوحنیفہ کی رائے کی بنیاد کے طور پر ابویوسف نے ابراہیم نخعی کا ایک قول نقل کیا ہے۔ خود ابویوسف کی رائے انس بن مالک، جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری، اور ابوایوب انصاری، رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایت کی ہوئی مرفوع احادیث پر مبنی ہے[2]

۳۔ غنیمت کی تقسیم میں گھوڑوں کے حصے کے مسئلہ میں بھی انھوں نے امام ابوحنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ ان کی دی ہوئی قیاسی دلیل کا جواب دیا ہے اور انھوں نے جن حدیثوں سے استناد کیا ہے ان کے بالمقابل اپنی رائے کے حق میں دوسری حدیثیں نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ حدیثیں قوی تر اور تعداد میں زیادہ ہیں اور جمہور علماء نے انہی کے مطابق فتویٰ دیا ہے[3]

۴۔ ابویوسف کو جب کسی مسئلہ میں ایسی حدیثیں مل جاتی ہیں جو زیادہ پختہ، مشہور اور مخالف مفہوم والی حدیثوں سے تعداد میں بھی زیادہ ہوں تو وہ ان کے مطابق رائے اختیار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کی ایک مثال پرتی زمینوں کے سلسلہ میں مزارعت اور مساقاۃ کا معاملہ ہے۔ اس مسئلہ میں بھی انہوں نے امام ابوحنیفہ سے، جن کے نزدیک یہ معاملہ ناجائز ہے، اختلاف کیا ہے اور اپنے پہلے استاد ابن ابی لیلیٰ کی رائے سے اتفاق کیا ہے جو اس کے جواز کے قائل ہیں۔ واضح رہے کہ

---

۱ صفحہ ۷۶-۷۷

۲ صفحہ ۶۲-۶۳

۳ صفحہ ۲۲

امام ابوحنیفہ کی رائے بھی حدیث ہی پر مبنی ہے[1]

۵۔ بعض مسائل میں انہوں نے حدیث کی بنا پر اپنے دونوں اساتذہ سے اختلاف کیا ہے۔ سمندر سے حاصل کیے جانے والے موتی اور عنبر وغیرہ میں سے خمس لینے کی رائے انھوں نے حضرت عمرؓ کے ایک اثر کی بنا پر ظاہر کی ہے جو غالباً ان کے اساتذہ کے علم میں نہیں تھا۔ ان حضرات کے نزدیک ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں وصول کیا جائے گا۔ ابویوسف نے اپنی رائے کے حق میں حضرت عمرؓ کا اثر نقل کرنے کے بعد اس بات کی بھی صراحت کر دی ہے کہ حضرت ابن عباس کی رائے بھی یہی تھی[2]

۶۔ محارب کی سزا کے مسئلہ میں بھی انھوں نے امام اعظم کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے کہ اگر فسادی ڈاکو مال چھیننے اور قتل کرنے کا مرتکب ہوا ہو تو امام کو اختیار ہو گا کہ اسے صرف قتل یا پھانسی کی سزا دے، یا پہلے اس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں، مخالف سمتوں سے، کاٹ دیا جائے اور پھر قتل یا پھانسی کی سزا دی جائے۔ ابویوسف کے نزدیک اسے صرف پھانسی کی سزا دی جانی چاہیے۔ اپنی رائے کے حق میں انھوں نے حضرت ابن عباس کے ایک اثر کا حوالہ دیا ہے[3]

۷۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک زمین کی ہر پیداوار پر صدقہ واجب ہے لیکن ابویوسف کے نزدیک ترکاریوں، پھلوں وغیرہ پر صدقہ نہیں بلکہ صرف ان اجناس پر ہے جو عرصہ تک باقی رہتی ہوں (علی ما یبقی فی ایدی الناس[4]) اپنی رائے کے حق میں انھوں نے حضرت عمرؓ کی روایت کی ہوئی ایک مرفوع حدیث اور حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، انس بن مالک اور موسیٰ بن طلحہ سے مروی آثار نقل کیے ہیں[5]

۸۔ اگر کوئی غیر تغلبی ذمی عشری زمین خریدے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس سے خراج

---

۱ صفحہ ۱۰۵-۱۰۶

۲ صفحہ ۸۳

۳ صفحہ ۲۵۶

۴ صفحہ ۶۱

۵ صفحہ ۶۴

وصول کیا جائے گا اور پھر وہ زمین دوبارہ عشری نہیں بن سکے گی (دیکھوں کہ خراجی زمینوں کو عشری بنانا غلط ہے)، لیکن ابو یوسف کے نزدیک اس زمین کی پیداوار میں سے عشر کا دوگنا (۱/۵) بطور خراج وصول کیا جائے گا اور اگر وہ زمین فروخت وغیرہ کے ذریعہ دوبارہ کسی مسلمان کی ملکیت ہو جاتی ہے تو اُسے حسب سابق عُشری زمین سمجھا جائے گا۔ اپنی رائے کے حق میں انہوں نے قیاسی دلیل بھی دی ہے اور حسن بصری اور عطاء کا قول بھی نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ حسن اور عطاء کا قول میرے نزدیک ابوحنیفہ کے قول سے بہتر ہے۔[1]

۹۔ اگر کوئی آزاد کسی غلام کو قتل کرے تو ابو یوسف کے نزدیک اس کی دیت میں قاتل کو اس غلام کی پوری قیمت ادا کرنی ہوگی، خواہ وہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ نے اس مسئلہ میں یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ قیمت ایک آزاد مقتول کی دیت سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ ابو یوسف نے اپنی اختلافی رائے کے حق میں سعید بن المسیّب اور حسن بصری کا قول نقل کیا ہے۔[2]

۱۰۔ ایک مسئلہ میں انھوں نے عقلی دلیل کی بنیاد پر اپنے دونوں اساتذہ، امام ابوحنیفہ اور قاضی ابن ابی لیلیٰ سے مختلف رائے ظاہر کی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی تیز ہتھیار سے کسی آدمی کا ہاتھ کاٹ دے، پھر یہ زخم اچھا ہو جائے، اور امام اس آدمی کو مجرم سے قصاص لینے کی اجازت دے اور اس قصاص کے نتیجہ میں مجرم کی جان جاتی رہے تو ابوحنیفہ کے نزدیک قصاص لینے والے کے عاقلہ کو قصاص کے نتیجہ میں مرنے والے کی دیت ادا کرنی ہوگی۔ ابن ابی لیلیٰ کی رائے بھی یہی ہے۔ ابو یوسف کے نزدیک قصاص لینے والے (یا اس کے عاقلہ کے افراد) سے کوئی مطالبہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مرنے والے کی موت کا ذمہ دار وہ نہیں ہے بلکہ قانون ہے (انما قتلہ الکتاب والسنۃ)۔[3]

۱۱۔ اگر کوئی عورت توہین رسالت کی مرتکب ہو اور پھر توبہ نہ کرے تو ابوحنیفہ کے نزدیک اُسے قتل کی سزا نہیں دی جائے گی لیکن ابو یوسف نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ انھوں نے اس اختلاف کی بنیاد نہیں واضح کی ہے لیکن توہین رسالت کے مرتکب مرد کے

[1] صفحہ ۱۴۴—۱۴۵

[2] صفحہ ۱۹۰

[3] صفحہ ۱۹۱

سلسلہ میں، جو توبہ نہ کرے، دونوں کی رائے یہی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ امام اعظم نے مرد اور عورت کے درمیان جو تفریق کی ہے اسے ابو یوسف نے کوئی وزن نہیں دیا ہے۔[1]

۱۲۔ مویشیوں کی زکوٰۃ کی بعض تفصیلات میں بھی ابو یوسف نے ابوحنیفہ سے اختلاف کیا ہے لیکن اس کا سبب نہیں واضح کیا ہے۔[2]

استحسان کی مثالیں

بعض مسائل میں امام ابو یوسف کسی قوی تر دلیل کی وجہ سے قیاس کو ترک کر کے استحسان کے طور پر ایک دوسری رائے اختیار کر لیتے ہیں۔

۱۔ اگر کوئی شخص کسی مزدور کے ذریعہ مسلمانوں کی عام رہ گزر میں کوئی کنواں کھدوائے، اور ایسا کرنے کے لیے حکومت کی اجازت نہ حاصل کر لی گئی ہو، پھر اس کنوئیں میں گر کر کوئی آدمی ہلاک ہو جائے تو قیاس کی رو سے اس کی دیت کنواں کھودنے والے یعنی مزدور کے عاقلہ کے ذمہ ہونی چاہیے۔ امام ابو یوسف کے نزدیک دیت اس شخص کے ذمہ ہوگی جس نے اس مزدور کو کھودنے کا حکم دیا ہے۔ وہ اس مسئلہ میں ترک قیاس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اگر کنواں بہت عرصہ پہلے کھودا گیا ہو تو حادثہ ہونے پر مزدور کا پتہ نہیں ملتا۔[3]

۲۔ ترک قیاس اور استحسان کی دوسری مثال یہ ہے کہ اگر کوئی عورت مرض موت میں مرتد ہو جائے تو اس کی وفات پر، یا اس کے دارالحرب منتقل ہو جانے پر اس کے شوہر کو اس کی وراثت ملے گی، جب کہ حالت صحت میں مرتد ہونے والی عورت کے شوہر کو اس کے دارالحرب چلے جانے کے بعد اس کی میراث نہیں ملتی۔ ابو یوسف نے استحسان کی بنا پر مذکورہ بالا رائے ظاہر کرنے کے بعد اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ مرتد ہونے والی عورت کا شوہر بہر صورت اس کی میراث سے محروم رہے، خواہ ارتداد حالت صحت میں ہو یا حالتِ مرض میں۔[4]

[1] صفحہ ۲۱۷

[2] صفحہ ۹۳

[3] صفحہ ۹۲

[4] صفحہ ۲۱۶—۲۱۷

۳۔ اگر کوئی مسلمان کسی مستامن کا ہاتھ قصداً کاٹ دے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے قصاص میں مسلمان مجرم کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی مستامن کا مال چرائے تو قیاس کی رو سے اسے قطع ید کی سزا ملنی چاہیے لیکن ابو یوسف نے اس رائے کو اختیار کر لیا ہے کہ ان دونوں حالتوں میں مسلمان مجرم کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔[1]

۴۔ بازیافتہ اموال مسروقہ کے سلسلہ میں ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ دعوے لے کر آئے کہ فلاں مال اس کا ہے اور وہ ثقہ امانت دار اور راست باز ہو تو اسے وہ مال دے دیا جائے۔ البتہ اس سے اس بات کی ضمانت حاصل کر لی جائے کہ اگر بعد میں کوئی دوسرا فرد اس مال کا حق دار ثابت ہو گیا تو وہ اس کا دین دار ہو گا۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک مدعی اپنے دعوی کا ثبوت نہ فراہم کرے اس کا دعوی نہ تسلیم کیا جائے۔ لیکن ابو یوسف لکھتے ہیں کہ بسا اوقات آدمی کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ اپنے کسی مال کے بارے میں اس بات کا ثبوت دے سکے وہ اسی کا ہے اس لیے استحسان کے طور پر وہ اس مسئلہ میں وہ رائے رکھتے ہیں جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔[2]

۵۔ قیاس ترک کر کے کسی حدیث کی بنا پر ایک دوسری رائے اختیار کر لینا بھی ابو یوسف کے نزدیک استحسان کی تعریف میں آتا ہے۔ اگر امام یا حاکم کسی شخص کو چوری، شراب خواری یا زنا کا ارتکاب کرتا دیکھے تو اسے صرف اپنے مشاہدہ کی بنا پر اس شخص کو سزا نہیں دینی چاہیے۔ سزا دینے کے لیے ضروری ہے کہ اس جرم پر گواہیاں موجود ہوں۔ یہ رائے ابو یوسف نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ سے مروی آثار کی بنا پر اختیار کی ہے۔ ورنہ قیاس کی رو سے امام کو ایسے مجرم کو سزا دینے کا اختیار حاصل ہونا چاہیے۔[3]

حضرت عمرؓ کے نظام تحصیل خراج میں تبدیلی

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، خراج کی تحصیل کے نظام کے سلسلہ میں ابو یوسف نے مصالح کی بنا پر اس طریقہ سے مختلف طریقہ تجویز کیا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا تھا۔ ان پر

---

[1] صفحہ ۲۲۵

[2] صفحہ ۲۱۸

[3] صفحہ ۲۱۲

اعتراض کیا گیا کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ سے انحراف کر رہے ہیں۔[1] اس کے جواب میں انھوں نے تفصیل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ مسئلہ کی اصل نوعیت کیا ہے۔ عمر رضی اللہ کے سامنے کیا اصول تھا جس کی بنا پر انھوں نے اپنے زمانہ کے حالات میں ایک مخصوص طریقہ اختیار کیا تھا، اور کس طرح حالات میں تبدیلی کی وجہ سے اب اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ اب سابق طریقہ سے ایسی مفرتیں پیدا ہو رہی ہیں کہ روح شریعت، اور عمر فاروق کے اصول مالیہ کی روشنی میں اسے ترک کر دینا ضروری ہو گیا ہے۔ انھوں نے دلائل کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ ان کا تجویز کردہ طریقہ شریعت کے منشار کی تکمیل کے لیے زیادہ موزوں ہے۔[2]

ان دلائل کے پہلو بہ پہلو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے طرز عمل اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آثار کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ خراجی زمینوں کو پیداوار میں شرکت کے اصول پر کاشتکاروں کو دینا بالکل درست ہے۔[3] زمین کو متعین خراج کے عوض دینے یا پیداوار میں ایک مقررہ نسبت کے ساتھ شرکت کے اصول پر دینے کے دو مختلف طریقوں کے درمیان انتخاب تمام تر مصالح پر مبنی ہونا چاہیے، اپنی اپنی جگہ پر یہ دونوں ہی طریقے جائز اور شرعی طریقے ہیں۔[4]

متبادل

بعض مسائل میں قاضی ابو یوسف دو مختلف طریقوں کی وضاحت کے بعد اس بات کی صراحت کر دیتے ہیں کہ خلیفہ کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس طریقہ کو مسلمانوں اور اسلام کے لیے زیادہ نفع بخش سمجھے اختیار کرے۔ حکومت کی دی ہوئی جاگیروں پر خراج لیا جائے یا ان زمینوں کی پیداوار میں سے عشر وصول کیا جائے، اس بارے میں انتخاب کی پوری آزادی ہے۔[5] کسی علاقہ کے باشندے

---

[1] صفحہ ۱۰۰

[2] صفحہ ۱۰۰ — ۱۰۲

[3] صفحہ ۸۹ — ۹۰ اور صفحہ ۱۰۱

[4] صفحہ ۱۰۱

[5] صفحہ ۶۹ اور صفحہ ۷۱

باہمی تعاون کے ذریعہ دجلہ و فرات سے ایک نہر نکال کر اپنے علاقہ تک لے جانا چاہیں تو نہر کی تعمیر کے مصارف ان باشندوں کے درمیان کس طرح تقسیم کیے جائیں، اس کے دو مختلف طریقے تجویز کیے گئے ہیں۔ اور دونوں میں سے کوئی بھی اختیار کیا جا سکتا ہے[1]۔

بعض مسائل میں وہ دو مختلف رایوں میں سے کسی ایک کو دلائل کی روشنی میں ترجیح دینے کے باوجود خلیفہ کے لیے اس بات کی گنجائش سمجھتے ہیں کہ وہ مناسب سمجھے تو مرجوح رائے پر بھی عمل کر سکتا ہے۔

اوپر ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام ابو یوسف نے خراج کی تحصیل کا ٹھیکہ دینے کی مخالفت کی ہے اس کے باوجود وہ یہ لکھتے ہیں کہ اگر مخصوص حالات میں خلیفہ اس نتیجہ تک پہنچے کہ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کی ترویج کی خاطر ٹھیکہ پر دینے کا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں[2]۔

اسی طرح اگرچہ وہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ زمین کی پیداوار پانچ وسق سے کم ہو تو اس میں سے صدقہ نہیں وصول کرنا چاہیے لیکن انھوں نے یہ لکھا ہے کہ امام بیت المال کی آمدنی میں اضافہ اور رعایا کی فلاح و بہبود کی خاطر اگر دوسری رائے کے مطابق عمل کرنا مناسب سمجھے تو ایسا بھی کر سکتا ہے[3]۔

مصالح عامّہ سے تعلق رکھنے والے بعض دوسرے امور میں بھی ابو یوسف خلیفہ کو کسی ایک طریقہ کا پابند سمجھنے کے بجائے اس کے لیے ماثور طریقوں میں سے کسی ایک کے انتخاب یا اسلام اور مسلمانوں کے مجموعی مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے کسی نئے طریقہ کے اختراع کی گنجائش محسوس کرتے ہیں۔ ایسے مسائل میں وہ خود کوئی متعین راہِ عمل تجویز کرنے کے باوجود اس حقیقت کی صراحت کر دیتے ہیں[4]۔

بعض فقہی مسائل میں امام ابو یوسف نے صحابۂ کرام یا تابعین سے منقول مختلف رائیں

---

[1] صفحہ ۱۳

[2] صفحہ ۱۲۷

[3] صفحہ ۶۳

[4] صفحات ۷۵، ۱۲۷، ۲۲۵، ۲۳۲ وغیرہ

نقل کر دی ہیں اور خود ان میں سے کسی ایک رائے کو ترجیح نہیں دی ہے۔ اس کی مثالیں گھوڑوں کی زکوٰۃ کا مسئلہ[1] اور دیتِ خطا میں لیے جانے والے اونٹوں کی عمریں ہیں[2]۔

خراج کے موضوع پر دوسری کتابوں سے موازنہ

ابو یوسف کی کتاب الخراج کے مضامین اور اس کی خصوصیات پر ایک نگاہ ڈالنے کے بعد مناسب ہوگا کہ اب ہم اس کا موازنہ اس موضوع پر ان تین دوسری کتابوں سے بھی کریں جو آج موجود ہیں۔

یحییٰ ابن آدم کی کتاب الخراج

ان میں سب سے پہلی کتاب یحییٰ ابن آدم القرشی (م ۲۰۳ھ) کی کتاب الخراج[3] ہے۔ یہ کتاب احادیث و آثار کا مجموعہ ہے۔ ان احادیث و آثار پر فقیہانہ غور و فکر کے اجتہاد و استنباط کا کام نسبتہً کم کیا گیا ہے بعض اوقات ایک ہی مسئلہ پر مختلف حدیثیں پیش کر دی گئی ہیں۔ اور بحث و تنقید کے بعد کسی ایک رائے کو ترجیح دینے کا کام نہیں کیا گیا ہے۔

اس کے مضامین میں وہ وسعت نہیں پائی جاتی جو ابو یوسف کی کتاب الخراج میں ہے۔ یحییٰ نے غنیمت اور فئے، عشر و زکوٰۃ، جزیہ و خراج، اور زمین سے متعلق چند دوسرے مسائل کے علاوہ ان اہم مالی اور انتظامی امور سے کوئی تعرّض نہیں کیا ہے جن پر قاضی صاحب نے تفصیلی گفتگو کی ہے یحییٰ کی کتاب ابو یوسف کی کتاب سے مختصر ہے۔

امام ابو یوسف کی کتاب کی فوقیت کی تیسری بنیاد وہ عملی تجاویز اور قانونی مشورے ہیں جو ان کی کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے سامنے ایک عظیم سلطنت کے مالی نظام کی اصلاح کا

---

[1] صفحہ ۹۱-۹۲

[2] صفحہ ۱۸۶

[3] یہ کتاب پہلے لیڈن سے ۱۸۹۶ء میں شائع کی گئی تھی۔ اس کے بعد ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۹ء میں استاذ احمد محمد شاکر مرحوم کی تصحیح و تنقیح کے بعد حواشی اور اشاریوں کے اضافہ کے ساتھ، مطبعہ سلفیہ قاہرہ نے شائع کیا۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ اسلامک پبلشنگ ایجنسی حیدرآباد (دکن) کے اشاعتی منصوبہ میں شامل ہے۔

عملی مسئلہ تھا، جب کہ یحییٰ ابن آدم کی کتاب ایک علمی تصنیف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض باریک اور پیچیدہ مسائل جو عملی زندگی ہی میں سامنے آتے ہیں، اور قاضی القضاۃ ابو یوسف کے سامنے آچکے تھے، یحییٰ ابن آدم کی کتاب میں کوئی جگہ نہیں پا سکے ہیں۔

جن مسائل پر ان دونوں کتابوں میں گفتگو کی گئی ہے ان میں سے اکثر میں ابو یوسف کے یہاں زیادہ تفصیل اور وضاحت ملتی ہے۔ چنانچہ معادن پر زکواۃ اور اس خراجی زمین کے محصول کے بارے میں جسے کوئی مسلمان خریدے، ابو یوسف کی بحث یحییٰ کی بحث سے زیادہ واضح اور جامع ہے۔ یہی حال زکواۃ کے لیے پیداوار کی کم سے کم مقدار کے مسئلہ کا ہے۔ چراگاہوں سے متعلق مسائل کے ضمن میں بھی ابو یوسف کے یہاں بعض ایسے مسائل سے تعرض کیا گیا ہے جن کا یحییٰ نے کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

ابو عبید کی کتاب الاموال

اس موضوع پر سب سے ضخیم اور مفصل کتاب ابو عبید القاسم بن سلام (۱۵۴ھ — ۲۲۴ھ) کی ہے۔[1] لیکن اس میں بھی مضامین کی وہ وسعت نہیں پائی جاتی، جو ابو یوسف کی کتاب میں ملتی ہے۔ البتہ اس کتاب میں زمین سے متعلق احکام، عشر و زکواۃ، اہلِ ذمہ سے کیے ہوئے معاہدوں اور جزیہ کے احکام، اور بعض دوسرے موضوعات پر ابو یوسف کی کتاب سے زیادہ احادیث و آثار جمع کر دیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں تاریخی مواد ابو یوسف کی کتاب سے زیادہ ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے متعدد ایسے خطوط اور خطبے نقل کیے گئے ہیں جو ابو یوسف کی کتاب میں نہیں ملتے۔

معادن پر خمس اور صدقہ واجب ہونے کے لیے پیداوار کی کم سے کم مقدار کے مسئلہ پر ابو عبید کی بحث ابو یوسف کی بحث سے زیادہ واضح اور مفصل ہے۔ اس میں ناپ تول کے پیمانوں صاع، رطل وغیرہ کی مقدار کی بھی تحقیق کی گئی ہے جس کا ابو یوسف نے صرف سرسری ذکر کیا ہے۔

اگرچہ اس کتاب میں تفقہ اور اجتہاد سے کام لیا گیا ہے۔ اور زیرِ غور مسائل کے بارے میں منقول

---

[1] یہ کتاب استاذ محمد حامد الفقی نے ایڈٹ کی ہے اور ۱۳۵۳ھ/ ۱۹۳۴ء میں مطبعہ عامرہ، قاہرہ سے شائع ہوئی ہے۔ کتاب ۶۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں ایک مفصل فہرست مضامین اور مصنف کے حالات پر مشتمل ایک مقدمہ ہے اور متن پر بعض حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے۔ مجھے اس کے کسی ترجمہ کا علم نہیں۔ البتہ اس کا اردو ترجمہ اسلامک پبلشنگ ایجنسی حیدرآباد دکن کے اشاعتی منصوبہ میں شامل بتایا گیا ہے۔

مختلف احادیث کے درمیان جمع و تطبیق اور ترجیح کا کام بھی کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اپنے مزاج کے اعتبار سے یہ کتاب یحییٰ ابن آدم کی کتاب سے زیادہ قریب ہے۔ کتاب الاموال کی بعض امتیازی خصوصیات کے باوجود اس میں ابو یوسف کی کتاب الخراج کا قانونی مزاج نہیں پایا جاتا اور بعض اُن عملی مسائل سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے جن سے ابو یوسف نے تعرض کیا ہے۔

قدامہ ابن جعفر کی کتاب الخراج

قدامہ بن جعفر بن قدامہ بن زید (م ۳۳۷ھ) ایک نو مسلم تھے جو عیسائیت سے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ یہ ایک ادیب اور عالم جغرافیہ تھے۔ ان کی کتابیں نقد الشعر اور نقد النثر (یعنی 'البرہان فی وجوہ البیان') کافی مشہور ہیں۔[1] اپنی کتاب 'الخراج و صنعۃ الکتابۃ' انھوں نے عباسی خلیفہ مکتفی (۲۸۹ھ — ۲۹۵ھ/ ۹۰۲ء — ۹۰۸ء) کے وزیر علی بن عیسیٰ کو ۳۲۰ھ میں پیش کی تھی۔[2] اس کے ابتدائی چار حصے (منزلیں) جو خراج سے متعلق تھے، ضائع ہو چکے ہیں۔ باقی حصوں پر مشتمل قلمی نسخہ پیرس کے قومی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کے بعض منتخب ابواب (DEGOEJE) نے ابن خرداذبہ کی 'المسالک والممالک' کے ساتھ شائع کیے ہیں۔[3] یہ ابواب اصل کتاب کی پانچویں اور چھٹی منزلوں سے لیے گئے ہیں۔

اس کتاب کی نوعیت مذکورہ بالا دوسری کتابوں سے بہت مختلف ہے۔ اس میں جغرافیہ اور تاریخ کی معلومات زیادہ ہیں اور قانونی بحثیں کم ہیں۔ جزیہ، خراج، فئے اور غنیمت وغیرہ مسائل پر قدامہ نے متعدد آثار و احادیث یحییٰ ابن آدم کے حوالے سے نقل کیے ہیں۔ اسی طرح عراق کی زمینوں کے بارے میں حضرت عمرؓ کی مشاورت اور آپ کے فیصلہ کی روداد بھی یحییٰ ابن آدم سے

---

[1] کتاب نقد الشعر، لیڈن ۱۹۵۶ء (S. A. BOEN BEKKER) مقدمہ صفحہ ۶۔

[2] محمد ضیاء الدین الریس: الخراج فی الدولۃ الاسلامیہ، صفحہ ۷۔

[3] DEGOEJE، کتاب المسالک والممالک: عن ابن خرداذبہ۔ لیڈن ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۹ء۔ صفحات ۱۸۴ تا ۲۸۶: نبذ من کتاب الخراج و صنعۃ الکتابۃ لابی الفرج قدامہ بن جعفر الکاتب البغدادی۔ اسی کتاب میں صفحات ۱۴۴ تا ۲۰۸ پر اس کا فرانسیسی ترجمہ بھی ہے۔ مطبوعہ ابواب کا اردو ترجمہ دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا ہے اور ۱۰۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

لی گئی ہے۔ بعض دوسرے مسائل پر ابو عبید کی بعض روایتیں نقل کی گئی ہیں۔[1]

مطبوعہ ابواب میں پہلے ڈاک کے نظام پر مختصراً گفتگو کی گئی ہے۔ اس کے بعد ان مختلف شاہراہوں اور راستوں کا ذکر کیا گیا ہے جو بغداد کو سلطنت کے دوسرے بڑے شہروں سے یا سلطنت کے ایک علاقہ کو دوسرے علاقہ سے ملاتے ہیں۔[2] چھٹی منزل کے ابتدائی ابواب جغرافیائی معلومات پر مشتمل ہیں۔ چھٹے باب میں سوادِ عراق کے مختلف علاقوں سے ہونے والی آمدنی کا مفصل گوشوارہ دیا گیا ہے۔[3] یہ گوشوارہ خراج کے رجسٹروں کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے اور ۲۰۴ھ کے حسابات پر مبنی ہے اس کے بعد سلطنت کے دوسرے علاقوں سے ہونے والی آمدنی کا ذکر ہے۔ چھٹی منزل کے ساتویں باب[4] میں سرحدی علاقوں، اسلامی مملکت میں شامل جزیروں اور ساحلی مقامات، اور دارالاسلام سے ملحق غیر مسلم سلطنتوں کے جغرافیائی حالات پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس ضمن میں بعض تاریخی معلومات اور فوجی اہمیت رکھنے والی باتیں بھی سامنے لائی گئی ہیں۔[5]

جیساکہ اِس کتاب کے نام سے ظاہر ہے، قدامہ نے اسے وزیروں کے کاتب (سکرٹری) کے فرائض انجام دینے والوں کے لیے لکھا تھا۔ چنانچہ اس میں بعض ایسے امور سے بھی تعرض کیا گیا ہے جن کا مذکورہ بالا دوسری کتابوں میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ انہی امور میں سے ایک اہم موضوع احکام شریعت اور مروجہ انتظامی ضوابط کے باہمی تعلق اور توافق کی بحث ہے جو کتاب کے ساتویں حصّہ (منزل) میں آئی ہے۔[6]

قدامہ کی کتاب اپنے مضامین اور مزاج دونوں کے اعتبار سے ابو یوسف کی کتاب الخراج سے مختلف ہے۔ ابو یوسف کی کتاب قانون کی کتاب ہے جب کہ قدامہ کی کتاب زیادہ تر جغرافیہ

---

[1] اے۔ بن شمش۔ اسلامک ٹیکزیشن صفحہ ۱۵ اور ۱۶

[2] DEGOEJE المسالک والممالک صفحہ ۱۸۴ تا صفحہ ۲۳۰

[3] المسالک والممالک صفحہ ۲۳۴ تا ۲۵۲

[4] ایضاً " ۲۵۲

[5] ایضاً " ۲۵۵

[6] اے۔ بن شمش صفحہ ۱۶

اور تاریخ کی معلومات پر مشتمل ہے۔ جو موضوعات دونوں کے درمیان مشترک ہیں ان پر ابو یوسف کی بحث زیادہ جامع اور مفصل ہے۔[1]

ابو یوسف کی کتاب کے اثرات

اوپر کی گفتگو سے 'کتاب الخراج' کی تاریخی اور فقہی اہمیت کا بڑی حد تک اندازہ ہو گیا ہوگا۔ اسلامی فقہ میں اس موضوع پر اس کے بعد جو کام ہوا وہ ابو یوسف کے کام سے بے نیاز نہ ہو سکا۔

خود ہارون الرشید نے قاضی ابو یوسف کی تجویز کردہ اصلاحات کو کس حد تک نافذ کیا اور اس کتاب نے فوری طور پر حکومت اور انتظامیہ پر کیا اثرات مرتب کیے اس کی تحقیق دشوار ہے۔ ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ سواد کی بارانی زمینوں سے بدستور نصف پیداوار وصول کی جاتی رہی اور قاضی صاحب کی تجویز کردہ نئی شرح، یعنی ⅖ پیداوار، نہیں اختیار کی گئی۔[2] اسی طرح جزیہ اور خراج کی تحصیل کو ٹھیکہ پر دینے کا رواج بھی جاری رہا۔[3] سواد کے مالیہ کی شرح خلیفہ مامون الرشید نے ۲۰۴ھ میں نصف کے بجائے ⅖ کردی[4] (جیساکہ قاضی صاحب نے تجویز کیا تھا۔)

کتاب الخراج کے ترجمے

فرانسیسی ترجمہ

فرانسیسی زبان میں اس کتاب کا ترجمہ ای فاگناں نے کیا ہے جو ۱۹۲۱ء میں پیرس سے شائع ہوا ہے۔ فاگناں کے سامنے بولاق کا مطبوعہ نسخہ تھا۔ اس نے پیرس کے قومی کتب خانہ میں موجود بعض قلمی نسخوں کو بھی سامنے رکھا ہے اور ان کی مدد سے مطبوعہ نسخہ کی بعض عبارتوں کی تصحیح بھی کی ہے۔ یہ ترجمہ لفظی نہیں ہے بلکہ فرانسیسی زبان کے مزاج اور اسالیب کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے کیا گیا ہے۔ اپنے مقدمہ کے آخر میں مترجم نے رینان کا حوالہ دے کر لکھا ہے کہ فرانسیسی زبان کا مزاج ایسا ہے

---

[1] اے۔ بن شمش صفحہ ۱۶-۱۷

[2] محمد ضیاء الدین الریس صفحہ ۴۱۲

[3] ایضاً صفحہ ۴۸۵

[4] ایضاً صفحہ ۴۵۵

کہ لفظی ترجمہ سے مصنف کے اصل مدعا کی وضاحت ممکن نہیں۔ مترجم نے متن کی زبان کے غیر واضح اور بعض جگہ گنجلک ہونے کا شکوہ کیا ہے۔ مقدمہ میں مصنف کے مختصر سوانح حیات، کتاب الخراج کی نوعیت، اس کے مضامین اور اس کے مختلف قلمی نسخوں کے بارے میں معلومات دی گئی ہیں۔ ترجمہ کے ذیل میں بہت سے مفید حواشی دیے گئے ہیں جن میں متن کی تصحیح، مشکل الفاظ کی وضاحت، گنجلک عبارتوں کا حل، اور احادیث کی تخریج کی گئی ہے۔ آخر میں اسماء اور مضامین کا ایک مشترکہ اشاریہ بھی ہے۔ لیکن یہ اشاریہ مضامین کے اعتبار سے تشنہ ہے۔ اس کی تلافی کسی حد تک اس قدرے مفصل فہرست مضامین سے ہو جاتی ہے جو اس سے پہلے دی گئی ہے۔ ترجمہ میں انہی فصلوں اور عنوانات کو قائم رکھا گیا ہے جو مطبوعہ عربی نسخہ میں ہیں[1]

اطالوی ترجمہ

بروکلمان نے کتاب الخراج کے ایک اطالوی ترجمہ کا بھی ذکر کیا ہے جو[2] (P.TRIPOD: لے کیا ہے اور

L.GADIILKITABAL-KHARAGOLIBROD.

IMPASTE VERS. ITAL. C.NOTE ILLUSTR.

کے نام سے ۱۹۰۶ء میں روما سے شائع ہوا ہے۔ لیکن فاگنان نے اس کا حجم صرف ۳۲ صفحات بتایا ہے[3] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب کی بعض فصلوں کا ترجمہ یا کتاب کی تلخیص ہے۔ پورے متن کا ترجمہ نہیں ہے۔

روسی ترجمہ

نجیب عقیقی نے اپنی کتاب "المستشرقون" میں لکھا ہے کہ ایک روسی مستشرق،

---

[1] ہمارے لیے اس ترجمہ سے پوری طرح استفادہ ممکن نہیں ہو سکا۔ البتہ ہم نے متن کی تصحیح سے متعلق سارے حواشی دیکھے ہیں اور بعض مقامات پر فاگنان کی تصحیح قبول کی ہے۔ ایسے مقامات کی اردو ترجمہ کے حواشی میں نشان دہی کر دی گئی ہے بعض مقامات پر متن کے ترجمے سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں مترجم کی بعض غلطیاں بھی سامنے آئی ہیں، مثلاً (فرانسیسی ترجمہ) صفحہ ۱۳۱ سطر ۶، اور صفحہ ۲۴۰ نیچے سے دوسری سطر

[2] بروکلمان: تاریخ ادب عرب (جرمن) تتمہ ۱، صفحہ ۲۸۸

[3] فرانسیسی ترجمہ کتاب الخراج: مقدمہ صفحہ ۱۱ نوٹ ۲

(A SCHMIDT) نے بھی کتاب الخراج کا ترجمہ کیا ہے جو ۱۹۴۲ء میں شائع ہوا ہے[1]

ترکی ترجمہ

بروکلمان نے لکھا ہے کہ استانبول کے کتب خانہ داماد زادے قاضی عسکر محمد مراد میں کتاب الخراج کا ایک ترکی ترجمہ ہے جو ۱۰۹۲ھ میں کیا گیا تھا[2] فاگنان نے لکھا ہے کہ یہ ترجمہ سودمی زادہ نے کیا ہے[3]

بروکلمان نے جرمن زبان میں کتاب الخراج سے متعلق چار صفحہ کے ایک (غالباً تعارفی) مقالہ کا بھی ذکر کیا ہے جو جرمن جریدہ (DEUTCHE RUNDCHAU) میں مئی ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا ہے[4]

دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (دکن) کی مطبوعہ فہرستوں سے ظاہر ہے کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا ابو الخیر مودودی نے کیا تھا۔ سقوط حیدر آباد کے بعد یہ ادارہ بند کر دیا گیا۔ یہ ترجمہ مخطوطہ کی شکل میں ہے اور غالباً اس کے طبع ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ سابق دار الترجمہ کے غیر مطبوعہ ترجموں سے اب انفرادی طور پر استفادہ کرنا بھی ممکن نہیں رہ گیا ہے۔

موجودہ ترجمہ

اب اس کتاب کا اردو ترجمہ قارئین کے سامنے ہے۔ یہ ترجمہ مکتبہ سلفیہ قاہرہ کے ۱۳۴۶ھ کے ایڈیشن سے کیا گیا ہے۔ قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج (عربی) پر ابھی تصحیح و تنقیح اور ترتیب کا وہ عمل نہیں کیا گیا ہے جو استاذ احمد محمد شاکر مرحوم نے یحییٰ ابن آدم کی کتاب پر کیا ہے۔ اس کے متن کی عبارتوں کو، یحییٰ کی کتاب کی طرح، مضامین کے لحاظ سے موزوں فقروں میں نہیں تقسیم کیا گیا ہے لیکن اس تقسیم سے مطالعہ اور مراجعت میں جو سہولت ہو جاتی ہے اس کے پیش نظر اس ترجمہ میں یہ کام کر دیا گیا ہے۔ ابو یوسف کی کتاب الخراج میں ایسا کرنا ایک مشکل کام ہے، اور قدرتی طور پر،

---

[1] المستشرقون، دار المعارف مصر طبع ثانی ۱۹۴۷ء صفحہ ۹۱

[2] بروکلمان۔ تتمہ ۱، صفحہ ۲۸۸

[3] فاگنان: مقدمہ صفحہ ۱۱

[4] بروکلمان۔ تتمہ ۱ صفحہ ۲۸۸

ہماری موجودہ تقسیم سے اہل علم کو بعض جگہ اختلاف کی گنجائش نظر آئے گی۔ ہمارے خیال میں اس کام میں کبھی ایسی قطعیت نہیں پیدا ہوسکتی کہ کسی اختلاف کی گنجائش نہ رہ جائے ہم نے کوشش کی ہے کہ ہر فقرہ کو کوئی موزوں عنوان بھی دے دیں۔ ایسا کرنا ہر جگہ ممکن نہیں ہوسکا ہے۔ جس کے اسباب مطالعہ کے وقت خود واضح ہوجائیں گے۔ قاری کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ ایک عنوان کے بعد دوسرے نئے عنوان تک جتنے فقرے ہیں سب میں وہی مضمون آیا ہے جو عنوان سے ظاہر ہوتا ہے۔ استاذ احمد محمد شاکر کی اتباع کرتے ہوئے ان فقروں پر نمبر شمار ڈال دیے گئے ہیں جو آخر کتاب تک مسلسل جاری رہتے ہیں۔

انہی فوائد کے پیش نظر کتاب کو از سر نو ابواب اور فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ہر باب یا فصل کو کوئی موزوں عنوان دیا گیا ہے۔ البتہ متن، اور اس کی عبارتوں کی ترتیب، ترجمہ میں بھی بعینہ وہی ہے جو اصل عربی نسخہ میں ہے۔ کتاب کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر مطبوعہ عربی کتاب کی فصلوں کی فہرست عربی کتاب اور اردو ترجمہ دونوں کے صفحات کے نمبروں کے ساتھ نقل کر دی گئی ہے تاکہ بآسانی یہ معلوم کیا جاسکے کہ عربی کتاب کی فصلیں کیا ہیں کہاں سے شروع ہوتی ہیں اور کہاں ختم ہوتی ہیں۔ مراجعت میں سہولت کی خاطر اردو ترجمہ کے صفحات پر عربی کتاب (مطبوعہ ۱۳۴۶ھ) کے متعلقہ صفحات کے نمبر بھی درج کر دیے گئے ہیں۔ یہ نمبر اردو ترجمہ کی اس سطر کے بالمقابل درج کیے گئے ہیں جہاں سے متعلقہ عربی صفحہ شروع ہوتا ہے۔

کتاب کے شروع میں ایک مفصل فہرست مضامین دی گئی ہے جس میں ابواب، فصلوں، اور فقروں کے عنوانات درج ہیں۔ آخر میں اشاریہ مضامین کے ذریعہ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مختلف موضوعات پر کتاب کے مختلف حصوں میں بکھرے ہوئے مواد کی نشان دہی کر دی جائے۔ ہم نے اپنے اشاریہ اسماء میں وہ سارے نام یکجا کر دیے ہیں جو عربی کتاب کے چار مختلف اشاریہ ہائے اسماء میں آئے ہیں۔ اس اشاریہ میں وہ نام بھی شامل کر دیے گئے ہیں جو عربی اشاریوں میں درج ہونے سے رہ گئے تھے یا ہمارے حواشی میں آئے ہیں۔

ایک علیحدہ ضمیمہ میں اُن سکوں، اوزان اور پیمانوں کی وضاحت کر دی گئی ہے جن کا ذکر کتاب میں بار بار آیا ہے۔

ضمیمہ ۳، مملکت ہارون الرشید کے نقشہ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ بیشتر ان مقامات کی نشان دہی کر دی جائے جن کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے۔

متن کے ترجمہ کے ساتھ مطبوعہ عربی کتاب کے ضروری اور مفید حواشی بھی اردو میں منتقل کر دیے گئے ہیں۔ متعدد مقامات پر مزید حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے جن کا مقصد متن کی تصحیح، ترجمہ کی وضاحت یا کسی اصطلاحی لفظ کی تشریح ہے۔ عربی کتاب سے ماخوذ حواشی میں جہاں "مطبوعہ نسخہ" کا ذکر آیا ہے وہاں کتاب الخراج کا وہ ایڈیشن مراد ہے جو بولاق سے ۱۳۰۲ھ میں شائع ہوا ہے۔

ترجمے سے عربی کتاب کی یہ عبارت ساقط کر دی گئی ہے کہ "ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا" (قال ابو یوسف رحمہ اللہ) یا "ابو یوسف نے کہا" (قال ابو یوسف) اس کا سبب اوپر واضح کیا جا چکا ہے۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ ترجمہ کی عبارت سلیس اور بامحاورہ ہو تاکہ اسے بلا تکلف پڑھا اور بغیر کوفت کے سمجھا جاسکے۔ یہ مقصد یکسر لفظی ترجمے سے نہیں حاصل ہوسکتا تھا۔ اس کے باوجود حتی الامکان عربی الفاظ اور عبارتوں کی پوری پابندی کی گئی ہے۔ البتہ بعض مقامات پر وضاحت مزید کے لیے چند الفاظ، یا ایک جملہ کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔ اکثر مقامات پر یہ اضافے قوسین کے اندر رکھے گئے ہیں۔

مترجم کو اپنی محدود صلاحیت اور کم علمی کا پورا احساس ہے۔ اسی بنا پر اندیشہ ہے کہ وہ اس اہم کام کا حق نہ ادا کرسکا ہوگا جسے اس نے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ اہل علم سے درخواست ہے کہ مطالعہ کے دوران میں ترجمہ کے جو نقائص نظر آئیں ان پر اسے ضرور متنبہ کریں تاکہ آئندہ انہیں دور کیا جاسکے۔

اس کتاب کے ترجمہ کے دوران میں نے بار بار ڈاکٹر ابو النصر محمد الخالدی، ریڈر تاریخ اسلامی جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد کی طرف رجوع کیا ہے۔ نیز موصوف نے اس مقدمہ پر بڑی توجہ سے نظر ثانی کی ہے اور اس سلسلہ میں قیمتی مشورے دیے ہیں۔ مگر ترجمہ یا مقدمہ میں جو خامیاں نظر آئیں ان کی ذمہ داری تمام تر میرے سر ہے۔ میں ڈاکٹر صاحب کی مخلصانہ رہنمائی اور عالمانہ مشوروں کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔ میں اپنے متعدد اساتذہ اور احباب کا بھی شکر گذار ہوں جن سے میں نے

اس کام کے سلسلہ میں استفادہ کیا ہے۔

اللہ ان حضرات کو جزائے خیر دے، اس کتاب کے عالی مقام مصنف علیہ الرحمۃ کو اسلام کی اس عظیم خدمت پر اجر کثیر عطا فرمائے جو انھوں نے انجام دی ہے، اپنے فضل و کرم سے اس عاجز کی خطاؤں سے درگذر فرمائے اور اس کی اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

محمد نجات اللہ صدیقی

۴ر نومبر ۱۹۶۰ء
مسلم یونی ورسٹی
علی گڈھ

ضمیمہ (۲)

سکے، اوزان اور پیمانے[1]

درہم چاندی کا وہ سکہ جس کا وزن ایک درہم ہو۔
اوسط قسم کے جو کے ۵۰ ۲/۵ دانوں کا وزن
ایک درہم = ۲٫۹۷۵ گرام = ۳ ماشہ ۰٫۴۸۵ رتی

---

[1] ان سکوں، اوزان اور پیمانوں کے سلسلہ میں محققین کے درمیان بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم نے اس اختلاف کی تفصیلات کا ذکر مناسب نہیں سمجھا ہے۔ ہر سکہ، وزن یا پیمانہ کی مقدار کے سلسلہ میں پہلے وہ رائے درج کی گئی ہے جو کافی تحقیق کے بعد محمد ضیاء الدین الریس نے اپنی کتاب الخراج فی الدولۃ الاسلامیۃ (قاہرہ ۱۹۵۷ء) کی ساتویں فصل (صفحہ ۲۶۱ تا ۳۵۳) میں اختیار کی ہے۔ اس کے بعد حسب ضرورت وہ رائیں درج کی گئی ہیں جو دوسرے محققین نے اختیار کی ہیں۔ اس سلسلہ میں 'الأب انستاس ماری الکرملی' کی کتاب النقود العربیۃ وعلم النمیات (قاہرہ ۱۹۳۹ء) خاص طور پر سامنے رکھی گئی ہے۔ درہم کے سلسلہ میں 'دوسری تحقیق' اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔ اس کتاب میں مؤلف نے مندرجہ ذیل چار ماخذ یکجا کر دیے ہیں اور ان کے متن پر مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے۔

۱- بلاذری: 'فتوح البلدان' کی نقود سے متعلق فصل
۲- مقریزی: رسالۃ فی النقود الاسلامیۃ'
۳- علی باشا مبارک: الخطط التوفیقیۃ الجدیدہ کا جزء ۲۰
۴- مصطفیٰ ذہبی الشافعی: تحریر الدرہم والمثقال، والرطل والمکیال، وبیان مقادیر النقود المتداولۃ بمصر علی مقتضی ما حقق بدار الضرب ۱۲۵۶ھ

صاع کی مقدار کے سلسلہ میں 'دوسری تحقیق' مولانا عبد الشکور لکھنوی کی کتاب علم الفقہ (مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۴۰ء) جلد ۴ صفحہ ۱۵ سے ماخوذ ہے۔

ان ماخذ میں گرام میں دیے ہوئے اوزان کو تولہ، ماشہ، رتی وغیرہ میں اور تولہ، ماشہ میں دیے ہوئے اوزان کو گرام میں ہم نے خود منتقل کیا ہے (ایک تولہ = ۱۱٫۶۶۴ گرام، ایک گرام = ۱٫۰۲۸۸ ماشہ) اسی طرح مربع میٹر میں دیے ہوئے رقبہ کو مربع گز میں منتقل کر دیا گیا ہے۔

ایک دوسری تحقیق کے مطابق

ایک درہم = ۳٫۰۲ گرام = ۲ ماشہ ۲٫۳۳۷ رتی

مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کی تحقیق کے مطابق

ایک درہم = ۲ ماشہ ۱½ رتی = ۲٫۱۲۶ گرام

ہندوستان اور پاکستان میں زکوٰۃ کا جو نصاب عام طور پر مشہور ہے اس کے مطابق

ایک درہم = ۳ ماشہ ۱⅕ رتی = ۳٫۰۶۲ گرام

دانق وزن جو ⅙ درہم کے مساوی ہوتا ہے۔ یعنی ۸⅖ دانہ جَو کا وزن۔

درہم کے وزن کی مذکورہ بالا پہلی تحقیق کے مطابق

ایک دانق = ۰٫۴۹۵۸ گرام = ۴٫۰۸ رتی

مثقال اوسط قسم کے جَو کے ۷۲ دانوں کا وزن

ایک مثقال = ۱ ۳/۷ درہم

درہم کے وزن کی مذکورہ بالا پہلی تحقیق کے مطابق

ایک مثقال = ۴٫۲۵ گرام = ۴ ماشہ ۲٫۹۷ رتی

دینار سونے کا وہ سکہ جس کا وزن ایک مثقال ہو

اُوقیہ وزن جو چالیس درہم کے مساوی ہوتا ہے

درہم کے وزن کی مذکورہ بالا پہلی تحقیق کے مطابق:

ایک اوقیہ = ۱۱۹ گرام = ۱۰ تولہ ۲ ماشہ ۳٫۴ رتی

صاع ناپنے کا پیمانہ جس کا حجم ۲٫۷۵۱ لٹر کے مساوی ہوتا ہے۔ جو مساوی ہے ۲۷۵۱ مکعب سینٹی میٹر کے۔ اس حجم کے پیمانہ میں ۲۷۵۱ گرام پانی آتا ہے۔ جو مساوی ہے ۲ سیر ۷۵ تولہ ۱۰ ماشہ ۱٫۸۳ رتی کے۔ لیکن اس حجم کے پیمانہ میں گیہوں کی جو مقدار آتی ہے[1] وہ مساوی ہے

---

[1] گیہوں اور پانی کے ثقل کی باہمی نسبت ۷۹ اور ۱۰۰ کی ہے۔
(محمد ضیاء الدین الریس: بحوالہ صفحہ ۳۰۴)

۲۱۷۳٫۲۹ گرام = ۲ سیر ۲۶ تولہ ۳ ماشہ ۱٫۷ رتی

لہٰذا گیہوں کی مقدار کے اعتبار سے

ایک صاع = ۲۱۷۳٫۲۹ گرام = ۲ سیر ۲۶ تولہ ۳ ماشہ ۱٫۷ رتی

نیز ایک صاع = ۵⅓ رطل[1]

ایک دوسری تحقیق کے مطابق

ایک صاع = ۲ سیر ۲۹ تولہ ۶ ماشہ

وَسق ناپنے کا پیمانہ

ایک وَسق = ۶۰ صاع = ۱۶۵ لٹر

اس حجم کے پیمانہ میں گیہوں کی جو مقدار آتی ہے اس کے لحاظ سے باعتبار وزن

ایک وَسق = ۳ من ۱۹ سیر ۵۹ تولہ ۵ ماشہ ۲ رتی

صاع کی مقدار کی مذکورہ بالا دوسری تحقیق کے مطابق:

ایک وَسق = ۳ من ۷ سیر ۵ تولہ

رِطل ناپنے کا پیمانہ

ایک رطل = ۳/۱۶ صاع = ۴۰۷٫۴۸ مکعب سینٹی میٹر

اس حجم کے پیمانہ میں گیہوں کی جو مقدار آتی ہے اس کے لحاظ سے باعتبار وزن

ایک رطل = ۳۴ تولہ ۱۱ ماشہ ۱٫۸ رتی

مُدّ ناپنے کا پیمانہ

ایک مُدّ = ¼ صاع = ۶۸۷٫۷۵ مکعب سینٹی میٹر

اس حجم کے پیمانہ میں گیہوں کی جو مقدار آتی ہے اس کے لحاظ سے باعتبار وزن

ایک مُدّ = ۴۶ تولہ ۶ ماشہ ۷٫۷۷ رتی

---

[1] یہ اہلِ حجاز کا قول ہے۔ فقہاء عراق کے نزدیک ایک صاع = ۸ رطل۔ امام ابویوسف نے اہلِ حجاز کا قول اختیار کر لیا تھا، اور کتاب الخراج میں یہی رائے پیش کی ہے [ملاحظہ ہو صفحہ ۶۳ عربی، نیز ملاحظہ ابو عبید کتاب الاموال صفحہ ۵۱۹ ۱۶۰۱]

مُدی ناپنے کا پیمانہ

ایک مُدی = ۲۲٫۵ صاع = ۶۱٫۸۹۷۵ لیٹر

اس حجم کے پیمانہ میں گیہوں کی جو مقدار آتی ہے اس کے لحاظ سے باعتبار وزن

ایک مُدی = ایک من ۸ سیر ۵۲ تولہ ۳ ماشہ ۳٫۷۵ رتی

قِسط ناپنے کا پیمانہ

ایک قِسط = ½ صاع = ۱٫۳۷۵۵ لیٹر

اس حجم کے پیمانہ میں گیہوں کی جو مقدار آتی ہے اس کے لحاظ سے باعتبار وزن

ایک قِسط = ایک سیر ۱۳ تولہ ایک ماشہ ۷٫۵ رتی

قفیز (۱) غلّہ ناپنے کا پیمانہ

ایک قفیز = ۱۲ صاع = ۳۳ لیٹر

اس حجم کے پیمانہ میں گیہوں کی جو مقدار آتی ہے اس کے لحاظ سے باعتبار وزن

ایک قفیز = ۳۶ سیر ۵۵ تولہ ۱۰ ماشہ ۲ رتی

(۲) رقبہ ناپنے کا پیمانہ

ایک قفیز = ۱۳۶ مربع میٹر = ۱۶۲٫۶۴ مربع گز

جریب (۱) غلّہ ناپنے کا پیمانہ

ایک جریب = ۴ قفیز = ۴۸ صاع = ۱۳۲ لیٹر

اس حجم کے پیمانہ میں گیہوں کی جو مقدار آتی ہے اس کے لحاظ سے باعتبار وزن

ایک جریب = ۲ من ۲۶ سیر ۶۳ تولہ ۶ ماشہ ۱ رتی

(۲) رقبہ ناپنے کا پیمانہ

ایک جریب = ۱۰ قفیز = ۱۳۶۶ مربع میٹر = ۱۶۲۶٫۶۴ مربع گز

ہاشمی

غلّہ ناپنے کا پیمانہ جو عباسی دور میں رائج تھا

ایک مختوم ہاشمی = ½ ہاشمی = ۸ رطل

قفیز حجاج غلّہ ناپنے کا پیمانہ

ایک قفیز حجاج = ۸ رطل

حجاجی قفیز حجاج کا دوسرا نام

(لہٰذا مختوم ہاشمی = قفیز حجاج = حجاجی = ۸ رطل۔ اور چونکہ عراق کے نزدیک ایک صاع = ۸ رطل، اس لیے اُن کے نزدیک صاع = مختوم ہاشمی = قفیز حجاج = حجاجی)

کتاب الخراج

للقاضی ابی یوسف یعقوب بن ابراہیم

صاحب الامام ابی حنیفہ

جس کی تحریر و تصنیف کی تجویز ان کے سامنے

"اپنے زمانہ میں دنیا کے عظیم ترین بادشاہ"

ہارون الرشید امیر المومنین

نے پیش کی تھی

ہم نے اس کی اشاعت میں خزانۂ تیموریہ کے ایک قلمی نسخہ نمبر ۶۷۳ - فقہ پر اعتماد کیا ہے اور اس کا مقابلہ بولاق کے طبع ۱۳۰۲ھ سے بھی کر لیا ہے۔

قاہرہ ۱۳۴۶ھ

نشر کردہ

مکتبہ اور مطبع سلفیہ

جس کے مالک محب الدین خطیب اور عبد الفتاح قتلان ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

مُقدّمہ (امیرالمومنین کے لیے نصیحتیں)

(یہ وہ دستاویز ہے جو ابویوسف رحمۃ اللہ نے امیرالمومنین ہارون الرشید کو ارسال فرمائی تھی۔)

فصل (۱)

تمہید

اللہ امیرالمومنین کی عمر دراز کرے اور ان کو ہمیشہ ہر طرح کی نعمتوں کے ساتھ شان و شوکت سے سرفراز کیے رہے۔ خدا کرے کہ آج ان پر جو انعامات ہو رہے ہیں ان کے بعد انھیں آخرت کی لازوال اور غیر فانی نعمت بھی عطا ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی رفاقت نصیب ہو۔

۱۔ وجہ تالیف

امیرالمومنین نے، اللہ ان کی مدد فرمائے، مجھ سے ایک جامع تحریر طلب کی ہے

جس کو وہ خراج، عشور، صدقات، اور جوالی[1] کی تحصیل میں اپنا دستور العمل بنا سکیں اور جوان دوسرے امور میں بھی ان کی رہنمائی کر سکے۔ جن پر غور و فکر کرنا اور عمل کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ اس تحقیق سے امیر المومنین کا منشا یہ ہے کہ اپنی رعایا پر سے ہر طرح کے ظلم کا ازالہ کریں اور ان کے معاملات درست فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو اپنی ان ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کی توفیق عطا فرمائے، ان کو راہ راست پر رکھے اور ان کی دست گیری فرمائے، اور خوف و خطرہ کی باتوں سے ان کو محفوظ رکھے۔ انہوں نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ مذکورہ بالا جن امور پر وہ عمل درآمد کا ارادہ رکھتے ہیں ان کی تفصیلات سے آگاہ کر دوں۔ چنانچہ میں نے ان امور کو کافی تفصیل کے ساتھ واضح کر دیا ہے۔

۲۔ امیر المومنین کی ذمہ داریاں

امیر المومنین! خدائے بزرگ و برتر نے، جس کی ذات ہر طرح کی حمد و ستائش کی واحد مستحق ہے آپ پر ایک بڑی بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے (جو بحسن و خوبی انجام دی جائے تو) اس کا ثواب سب سے زیادہ ہوتا ہے اور (کوتاہی ہو تو) اس کی سزا بھی ساری سزاؤں سے زیادہ سخت ہے۔ اس نے اس امت کے معاملات کا بار آپ کے کاندھوں پر ڈالا ہے۔ اب آپ صبح و شام ہر آن خلقِ خدا کی ایک کثیر تعداد کے لیے (ایک عمارت کی) تعمیر میں مصروف ہیں۔ اللہ نے آپ کو ان کا نگراں بنا دیا ہے، اور ان کو بطورِ امانت آپ کے سپرد کر دیا ہے۔ ان کے جملہ امور کا سرپرست بنا دیا ہے۔ اس طرح سے وہ ان لوگوں کے ذریعہ در اصل آپ کا امتحان لے رہا ہے، عمارت اگر تقویٰ کے سوا کسی اور چیز پر کھڑی کی گئی تو بعید نہیں کہ اللہ اس کو بنیادوں سے اکھاڑ کر اس کے معمار اور اس کے مددگاروں کے سر پر گرا دے۔ آگاہ! اللہ نے اس امت اور رعیت

[1] یہ جالیہ کی جمع ہے۔ اصلاً اس کے معنی گروہ کے ہیں۔ جن ذمیوں کو حضرت عمرؓ نے جزیرۃ العرب سے جلا وطن کر دیا تھا ان کو اسی مناسبت سے جالیہ کہا جانے لگا۔ پھر یہ لفظ اس جزیہ کے لیے بولا جانے لگا جو ان سے وصول کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ ہر طرح کے جزیہ کو یہی نام دے دیا گیا، خواہ جزیہ دینے والا کبھی بھی جلا وطن نہ کیا گیا ہو۔

کے جو کام آپ کے سپرد کیے ہیں انہیں خراب نہ کریں، کیونکہ اللہ ہی قوتِ عمل عطا کرنے والا ہے۔

آج کے کام کل پر نہ ٹالیے۔ اگر آپ نے یہ روش اختیار کی تو (ملک کا) ستیاناس کر دیں گے۔ موت انسان کی امیدیں بر آنے سے پہلے ہی آجاتی ہے، موت سے پہلے جو کچھ کر سکیں کر ڈالیے۔ کیوں کہ موت کے بعد عمل کا موقع نہیں رہتا۔ دنیا میں جو لوگ (قوموں کے) نگراں ہیں ان کو اپنے رب کے حضور اپنا معاملہ اسی طرح بے باق کرنا ہوگا جس طرح چرواہا (مویشیوں کے گلہ کو واپس لاکر) اپنے آقا کو ایک ایک جانور کا حساب بے باق کرتا ہے۔ اللہ نے آپ کو جو حکمرانی بخشی ہے اور جو ذمہ داریاں آپ کو سونپی ہیں ان کو حق پر استوار کیجیے خواہ (آپ کا دورِ حکمرانی) دن کی ایک گھڑی کے بقدر کیوں نہ ہو۔ کیونکہ قیامت کے دن اللہ کے حضور سب سے نیک بخت نگراں وہ ہوگا جو رعایا کے لیے موجب سعادت تھا۔ آپ کج روی نہ اختیار کریں ورنہ آپ کی رعایا بھی راہِ راست سے ہٹ جائے گی۔ خواہشِ نفس کے تحت حکمرانی کرنے اور غیظ و غضب میں دار و گیر کرنے سے بچیں۔ جب آپ کے سامنے دو راہیں ہوں، جن میں سے ایک آخرت کی فلاح تک پہنچاتی ہو اور دوسری دنیا کے مفاد تک تو آخرت کی راہ کو دنیاوی راہ پر ترجیح دیجیے، کیوں کہ آخرت ہمیشہ باقی رہے گی اور دنیا دارِ فانی ہے۔ خشیتِ الٰہی کے طفیل ہر وقت ہشیار و اندیشناک رہیے۔ فرمانِ الٰہی کے باب میں سارے عوام کو، خواہ کوئی آپ سے دور ہو یا نزدیک، یکساں سمجھیے، اور اللہ کے دین کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہ لائیے۔ محتاط رہیے اور اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ خود احتیاط کا تعلق دل سے ہے نہ کہ زبان سے۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کیجیے، اور تقویٰ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اسے بچالے گا۔ زادِ عمل جمع کیجیے۔ اس اجل کی خاطر جو قطعی ہے، اس راہ کی خاطر جس پر سے گزرنا ناگزیر ہے اس وادی کی خاطر جس کا سامنا اٹل ہے۔ اس گھاٹ کی خاطر جس پر اترنا لازم ہے۔ یہ وہی برحق گھاٹ ہے۔ وہی عظیم پیشی ہے جس میں ہر ایک کے اوسان خطا ہو جائیں گے، اور ساری دلیلیں بے وزن ہو جائیں گی۔ کیونکہ ایک ایسے زبردست حاکم سے

سابقہ ہوگا جس کے غلبہ و قوت نے ہر ایک کو دبا رکھا ہے، جس کے آگے ساری مخلوقات — اس کے فیصلہ کی منتظر اور اس کی سزا کے اندیشہ سے لرزہ براندام — سرنگوں کھڑی ہوگی۔ اس کا واقع ہونا ایسا یقینی ہے کہ جیسے یہ گھڑی آن ہی پہنچی ہو! جس فرد نے جاننے بوجھنے کے باوجود عمل نہ کیا وہ اس دن اس زبردست پیشی میں، حسرت و ندامت میں ڈوب جائے گا۔ اس دن ہر ایک کے قدم ڈگمگا رہے ہوں گے، ہر چہرہ کا رنگ فق ہوگا، بڑی ہی طویل پیشی ہوگی اور بڑا ہی سخت حساب و کتاب ہوگا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (الحج : ۴۹)

اور تیرے پروردگار کے یہاں کا ایک دن تم لوگوں کی گنتی کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔

اور فرمایا:

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ (المرسلٰت : ۳۸)

یہ فیصلہ کا دن ہے جس پر ہم نے تم کو اور تم سے پہلے کے لوگوں کو جمع کیا ہے۔

نیز:

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ (الدخان : ۴۰)

ان سب (کی پیشی) کا وقت معین فیصلہ کا دن ہے۔

اور:

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ (احقاف : ۳۵)

جس دن یہ اس چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے جس سے آج انہیں ڈرایا جا رہا ہے اس دن انہیں ایسا محسوس ہوگا کہ بس دن کی ایک گھڑی ہی گذاری تھی (کہ یہ وقت آن پہنچا)

نیز یہ فرمایا کہ:

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا۔ (النازعات : ۴۶)

جس دن یہ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اس دن انہیں ایسا محسوس ہوگا کہ (اس سے پہلے) صرف ایک شام یا اس کی ایک صبح گذری ہے۔

پس افسوس در افسوس ایسی لغزشوں پر جن کی تلافی نہ ہو سکے گی، اور اس پشیمانی پر جو بالکل بے سود ہوگی۔ گردش روز و شب ہر جدید کو کہنہ اور ہر قریب کو نزدیک کر رہی ہے، اور ہر امر موعود کو سامنے لا رہی ہے۔ بس وہ وقت آیا چاہتا ہے جب اللہ ہر فرد کو اس کے کئے کا پھل دے گا، سچ ہے اللہ حساب کتاب میں ذرا بھی دیر نہیں کرتا۔ خدا سے ڈریے! خدا سے ڈریے! زندگی بہت مختصر ہے، آزمائشیں بڑی خطرناک ہیں، دنیا آخر ہلاک ہو جائے گی اور جو لوگ اس میں بستے ہیں وہ بھی ہلاک ہو کر رہیں گے — قرار و بقا صرف آخرت کو حاصل ہے۔ دیکھیے! ایسا نہ ہو کہ کل کو آپ اپنے پروردگار سے اس حال میں ملیں کہ آپ کی روش سرکشوں جیسی روش ہو۔ یوم جزاء کو جو ہستی بدلہ چکانے بیٹھے گی وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے موافق بدلہ دے گی نہ کہ ان کی جاہ و منزلت کے مطابق۔ اللہ نے آپ کو متنبہ کر دیا ہے پس چوکنے رہیے۔ اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ آپ بلا مقصد نہیں پیدا کر دیے گئے ہیں، نہ ہی آپ کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ اللہ آپ سے آپ کے موجودہ مشاغل کے بارے میں پرسش کرے گا اور آپ کے اعمال کا حساب لے گا، لہٰذا خوب اچھی طرح سوچ رکھیے کہ آپ کیا جواب دیں گے۔ جان رکھیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور سے کسی بندہ کے قدم نہ ہل سکیں گے جب تک کہ اس سے پرسش نہ ہو جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لَا تَزُوْلُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ اَرْبَعٍ:

قیامت کے روز کوئی بندہ چار امور کی بابت جواب دہی کے بغیر اپنی جگہ سے جنبش نہ کر سکے گا۔

عن علمه ما عمل فيه، وعن عمره فيم افناه، وعن ماله من اين اكتسبه و فيم انفقه، وعن جسده فيم ابلاه

اپنے علم کے بارے میں کہ اس پر کس حد تک عمل کیا، اپنی عمر کی بابت کہ اسے کس کام میں کھپایا، اپنے مال کے بارے میں کہ اسے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ اور قوائے جسمانی کے بارے میں کہ اسے کن سرگرمیوں میں صرف کیا۔

پس اے امیر المومنین، اس مواخذے کا جواب تیار رکھیے۔ آپ آج اپنے نامۂ اعمال پر جو عمل بھی ثبت کر دیں گے وہی کل آپ کو سنایا جائے گا اور ذرا اس عالم کا تصور کیجیے جب بھرے مجمع میں اس تعلق کو بے نقاب کر دیا جائے گا جو آپ نے اللہ تعالیٰ سے واقعۃً رکھا ہے! امیر المومنین! میں آپ کو تہ دل سے نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ نے جن چیزوں کی حفاظت و پاسداری آپ کے ذمہ کی ہے ان کا پورا پورا تحفظ کیجیے اور جن امور کی نگرانی آپ کے سپرد کی ہے ان کی پوری پوری دیکھ بھال کیجیے۔ اس معاملہ میں صرف اللہ کی طرف دیکھیے، جو کچھ کیجیے صرف اسی کے لیے کیجیے، کسی دوسرے کی طرف نظر نہ اٹھائیے۔ بات یہ ہے کہ اگر آپ یہ طرزِ عمل نہیں اختیار کریں گے تو ہدایت کی آسان راہ آپ کے لیے دشوار گزار بن جائے گی، وہ آپ کی نظروں سے چھپ جائے گی، اس کے سارے نشانات آپ کے لیے محو ہو جائیں گے اور اس کی وسعتیں آپ کے لیے تنگی سے بدل جائیں گی۔ اس کے معروف امور آپ کے لیے منکر اور منکر امور معروف بن کر سامنے آئیں گے۔ اپنے نفس سے اس طرح نبرد آزما ہوئیے جس طرح وہ فرد ہوتا ہے جو اپنے نفس کو فائدہ کی راہ چلانا چاہتا ہے نہ کہ نقصان کی۔ اپنے گلہ کو ضائع کرنے والا چرواہا ان نقصانات کا ذمہ دار قرار پاتا ہے جو اس کے ہاتھوں اس حال میں ہوئے کہ اگر وہ چاہتا تو ان کو، مشیئتِ الٰہی کے تحت، ہلاکت کی وادیوں سے نکال کر نجات اور زندگانی کے میدان میں لے آتا۔ نگراں احتیاط کی روش سے ہٹتا ہے تو رعیت کو تباہی کے حوالہ کر دیتا ہے، اور اگر وہ ادھر سے غافل ہو کر دوسری چیزوں میں الجھ جائے تو ہلاکت اور زیادہ تیزی

اور تباہی کے ساتھ وارد ہوتی ہے۔ یہی نگراں جب اپنی ذمہ داریاں حسن و خوبی کے ساتھ انجام دیتا ہے تو اس کے طفیل وہ آخرت میں دنیا سے کہیں زیادہ خوش حال ہو جاتا ہے۔ جو امانت اس نے صحیح سالم خدا کے سپرد کی اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا اجر عطا فرماتا ہے۔ خوب چوکنے رہیے ایسا نہ ہو کہ آپ اپنی رعیت کو تباہ کر دیں تو اللہ تعالیٰ آپ سے اس کا بدلہ چکائے اور ـــــ آپ نے جو تباہی مچائی اس کے بدلہ ـــــ آپ کو اجر و ثواب سے محروم کر دے۔ عمارت کی مرمت اس کے پیوست زمین ہونے سے پہلے ہی کر لینی چاہیے۔ آپ کے کام آنے والی چیز صرف آپ کی وہ خدمات ہیں جو آپ ان لوگوں کے سلسلہ میں انجام دیں جن کے معاملات کا اللہ نے آپ کو سربراہ کار بنا دیا ہے۔ ان معاملات میں سے جن کو آپ خراب کریں گے ان کا وبال آپ پر ہوگا۔ اللہ نے آپ کو جن لوگوں کے معاملات کا سربراہ کار بنایا ہے! ان کو سرانجام دینے میں فراموشی کا شکار نہ ہوں گے تو آپ بھی فراموش نہیں کیے جائیں گے آپ ان سے اور ان کے مصالح سے نہ غافل ہوں گے تو آپ کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے گا۔

آپ اس دنیا سے بے شک شبانہ روز محظوظ ہوں لیکن یہ انہماک اتنا نہ ہو کہ آپ کی زبان اللہ کی تسبیح و تہلیل تحمید اور نبی رحمت و پیشوائے ہدایت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کا بکثرت اور زیرِ لب ورد کرنے سے محروم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور کمال عفو و مرحمت سے ارباب اقتدار کو اپنی زمین میں اپنا نائب بنایا ہے۔ ان کے لیے ایسی نورانی مشعل مہیا کر دی ہے جو ان کے اور رعایا کے باہمی تعلقات سے متعلق امور کے تاریک گوشوں کو روشن کرتی ہے اور رعایا کے حقوق کے بارے میں پیدا ہونے والے شبہات کو رفع کرتی ہے۔ اس نورانی مشعل کی ضیا پاشی اس بات پر موقوف ہے کہ حدود اللہ کو قائم کیا جائے، اور تحقیق و مشاورت اور واضح شہادت کے بعد حقداروں کو ان کے حقوق دلوائے جائیں۔ صالح لوگوں نے جو مستحسن طور طریقے اختیار کیے تھے، ان کو از سرِ نو جاری کرنا سب سے بڑا کارنامہ ہوگا۔ کیوں کہ مستحسن طریقوں (سنن) کا احیاء ایک

خیرِ لازوال ہے جسے کبھی فنا نہیں۔ نگران کا ظلم پر اتر آنا رعایا کے لیے ہلاکت کے ہم معنی ہے اور اس کا قابلِ اعتماد اور بھلے آدمیوں کے علاوہ کسی کو دست و بازو بنانا عوام کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کو سلیقہ سے برت کر انھیں درجۂ کمال تک پہنچایئے اور ان کا شکر ادا کر کے ان میں اضافہ کے امیدوار بن جایئے، کیوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز میں فرمایا ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (ابراہیم: ۷)	اگر تم شکر ادا کرو گے تو تمھیں اور عطا کروں گا، اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے۔

اصلاح سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک کوئی پسندیدہ کام نہیں ہے اور فساد سے زیادہ اس کی نگاہ میں کوئی مبغوض چیز نہیں ہے۔ نافرمانی کے کام کرنا کفرانِ نعمت ہے۔ کم ہی ایسا ہوا کہ کسی قوم نے کفرانِ نعمت کی روش اختیار کی ہو اور پھر توبہ و انابت سے تلافی مافات بھی نہ کی ہو تو اس کی ساری شان و شوکت نہ چھن گئی ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے دشمنوں کو اس پر مسلط نہ کر دیا ہو۔

امیر المومنین! میں اللہ سے دعا کرتا ہوں، جس نے آپ کو ایک منصب دیا اور پھر اس کی اہمیت کو سمجھنے کی توفیق ارزانی فرمائی، کہ وہ کسی کام میں بھی آپ کو آپ کے نفس کے حوالے نہ کرے، بلکہ اسی طرح آپ کی سرپرستی و دستگیری کرے جس طرح وہ اپنے دوستوں اور مقربوں کی سرپرستی کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ میں واحد سرپرست اس کی ذات ہے اور اسی کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔

۳- اس رسالہ کی نوعیت

آپ نے جن باتوں کے قلمبند کرنے کا حکم دیا تھا اُن کو میں نے کافی تفصیل و تشریح کے ساتھ مرتب کر دیا ہے۔ آپ ان کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ ان میں غور و فکر کریں، اور ان کو بار بار

پڑھیں تاکہ آپ کے ذہن نشین ہو جائیں۔ آپ کی خاطر میں نے اس سلسلہ میں کافی محنت کی ہے اور آپ کی اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے، کیونکہ اللہ کی خوشنودی اس کے ثواب کا حصول اور اس کی سزا کا خوف ہر آن میرے سامنے رہا ہے۔ اس تحریر میں جو باتیں پیش کی گئی ہیں اُن کے مطابق آپ نے عمل کیا تو مجھے توقع ہے کہ اللہ آپ کے خراج میں اضافہ کرے گا، بغیر اس کے کہ کسی مسلمان یا معاہد پر ظلم کی نوبت آئے، اور اللہ آپ کی رعایا کی حالت بھی بہتر کرے گا۔ رعایا کی فلاح و بہبود در اصل اسی میں ہے کہ حدود و اللہ نافذ کی جائیں۔ ان پر نہ تو حکومت کی طرف سے کسی طرح کا ظلم ہونے پائے، اور نہ وہ حقوق کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے باہم ظلم کریں۔

میں نے آپ کے لیے کچھ اچھی احادیث بھی لکھ دی ہیں جن میں ان امور کو جاریۂ عمل پہنانے پر ابھارا گیا ہے جن کی بابت آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا تھا اور جن پر آپ انشاء اللہ، عمل کرنے کا بھی عزم رکھتے ہیں۔ اللہ آپ کو ایسے طرزِ عمل کی توفیق دے جس کے نتیجہ میں وہ آپ سے راضی ہو اور آپ کے ذریعہ اور آپ کے ہاتھوں اصلاح عمل میں لے آوے۔

فصل ۲

امیر المومنین کی رہنمائی کے لیے چند احادیث

۴- ذکر کی اہمیت

یحییٰ ابن سعید نے زبیر زبیر نے طاؤس، اور انہوں نے معاذ بن جبل سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ: رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے اللہ کے ذکر سے زیادہ موثر کوئی عمل نہیں جو ابن آدم کر سکتا ہو۔"

لوگوں نے پوچھا: "یارسول اللہ! کیا خدا کی راہ میں جہاد بھی نہیں ؟"

آپ نے فرمایا: "نہیں، راہِ خدا میں جہاد بھی نہیں، خواہ تم اپنی تلوار سے مار کاٹ کرو، یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے، پھر اس سے مارو یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے، اور پھر اس سے مار کاٹ کرو یہاں تک کہ وہ ٹوٹ جائے۔" (یہی بات تین بار فرمائی)

امیر المومنین! جہاد کا درجہ بہت بلند ہے، اور اس پر بہت زیادہ ثواب ملتا ہے۔

۵-

ہمارے ایک شیخ نے نافع سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب یزید بن ابو سفیان کو شام کی مہم پر روانہ کیا تو ان لوگوں کے ساتھ تقریباً دو میل پا پیادہ تشریف لے گئے۔ آپ سے کہا گیا: "اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ واپس ہو جاتے تو بہتر ہوتا!"

آپ نے فرمایا: نہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سُنا ہے کہ:

"جس کے پاؤں راہِ خدا میں غبار آلود ہو گئے، اللہ نے اس کے پاؤں کو جہنم کی آگ پر حرام قرار دے دیا۔"

۶-

محمد بن عجلان نے ابو حازم اور ابو حازم نے ابو ہریرۃ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"اللہ کی راہ میں کسی صبح یا شام کچھ مسافت طے کر لینا دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں سے بہتر ہے۔"

"غدوۃٌ اَو روحۃٌ فی سبیل اللہ" کی تفسیر کے سلسلہ میں ہمیں مکحول کی یہ رائے معلوم ہوئی ہے کہ اس حدیث میں جس صبح یا شام کا ذکر آیا ہے اس سے مراد راہِ خدا میں تمہارا بہ نفسِ نفیس نکلنا ہے، اور اس کا درجہ گھر بیٹھ کر دنیا و ما فیہا لٹا دینے سے بھی زیادہ ہے۔

۷- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام

ابان بن ابی عیاش نے انس سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جس نے مجھ پر ایک بار بھی درود بھیجا و سلام پڑھا اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے اور اس کی دس برائیاں معاف کر دیتا ہے۔"

۸-

ہمارے ایک شیخ نے عبداللہ بن سائب سے اور انہوں نے عبداللہ — یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ — سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"اللہ کے کچھ فرشتے ہیں جو روئے زمین میں گشت لگاتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے رہتے ہیں۔"

۹- قربِ قیامت

اعمش نے ابو صالح سے، ابو صالح نے ابو سعید سے اور ابو سعید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے مجھے یہ حدیث سنائی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"میں کیسے شاد کام رہوں[1] جب کہ صور پھونکنے والے نے صور کو منہ سے لگا لیا ہے اور سر جھکائے، کان لگائے، انتظار کر رہا ہے کہ اسے کب حکم دیا جاتا ہے۔"

---

[1] متن کی عبارت ہے: "کیف انعم وصاحب الصور ....."

کتاب الخراج کے فرنچ مترجم فاگناں نے ابن الوردی کے حوالہ سے اس حدیث کی ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے کیف انتم وصاحب الصور قد التقمہ ینتظر حتی یوحی لہ فینفخ (تم کس حال میں ہو، صور پھونکنے والے نے صور کو منہ سے لگا لیا ہے اور انتظار کر رہا ہے کہ اسے کب حکم دیا جاتا ہے تاکہ وہ صور پھونکے)

ملاحظہ ہو: فرنچ ترجمہ کتاب الخراج - ای - فاگناں - پیرس، ۱۹۲۱ء صفحہ ۰۰، نوٹ ۹ (مترجم)

ہم نے کہا، "یارسول اللہ، ہم کیا کہیں؟"

فرمایا: کہو حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ، عَلَیْہِ تَوَکَّلْنَا (ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین سہارا ہے، ہم اسی پر بھروسہ کرتے ہیں)"

۱۰۔ انجامِ خیر و شر

یزید بن سنان نے عائذ اللہ بن ادریس سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا، شداد ابن اوس نے خطبہ دیا، اللہ کی حمد و ستائش بیان کرنے کے بعد کہا: "سنو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

"بھلائی پوری کی پوری جنت میں جائے گی، اور برائی پوری کی پوری جہنم میں جائے گی۔ جان رکھو کہ جنت کا راستہ ناگوار باتوں سے پُر ہے[1]، اور جہنم کا راستہ عشرتوں سے پُر ہے۔ جب کسی شخص کو کسی گراں بار و ناپسندیدہ چیز سے دوچار کر دیا جاتا ہے اور وہ اس پر صبر سے کام لیتا ہے تو وہ جنت کے قریب ہو جاتا ہے اور اہلِ جنت میں سے ہو جاتا ہے۔ اور جب کسی شخص کو ہوا و ہوس سے دوچار کر دیا جاتا ہے تو وہ جہنم کے کنارے پہنچ جاتا ہے اور اہلِ جہنم میں سے ہو جاتا ہے۔ خبردار! اس دن سے پہلے حق کے مطابق اعمال بجا لاؤ جس دن صرف حق ہی کے مطابق فیصلے کیے جائیں گے۔ اور تم کو ایسے ٹھکانے نصیب ہوں گے جو حق کو سزاوار ہیں۔"

۱۱۔ جہنم کی ہولناکی

اعمش نے یزید الرقاشی اور انھوں نے انس سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (معراج کی) رات میں لے جایا گیا

---

[1] یہ تیموری نسخہ کی عبارت ہے۔ اور ان دو نسخوں میں سے ایک کی عبارت بھی یہی ہے جن کو پہلے ایڈیشن کی بنیاد بنایا گیا تھا۔ دوسرے نسخہ میں یہ عبارت ہے:
"جنت ایک اونچے مقام پر واقع پتھریلی جگہ ہے۔"

اور آپ آسمان کے قریب پہنچے تو آپ نے ایک گونج سنی، پوچھا:

"جبریل! یہ کیا ہے؟"

انھوں نے کہا: "ایک پتھر ہے جو جہنم کے کنارے سے گرایا گیا تھا اور ستر سال تک گرتا رہا، اب جا کر وہ اس کی تہ میں پہنچا ہے۔"

۱۲۔

اعمش نے یزید الرقاشی اور انھوں نے انس بن مالک سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جہنم والوں پر رونا طاری کر دیا جائے گا تو وہ اتنا روئیں گے کہ ان کے آنسو خشک ہو جائیں گے، پھر بھی وہ روتے ہی چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ان کے چہروں میں گڑھے پڑ جائیں گے۔"

۱۳۔

محمد بن اسحاق نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ عبداللہ بن مغیرہ نے سلیمان بن عمرو سے اور انھوں نے ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہوئے ان سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ:

"صراط جہنم کے دونوں کناروں کے سہارے نصب کر دیا جائے گا۔ اس پر سعدان[1] کی طرح کے خار زار پودے پھیلے ہوں گے۔ پھر لوگ اس پر سے ہو کر گذریں گے۔ بعض مسلمان صاف گذر جائیں گے، بعض کو خراش آئے گی مگر بچ کر نکل جائیں گے، اور بعض لوگ اس میں الجھ کر رہ جائیں گے اور جہنم میں اوندھے منہ گر پڑیں گے۔"

۱۴۔ جواب دہی

سعید بن مسلم نے عامر، عامر نے عبداللہ بن زبیر، انھوں نے عوف بن حارث، اور

---

[1] ناگ پھنی کی طرح کا ایک خار زار پودا۔ (مترجم)

انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"اے عائشہ معمولی کاموں کے بارے میں بھی محتاط رہنا، کیوں کہ اللہ ان کی بابت بھی بازپرس فرمائے گا۔"

۱۵۔

عبداللہ بن واقد نے محمد بن مالک سے اور انہوں نے براء بن عازب سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ کے پیچھے جا رہے تھے جب ہم قبر پر پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے میں گھوم کر ان کے سامنے آ گیا۔ آپ رو رہے تھے اور اتنا روئے کہ مٹی نم ہو گئی پھر آپ نے فرمایا:

"میرے بھائیو! اس طرح کے دن کے لیے تیاری کر لو۔"

۱۶۔

مالک بن مغول نے فضل اور فضل نے عبید بن عمیر کے واسطے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا:

"قبر کہتی ہے کہ اے ابن آدم تو نے میرے لیے کیا تیاری کی تھی؟ کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ میں اجنبی دیار ہوں، کیڑوں مکوڑوں کا گھر ہوں، اور میرے یہاں بالکل تنہائی ہو گی؟"

۱۷۔ جنت کی نعمتیں

محمد بن عمرو نے ابو سلمہ سے انھوں نے ابو ہریرہ سے اور ابو ہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اللہ عزوجل فرماتا ہے: میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے ایسی نعمتیں مہیا کر رکھی ہیں جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی بشر کے دل میں اس کا خیال گذرا،

چاہو تو پڑھ لو: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ، جنت میں ایسا درخت ہے جس کے سایہ میں سوار سو سال چلتا رہے پھر بھی اسے پار نہ کر سکے۔ چاہو تو پڑھ لو، وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ (اور پھیلا ہوا سایہ) اور حقیقت یہ ہے کہ جنت میں ایک کوڑے برابر جگہ دنیا و مافیہا سے کہیں بہتر ہے۔ چاہو تو پڑھ لو: فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ۔"

۱۸۔ امام عادل کا مقام

فضل بن مرزوق[1] نے عطیہ بن سعد سے، اور انہوں نے سعید سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"قیامت کے دن لوگوں میں میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور ان سب سے زیادہ قریب میرے پاس بیٹھنے والا شخص امام عادل ہو گا۔ اور قیامت کے دن میرے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے سخت عذاب میں مبتلا کیا جانے والا شخص امام ظالم ہو گا۔"

۱۹۔ امام کی ذمہ داریاں

ہشام بن سعد نے ضحاک بن مزاحم سے اور انہوں نے عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جب اللہ کسی قوم کا بھلا چاہتا ہے تو ان کا حکمراں دانش مند لوگوں کو بنا دیتا ہے اور ان کا مال سخی لوگوں کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ اور جب اللہ کو کسی قوم کو آزمائش میں مبتلا کرنا ہوتا ہے تو ان پر نادانوں کو حکمراں بنا دیتا ہے اور ان کے مال بخیل لوگوں کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ جو شخص کسی درجہ بھی میری امت کے معاملات کا نگراں بنا اور اس نے ان کی ضروریات پورا کرنے میں نرم خوئی دکھائی تو اللہ اس کی ضرورت کی گھڑی آنے پر اس

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے۔ مسروق

کے ساتھ بھی لطف و کرم سے پیش آئے گا، اور جو ان کی ضروریات سے بے تعلق ہو کر الگ بیٹھ رہا تو اللہ اس کی ضرورت و محتاجی کی طرف مطلق توجہ نہ کرے گا۔"

۲۰-

عبداللہ بن علی نے ابو الزناد، انہوں نے اعرج کے واسطے سے ابوہریرہؓ اور ابوہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"امام ایک ڈھال ہے جس کے پیچھے ہو کر لڑا جاتا ہے اور جس کے ذریعہ اپنا دفاع کیا جاتا ہے۔ اب اگر وہ اللہ کے تقویٰ کا حکم دیتا ہے اور عدل کرتا ہے تو اُسے اس کا اجر ملے گا، اور اگر کوئی دوسرا طرزِ عمل اختیار کرتا ہے تو اس کا گناہ اس کے سر ہو گا۔"

۲۱-

یحییٰ بن سعید نے حارث بن زیاد حمیری کے حوالہ سے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ابوذر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کو امیر مقرر کر دیا جائے، تو آپ نے فرمایا:

"تم کمزور ہو اور امارت ایک امانت ہے۔ قیامت کے دن یہ رسوائی اور پشیمانی کا باعث بن جائے گی، بجز اس شخص کے جو اس کا حق رکھتا ہو اور اسے اختیار کر کے اس سلسلہ میں عائد ہونے والی ساری ذمہ داریاں ادا کرے۔"

۲۲- اطاعتِ امیر

اسرائیل نے ابو اسحٰق، ابو اسحٰق نے یحییٰ بن حصین اور انہوں نے اپنی دادی اُم حصین سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کا ایک حصہ آپ کی بغل کے نیچے تھا۔ آپ فرما رہے تھے:

"لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، سنو اور اطاعت کرو۔ اگر کوئی نکٹا حبشی غلام بھی تم پر امیر مقرر کر دیا جائے تو بھی اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔"

۲۳-

اعمش نے ابو صالح اور انہوں نے ابوہریرہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی، جس نے امام کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، جس نے امام کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔"

۲۴-

میرے ایک استاد نے حبیب [یعنی ابن ثابت][1] سے انہوں نے ابو البختری سے اور انہوں نے حذیفہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ:

"امام کے خلاف تلوار اٹھانا سنّت کے خلاف ہے۔"

۲۵-

مطرف بن طریف نے ابو جہم، انہوں نے خالد بن وہبان اور انہوں نے ابوذر سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے اسلام اور جماعت سے بالشت برابر بھی کنارہ کشی اختیار کی

---

[1] قوسین کی عبارت صرف تیموری نسخہ میں ہے۔

اس نے اپنی گردن سے اسلام کا قلادہ اتار دیا۔"

۲۶۔ نصح و خیر خواہی

محمد بن اسحاق نے عبدالسلام، عبدالسلام نے زہری، زہری نے محمد بن جبیر بن مطعم اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں خیف نامی مقام پر کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا:

"اللہ اس بندہ کے چہرہ کو تازگی بخشے جس نے میری بات سنی اور جس طرح اُسے سُنا اُسے آگے پہنچا دیا، کیوں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے سمجھ داری کی باتوں کا حامل خود سمجھ دار نہیں ہوتا، اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہنچانے والے ایسے لوگوں تک بات پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ تین باتیں ایسی ہیں جن پر قائم رہتے ہوئے کوئی مومن قلب[1] ذرا بھی خیانت نہیں برت سکتا: اپنے عمل کو خالصۃً لوجہ اللہ کرنا؛ مسلمان حکمرانوں سے خیر خواہی کرنا اور مسلمانوں کی جماعت سے وابستہ رہنا، کیوں کہ مسلمانوں کی دعائیں پیچھے سے اُس کی حفاظت کے لیے گھیرا ڈالے رہتی ہیں۔"

۲۷۔

غیلان نے قیس ہمدانی، اور انہوں نے انس بن مالک سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اپنے امراء کو بُرا بھلا نہ کہیں، نہ ان کو دھوکہ دیں، نہ ان کی نافرمانی کریں، اور یہ کہ ہمیں اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا چاہیے۔"

---

[1] مراد یہ ہے کہ ان تین باتوں کے عملاً اختیار کرنے سے قلب کی اصلاح ہوتی ہے اور وہ خیانت، غداری اور دوسری برائیوں سے پاک رہتا ہے۔

۲۸۔

اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر نے وائل بن ابوبکر سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حسن البصری کو یہ کہتے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"حکمرانوں کو گالی نہ دو، اگر وہ بھلی روش اختیار کرتے ہیں تو ان کو اس کا اجر ملے گا اور تم کو اس پر شکر ادا کرنا چاہیے۔ اگر وہ بری روش اختیار کریں تو اس کا وبال اُن پر پڑے گا اور تم کو صبر کرنا چاہیے۔ در اصل وہ ایک انتقام کی حیثیت رکھتے ہیں، اللہ ان کے ذریعہ جس سے چاہتا ہے بدلہ لے لیتا ہے۔ اللہ کے انتقام کا مقابلہ غیظ و غضب اور نخوت و حمیّت سے نہ کرو بلکہ اس کے مقابلہ میں انکسار اور عاجزی سے پیش آؤ۔"

۲۹۔

اعمش نے یزید بن وہب اور انہوں نے عبدالرحمٰن بن عبد ربّ الکعبۃ سے روایت کرتے ۱۲
ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں عبداللہ بن عمر کے پاس گیا۔ وہ کعبہ کے زیرِ سایہ بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ ان کے گرد جمع تھے۔ میں نے انھیں یہ کہتے ہوئے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جس نے کسی امام سے بیعت کی اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا اور خلوصِ دل سے اس کے ساتھ عہد کر لیا تو جب تک ہو سکے اس کو اس امام کی اطاعت کرنی چاہیے۔ پھر اگر کوئی دوسرا آدمی اُٹھے اور اس سے جھگڑا کرنے لگے تو اُس کی گردن مار دو۔"

۳۰۔

میرے اساتذہ میں سے ایک نے مکحول سے اور انہوں نے معاذ بن جبل سے روایت

کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"اے معاذ! ہر امیر کی اطاعت کرو، ہر امام کے پیچھے نماز پڑھو، اور میرے اصحاب میں سے کسی کو بُرا بھلا نہ کہو۔"

۳۱۔ تنقید و اصلاح

اسماعیل بن ابو خالد نے قیس سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، آپ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: "لوگو تم یہ آیت پڑھتے ہو ——— یا ایھا الذین آمنوا، علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم ——— اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ:

"منکر دیکھنے کے باوجود اگر لوگ اس کا ازالہ نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ ان سب کو اپنی سزا میں لپیٹ لے۔"

۳۲۔

یحییٰ بن سعید نے [ابراہیم[1] سے، انہوں نے] اسماعیل بن ابو حکیم سے، اور انہوں نے عمر بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے:

"اللہ چند مخصوص افراد کے جرم و عمل پر ساری قوم سے مواخذہ نہیں کرتا، البتہ جب گناہ کھلم کھلا ہونے لگیں اور ان پر نکیر نہ کی جائے تو سارے لوگ سزا کے مستحق قرار پاتے ہیں۔"

۳۳۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وصیت

اسماعیل بن ابو خالد نے زبید بن الحارث یا ابن سابط[2] نے روایت کرتے ہوئے

---

[1] یہ اضافہ تیموری نسخہ کا ہے۔

[2] پہلے ایڈیشن کے حاشیہ پر لکھا تھا کہ "ایک دوسرے نسخہ میں (یا ابن سابط کی جگہ) ابو سابط ہے"

مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ: جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت آن پہنچا تو انھوں نے عمر کو بلا بھیجا تاکہ انھیں اپنے بعد خلیفہ مقرر کر جائیں۔ لوگوں نے کہا:

"کیا آپ ایک سخت اور تیز مزاج آدمی کو ہمارے اوپر اپنا نائب مقرر کر جا رہے ہیں جو ہمارا حاکم ہو گیا تو اور زیادہ سختی اور درشتی سے پیش آئے گا؟ عمر رضی اللہ عنہ کو ہمارے اوپر خلیفہ مقرر کر کے جب آپ خدا کے یہاں حاضر ہوں گے تو اس کو آخر کیا جواب دیں گے؟"

آپ نے فرمایا:

"کیا تم مجھے میرے آقا کا خوف دلا رہے ہو؟ میں اس سے کہوں گا، خدایا! میں تیرے بندوں میں سے بہترین فرد کو ان کا حکمران مقرر کر آیا ہوں۔"

پھر آپ نے عمر کو بلا بھیجا اور اُن سے فرمایا: ۱۳

"میں تمہیں ایک ایسی وصیت کر رہا ہوں جسے اگر تم نے یاد رکھا تو تمھارے نزدیک موت سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہو گی، اور موت تو تمہیں بہر حال آئے گی۔ اگر تم اسے فراموش کر بیٹھے تو تمھارے نزدیک موت سے زیادہ مبغوض کوئی چیز نہ ہو گی، اگرچہ تم موت کو روک نہ سکو گے۔ رات میں تم پر اللہ کا ایک حق ہے جسے وہ دن میں نہیں قبول کرے گا، اور دن میں کچھ حق ہے جسے وہ رات میں نہیں قبول کرتا۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ جب تک فرائض نہ ادا کر دیے جائیں کوئی نفل کام نہیں قبول کیا جاتا۔ قیامت کے دن جس کے پلڑے ہلکے ہوں وہ صرف اس لیے ہلکے ہوں گے کہ اس نے دنیا میں باطل کی پیروی کی اور اسے ایک معمولی سی بات سمجھا، جس ترازو میں صرف باطل رکھا جائے اسے ہلکا ہی ہونا چاہیے۔ قیامت میں جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ صرف اس بنا پر بھاری ہوں گے کہ اس نے دنیا میں حق کی پیروی کی اور

اس کا وزن محسوس کیا، جس میزان میں صرف حق رکھا جائے اُسے بھاری ہی ہونا چاہیے۔ اگر تم میری اس وصیت کو محفوظ رکھ سکے تو کوئی نگاہوں سے اوجھل چیز تمھارے نزدیک موت سے زیادہ پسندیدہ نہ ہوگی، اور اس سے کوئی مفر بھی نہیں۔ اور اگر تم نے میری یہ وصیت ضائع کر دی تو کوئی نظروں سے چھپی ہوئی چیز تمھارے لیے موت سے زیادہ مبغوض نہ ہوگی، حالانکہ تم اس پر قابو نہیں پا سکتے۔"

۳۴

موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ اسماء بن عُمیس نے کہا، "اور آپ نے عمر سے فرمایا:

"اے ابن خطّاب! اپنے بعد تمھیں خلیفہ بنانے میں میرے پیش نظر وہ امور و مسائل ہیں جن کو میں چھوڑے جا رہا ہوں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں اور میں نے دیکھا ہے کہ آپ کس طرح ہم کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے، اور ہمارے بال بچوں کا اپنے بال بچوں کے زیادہ خیال رکھتے تھے، یہاں تک کہ ہمارا یہ دستور ہو گیا تھا کہ ہم آپ کے گھر والوں کو جو تحائف بھیجتے تھے وہ آپ ہی کے بچے ہوئے تحائف ہوتے تھے جو ہمارے پاس خود آپ کے یہاں سے آتے تھے! تم میرے ساتھ رہے ہو اور تم نے دیکھا ہے کہ میں اپنے پیش رو کے نقش قدم پر چلتا رہا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے خواب و خیال میں بھی کبھی راہِ راست سے قدم نہیں ہٹائے ہیں۔ عمر! پہلی چیز جس کی طرف سے میں تمھیں ہوشیار رہنے کی نصیحت کرتا ہوں وہ خود تمھارا نفس ہے، ہر نفس کی کچھ خواہش ہوتی ہے۔ اور جب تم اس کی یہ خواہش پوری کر دو گے تو نفس آگے بڑھ کر دوسری خواہش کے لیے مچلنے لگے گا۔ اور دیکھو! اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اس گروہ سے ہوشیار

رہنا جن کے پیٹ پھول گئے ہیں، نگاہوں میں ہوس بس گئی ہے، اور ان میں سے ہر ایک کو صرف اپنا ذاتی مفاد عزیز ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے پاؤں پھسلیں گے تو ان سب کو حیرانی ہوگی۔ خبردار! ویسا ایک تم نہ ہونا۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ جب تک تم اللہ سے ڈرتے رہو گے یہ لوگ تم سے ڈرتے رہیں گے، جب تمھاری روش درست رہے گی یہ لوگ بھی تمھارے لیے سیدھے رہیں گے۔ یہ ہے میری وصیت اور میں تم پر سلام بھیجتا ہوں۔"

۳۵

عبدالرحمٰن بن اسحاق نے عبداللہ القرشی سے اور انہوں نے عبداللہ ابن حکیم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا، "ایک دن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطاب کیا اور فرمایا،

"اما بعد! میں تمہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، اور اس کی وہ تعریفیں کرو جن کا وہ مستحق ہے۔ خوف کے ساتھ امید شامل کرو، اور دعا کرتے وقت خوب گڑگڑایا کرو۔ اللہ تعالےٰ نے زکریا علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اِنَّھُمْ کَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَیَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَھَبًا، وَکَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ۔ (انبیاء: ۹۰)	وہ لوگ بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے تھے اور ہمیں خوف اور توقع کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے آگے جھکے رہنے والے تھے۔

بندگانِ خدا! جان رکھو کہ اللہ نے تمھاری جانوں کو اپنے حق میں رہن کر لیا ہے اور اس پر تم سے پختہ عہد کر لیا ہے۔ اس نے تم سے تھوڑی فنا ہونے والی پونجی کو بہت سی باقی رہنے والی چیزوں کے عوض خرید لیا

ہے. تمھارے درمیان یہ کتابِ الٰہی موجود ہے جس کے عجائب کی کوئی انتہا نہیں اور جس کی روشنی کبھی گل نہ ہوگی۔ تمھیں اللہ کے کلام کی تصدیق کرنی چاہیے اور اس کتاب کو اپنا خیر خواہ سمجھنا چاہیے اور تاریکی کے زمانہ کے لیے اس سے روشنی حاصل کرنا چاہیے کیونکہ تم کو عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تم پر معزز لکھنے والے (فرشتے) مقرر کر دیے گئے ہیں جو تمھارے ہر فعل سے واقف ہیں۔ اللہ کے بندو! جان رکھو کہ تم اس حال میں صبح و شام کرتے ہو کہ تمھاری ایک مدّت عمر مقرر ہے جس کا علم تم سے مخفی رکھا گیا ہے۔ اگر تم سے یہ ہو سکے کہ تمھاری عمریں کارِ خدا میں انہماک کے عالم میں اختتام کو پہنچیں تو اس کا اہتمام کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم بغیر اللہ کی مدد کے ایسا نہ کر سکو گے۔ لہٰذا اس مہلتِ عمر میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرو، قبل اس کے کہ یہ ختم ہو جائے اور تم کو تمھارے بدترین اعمال کے حوالہ کر دے۔ بعض قوموں نے یہ سمجھا تھا کہ یہ میعادیں دوسروں کے لیے ہیں اور خود اپنی حیثیت بھول گئے، میں تمھیں ان کی مانند ہو جانے سے منع کرتا ہوں پس جلدی کرو، جلدی کرو! تیزی سے نکلو، کیوں کہ تمھارے پیچھے ایک بڑا تیز رو طلب گار چلا آ رہا ہے جس کا کام بڑی سرعت سے انجام پاتا ہے۔"

۳۶۔ آثارِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

ابوبکر بن عبداللہ ہذلی نے حسن بصری سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ایک آدمی نے عمر بن خطاب سے کہا: "عمر خدا سے ڈر" (اور اس نے یہ کئی بار کہا)۔ اس پر کسی نے اسے ٹوکا کہ "چپ رہ، تو نے امیر المومنین کو بہت کچھ کہہ سنایا"۔ عمر نے ان سے فرمایا:

"اسے مت روکو، یہ لوگ اگر ہم سے ایسی باتیں کہنا چھوڑ دیں تو پھر ان کا فائدہ ہی کیا، اور اگر ہم ان کی ان باتوں کو نہ قبول کریں تو ہمیں بھلائی سے عاری سمجھنا چاہیے۔ اور بعید نہیں کہ یہ بات اپنے کہنے والے ہی پر چسپاں ہو جائے۔"

۳۷۔

عبیداللہ بن ابو حمید نے ابوالملیح بن ابواسامہ ہذلی سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ: "عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا:

"لوگو! ہم تم پر یہ حق رکھتے ہیں کہ ہمارے پیٹھ پیچھے بھی ہمارے خیر خواہ رہو اور بھلائی کے کاموں میں ہم سے تعاون کرتے رہو۔ اے لوگوں کی نگرانی کا فرض سرانجام دینے والو! آگاہ رہو کہ امام کی بردباری اور نرم روی سے زیادہ نہ تو اللہ کو کوئی بردباری اور نرم روی عزیز ہے اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی اور چیز ہمہ گیر نفع کی حامل ہے۔ اور امام کی تند مزاجی اور بے تدبیری سے زیادہ نہ تو اللہ کو کوئی تند مزاجی اور بے تدبیری مبغوض ہے اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی اور چیز ہمہ گیر نقصان کی حامل ہے۔ جو اپنے ماحول میں امن و عافیت اختیار کرتا ہے اسے اوپر سے بھی امن و عافیت عطا ہوتی ہے۔"

۳۸۔

داؤد بن ابو ہند نے عامر سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ
۱۵ انھوں نے کہا ہے کہ عبداللہ بن عباس نے کہا: جب عمر کو زخمی کر دیا گیا تو میں اُن کے پاس گیا اور میں نے یہ کہا کہ:

"امیر المومنین! جنت کی بشارت ہو۔ جب سارے لوگ کفر پر

قائم تھے تو آپ اسلام لائے، جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا تھا تو آپ نے اُن کے ہمراہ جہاد کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے راضی خوشی دنیا سے رخصت ہوئے ——————

—————— آپ کی خلافت کے بارے میں دو آدمیوں کے درمیان بھی اختلاف نہ ہوا اور اب آپ قتل کے ذریعہ شہادت پا رہے ہیں۔"

آپ نے فرمایا: "دوبارہ کہو" تو میں نے یہ باتیں آپ کو دوبارہ سنائیں۔ پھر عمرؓ نے کہا:

"اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں، اگر زمین کا سارا سونا چاندی میرے پاس ہوتا تو میں اس کو فدیہ میں دے کر پیش آمدہ حاضری کی ہولناکی سے چھٹکارا چاہتا۔"

۳۹-

میرے اساتذہ میں سے ایک نے عبدالملک بن مسلم سے انہوں نے عثمان بن عطاء کلاعی سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ: "ایک دن عمرؓ نے عوام کو خطاب کیا، آپ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا:

"اما بعد! میں تمھیں اس اللہ سے تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں جو ہمیشہ باقی رہے گا اور جس کے سوا ہر دوسری چیز ہلاک ہو جائے گی۔ جس کی اطاعت کرکے اس کے مددگار بندے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جو اپنی نافرمانی سے اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ہلاک ہونے والے کے لیے یہ بات عذر نہیں بن سکتی کہ اس نے گمراہی کو ہدایت سمجھ کر قصداً اختیار کر لیا تھا، یا کسی حق کو گمراہی سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ نگران کو اپنی رعایا کے ضمن میں سب سے

زیادہ اہتمام ان دینی اعمال کے سلسلہ میں کرنا چاہیے جو ان پر اللہ کا حق ہیں اور جن کی طرف اللہ نے ان کی رہنمائی فرمائی ہے۔ ہماری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ ہم تم کو اللہ کی اس اطاعت کا حکم دیں جس کا اس نے تمھیں حکم دیا ہے، اور اس نافرمانی سے روکیں جس سے اس نے تم کو منع کیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم دور و نزدیک کے تمام لوگوں پر اللہ کا حکم نافذ کریں اور اس کی مطلق پروا نہ کریں کہ حق کس کے خلاف پڑتا ہے۔ اچھی طرح جان لو کہ اللہ نے نماز فرض کی ہے اور اس کے کچھ شرائط مقرر کر دیے ہیں۔ چنانچہ اس کے شرائط میں، وضو، خشوع، رکوع، اور سجود شامل ہیں۔ لوگو! جان رکھو کہ حرص و ہوس انسان کو دستِ نگر بنا دیتی ہے اور ناامیدی آدمی کو غنی رکھتی ہے، نیز، گوشہ گیر رہنے میں برے ساتھیوں سے امن رہتا ہے۔ یہ بھی سمجھ لو کہ جو اللہ سے اُن معاملات میں راضی نہ ہو سکا جن میں قضائے الٰہی اس پر گراں گذری ہو وہ حسب منشا ہونے والے معاملات میں خاطر خواہ شکر ادا کرنے سے محروم رہا[1]۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جو باطل سے کنارہ کش رہ کر اُسے مٹا دیتے ہیں اور حق کا چرچا کر کے اسے زندہ رکھتے ہیں۔ اُن کو شوق دلایا گیا تو ان میں رغبت پیدا ہو گئی ہے اور ان کو ڈرایا گیا تو وہ لرزتے رہتے ہیں۔ ایک بار ڈر کر وہ کبھی خود کو خطرے سے باہر نہیں سمجھتے۔ انھوں نے ایسی حقیقتوں کا پتہ پا لیا ہے جن کا انھیں مشاہدہ نہیں نصیب ہوا، پھر وہ ایسے مقام پر جا پہنچے جہاں سے پھر کبھی نہیں ہٹے۔ موت نے انھیں مخلص اور یکسو بنا دیا ہے، جو کچھ ان سے چھن گیا۔ اس سے کنارہ کش ہو گئے اور اسے اختیار کر لیا جو ان کے پاس سدا باقی رہے گا۔ زندگی ان کے لیے

[1] یہ عبارت تیموری نسخہ کی ہے مطبوعہ نسخہ میں یوں ہے، "اس پر جو شکر لازم تھا اسے ادا نہ کر سکا۔"

ایک نعمت ہے اور موت ان کے لیے ایک اعزاز ہے۔"

-۴۰

١٦ اسماعیل بن ابو خالد نے زبید الایامیؓ[1] سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث
بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ: "جب عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تو فرمایا:

"میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں میں اسے مہاجرین اوّلین کے سلسلہ میں یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان کا مقام پہچانے اور ان کے حقوق تسلیم کرے۔ انصار جنھوں نے پہلے سے ایمان لاکر دارالہجرت کو آباد کر رکھا تھا ان کے بارے میں میں اسے تلقین کرتا ہوں کہ ان کے نیکوکاروں کی خدمات قبول کرے اور غلطی کرنے والوں کے سلسلہ میں عفو و درگزر سے کام لے میں اسے دوسرے شہروں اور قصبات کے باشندوں کے سلسلہ میں بھی نصیحت کرتا ہوں کہ ان سے ان کی رضامندی کے ساتھ صرف ان کے فاضل اموال وصول کرے کیونکہ یہی لوگ اسلام کی دفاعی قوت ہیں؛ دشمنوں کو انہی کے باعث پیچ و تاب ہے اور یہی مال جمع کرنے والے لوگ ہیں۔ اہلِ بادیہ کے سلسلہ میں میں اسے یہ ہدایت کرتا ہوں کہ ان کے فالتو اموال کا ایک حصہ لے کر انہی کے فقراء پر تقسیم کر دیا کرے کہ یہی لوگ عرب کی جان اور اسلام کی اصل آبادی ہیں جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری میں داخل ہیں ان کے بارے میں میں اسے یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ کیے ہوئے معاہدہ پر پوری طرح کاربند رہے، ان کے دفاع میں جنگ کی جائے، اور ان پر کبھی ان کی قوتِ برداشت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔"

---

[1] میزان الاعتدال میں "زبید بن حارث الایامی" ہے۔

-۴۱

سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ، انھوں نے سالم بن ابو الجعد اور انہوں نے معدان بن ابو طلحۃ الیعمری سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ایک بار عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن خطبہ دینے کھڑے ہوئے۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا اور اس کے بعد فرمایا:

"خدایا! میں مختلف مقامات کے حکام کے سلسلہ میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ عوام کو ان کے دین کی تعلیم دیں، اور انہیں ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سکھائیں، ان کا مالِ فے ان کے درمیان تقسیم کریں اور ان کے ساتھ عدل و انصاف برتیں۔ اب اگر کسی کو کوئی اُلجھن پیش آتی ہے تو وہ اس معاملہ کو میرے سامنے پیش کرے۔"

-۴۲

عبداللہ بن علی نے زہری سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: "ایک آدمی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے یہ کہا:

"امیر المومنین! میرے لیے یہ زیادہ بہتر ہے کہ (ہر برائی پر کھل کر تنقید کروں اور) خدا کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی لعن طعن کی پروا نہ کروں یا اپنی تمام توجہات اپنے ہی نفس کی اصلاح پر مرکوز رکھوں؟"

آپ نے جواب دیا:

"جو فرد کسی درجہ میں بھی مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا سربراہ کار بنا دیا گیا ہو اُسے تو راہِ خدا میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرنا چاہیے اور جس کے سر پر یہ ذمہ داری نہ ہو اُسے چاہیے کہ اپنی اصلاح کی

فکر کرے اور اپنے حکمرانوں کا خیر خواہ رہے۔"

۴۳۔

عبداللہ بن علی نے زہری سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: "عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

"بے مقصد کاموں میں مت پڑو، دشمن سے کنارہ کشی اختیار کرلو۔ اپنے دوستوں کی طرف سے بھی محتاط رہو، بجز اس دوست کے جو راستباز اور قابلِ اعتماد ہو، کیوں کہ یہ آدمیوں کی ایک ایسی قسم ہے جس کی برابری کوئی دوسری چیز نہیں کر سکتی۔ بدکار کی صحبت نہ اختیار کرو ورنہ وہ اپنی بدکاری تمھیں بھی سکھا دے گا اس کو اپنا رازدار بھی نہ بناؤ، اور اپنے معاملات میں ان لوگوں سے مشورہ لیا کرو جو خوف سے معمور رہوں۔"

۴۴۔

اسماعیل بن ابوخالد نے سعید بن ابوبردہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: "عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ کو لکھا کہ:

"امابعد! اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ سعادت مند نگراں وہ ہے جس کے سبب اس کی رعایا کو سعادت نصیب ہو، اور سب سے بدبخت نگراں وہ ہے جس کے ہاتھوں اس کی رعایا تباہ ہو جائے۔ دیکھو! تم خود راہ راست سے نہ ہٹنا، کیوں کہ اس کے نتیجے میں تمھارے عمّال بھی بگڑ جائیں گے ایسا کروگے تو اللہ کے حضور تمھارا حال اس جانور کا سا ہوگا جس نے زمین پر کچھ سبزہ دیکھا تو اس کو چرنے لگا تاکہ موٹا ہو جائے حالانکہ اسی موٹاپے میں اس کی موت مضمر ہے۔ والسلام"

۴۵۔

مسعر نے ایک آدمی سے اور انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے

یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ:

"اللہ کے احکام وہی شخص نافذ کرسکتا ہے جو نہ تو دوسروں کی نقالی کرے، نہ مداہنت سے کام لے اور نہ اہوا و خواہشات کے پیچھے چلے۔ اللہ کا حکم وہی شخص نافذ کرسکے گا جس کے ڈول میں کبھی پانی کی کمی نہ پڑے[1] اور جو حق کے معاملہ میں اپنی پارٹی سے نرمی نہ برتے۔"

۴۶۔ عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک اثر

میرے کسی استاد نے عثمان بن عفان کے آزاد کردہ غلام ہانی سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: "عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تو اتنا روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی، راوی کہتا ہے کہ ان سے کہا گیا کہ: "کہ آپ جنت و دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور اس کو دیکھ کر رونے لگتے ہیں؟" آپ نے کہا کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، اگر آدمی اس سے بخیر و خوبی گذر گیا تو اس کے بعد کی منزلیں آسان تر ثابت ہوتی ہیں اور اگر اس میں پھنس گیا تو اس کے بعد کی منزلیں اس سے بھی زیادہ دشوار پڑیں گی۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"میں نے جتنے بھی مناظر دیکھے ہیں ان میں سب سے زیادہ ہولناک چیز عذاب قبر ہے۔"

۴۷۔ آثار حضرت علی رضی اللہ عنہ:

میں نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: "جب عمر خلیفہ ہوئے تو علی نے،

---

[1] ایک عربی محاورہ، جس سے دریا دلی، فیاضی اور وسیع القلبی کی صفت ظاہر کی جاتی ہے۔ ایک دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "جس کی قوت کار کبھی اضمحلال کا شکار نہ ہو۔" (مترجم)

رضی اللہ عنہا، ان سے کہا:

"اگر اپنے رفیق تک پہنچنا چاہتے ہو تو اپنی قمیص میں پیوند لگایا کرو، ازار بند اونچا رکھو، اپنی جوتی خود گانٹھ لیا کرو، موزے میں جوڑ لگا لیا کرو، امیدیں کم کرو اور پیٹ بھر کر نہ کھایا کرو۔"

۴۸۔

میرے کسی استاد نے عطا بن ابو رباح سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ، علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ جب کوئی فوجی دستہ روانہ کرتے تو کسی شخص کو اس کا امیر بنا دیتے اور اس سے فرماتے:

"میں تم کو اس اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہوں جس سے تمھیں لامحالہ ملنا ہے، جس کے علاوہ تمھاری منزل کوئی اور نہیں ہو سکتی، کہ وہی دنیا و آخرت کا مالک ہے۔ دیکھو! جس مہم پر تم روانہ کیے جا رہے ہو اس کا پورا اہتمام کرنا، اور ایسے کام کرنا جو تمھیں اللہ عزوجل سے قریب کریں، کیوں کہ دنیا کی وہی چیز کام آئے گی جو اللہ کے پاس پہنچ گئی۔"

۴۹۔

اسماعیل بن ابراہیم بن المہاجر البجلی نے عبدالملک بن عمیر سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ قبیلۂ ثقیف کے ایک آدمی نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ، علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے مجھے عکبراء کا عامل مقرر کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا — جب کہ وہاں کے باشندے میرے ساتھ کھڑے یہ سب کچھ سن رہے تھے:

"دیکھو! ان کے ذمہ جو کچھ خراج نکلتا ہو سب کا سب پورا وصول کرنا، خبردار! اس سلسلہ میں ان کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرنا، اور ایسا نہ ہو کہ یہ تمھارے اندر ذرا بھی کمزوری محسوس کریں۔"

پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ: "ظہر کے وقت میرے پاس آ جانا،" چنانچہ میں ظہر کے وقت ان کے پاس گیا تو انھوں نے مجھ سے کہا:

"میں نے تمھاری عملداری کے باشندوں کے سامنے تم کو جو نصیحت کی تھی وہ اس لیے تھی کہ یہ بڑے چالباز لوگ ہیں۔ دیکھو جب وہاں جانا تو خراج وصول کرنے کے سلسلہ میں ان کا کوئی جاڑے یا گرمی کا کپڑا نہ فروخت کرنا، نہ غذائی اشیاء، جو ان کے زیر استعمال ہوں، نہ وہ جانور جن کے سہارے وہ محنت مزدوری کرتے ہوں۔ اور نہ ایک درہم کی خاطر کسی کو ایک کوڑا بھی مارنا، نہ ایک درہم کی خاطر کسی کو ایک پاؤں پر کھڑا کرنا، اور نہ خراج وصول کرنے کی خاطر کسی کا سامان نیلام کرنا کیوں کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان سے صرف ان کی ضروریات سے فاضل اموال وصول کریں اگر تم نے میرے ان احکام کی خلاف ورزی کی تو مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ تم سے اس کا مواخذہ کرے گا۔ اور اگر کسی خلاف ورزی کی اطلاع مجھ تک پہنچ گئی تو میں تم کو معزول کر دوں گا۔"

اس آدمی نے کہا کہ میں نے کہا:

"تب تو میں آپ کے پاس ویسا ہی لوٹ آؤں گا جیسا کہ جا رہا ہوں۔"

آپ نے فرمایا:

"ہاں چاہے تم ایسے ہی لوٹ آؤ جیسے کہ جا رہے ہو۔"

کہتے ہیں کہ پھر میں گیا اور وہی طریقہ اختیار کیا جس کا آپ نے حکم دیا تھا، اور میں پورا کا پورا خراج لے کر لوٹا، ذرا بھی کمی نہیں ہوئی:

۵۰۔ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے آثار

میرے ایک استاد نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا: جب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انھوں نے مجھے

بلا بھیجا۔ میں اس وقت مدینہ میں تھا۔ چنانچہ میں ان کے پاس حاضر ہوا۔ کہتے ہیں' جب میں اُن کے پاس گیا تو ان کو اس طرح نگاہیں گاڑ کر دیکھنے لگا کہ مارے حیرت کے میں ان پر سے اپنی نگاہ نہ ہٹا سکا۔ اس پر انھوں نے کہا:

"ابن کعب! تم تو مجھے اس طرح دیکھ رہے ہو جس طرح تم مجھے پہلے کبھی نہیں دیکھا کرتے تھے۔"

کہتے ہیں کہ میں نے کہا:

' مارے تعجب کے '

آپ نے فرمایا:

"تمھیں تعجب کس بات پر ہے ؟"

کہتے ہیں کہ میں نے کہا:

19 ' اس پر کہ آپ کا رنگ بدل گیا ہے' جسم لاغر ہو گیا ہے' اور بال جھڑ گئے ہیں '

آپ نے فرمایا:

"اور اگر میرے قبر میں اتار دیے جانے کے تین (دن) بعد تم مجھے دیکھو تب کیسا رہے گا، جب کہ میری آنکھیں میرے گالوں پر بہہ چکی ہوں اور میرے نتھنوں سے خون اور پیپ جاری ہو! تب تو تم مجھے بالکل نہ پہچانو گے!"

۵۱-

میرے ایک استاد نے عمر بن ذر سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ:

"عمر بن عبدالعزیز کی ساری توجہات بس اس پر مرکوز تھیں کہ مغصوبہ املاک واپس لیں اور لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیں۔"

۵۲-

ایک شامی استاد نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ: جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنائے گئے تو دو مہینہ تک تو وہ اسی رنج و غم میں ڈوبے رہے کہ عوام الناس کے جملہ معاملات کی ذمہ داری اپنے سر آن پڑی ہے۔ پھر انہوں نے لوگوں کے معاملات پر غور کرنا شروع کیا اور مغصوبہ املاک کو اصل مالکوں کو واپس کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ یہ واقعہ ہے کہ آپ کو اپنے ذاتی معاملات سے زیادہ عوام کی فکر رہتی تھی۔ تا دمِ وفات آپ کا یہی معمول رہا۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ جب آپ کا انتقال ہو گیا تو فقہا تعزیت کے لیے آپ کی بیوی سے ملے اور اہلِ اسلام کو آپ کی وفات سے جو زبردست صدمہ پہنچا تھا اس پر اظہارِ خیال کرتے رہے۔ انہوں نے آپ سے کہا:

"ہمیں ان کے بارے میں کچھ بتایئے' کیوں کہ آدمی سے سب سے زیادہ واقفیت اس کی گھر والی کو ہوتی ہے۔"

راوی کہتا ہے کہ اس پر آپ نے کہا:

"خدا کی قسم روزے نماز کے اعتبار سے تو وہ تم میں سب سے آگے نہ تھے' لیکن میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے خوفِ خدا میں کسی انسان کو عمر سے آگے نہیں پایا۔ اللہ آپ پر رحمت نازل کرے آپ نے اپنے جسم و جان کو عام انسانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ دن بھر ان کی ضروریات کے سلسلہ میں بیٹھے رہتے، شام ہوتی اور ابھی کچھ ضروریات باقی رہتیں تو رات میں بھی مسلسل کام کرتے چلے جاتے۔ ایک دن شام کو لوگوں کی ضروریات سے فارغ ہو چکے تو چراغ طلب کیا جسے آپ ذاتی خرچ سے جلایا کرتے تھے اور دو رکعت نماز ادا کی' پھر اپنی ٹھوڑی ہتھیلی پر ٹیک کر بیٹھ گئے، رخساروں پر آنسو جاری تھے۔ سپیدۂ سحر نمودار ہونے تک اسی حال میں رہے اور پھر صبح ہوئی تو روزے سے تھے! اس پر میں نے عرض کیا:' آج رات کوئی خاص بات تھی جو میں یہ حال دیکھ رہی ہوں؟'

آپ نے فرمایا:

"ہاں میں نے اپنے آپ کو اس پوری امّت کے تمام سیاہ و سفید کا ذمہ دار پایا۔ مجھے زمین کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے غریب الوطن، خستہ حال بھکاری محتاج غربا، مجبور و مظلوم قیدی اور اسی قبیل کے دوسرے لوگ یاد آئے مجھے یہ احساس ہوا کہ اللہ ان سب کے بارے میں مجھ سے محاسبہ کرے گا، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے معاملہ میں میرے خلاف مقدمہ لڑیں گے۔ میں ڈرا کہ خدا کے آگے میرا کوئی عذر نہ چلے گا، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو میں کسی دلیل سے بھی قائل نہ کرسکوں گا، اس پر میری جان لرز اٹھی، مجھے اپنے بارے میں ڈر اور ڈر لگنے لگا۔"

خدا کی قسم عمر وہاں ہوتے جہاں اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کی مسرّت آخری حد کو پہنچ جاتی ۲۰
ہے، اور اس حال میں انھیں اللہ کا کوئی کلام یاد آجاتا تو اس طرح تڑپ اٹھتے جس طرح پانی میں گر پڑنے والی گوریا تڑپتی ہے۔ پھر آپ زور زور سے رونے لگتے، یہاں تک کہ میں ان کی سہولت کی خاطر اپنے اور ان کے اوپر سے لحاف ہٹا دیتی —— اور پھر آپ نے فرمایا:

"خدا کی قسم میری دلی تمنا تھی کہ کاش ہمارے اور اس امارت کے درمیان مشرق و مغرب کا سا بُعد رہا ہوتا۔"

۵۳۔

میرے ایک کوفی استاذ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ: مجھ سے مدینہ کے ایک استاذ نے کہا ہے کہ:

"میں نے مدینہ میں عمر بن عبدالعزیز کو اس حال میں دیکھا تھا کہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ نفیس کپڑے پہنتے، سب سے عمدہ عطر استعمال کرتے، اور ان کی چال سب سے زیادہ شاہانہ ہوتی تھی۔ پھر میں نے ان کو منصبِ خلافت پر آنے کے بعد دیکھا

کہ اس طرح چلتے تھے جس طرح راہب چلتے ہیں۔"

انہوں نے کہا:

"اب اگر کوئی تم سے یہ کہے کہ چلنے کا انداز ایک پیدائشی خصلت ہوتی ہے تو عمر بن عبدالعزیز کے (اس انقلابِ حال کو دیکھنے کے) بعد اس کی بات ہرگز تسلیم کرنا۔"

۵۴۔

میرے ایک استاذ نے اسماعیل بن ابو حکیم سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ: ایک دن عمر بن عبدالعزیز کو غصہ آگیا، ان کے صاحبزادے عبدالملک بھی موجود تھے اور ان کا غصہ ذرا تیز ہوگیا —— ان کے اندر ذرا گرمی تھی —— جب ان کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو عبدالملک نے ان سے کہا:

"اللہ نے آپ کو جتنی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں، جس مقام پر آپ کو فائز کیا ہے اور اپنے بندوں کے معاملات کی جو سربراہ کاری آپ کو بخشی ہے تو کیا یہ بات کسی طرح آپ کے شایانِ شان ہے کہ آپ کو اتنا غصہ آجائے جتنا کہ ابھی دیکھنے میں آیا؟"

آپ نے فرمایا:

"کیا کہا؟"

انہوں نے اپنی بات دہرادی۔ عمر نے ان سے کہا:

"عبدالملک! کیا تم کو غصہ نہیں آتا؟"

انہوں نے جواب دیا: "مجھے اپنے پیٹ[1] سے کیا فائدہ پہنچے گا اگر میں اپنے غصہ کو نہ پی سکوں تاکہ وہ ظاہر نہ ہو۔"

---

[1] یہ تیموری نسخہ کی عبارت ہے، مطبوعہ نسخہ میں لفظ جوف (پیٹ) کی جگہ "خوف" ہے۔

دوسرا باب

تقسیمِ غنائم

۵۵۔ غنیمت کے مصارف ۲۱

امیرالمومنین! آپ نے یہ سوال سامنے رکھا ہے کہ جب دشمن سے مالِ غنیمت حاصل ہو تو کس طرح تقسیم کیا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا پورا بیان اپنی کتاب میں نازل فرما دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کرتے ہوئے فرماتا ہے:

واعلموا انما غنمتم من شیئ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل ان کنتم آمنتم باللہ وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان۔ واللہ علی کل شیئ قدیر۔ (الانفال: ۴۱)

اور جان رکھو کہ جو چیز تمھیں بطورِ غنیمت حاصل ہو۔ اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے قرابت داروں کے لیے، یتیموں کے لیے، مساکین کے لیے اور مسافروں کے لیے، اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن یعنی جس دن کہ (بدر میں کفار اور مومنین کی) دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئی تھیں نازل کی ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۵۶۔ غنیمت کی تعریف اور اس کی تقسیم کا طریقہ

یہ حکم اللہ بہتر جانتا ہے، ان اموال کی بابت ہے جو مسلمان اہلِ شرک کی فوجوں سے حاصل

کریں۔ جو ساز و سامان، اسلحے اور مویشی مسلمان لے کر آئیں۔ اس میں پانچواں حصہ ان لوگوں کے لیے ہے جن کے نام اللہ نے اپنی کتابِ عزیز میں گنائے ہیں۔ اور اس کے باقی چار حصے (چار خمس) اس فوج کے درمیان تقسیم ہوں گے جنھوں نے یہ مال پایا ہے۔ ان میں ان فوجیوں کے علاوہ جن کے نام باقاعدہ فوجیوں کے رجسٹر میں درج ہوں وہ دوسرے لوگ بھی شامل ہیں، جنھوں نے (کسی نہ کسی صورت میں) جنگ میں حصہ لیا ہو۔ ان لوگوں میں سے ہر گھڑسوار کو تین حصے دیے جائیں گے، دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے اور ایک حصہ خود سوار کے لیے، اور پیادہ کو ایک حصہ، جیساکہ احادیث و آثار میں آیا ہے۔ ایک گھوڑے کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جائے گی، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ۔ (النحل: ۸)

گھوڑے، خچر، اور گدھے تاکہ تم اُن پر سواری کرو اور یہ تمھاری زینت ہیں۔

اور

واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدو کم۔ (الانفال: ۶۰)

اور ان (کفار) کے مقابلہ کے لیے جہاں تک تمھارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو مرعوب رکھو۔

اور اہلِ عرب کا محاورہ ہے "ھذہ الخیل" اور "فعلت الخیل" (خیل کا کارنامہ ہے) اس سے وہ ٹٹوؤں کو مستثنیٰ کر کے صرف فرس (گھوڑے) ہی نہیں مراد لیتے (بلکہ خیل میں ٹٹو بھی شامل ہوتے ہیں) عام ٹٹو تو بہت سے گھوڑوں سے بھی زیادہ قوی اور سواروں کے لیے زیادہ سازگار ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو کسی کے مقابلہ میں کوئی خصوصیت نہیں بخشی گئی ہے۔ نہ تو طاقت ور گھوڑے کو کمزور گھوڑے پر ترجیح دی جائے گی اور نہ بہادر تمام اسلحہ سے

لیس آدمی کو اس بزدل آدمی پر ترجیح دی جائے گی جس کے پاس تلوار کے علاوہ اور کوئی ہتھیار نہ ہو۔

۵۷۔ گھوڑے کا حصّہ

حسن بن علی بن عمارہ نے حکم بن عتیبہ سے انھوں نے مقسم سے اور مقسم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ :

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے غنائم کی تقسیم اس طرح فرمائی : گھوڑے سوار کو دو حصّے اور پیادہ کو ایک حصّہ۔"

۵۸۔ ۲۲

قیس بن ربیع نے محمد بن علی سے انہوں نے اسحاق بن عبداللہ سے اور اسحاق بن عبداللہ نے ابو حازم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا : ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ :

"میں نے اور میرے بھائی نے (غزوہ) حنین[1] میں شرکت کی۔ ہمارے ساتھ ہمارے دو گھوڑے بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں چھ حصّے دیے۔ چار ہمارے گھوڑوں کے لیے اور دو ہمارے لیے۔ ہم نے حنین[2] میں ان چھ حصوں کو دو جواں سال اونٹوں کے عوض فروخت کر دیا۔"

۵۹۔

فقیہ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے :

"آدمی کے لیے ایک حصّہ اور گھوڑے کے لیے ایک حصّہ۔"

کہتے تھے کہ "میں ایک جانور کو ایک مسلمان آدمی سے افضل نہیں قرار دے سکتا۔"

---

[1] یہ مطبوعہ نسخہ میں ہے، اور تیموری نسخہ میں ہے، خیبر میں۔
[2] تیموری نسخہ میں خیبر ہے۔

۶۰۔

اپنی دلیل وہ اس حدیث کو بتاتے تھے جو بروایت زکریا بن حارث بروایت منذر بن ابو حمیصہ ہمدانی ہم سے بیان کی گئی ہے، کہ :

"عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ایک عامل نے شام کے کسی علاقہ میں سوار کو ایک حصّہ اور پیادہ کو ایک حصہ دیا۔ یہ بات عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے اسے جائز قرار دیا۔"

۶۱۔

ابو حنیفہ[3] اسی روایت کی بنیاد پر گھوڑے کے لیے ایک حصّہ اور آدمی کے لیے ایک حصّہ قرار دیتے تھے لیکن جن احادیث و آثار میں گھوڑے کے لیے دو حصّے اور آدمی کے لیے ایک حصّہ مذکور ہے۔ ان کی تعداد زیادہ ہے اور وہ اس حدیث سے زیادہ ثقہ ہیں، اور اسی مسلک کو عام طور پر اختیار کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ جانور کو آدمی پر فضیلت دی جائے، اگر فضیلت کا لحاظ ہوتا تو یہ بھی نامناسب ہوتا کہ گھوڑے کے لیے بھی ایک حصّہ ہو اور آدمی کے لیے بھی ایک، کیوں کہ یہ شکل بھی ایک جانور اور ایک مسلمان آدمی کو مساوی درجہ دیتی ہے۔ دراصل اس مسلک کی بنا اس بات پر ہے کہ ایک آدمی کے پاس سامان حرب دوسرے (پیدل) آدمی سے زیادہ ہوتا ہے (تقسیم میں اس تفریق کا) منشا یہ ہے کہ لوگوں کو راہ خدا کے لیے گھوڑے تیار رکھنے کی طرف رغبت ہو۔ ظاہر ہے کہ گھوڑے کا حصّہ بھی اس کے مالک ہی کو ملتا ہے نہ گھوڑے کو۔

۶۲۔

تقسیم غنائم میں رضا کارانہ شریک جنگ ہونے والے اور درج رجسٹر سپاہی دونوں کو برابر سمجھا جائیگا۔

۶۳۔

امیر المومنین ! آپ ان دونوں میں سے جس رائے کو مناسب سمجھیں اختیار فرمائیں۔ جو

پالیسی آپ کو مسلمانوں کے لیے بہتر اور مفید تر نظر آئے اسے اختیار کیجیے، کہ اس میں آپ کے لیے کافی گنجائش ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

۶۴۔

میری رائے میں کسی شخص کو دو سے زیادہ گھوڑوں کا حصّہ نہیں دیا جانا چاہیے۔

۶۵۔

یحییٰ بن سعد نے حسن سے روایت کرتے ہوئے اس شخص کے بارے میں جو جنگ میں کئی گھوڑے لے کر شریک ہو تب ہے، ہم سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ٢٣

"متعدد گھوڑے رکھنے والے مجاہد کو غنیمت میں سے دو گھوڑوں سے زیادہ کا حِصّہ نہیں دیا جائے گا۔"

۶۶۔

محمد بن اسحاق نے یزید بن یزید بن جابر سے اور انہوں نے مکحول سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ:

"تقسیم میں دو گھوڑوں سے زیادہ کا حصّہ نہیں لگایا جائے گا۔"

۶۷۔ خُمس کے مصارف

اور غنیمت میں سے جو خُمس نکال لیا جاتا ہے اس کے بارے میں محمد بن سائب کلبی نے ابو صالح اور ابو صالح نے عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خُمس کے پانچ حصّے کیے جاتے تھے: اللہ اور رسول کے لیے ایک حصّہ، قرابت داروں[1] کے لیے ایک حصّہ، اور تین حصّے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے۔ پھر ابو بکرؓ،

[1] قرابت داروں سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آنحضور ہی کے رشتہ دار تھے کیونکہ جب آپ اپنا سارا وقت دین کے کام میں صرف فرماتے تھے اور اپنی معاش کے لیے کوئی کام کرنا آپ کے لیے ممکن نہ رہا تھا تو لامحالہ اس کا انتظام ہونا چاہئے تھا کہ آپ کی اور آپ کے اہل و عیال اور ان دوسرے اقربا کی جن کی کفالت آپ کے ذمہ تھی ضروریات پوری ہوں۔ اسی لیے خُمس میں آپ کے اقربا کا ایک حصّہ رکھا گیا۔ (تفہیم القرآن)

عمرؓ اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم خُمس کو تین حصّوں میں تقسیم کرنے لگے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصّہ اور قرابت داروں کا حصّہ ساقط ہو گیا۔ اور وہ حق داروں کی باقی تین قسموں پر ہی تقسیم کیا جانے لگا۔ پھر علی بن ابو طالب کرّم اللہ وجہہٗ نے بھی اُسے اسی طرح تقسیم کیا جس طرح ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمان، رضی اللہ عنہم نے تقسیم کیا تھا۔

۶۸۔

ہم سے بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا:

"عمر بن الخطاب نے ہمیں یہ پیش کش کی کہ ہم خمس[1] میں سے اپنی غیر شادی شدہ عورتوں اور بیواؤں کی شادی کر دیا کریں اور اپنے قرضے ادا کریں۔ ہم نے اس کے سوا اور کوئی شکل قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ خُمس ہمارے حوالہ کر دیں، مگر انہوں نے ہمارا یہ مطالبہ منظور کرنے سے انکار کر دیا۔"

۶۹

محمد بن اسحاق نے ابو جعفر[2] سے روایت کرتے ہوئے مجھے یہ خبر دی ہے کہ: میں نے ابو جعفر سے پوچھا:

"خُمس کے بارے میں علی کرّم اللہ وجہہٗ کی رائے کیا تھی؟"

انہوں نے جواب دیا:

"اس معاملہ میں ان کی رائے وہی تھی جو ان کے اہل خاندان کی تھی، لیکن انہوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ وہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے ہٹ کر کوئی طرزِ عمل اختیار کریں۔"

[1] یعنی خُمس کا وہ پانچواں حصّہ جو قرابت داروں کے لیے تھا۔ (مترجم)

[2] تیموری نسخہ میں ہے: جعفر سے۔

۷۰۔

مغیرہ نے ابراہیم سے روایت کرتے ہوئے ہمیں اللہ تعالیٰ کے قول ﴿فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ:

"اللہ کے لیے تو ساری ہی چیزیں ہیں، یہاں "لِلّٰهِ" ابتدائے کلام کے طور پر آیا ہے۔"

۷۱۔

اشعث بن سوار نے ابوزبیر سے اور انہوں نے جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس میں سے راہِ خدا میں خرچ فرماتے تھے اور قرض میں حضور کا جو نائب ہوتا تھا اُس کو بھی اُسی میں سے دیتے تھے، پھر جب مال زیادہ ہو گیا تو آپ اسے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو بھی دینے لگے۔"

۷۲۔

محمد بن اسحاق نے زہری، انہوں نے سعید بن مسیب سے اور انھوں نے جبیر بن مطعم سے
٢٢ روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرابت والوں کا حصّہ بنو ہاشم اور بنو مطلب میں تقسیم کیا تھا۔

۷۳۔

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: "میں نے علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

"میں نے عرض کیا: اے رسول اللہ! اگر آپ مناسب سمجھیں تو خمس میں سے ہمارے حق کو میری تولیت میں دے دیں، میں آپ کی زندگی ہی میں اسے تقسیم کردوں تاکہ آپ کے بعد کوئی اس میں ہم سے جھگڑا نہ کرے، (علیؓ) کہتے ہیں چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خمس کا والی مقرر کر دیا اور میں نے آپ

کی زندگی میں اسے تقسیم کیا، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اسے میری تولیت میں دیا اور ان کی زندگی تک اسے میں ہی تقسیم کرتا رہا، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا والی مجھ ہی کو بنایا اور ان کے دور میں میں اسے تقسیم کرتا رہا، یہاں تک کہ جب عمر کے دور کا آخری سال آیا تو ان کے پاس بہت سا مال آیا۔ انھوں نے ہمارا حق علٰحدہ کیا، پھر مجھے بلا بھیجا اور کہا: "اس کو لو اور تقسیم کر دو۔"

اس پر میں نے کہا: امیرالمومنین اس سال ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے اور دوسرے مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہے، چنانچہ اس سال انہوں نے وہ مال عام مسلمانوں کی طرف منتقل کر دیا۔ پھر عمر کے بعد آج میرے اس مقام پر کھڑے ہونے تک کسی نے ہمیں اس کی خاطر طلب نہیں کیا۔ جب میں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکل کر باہر آیا تھا تو مجھ سے عباس بن عبدالمطلب نے ملاقات کی اور کہا تھا:

"علی! آج صبح تم نے ہم لوگوں کو ایک ایسی چیز سے محروم کر دیا جو اب قیامت تک ہمیں واپس نہیں ملے گی۔"

۷۴۔

مجھ سے محمد بن اسحاق نے زہری سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نجدہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو قرابت داروں کے حصّہ کے بارے میں یہ سوال لکھ بھیجا تھا کہ یہ کن کے لیے ہیں؟ ابن عباس نے (جواب میں) انھیں لکھا:

"تم نے خط لکھ کر مجھ سے قرابت داروں کے حصّہ کے بارے میں یہ دریافت کیا ہے کہ یہ کن کے لیے ہے؟ یہ ہمارے لیے ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم سے کہا تھا کہ ہم اس میں سے اپنی غیر شادی شدہ عورتوں اور بیواؤں کی شادی کر دیں، قرضے ادا کر دیں اور اپنے کنبہ کے لیے خادم مہیا کریں، لیکن ہمارا یہی اصرار تھا کہ بالکلیہ ہمارے حوالہ کر دیں (تاکہ ہم جس طرح چاہیں صرف کریں) مگر انہوں

نے ہمارا یہ مطالبہ منظور نہ کیا۔"

۷۵۔

قیس بن مسلم نے حسن بن محمد الحنفیہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں میں ان دو حصوں ——— رسول علیہ السلام کے حصّہ اور قرابت داروں کے حصّہ ——— کی بابت اختلاف ہوگیا۔ ایک گروہ نے کہا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصّہ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ کا حصّہ قرار پائے گا؛

کچھ دوسرے لوگوں کی رائے یہ تھی:

"قرابت داروں کا حصّہ رسول علیہ السلام کے قرابت داروں کے لیے ہے؛

ایک اور چھوٹے سے گروہ نے کہا کہ:

"قرابت داروں کا حصّہ آپ کے خلیفہ کے رشتہ داروں کے لیے ہوگا؛

۲۵ پھر سب لوگ اس پر متفق ہو گئے کہ ان دونوں حصّوں کو اسلحہ اور جانوروں کی فراہمی پر صرف کیا جایا کرے۔"

۷۶۔

عطاء بن سائب نے مجھ سے یہ بیان کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرابت داروں کے دونوں حصّے بنی ہاشم کو بھجوا دیے تھے۔

۷۷۔

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور ہمارے اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ خلیفہ خمس کو اسی طریقہ پر تقسیم کیا کرے جیسے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ ——— رضی اللہ تعالیٰ عنہم ——— تقسیم کیا کرتے تھے۔

۷۸۔ معدنیات میں خمس

اہلِ شرک کے لشکروں سے مسلمانوں کو جو کچھ بھی ہاتھ آئے اور وہ جو ساز و سامان، اسلحے، مویشی، وغیرہ لے آئیں اُسے مندرجہ بالا طریقے سے تقسیم کیا جائے گا۔ اسی اصول کا اطلاق ان سب چیزوں پر ہوگا جو کانوں سے نکالی جائیں، جیسے سونا چاندی، تانبہ لوہا، سیسہ وغیرہ۔ ان سب میں سے پانچواں حصّہ لیا جائے گا ——— خواہ کان عرب کی زمین میں پائی جائے یا عجم کی زمین میں۔

ان اشیاء پر جو خمس عاید ہوتا ہے (تقسیم میں اس کی حیثیت صدقات کی ہے اور) اس کے مصارف وہی ہیں جو صدقات کے ہیں۔[1]

۷۹۔

سمندر سے عنبر یا زیور بنانے کے لائق جو چیزیں نکالی جاتی ہیں اس کا خمس بھی انہی مدات میں صرف کیا جائے گا جو (تقسیم کے لحاظ سے) غنائم کی مدات میں جیسا کہ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۔ (الانفال: ۴۱)	اور جان رکھو کہ جو چیز تمہیں بطورِ غنیمت حاصل ہو اُس کا پانچواں حصّہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے، قرابت داروں کے لیے، یتیموں کے لیے، مساکین کے لیے اور مسافروں کے لیے۔

۸۰

کانوں میں کم یا زیادہ جتنا کچھ بھی پایا جائے گا اس پر پانچواں حصّہ (خمس) لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر کسی شخص کو کسی کان میں دو سو درہم کے وزن سے کم چاندی یا بیس مثقال کے وزن سے کم سونا ملے تو اس پر بھی خمس عائد ہوگا۔ یہ خمس بطورِ زکوٰۃ نہیں ہے (کہ صرف مسلمانوں سے وصول کیا جائے) بلکہ بطورِ غنیمت ہے (کہ ہر ایک سے وصول کیا جائے گا) اس کے ساتھ جو مٹی

[1] یہ تیموری نسخہ کی عبارت ہے (بولاق کے) مطبوعہ نسخہ میں ہے: "اسے صدقات کے مصارف میں صرف کیا جائیگا"

ملی ہوئی ہو اس پر کچھ ادا کرنا واجب نہیں ہو گا۔ خمس کا اطلاق صرف خالص سونے اور خالص چاندی' لوہے' تانبے' یا سیسے پر ہو گا۔

۸۱-

جو شخص ان معدنیات کو برآمد کرے اس کے نکالنے کے اخراجات خمس کا حساب لگانے میں منہا نہیں کیے جائیں گے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ اخراجات برآمد شدہ معدنیات کے برابر یا اس سے زیادہ ہو جاتے ہیں تو ایسی شکل میں اس پر اس میں سے خمس نکالنا واجب نہ رہے گا۔ برآمد شدہ معدنیات تھوڑی ہوں یا بہت' پانچواں حصہ ان کو صاف کرنے کے بعد نکالنا ہو گا' البتہ اس کے
۲۶ اخراجات اس میں سے منہا نہیں کیے جائیں گے۔

۸۲-

ان چیزوں کے علاوہ جو پتھر کانوں سے نکالے جائیں' مثلاً: یاقوت' فیروزہ' سرمہ' پارہ' گندھک' اور گیرو مٹی ——— تو ان میں سے کسی چیز پر بھی خمس نہیں عائد ہو گا' کیوں کہ یہ ساری چیزیں مٹی کے مانند ہیں۔

۸۳-

جس شخص کو سونا' چاندی' لوہا' سیسہ یا تانبہ ملا ہو اس پر اگر کسی بادہ قرض ہو تو قرض کی وجہ سے خمس ساقط نہیں ہو جائے گا۔ آپ خود سمجھ گئے ہیں کہ اگر کوئی فوج اہلِ حرب سے غنیمت پاتی ہے تو اس غنیمت میں سے پانچواں حصہ بہرحال لے لیا جاتا ہے۔ اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ان لوگوں پر قرض ہے یا نہیں۔ اگر ان پر قرض ہو تو بھی یہ بات خمس وصول کرنے سے مانع نہیں ہوتی۔

۸۴- رِکاز

رِکاز وہ سونا چاندی ہے' جسے اللہ نے ابتدائے آفرینش ہی سے زمین کے اندر پیدا کر رکھا ہے۔ اس میں بھی خمس واجب ہو گا جس کسی کو بھی کوئی قدیم خزانہ غیر مملوکہ زمین میں سے ہاتھ لگے ——— اور دفینہ میں سونا' چاندی' جواہرات' یا کپڑے برآمد ہوں ——— تو اس میں سے پانچواں حصہ

لیا جائے گا' اور پانچ میں سے باقی چار حصے (۴/۵) اس شخص کو مل جائیں گے جس نے اسے پایا ہو۔ اس کا حکم بھی مالِ غنیمت جیسا ہے کہ جب کسی گروہ کے ہاتھ آتا ہے تو اس میں سے پانچواں حصہ لے لیا جاتا ہے اور باقی ان لوگوں کے لیے ہوتا ہے۔

۸۵-

اگر کوئی حربی دارالاسلام میں کوئی دفینہ پائے تو خواہ وہ امان لے کر ہی دارالسلام میں کیوں نہ داخل ہوا ہو اس سے یہ پورا دفینہ لے لیا جائے گا۔ اس کو اس میں سے کچھ بھی نہ ملے گا۔ لیکن اگر دفینہ پانے والا ذمی ہو تو اس کے باقی چار حصے (۴/۵) اس کے حوالہ کر دیے جائیں گے۔ یہی حال اس مکاتب غلام[1]' عام غلام' اُمّ ولد[2] اور مدبر[3] کا ہے جسے دارالسلام میں کوئی دفینہ مل جائے خمس نکالنے کے بعد باقی ماندہ اس کی مِلک قرار پا جائے گا۔

۸۶-

مسلمان اگر دارالحرب میں بغیر امان لیے داخل ہوا ہو' اور وہاں اُسے کوئی دفینہ ہاتھ لگے' تو وہ پورا کا پورا اسی کا مِلک ہو گا' خمس نہیں وصول کیا جائے گا' اُس نے یہ دفینہ جس زمین سے پایا ہو' خواہ وہ کسی حربی شخص کی مملوکہ تھی ——— یا غیر مملوکہ تھی' کسی صورت میں بھی اس پر خمس نہیں عاید ہو گا' کیونکہ مسلمانوں نے اس کی خاطر فوج کشی نہیں کی تھی۔ لیکن اگر یہ شخص امان لے کر داخل ہوا ہو اور کسی آدمی کی مملوکہ زمین میں اسے کوئی دفینہ مل جائے تو وہ دفینہ مالکِ زمین کا حق ہو گا' البتہ اگر دفینہ کسی ایسی زمین میں پایا گیا ہو جو کسی آدمی کی مِلک میں نہ ہو تو وہ پانے والے کا حق ہو گا۔

---

[1] وہ غلام جس نے اپنے مالک سے یہ عاہدہ کر لیا ہو کہ وہ اپنی قیمت کے طور پر ایک متعین رقم ادا کر کے آزاد ہو جائیگا۔ (مترجم)

[2] وہ لونڈی جس کے اس کے مالک سے اولاد ہو چکی ہو۔ ایسی لونڈی مالک کی وفات کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔ (مترجم)

[3] مدبر اس غلام کو کہتے ہیں جس سے اس کے مالک نے کہہ دیا ہو کہ تو میرے بعد آزاد ہو جائیگا۔ ایسا غلام مالک کی وفات کے بعد آزاد ہو جاتا ہے۔

۸۷۔

عبداللہ بن سعید بن ابی سعید المقبری نے اپنے دادا سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ "زمانۂ جاہلیت میں عربوں کا دستور یہ تھا کہ اگر کوئی آدمی کسی گڑھے یا کھائی میں گر کر ہلاک ہو جاتا تو اسی گڑھے کو اس کی دیت قرار دے دیتے، کوئی جانور اُسے مار ڈالتا تو اسی جانور کو ہلاک ہونے والے کی دیت قرار دے دیتے' اور اگر کوئی آدمی کسی کان میں گر کر مر جاتا تو اُس کان کو اُس کی دیت قرار دے دیتے، کسی پوچھنے والے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عربوں کے اس رواج کے بارے میں سوال کر دیا تو آپ نے فرمایا:

"بے زبان حیوان، کان، یا کنواں' ان میں سے کسی پر بھی خون بہا عاید نہیں
۲۷ کیا جا سکتا، اور رِکاز میں خُمس ہے۔"

آپ سے دریافت کیا گیا:

"رسولِ خدا رکاز کیا ہے؟"

فرمایا۔ "وہ سونا اور چاندی جسے اللہ نے زمین بنانے کے ساتھ بنا دیا تھا۔"

۸۸۔ صَفِی

ہر غنیمت میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ایک صَفِی (یعنی حقِ خاص) ہوتا تھا جسے آپ خود منتخب فرما لیتے تھے، مثلاً گھوڑا، یا تلوار، یا لونڈی۔ خیبر کے موقع پر (سیدہ) صفیہ بطورِ صَفِی خاص کی گئی تھیں۔

۸۹۔ غنائمِ خیبر کی تقسیم

خُمس میں سے آپ کو (بحیثیت رسولِ خدا) ایک حصّہ وہ بھی ملا تھا جسے آپ نے اپنی بیویوں کے درمیان تقسیم فرمایا تھا۔ عام مسلمانوں کے ساتھ غنیمت میں آپ کا بھی حصّہ تھا چنانچہ خیبر کی تقسیم میں آپ کو عاصم بن عدی کی شرکت کے ساتھ سَو حصّوں کا ایک حصّہ ملا تھا، اِس لیے کہ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسلمان مجاہدوں کے ساتھ شریکِ جنگ تھے۔

خمس میں سے جو حصّہ اللہ نے اپنے رسول کا حق قرار دے دیا تھا وہ اپنی جگہ پر تھا۔ اس طرح تقسیم غنائم میں آپ کو تین طرح سے مال ملا کرتا تھا:

- حق خاص، (صفی)
- عام مسلمانوں کے ساتھ ہِلّے کے اندر آپ کا ایک حصّہ' اور
- خمس (۱/۵) جو اللہ نے آپ کے لیے مخصوص کیا تھا۔

جنگ خیبر کے موقع پر غنیمت اٹھارہ حصّوں میں تقسیم کر دی گئی تھی۔ ہر آدمی کے لیے سَو حصّوں میں سے ایک حصّہ تھا (گویا جملہ اٹھارہ سو حصّے کیے گئے تھے)۔

۹۰۔ صَفِی

بدر کے موقع پر صفی ایک تلوار تھی۔

۹۱۔

اشعث بن سوّار نے محمد بن سوّار سے اور انہوں نے محمد بن سیرین سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

"ہر غنیمت میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حق خاص ہوتا تھا جسے آپ خود منتخب فرما لیتے تھے۔ چنانچہ خیبر کے موقع پر خاص صفیہ بنت حُیَیّ تھیں۔"

۹۲۔

اشعث نے ابوالزناد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے:

"جنگ بدر کے موقع پر صفی عاصم بن منبہ کی تلوار تھی۔"

تیسرا باب

فئے اور خراج ۲۸

۹۳ - فئے کی تعریف

امیرالمومنین! فئے ہمارے نزدیک خراج ہے، زمین کا خراج۔ واللہ اعلم وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ۔ (الحشر: ۷)

اللہ بستیوں والوں سے اپنے رسول کو جو کچھ ہاتھ لگا دے وہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے، تاکہ (مال) تمھارے مالدار لوگوں ہی کے درمیان نہ گردش کرتا رہے۔

ان لوگوں کے ذکر سے فارغ ہو کر اللہ عزوجل فرماتا ہے:

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ (الحشر: ۸)

(یہ مال) ان مفلس مہاجرین کے لیے ہے جن کو ان کے گھروں اور دوسرے اموال سے زبردستی بے دخل کر کے نکال دیا گیا ہے، یہ لوگ، اللہ کی رضا مندی اور اس کے فضل کے طلبگار ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے آئے ہیں۔ یہی لوگ صحیح معنوں میں سچے لوگ ہیں۔

پھر فرمایا:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِىْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا، وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (الحشر: ۹)

اور (یہ مال ان لوگوں کے لیے ہے) جنھوں نے ایمان لا کر ان مہاجرین سے پہلے اس گھر (دارالہجرت) کو آباد کر رکھا ہے۔ جو لوگ ہجرت کر کے ان کے یہاں آتے ہیں انھیں یہ محبوب رکھتے ہیں اور انھیں جو کچھ دیا جائے اس کے لیے اپنے دل میں کوئی غرض نہیں محسوس کرتے، یہ لوگ اگر خود فاقہ مست ہوں تو بھی ان مہاجرین کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنی طبیعت کے لالچ سے محفوظ رکھے گئے وہی درحقیقت فلاح یافتہ ہوں گے۔

پھر فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ وَلَا تَجْعَلْ فِىْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (الحشر: ۱۰)

اور (یہ مال ان لوگوں کے لیے ہے) جو ان کے بعد یہ کہتے ہوئے آئے کہ اے پروردگار ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لیے کوئی بغض نہ رکھ۔ اے پروردگار تو بڑا شفیق و رحیم ہے۔

چنانچہ یہ ان تمام مسلمانوں کے لیے ہے جو ان (مذکورہ بالا) لوگوں کے بعد تا قیامت آتے رہیں گے ــــ واللہ اعلم۔

۹۴۔ عراق وشام کی فے

بلال اور ان کے ساتھیوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے عراق وشام میں جو کچھ اللہ نے مسلمانوں کو دلایا تھا اس کی تقسیم کا مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ جس طرح فوج سے (میدان جنگ میں) حاصل شدہ غنائم تقسیم کیے جاتے ہیں اسی طرح زمینوں کو بھی اس کے فتح کرنے والوں کے درمیان تقسیم کر دیجیے۔ عمر نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا، اور ان کو یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں اور فرمایا:

"اللہ نے تمھارے بعد آنے والے لوگوں کو بھی اس فے میں شریک قرار دیا ہے۔ اب اگر میں اسے تقسیم کر دیتا ہوں تو تمھارے بعد آنے والوں کے لیے کچھ بھی باقی نہ بچے گا۔ اور اگر میں زندہ رہا تو صنعا کے ایک چرواہے کو بھی اس فے میں سے اس کا حصہ پہنچ جایا کرے گا، جب کہ اس کا خون اس کے چہرہ ہی میں ہو گا۔[1]"

۹۵۔

میرے ایک استاد نے یزید بن حبیب کے حوالے سے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ جب سعد نے عراق فتح کر دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا:

"امابعد! مجھے تمھارا خط ملا جس میں تم نے لکھا ہے کہ لوگوں نے تم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ ان کے اموال غنیمت اور جو کچھ اللہ نے انھیں بطور فے عطا کیا ہے وہ سب ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ میرا یہ خط پہنچنے کے بعد جائزہ لو کہ 29
لوگ تمھارے پاس لشکر میں از قسم مال و مویشی وغیرہ کیا کیا لے کر آئے ہیں۔ ان تمام چیزوں کو تم ان مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دو جو موجود ہوں (اور جنگ میں شریک رہے ہوں) زمینیں اور نہریں ان پر محنت کرنے والوں کے پاس چھوڑ دو

---

[1] یعنی اس نے جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا ہو گا، نہ اُسے مطالبہ کرنے کی زحمت اٹھانی پڑے گی۔ (مترجم)

تاکہ یہ مسلمانوں کو وظائف جاری کرنے میں کام آئیں۔ اگر تم انھیں بھی موجودہ لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو گے تو ان کے بعد آنے والوں کے لیے کچھ بھی باقی نہ بچے گا۔ میں تمھیں یہ حکم دے چکا ہوں کہ جس سے بھی مقابلہ ہو اُسے جنگ سے پہلے اسلام لانے کی دعوت دو۔ جو شخص بھی جنگ سے پہلے یہ دعوت قبول کرے وہ مسلمانوں میں کا ایک فرد ہے مسلمانوں کے سارے حقوق اسے حاصل ہوں گے نیز جو ذمہ داریاں مسلمانوں پر عاید ہوتی ہیں اس پر بھی عاید ہوں گی، اور اُسے بھی اسلام میں (بحیثیت مسلمان ہونے کے) مال غنیمت کا ایک حصہ ملے گا۔ جو شخص جنگ کرنے اور شکست کھا جانے کے بعد یہ دعوت قبول کرے وہ بھی مسلمانوں کا ایک فرد ہے، مگر اس کا مال اسلامی لشکر والوں کا مال قرار پائے گا کیونکہ وہ اس کے اسلام لانے سے پہلے اس پر قبضہ کر چکے۔

یہ ہے تمھارے لیے میرا حکم اور میری وصیت۔"

۹۶۔ فے کی تقسیم کے بارے میں اختلاف

مستند علماء مدینہ نے مجھ سے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب سعد بن ابی وقاص کے پاس سے عراق کی فوج عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو انہوں نے وظائف کے باقاعدہ رجسٹر مرتب کرنے کے بارے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے مشورہ طلب کیا اس سے پہلے عمر نے ابوبکر کی رائے کا اتباع کرتے ہوئے (تقسیم فے میں) سارے افراد کو برابر برابر حصہ دینے کی پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ جب عراق فتح ہوا تو آپ نے بعض افراد کو بعض سے زیادہ دینے کے سلسلہ میں مشورہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ یہی رائے مناسب ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کی رائے اس کے حق میں تھی انہوں نے آپ کو یہی مشورہ دیا۔ پھر آپ نے لوگوں سے ان زمینوں کی تقسیم کے بارے میں مشورہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے عراق وشام میں مسلمانوں کو عطا کی تھیں۔ اس سلسلہ میں اظہار خیال کرتے ہوئے ایک گروہ نے یہ چاہا کہ ان کو ان کے حقوق دیے

جائیں اور جو کچھ انہوں نے فتح کیا ہے وہ ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"پھر ان مسلمانوں کا کیا ہوگا جو آئندہ آئیں گے اور دیکھیں گے کہ زمین اُس پر محنت کرنے والے دہقانوں سمیت تقسیم کی جا چکی ہے اور وراثت میں باپ سے بیٹوں کو منتقل ہو چکی اور (انفرادی ملکیت بن کر) مخصوص ہو چکی ہے۔ یہ تو کوئی درست رائے نہ ہوئی۔"

اس پر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ:

"پھر کیا رائے ہے؟ زمین اور دہقان سوائے اس کے اور کیا ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا کر دیا ہے۔"

عمر نے کہا:

"اس کی نوعیت تو وہی ہے جو تم بتا رہے ہو[1] لیکن میں اس کی تقسیم کے حق میں نہیں ہوں۔ خدا کی قسم میرے بعد کوئی ایسا ملک نہیں فتح ہوگا جس سے کچھ زیادہ فائدہ حاصل ہو، بلکہ شاید وہ مسلمانوں پر بار ثابت ہوں۔ جب عراق کی زمین اپنے کاشت کاروں سمیت تقسیم کر دی جائے گی اور اسی طرح شام کی زمین بھی مع کاشت کاروں کے تقسیم کر دی جائے گی تو سرحدوں کی حفاظت کس ذریعہ سے کی جائے گی اور اس ملک میں نیز عراق و شام کے دوسرے علاقوں میں جو کم سن بچے اور بیوائیں ہیں ان کا کیا ہوگا؟"

اس پر لوگوں نے عمر سے کافی بحث کی اور کہا:

---

[1] عربی متن یہ ہے "ما هو الا كما تقول" ہم نے ترجمہ میں اسی عبارت کو سامنے رکھا ہے لیکن فرنچ مترجم فاگناں نے اس کی تصحیح کی ہے "ما هو الا كما تقول" (ان کی نوعیت وہ نہیں ہے جو تم بتا رہے ہو) ہمارے نزدیک یہ تصحیح قابل قبول ہے۔ ملاحظہ ہو فاگناں، صفحہ ۳۹، نوٹ ۱۔ (مترجم)

"اللہ نے جو علاقے ہمیں ہماری تلواروں کے بل پر عطا کیے ہیں ان کو کیا آپ ایسے لوگوں کے لیے روک رکھیں گے جو نہ تو موجود تھے نہ جنگ میں شریک ہوئے؟ آپ ان کو آئندہ نسلوں اور اُن نسلوں کی آئندہ نسلوں کے لیے روک رکھنا چاہتے ہیں جو موجود بھی نہیں؟" ۳۰

عمر رضی اللہ عنہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہتے کہ:

"یہ میری رائے ہے۔"

لوگوں نے کہا:

"پھر تو آپ (باقاعدہ) مشورہ کیجیے۔"

۹۷۔ مشاورت

(راوی) کہتا ہے کہ پھر آپ نے مہاجرین اوّلین سے مشورہ کیا تو ان کی رائیں بھی مختلف تھیں۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان لوگوں کا حق ان کے درمیان تقسیم کر دیا جانا چاہیے، اور عثمان، علی، طلحہ، اور ابن عمر، رضی اللہ عنہم کی رائے وہی تھی جو عمر کی رائے تھی۔ پھر آپ نے انصار میں سے دس افراد کو بلا بھیجا — اوس اور خزرج (دونوں قبائل) کے اکابر و اشراف میں سے پانچ پانچ افراد۔ جب یہ لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے اللہ کی ایسی حمد و ثنا بیان کی جس کا وہ مستحق ہے، اور پھر فرمایا:

"میں نے آپ حضرات کو صرف اس لیے تکلیف دی ہے کہ میرے کاندھوں پر آپ کے معاملات کی جو ذمہ داری ہے اس میں آپ میرا ہاتھ بٹائیں۔ کیوں کہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ آج آپ حضرات کو حق متعین کرنا ہوگا بعض لوگوں نے مجھ سے اختلاف کیا ہے اور بعض نے اتفاق۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ حضرات بہر حال وہی رائے قبول کریں جو میں نے اختیار کی ہے۔ آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو حق بات کہتی ہے۔ خدا کی قسم! اگر میں نے کوئی بات کہی

ہے جس پر میں عمل کا ارادہ رکھتا ہوں تو اس سے میرا ارادہ سوائے اتباعِ حق کے کچھ اور نہیں۔"

ان لوگوں نے کہا:

"امیر المومنین! آپ فرمائیے، ہم سنیں گے (اور غور کریں گے)"

آپ نے فرمایا:

"آپ حضرات نے ان لوگوں کی باتیں سن لی ہیں جن کا خیال ہے کہ میں اُن کی حق تلفی کر رہا ہوں۔ میں ظلم کے ارتکاب سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ اگر میں نے کوئی ایسی چیز جو ان لوگوں کا حق تھی، ان کو نہ دی ہو اور دوسروں کو دے دی ہو، تو میں بڑا ہی بدبخت ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ کسریٰ کی سرزمین کے بعد اب کوئی چیز نہیں رہ گئی ہے جو فتح ہو۔ اللہ نے ان کے اموال، زمینیں اور کاشت کار ہمیں بطور غنیمت عطا کر دیئے ہیں ——— ان لوگوں کو غنیمت میں جو مال ملا تھا اُسے تو میں نے اس کے مستحقین میں تقسیم کر دیا ہے، اور پانچواں حصہ نکال کر اسے اس کے متعینہ مصارف میں تقسیم کر دیا ہے، بلکہ ابھی اس کی تقسیم میں مصروف ہوں۔ میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ زمینوں کو مع کاشت کاروں کے سرکاری ملکیت قرار دے دوں اور اس کے کاشت کاروں پر خراج عاید کر دوں اور ان پر ٹیکس جزیہ مقرر کر دوں جسے وہ ادا کرتے رہیں، اس طرح یہ جزیہ اور خراج مسلمانوں کے لیے (ایک مستقل) فئے کا کام کرے گا جس (کی آمدنی) میں فوجی، کم سن افراد، اور آنے والی نسلیں حصہ دار رہیں گی دیکھیے! ان سرحدوں کی حفاظت کے لیے بہرحال کچھ آدمی تعینات کرنے ہوں گے جو مستقلاً وہاں رہیں۔ یہ بڑے بڑے شہر جیسے شام، الجزیرہ، کوفہ، بصرہ، مصر ——— ان میں فوجی چھاؤنیاں قائم رکھنا اور ان کو وظائف دیتے رہنا

ناگزیر ہے۔ اب اگر یہ زمینیں اور ان پر محنت کرنے والے کاشت کار تقسیم کر دیئے جائیں گے تو ان لوگوں کو کہاں سے دیا جائے گا؟"

یہ سن کر سب نے یہ کہا کہ:

"آپ ہی کی رائے (صحیح) رائے ہے۔ آپ نے جو فرمایا وہ خوب ہے اور جو رائے قائم کی وہ بہت موزوں ہے۔ اگر ان شہروں اور سرحدوں میں افواج نہیں رکھی جائیں گی اور ان کے لیے بطور تنخواہ کچھ مقرر نہ کیا جائے گا تو اہلِ کفر اپنے شہروں پر پھر سے قابض ہو جائیں گے۔"

۹۸۔ عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

آپؓ نے فرمایا:

"اب مجھ پر معاملہ واضح ہو گیا۔ اب یہ بتاؤ کہ کون ایسا ماہر اور دانش مند ہے جو ان زمینوں کا مناسب طور پر بندوبست کر دے اور کاشت کاروں پر ان کی برداشت کے مطابق (خراج) تجویز کر دے؟"

لوگوں نے بالاتفاق عثمان بن حنیف کا نام پیش کیا اور کہا:

"آپ ان کو اس کام کا ذمہ دار بنا کر روانہ کر سکتے ہیں کیوں کہ یہ صاحبِ فہم و بصیرت اور تجربہ کار ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے بلا تاخیر ان کو علاقہ سوادؔ کی پیمائش کے کام پر مقرر کر دیا۔

۹۹۔

عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے ایک سال پہلے سوادِ کوفہ کی لگان دس کروڑ درہم تک ہو گئی تھی۔ اس زمانہ میں ایک درہم آج کے ایک درہم اور ڈھائی دانق کے مساوی تھا۔ اس زمانہ میں درہم کا وزن ایک مثقال کے برابر ہوتا تھا۔

ؔ تیموری نسخہ میں یہ ہے "اہلِ عراق کی زمین کی پیمائش"۔ سواد کی تشریح آگے آتی ہے۔ (مترجم)

۱۰۰۔

لیث بن سعد نے حبیب بن ابی ثابت سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ: اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مسلمانوں کے ایک گروہ نے چاہا تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ شام کو بھی اسی طرح تقسیم کر دیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کر دیا تھا۔ اس مطالبہ میں سب سے زیادہ شدت زبیر بن العوام اور بلال بن رباح نے اختیار کر رکھی تھی۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے بعد آنے والے مسلمانوں کو یوں ہی چھوڑ دینا پڑے گا، اور ان کے لیے کچھ بھی نہ رہے گا۔"

پھر آپ نے فرمایا:

"خدایا! مجھے بلال اور اُس کے ساتھیوں سے بچا۔"

(راوی) کہتا ہے کہ اس پر مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ ان لوگوں کو عمواس میں جو طاعون ہو گیا تھا وہ عمر کی بد دعا کے سبب ہوا تھا۔

(راوی) کہتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان ممالک کے باشندوں کو ذمی کی حیثیت دے کر چھوڑ دیا کہ یہ مسلمانوں کو خراج ادا کرتے رہیں۔

۱۰۱۔

محمد بن اسحاق نے زہری[1] سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ جب سواد کا علاقہ فتح ہوا تو عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مشورہ طلب کیا۔ عام لوگوں کی رائے تھی کہ آپ کو اسے تقسیم کر دینا چاہیے ان لوگوں میں سے بلال بن رباح نے سب سے زیادہ شدت اختیار کر رکھی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ علاقہ کو تقسیم نہ کریں بلکہ چھوڑ رکھیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

---

[1] تیموری نسخہ میں یہ ہے: میرے ایک استاد نے زہری سے روایت کرتے ہوئے،

"خدایا! مجھے بلال اور اس کے ساتھیوں سے بچا۔"

دو یا تین دن یا اس سے کچھ کم عرصہ تک لوگ اسی بحث میں مشغول رہے، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اب مجھے ایک دلیل مل گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (الحشر ۶)

اور اللہ نے اپنے رسول کو ان لوگوں سے جو مال ہاتھ لگا دیا ہے تو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ۔ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جن پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

چنانچہ بنو نضیر کا قصہ تمام ہو چکا ہے۔ اب یہ بات تمام بستیوں کے لیے عام ہے۔ اب آگے ارشاد ہوتا ہے:

۳۲ مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ (الحشر ۷)

اللہ بستیوں والوں سے اپنے رسول کو جو کچھ ہاتھ لگا دے وہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے، تاکہ (مال) تمہارے مال دار لوگوں ہی کے درمیان نہ گردش کرتا رہے۔ اور رسول جو کچھ تمہیں دے اُسے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سزا دینے میں بڑا سخت ہے۔

پھر فرمایا:

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ۔ (الحشر: ۸)

(یہ مال) مفلس مہاجرین کے لیے ہے جن کو ان کے گھروں اور دوسرے اموال سے زبردستی بے دخل کرکے نکال دیا گیا ہے۔ یہ لوگ اللہ کی رضامندی اور اس کے فضل کے طلب گار بن کر اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرنے گئے ہیں۔ یہی لوگ صحیح معنی میں سچے لوگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اتنا ہی کہہ کر راضی نہ ہو گیا تا آنکہ ان لوگوں کے ساتھ کچھ اور لوگوں کو بھی شامل کرلیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (الحشر: ۹)

اور (یہ مال ان لوگوں کے لیے ہے) جنھوں نے ایمان لاکر ان مہاجرین سے پہلے اس گھر (دار الہجرت) کو آباد کر رکھا ہے۔ جو لوگ ہجرت کرکے ان کے یہاں گئے ہیں انھیں یہ محبوب رکھتے ہیں اور انھیں جو دیا جائے اس کے لیے اپنے دل میں کوئی غرض نہیں محسوس کرتے۔ یہ لوگ اگر خود حاجت مند ہوں تو بھی ان مہاجرین کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنی طبیعت کے لالچ سے محفوظ رکھے گئے وہی درحقیقت فلاح یافتہ ہوں گے۔

چنانچہ یہ آیت — جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے — واللہ اعلم — خاص طور پر انصار کی شان میں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر راضی ہو کر بس نہیں کر دیا بلکہ ایک اور گروہ کو بھی اُن کے ساتھ شامل کیا، اور فرمایا:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ

اور (یہ مال ان لوگوں کے لیے ہے) جو ان کے بعد

يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔ (الحشر: ۱۰)

یہ کہتے ہوئے آئے کہ اے پروردگار ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ ہمارے دلوں میں ایمان لانے والے کے لیے کوئی بغض نہ رکھ۔ اے پروردگار تو بڑا شفیق و رحیم ہے۔

چنانچہ یہ آیت ان لوگوں (مہاجرین و انصار) کے بعد آنے والے تمام لوگوں کے لیے عام ہے (اس کی رُو سے) اب یہ فئے ان تمام قسموں کے لوگوں کا مشترکہ حق قرار پا چکی ہے۔ اب یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم اِسے انہی لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیں اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کو حصّہ سے محروم کر دیں؟"

۱۰۲

عمر رضی اللہ عنہ نے زمینوں کو فتح کرنے والوں کے درمیان تقسیم نہ کرنے کی جو رائے اس وقت قائم کی جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سلسلہ کی ان تفصیلات کی طرف رہنمائی فرمادی جو اس کتاب میں موجود تھیں، اور جو کچھ آپ نے کیا، وہ دراصل ایک من جانبِ اللہ توفیق تھی جو آپ کو عطا ہوئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اپنی کتاب کا منشا منکشف کر دیا، اور انہوں نے فاتحین کے درمیان زمینیں تقسیم کرنے سے انکار کر دیا تو ان کا یہ اقدام جو سراسر توفیقِ الٰہی کا فیضان تھا بالکل درست ثابت ہوا۔ کیوں کہ اس میں سارے مسلمانوں کی بھلائی تھی۔ آپؓ نے ان زمینوں کا خراج وصول کروا کے اُسے سارے مسلمانوں میں تقسیم کر دینے کی جو رائے اختیار کی وہ اسلامی معاشرہ کے مفادِ عامہ کی ضامن تھی۔ اگر یہ زمینیں عطیۃً دینے اور روزینے جاری کرنے کے لیے سارے انسانوں پر وقف نہ قرار دے دی جاتیں تو نہ سرحدوں کی حفاظت کا بندوبست

ہو سکتا تھا نہ فوجیں ہی اتنی طاقت ور ہو سکتی تھیں کہ جہاد جاری رکھ سکیں۔ فوجیوں اور تنخواہ دار محافظوں کی غیر موجودگی میں اس کی بھی کوئی ضمانت نہ تھی کہ اہل کفر اپنے ملکوں پر دوبارہ نہ قبضہ کر لیں۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ بھلائی کس روش میں ہے۔"

چوتھا باب

علاقہ سواد کا بندوبست

۳۳ ۱۰۳۔ امیر المومنین کا سوال

امیر المومنین! اب میں آپ کے اس سوال کو لیتا ہوں جو آپ نے سواد کے سلسلہ میں کیا ہے، یعنی یہ کہ:

- یہاں کے باشندوں سے خراج اور ذمی کس کے سلسلہ میں کن شرائط پر معاہدہ کیا گیا تھا؛ اور
- عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس سلسلہ میں ان پر کیا شرحیں عائد کی تھیں؟
- کیا سواد کے بعض علاقے قانونِ صلح کے تحت آتے ہیں؟ اور
- صلح کے آنے والے علاقوں اور بزورِ قوت مفتوح ہونے والے علاقوں کے علیحدہ علیحدہ احکام کیا ہیں؟

۱۰۴۔ فتح شام و عراق کی کیفیت

محمد اسحاق نے زہری سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ: عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے خراسان کے سوا سارا عراق اور سندھ فتح کر لیا تھا۔ اسی طرح آپ نے سارا شام اور بجز افریقیہ کے سارا مصر فتح کر لیا تھا۔ خراسان اور افریقیہ عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتح ہوئے۔ عمرؓ نے سواد اور اہواز فتح کیا تو مسلمانوں نے آپ کو یہ مشورہ دیا کہ سواد، باشندگان اہواز، اور سارے مفتوحہ شہروں کو تقسیم کر دیں۔ اس پر آپ نے ان سے

یہ کہا کہ: پھر آئندہ آنے والے مسلمانوں کے لیے کیا بچے گا؟ چنانچہ آپ نے زمین اور اس کے باشندوں کو تقسیم نہیں کیا بلکہ ان باشندوں پر جزیہ عائد کر دیا اور زمین پر خراج۔

۱۰۵۔

مجالد نے شعبی سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے بیان کیا ہے کہ ان سے باشندگان سواد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا:

"ابتداءً ان لوگوں سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ بعد میں جب آپ (عمر) ان سے خراج لینے پر راضی ہو گئے تو یہ ان کے حق میں ایک معاہدہ ہو گیا۔"

۱۰۶۔

شعبی کے علاوہ دوسرے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں سے کوئی معاہدہ نہیں۔ سوائے ذیل کے گروہوں کے: باشندگانِ حیرہ، باشندگانِ عین التمر، باشندگانِ الیس اور بانقیا۔ باشندگانِ بانقیا دے صلح کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے حضرت جریر کو دریا کے اندر سے ایک قابلِ عبور
۳۴ راستہ دکھایا تھا۔ ایک پایاب مقام کی طرف رہنمائی کی تھی۔ باشندگانِ الیس نے ابو عبیدہ کی میزبانی کی تھی، اور دشمن کی چالوں کے سلسلہ میں ان کو کچھ معلومات بہم پہنچائی تھیں۔ باشندگانِ حیرہ، باشندگانِ عین التمر اور باشندگانِ الیس سے صلح خالد بن ولید نے کی تھی۔

۱۰۷۔ فتح شام و عراق کی تفصیلات

اسماعیل بن ابو خالد نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ: جب عمر بن الخطاب خلیفہ ہوئے تو آپ نے ابو عبید بن مسعود کو مہران[1] کی طرف بھیجا۔ اُس وقت سال کا آغاز تھا۔ اور جنگِ قادسیہ اُسی سال کے اواخر میں ہوئی تھی۔ جنگِ قادسیہ کے موقع پر عجم کے سردار رستم نے آ کر یہ کہا کہ: مہران[2] بچوں کی طرح کام کرتا تھا۔

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے "مہرمان"

[2] تیموری نسخہ میں مہرمان ہے، اور آئندہ ہر جگہ مہران کی جگہ مہرمان ہے۔

اسماعیل کہتے ہیں کہ پھر قیس نے مجھ سے بیان کیا کہ ابو عبید ثقفی دریائے فرات پار کر کے مہران کے پاس گئے۔ ان لوگوں نے ان کے پیچھے پل کاٹ ڈالا اور ان کو اور ان کے ساتھیوں کو مار ڈالا۔ انہوں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو وصیت کہلا بھیجی۔ ابو عبید کے بعد لوگوں کی قیادت جریر کے سپرد کی گئی۔ انہوں نے مہران سے مقابلہ کیا اور اللہ نے اسے اور دوسرے مشرکین کو شکست دی۔ مہران مارا گیا اور جریر نے اس کا سر ایک نیزہ پر بلند کیا۔ اواخر سال میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سعد بن مالک کو رستم کی طرف روانہ کیا چنانچہ قادسیہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔

۱۰۸۔ قادسیہ

حصین نے ابو وائل سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا: سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر سمیت قادسیہ پہنچ کر ڈیرے ڈالے (راوی) کہتا ہے کہ مجھے ٹھیک اندازہ نہیں شاید ہماری تعداد سات ہزار یا آٹھ ہزار سے زیادہ نہ[1] تھی۔ بلکہ انہی دونوں تعدادوں کے درمیان تھی۔ مشرکین کی تعداد تقریباً ساٹھ ہزار تھی اور ان کے ساتھ ہاتھی بھی تھے (راوی) کہتا ہے: جب مشرکین نے پڑاؤ کیا تو ہم سے کہا:

"لوٹ جاؤ، نہ تو تمہاری تعداد ہی ہماری نظر میں جچتی ہے، نہ ہمیں تمہارے پاس کچھ طاقت یا ہتھیار نظر آتے ہیں، لہٰذا تم لوگ واپس چلے جاؤ۔"

(راوی) کہتا ہے کہ اس پر ہم لوگوں نے جواب دیا کہ "ہم تو واپس جانے والے نہیں۔" یہ لوگ ہمارے تیروں کا مذاق اڑانے لگے، اور انھیں سوت کاتنے کے تکلوں سے تشبیہ دیتے ہوئے کہنے لگے: "دُوک!"

(راوی) کہتا ہے کہ جب ہم نے واپس جانے سے قطعی انکار کر دیا تو انھوں نے کہا کہ "کسی سمجھ دار آدمی کو بھیجو جو ہمیں بتائے کہ آخر کیا چیز تم کو اپنے ملکوں سے نکال کر یہاں لائی ہے

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے: "زیادہ تھی۔"

کیوں کہ ہماری نظر میں تمھارا لشکر اور تمھارے سامانِ حرب سب ناقابلِ لحاظ ہیں۔

(راوی) کہتا ہے کہ پھر مغیرہ نے کہا کہ "ان کے پاس میں جاؤں گا" چنانچہ وہ دریا پار کرکے ان کے یہاں گئے اور جاکر رستم کے ساتھ تخت پر بیٹھ گئے۔ رستم اور اس کے ساتھی یہ دیکھ کر طیش میں آگئے۔ اس پر مغیرہ نے کہا: "خدا کی قسم! میری اس نشست نے نہ تو میری عزّت میں کوئی اضافہ کردیا، نہ تمھارے سردار کی عزّت میں کوئی کمی" پھر رستم نے کہا:

"مجھے یہ بتاؤ کہ تم کو کس غرض نے اپنے وطن سے نکل کر یہاں آنے پر آمادہ کیا ہے کیونکہ ہماری نظر میں تمھارے پاس نہ تو کوئی بڑا لشکر ہے نہ کوئی خاص سامانِ جنگ"۔

مغیرہ نے کہا: "ہم لوگ بدبختی اور گمراہی کا لقمہ بنے ہوئے تھے۔ پھر اللہ نے ہمارے درمیان ایک نبی پیدا کیا جس کے ذریعہ اللہ نے ہمیں ہدایت بخشی اور اسی کے ہاتھوں ہمیں رزق بھی عطا کیا۔ ہمیں جو رزق دیا گیا اس میں ایک غلہ ایسا تھا جس کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ وہ اس ملک میں پیدا ہوتا ہے۔ جب ہم نے اسے خود کھایا اور اپنے گھر والوں کو کھلایا تو وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمیں اس وقت تک چین نہیں نصیب ہوگا جب تک تم ہمیں اس ملک میں پہنچادو، تاکہ ہم یہ غلہ کھاسکیں"۔

اس پر رستم نے کہا:

"پھر تو ہم تمھیں قتل کرڈالیں گے"۔

انہوں نے جواب دیا:

"اگر تم نے ہمیں قتل کیا تو ہم جنّت میں جائیں گے، اور اگر ہم تمھیں قتل کردیں تو تم جہنم میں جاؤگے۔ اگر یہ نہیں چاہتے تو ہمیں جزیہ ادا کرو"۔

(راوی) کہتا ہے کہ جب مغیرہ نے یہ کہا کہ "ہمیں جزیہ ادا کرو" تو یہ سن کر سب لوگوں نے

شور مچانا شروع کردیا اور آپے سے باہر ہوگئے اور سب نے کہا کہ ہمارے تمھارے درمیان صلح نہیں ہوسکتی۔ اس پر مغیرہ نے پوچھا:

"تم لوگ دریا پار کرکے ہماری طرف آؤگے یا ہم دریا پار کرکے ادھر آئیں"۔

رستم نے زعمِ شجاعت میں جواب دیا:

"ہم پار کرکے تمھاری جانب آئیں گے"۔

(راوی) کہتا ہے کہ پھر مسلمان رُکے رہے تاآنکہ اِن کے کچھ لوگ دریا کو پار کرکے آگئے پھر مسلمان ان پر ٹوٹ پڑے۔ ان کا قتلِ عام کیا اور ان کو شکست دے دی۔ حصین نے بتایا ہے کہ ان کا سردار رستم آذربیجان کا رہنے والا تھا۔

(راوی) کہتا ہے کہ پھر عبداللہ بن حجش نے کہا کہ "میں نے خود دیکھا کہ ہم لوگ آدمیوں کی پشتوں پر سے گذر کر خندق پار کر رہے تھے۔ یہ ہمارے ہتھیاروں کا لقمہ نہیں ہوئے بلکہ مرے تھے بلکہ (مارے خوف و ہراس کے اس جگہ رہیں) ایک نے دوسرے کو کچل ڈالا تھا۔

(راوی) کہتا ہے کہ اس مرتبہ پر ہم نے ایک تھیلی پائی جس میں کافور تھا۔ ہم نے اسے نمک سمجھا اور گوشت پکانے میں اسے بطور نمک استعمال کیا تو کھانے میں کوئی ذائقہ نہیں آیا۔ پھر حیرہ کا ایک (عبادی) نصرانی ہمارے پاس سے گذرا۔ اس کے پاس ایک قمیص تھی۔ وہ بولا "عبادت گذار بننے والو! اپنا کھانا خراب نہ کرو کیونکہ اس سرزمین کا نمک بالکل بے کار ہوتا ہے اس کے عوض کیا تم یہ قمیص لینا پسند کروگے؟" (کہتے ہیں) چنانچہ اس نے کافور کی تھیلی کے بدلہ ہمیں قمیص دے دی۔ ہم نے یہ قمیص اپنے ایک ساتھی کو دے دی اور اُس نے وہ پہن لی۔ جب کپڑے کی شناخت کی گئی تو معلوم ہوا کہ قمیص کی قیمت (صرف) دو درہم تھی۔

کہتے ہیں کہ مجھے خیال پڑتا ہے میں نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ اُس نے سونے کے دو کنگن پہن رکھے تھے اور ہتھیار اپنے نیچے لیے ہوئے ایک گڑھے میں پڑا ہوا تھا۔ وہ شخص نکل کر ہماری طرف آیا۔ نہ اُس نے ہم سے کوئی بات کی نہ ہم نے اُس سے کوئی بات کی۔ ہم نے

اس کی گردن مار دی۔

ہم نے اُن کو پسپا کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ پیچھے ہٹتے ہٹتے دریائے فرات تک پہنچ گئے

(راوی) کہتا ہے کہ پھر ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر ان کے تعاقب میں چلے۔ یہ لوگ پیچھے ہٹتے رہے یہاں تک سورا جا پہنچے۔ ہم نے تعاقب جاری رکھا، اور یہ لوگ پسپا ہوتے ہوتے صراۃ تک گئے۔ پھر بھی تعاقب جاری رہا۔ یہ مدائن پہنچے اور کوثیٰ کے مقام پر انہوں نے پڑاؤ کیا۔ یہاں دیرالمساخ میں مشرکین کا ایک اسلحہ خانہ تھا۔ ہمارے گھوڑے سواروں نے انھیں آلیا اور لڑائی چھڑ گئی۔ مشرکین کی اس چھاؤنی کو بھی شکست ہوئی۔ اب یہ لوگ مدائن کی طرف بھاگے۔ ہم بھی چلتے رہے تا آنکہ ہم نے دجلہ کے کنارے پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ ہم میں سے کچھ لوگوں نے وادی کے
۳۶ بالائی علاقہ یعنی مدائن کے زیریں علاقہ سے دریا پار کیا اور اس طرح ہم نے ان کا محاصرہ کر لیا۔
(محاصرہ جاری رہا اور) نوبت یہاں تک پہنچی کہ سوائے اپنے کتوں، بلیوں کے دشمن کو کوئی دوسرا سامانِ خوراک نہ ملا چنانچہ ایک رات یہ لوگ بھاگ نکلے اور جلولاء جا پہنچے۔ پھر حضرت سعد لشکر لے کر ان کی طرف بڑھے، مقدمۃ الجیش پر ہاشم بن عتبہ مقرر تھے۔

(راوی) نے کہا کہ "یہ بھی روئداد اس واقعہ کی، اللہ نے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا" اور سعدؓ ان کو شکست دیتے ہوئے نہاوند تک پہنچ گئے۔

(راوی) کہتا ہے کہ ہر علاقہ کے لوگ اپنے علاقہ میں سرحد تک لشکر کا ساتھ دیتے تھے۔

۱۰۹۔

حصین کہتے ہیں کہ: جب سعد نے جلولاء میں مشرکین کو شکست دے دی اور یہ لوگ نہاوند چلے گئے تو سعد واپس آ گئے اور انھوں نے عمار بن یاسر کو قاصد بنا کر بھیجا۔ انھوں نے مدائن پہنچ کر ڈیرے ڈال دیے اور چاہا کہ لشکر والوں کو لے کر یہیں قیام کریں۔ لیکن لوگوں کو اس مقام کی آب و ہوا ناسازگار معلوم ہوئی اور انہوں نے یہ جگہ نہیں پسند کی۔ یہ بات عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے دریافت فرمایا:

"کیا وہاں اونٹ ٹھیک رہتے ہیں؟"

لوگوں نے کہا:

"نہیں! کیوں کہ وہاں مچھر پائے جاتے ہیں۔"

اس پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"جو سرزمین اونٹوں کو راس نہ آئے وہ عربوں کے لیے سازگار نہیں ہو سکتی۔"

چنانچہ یہ لوگ وہاں سے لوٹ آئے۔ پھر سعد کی ملاقات ایک عبادی سے ہوئی اور اس نے کہا:

"میں تمہیں ایک ایسی زمین کا پتہ بتاتا ہوں جو مچھر کی پہنچ سے بلند، شورے دور، شاداب علاقہ کے درمیان اور صحرا کے کنارے واقع ہے۔"

لوگوں نے کہا: "بتاؤ۔"

اس نے کہا: "یہ حیرہ[1] اور فرات کے درمیان کی ایک زمین ہے۔"

چنانچہ لوگوں نے کوفہ میں (خیموں کی ایک) بستی بسائی اور وہیں پڑاؤ کیا۔

۱۱۰۔

مسعر نے سعد بن ابراہیم سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ جنگ قادسیہ کے موقع پر لوگ ایک ایسے آدمی کے پاس سے گذرے جس کے دونوں پاؤں کٹ چکے تھے، وہ تڑپ رہا تھا، اور یہ کہہ رہا تھا:

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۔ (النساء: ۶۹)	ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔

[1] تیموری نسخہ میں ہے "الجزیرہ"۔

ایک آدمی نے اُس سے پوچھا "بندۂ خدا! تُو کون ہے ؟"

اُس نے جواب دیا: "انصار میں کا ایک فرد ہوں۔"

۱۱۱-

عمرو[1] بن مہاجر نے ابراہیم بن محمد بن سعد سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ جنگ قادسیہ کے موقعہ پر ابو محجن کو سعد کے سامنے پیش کیا گیا۔ انہوں نے شراب پی لی تھی، چنانچہ سعد نے حکم دیا کہ انھیں قید کر دیا جائے۔

(راوی) کہتا ہے کہ سعد کو زخم آگیا تھا، اسی وجہ سے وہ اس دن باہر نکل کر میدان میں نہیں گئے تھے۔ لوگوں نے آپ کو عُذَیب پر چڑھا دیا تاکہ آپ لشکر کو دیکھ سکیں۔ ۲۸

(راوی) کہتا ہے کہ اس دن سعد نے گھڑسوار دستہ کا کمانڈر خالد بن عرفطہ کو بنایا تھا۔

جب دونوں فوجوں میں مقابلہ شروع ہوا تو ابو محجن نے کہا:

"کفیٰ حزناً أن تردی الخیل بالقنا

وأُترک مشدوداً علیّ وثاقیا"

(گھوڑے نیزوں کی آڑ میں چھپ سے گئے اور میں اپنے قید و بند میں گرفتار پڑا رہ گیا! ــــــــــــــــ کتنی غم انگیز بات ہے!)

پھر انہوں نے سعد کی بیوی سے درخواست کی کہ:

"مجھے رہا کر دو! میں خدا کو گواہ بنا کر عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ نے مجھے صحیح سلامت رکھا تو میں واپس آکر خود اپنی بیڑیاں پہن لوں گا، اور اگر میں مارا گیا تو تم کو مجھ سے نجات حاصل ہو جائے گی۔"

(راوی نے) کہا کہ چنانچہ جب دونوں فوجوں میں مقابلہ ہوا تو سعد کی بیوی نے ان کو رہا کر دیا۔

(راوی) نے کہا کہ ابو محجن سعد کی ایک گھوڑی پر جس کا نام بلقاء تھا سوار ہو کر ایک

---

[1] تیموری نسخہ میں 'عمر' ہے۔

نیزہ ہوئے کر چل پڑے۔ پھر یہ حال تھا کہ یہ جس طرف بھی دشمن پر حملہ آور ہوتے ان کو پسپا کر دیتے لوگوں کو اس پر تعجب ہوا اور ان کے کارنامے دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ "یہ تو فرشتہ ہے" سعد بھی ان کو دیکھتے رہے اور کہنے لگے: "گھوڑی جس ثابت قدمی کا مظاہرہ کر رہی ہے وہ تو بلقاء کی ثابت قدمی معلوم ہوتی ہے اور نیزہ بازی ابو محجن کی سی ہے حالانکہ ابو محجن تو قید میں ہے!"

جب اللہ نے دشمنوں کو شکست دے دی اور ابو محجن نے واپس آکر دوبارہ اپنے پاؤں میں بیڑیاں ڈال لیں تو سعد کی بیوی نے سعد کو ان کا ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے کہا: "واللہ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں ایک ایسے شخص کو کوڑے ماروں جس کے ہاتھوں خدا نے مسلمانوں کو اتنا فائدہ پہنچایا!"

(راوی) کہتا ہے کہ پھر آپ نے ابو محجن کو آزاد کر دیا۔ اس پر ابو محجن نے کہا: "جب مجھ پر حد جاری کر کے مجھے گناہ سے پاک کیا جاتا تھا تب تو میں شراب پی لیا کرتا تھا۔ مگر اب تو خدا کی قسم میں اسے منہ نہ لگاؤں گا۔"

۱۱۲-

اسماعیل بن ابو خالد نے قیس بن ابو حازم سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: جنگ قادسیہ کے موقع پر بجیلہ کے لوگوں کی تعداد پورے لشکر کی چوتھائی تھی۔ (راوی) کہتا ہے کہ اس دن قبیلہ ثقیف کا ایک آدمی ایرانی لشکر سے جا ملا اور اس نے اُن سے یہ کہا کہ مقابل لشکر کے اصل جنگجو بجیلہ کے لوگ ہیں۔ (راوی نے) کہا: چنانچہ ان لوگوں نے ہماری طرف سولہ[1] ہاتھی بھیجے اور بقیہ سارے لشکر کی طرف صرف دو۔

(راوی نے) کہا: خدا کی قسم عمرو بن معدیکرب لشکر والوں کو خوب جوش دلا رہے تھے، کہتے تھے:

"مہاجرو! شیروں کی طرح لڑو، کیوں کہ ایرانی (سپاہی)، اپنے چھوٹے چھوٹے نیزے ڈال دینے کے بعد محض ٹاٹ رہ جاتے ہیں۔"

(راوی نے) کہا: ان لوگوں کے کمانڈروں میں سے ایک کمانڈر ایسا تھا جس پر تیر اثر انداز نہیں ہو رہے تھے۔ "اللہ" میں نے کہا: "ابو ثور ذرا سنبھل کر"۔ اس ایرانی نے ان کو تیر چلا کر مارا

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے "اٹھارہ" ۔

جوان کے گھوڑے کو لگ گیا۔ عمرو نے اس پر حملہ کر کے مُنہ کے گردن سے پکڑ کر اس طرح ذبح کر دیا جس طرح بکری ذبح کی جاتی ہے۔ انھوں نے اس کا سَلب (مقتول سپاہی کا وہ سامان جو غنیمت میں ہاتھ لگتا ہے) لے لیا۔ یعنی سونے کے دو کنگن، دیبا کی ایک قبا، اور ایک زر بفت کا پٹکا۔

۱۱۳۔

۳۸ (راوی) کہتا ہے کہ جب اللہ نے مشرکین کو شکست دے دی تو قبیلۂ بجیلہ کو سواد کا چوتھائی علاقہ دے دیا گیا۔ تین سال تک یہ لوگ اس کی آمدنی لیتے رہے پھر جریر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، تو آپ نے اُن سے کہا۔

"جریر میں ایک تقسیم کنندہ ہوں۔ مجھ سے (اس تقسیم کے بارے میں) محاسبہ کیا جائے گا۔ یہ بات نہ ہوتی تو میں نے تم لوگوں کو جو کچھ دیا وہ تمھارے پاس رہنے دیتا، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو واپس مل جانا چاہیے۔"

چنانچہ جریر نے یہ علاقہ واپس کر دیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اسّی دینار بطور عطیہ مرحمت فرمائے۔

۱۱۴۔

حصین نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعمان بن مقرّن کو کَسکَر کا عامل مقرر کیا تھا۔ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ:

"امیر المومنین، میرا اور کسکر کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کسی نوجوان مرد کے پاس ایک فاحشہ عورت بناؤ سنگار کر کے اور عطر لگا کر رہتی ہو۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر یہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھے کَسکَر سے ہٹا دیجیے اور مجھے مسلمانوں کے کسی لشکر کے ساتھ جہاد پر بھیج دیجیے۔"

عمرؓ نے جواب میں ان کو یہ لکھا کہ:

"نہاوند کے لشکر سے جا ملو، تم ان کے کمانڈر مقرر کیے جاتے ہو ـــــ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ایرانی جلولا میں شکست کھا کر وہاں سے پیچھے ہٹ چکے تھے۔

(راوی نے) کہا کہ نعمان ان لوگوں کے پاس چلے گئے۔ پھر جنگ ہوئی، اس دن جھنڈا بلند رکھنے کا کام نعمان بن مقرّنؓ کے ذمہ تھا، اور یہی سب سے پہلے مارے گئے۔ اللہ نے مسلمانوں کو فتح فرمائی اور مشرکین کو ہزیمت دی۔ اس دن کے بعد پھر ان کی طاقت اور جمعیت بحال نہ ہو سکی۔

۱۱۵۔

حصین کے علاوہ ایک (دوسرے راوی) نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جب ہرمزان سے فارس، اِصبہان، اور آذربیجان کے بارے میں مشورہ طلب کیا تو ہرمزان نے ان سے یہ کہا: "اصبہان سر ہے، اور فارس اور آذربیجان دونوں بازو، آپ کو سب سے پہلے سر کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔"

اس کے بعد عمر مسجد میں گئے تو وہاں نعمان بن مقرّن نماز پڑھتے ہوئے ملے۔ آپ ان کے قریب بیٹھ گئے، جب وہ نماز پوری کر چکے تو آپ نے اُن سے کہا:

"آج میں نے طے کر لیا ہے کہ تمھیں عامل مقرر کروں۔"

انہوں نے کہا:

"مالیہ وصول کرنے پر نہیں، البتہ غازی (بن کر خدمت کرنے) کے لیے تیار ہوں۔"

آپ نے فرمایا:

"تم کو غازی مقرر کیا جاتا ہے۔"

چنانچہ آپ نے ان کو روانہ کر دیا اور کوفہ کے لوگوں کو یہ لکھا کہ ان کی مدد کریں ـــــ یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگ کوفہ آباد کر کے وہاں اقامت گزیں ہو چکے تھے ـــــ نعمان بن مقرّن کے ساتھ

---

[1] یہاں متن کی عبارت الجھی ہوئی ہے۔ ہم نے وہ عبارت اختیار کی ہے جس کا حوالہ ناشر نے عربی نسخہ کے حاشیہ میں دیا ہے۔ (ص ۳۸) ـــــ مترجم

عمرو بن معدیکرب، حذیفہ بن الیمان، عبداللہ بن عمرو، اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔

۱۱۶-

نعمان مسلمانوں کو لے کر آگے بڑھے۔ جب نہاوند پہنچے تو مغیرہ بن شعبہ کو وہاں کے بادشاہ
۲۹ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ اس وقت وہاں کا بادشاہ ذوالجناحین تھا۔ مغیرہ دریا پار کر کے وہاں گئے۔

ذوالجناحین کو اطلاع دی گئی کہ عربوں کا سفیر آ گیا ہے۔ اُس نے اپنے درباریوں اور مصاحبوں سے مشورہ طلب کیا کہ "تمھاری کیا رائے ہے، میں اس سفیر کے لیے شاہانہ کر و فر کے ساتھ بیٹھوں یا فوجی لباس میں بیٹھوں؟" ان لوگوں نے مشورہ دیا کہ "آپ شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ اُسے باریابی دیجیے۔" چنانچہ وہ اپنے سر پر تاج پہن کر تخت پر بیٹھا اور اپنے دائیں بائیں شہزادوں کو بٹھایا جو سونے کے کنگن اور بالیاں اور دیبا کی عبائیں پہنے ہوئے تھے۔

پھر اُس نے مغیرہ کو آنے کی اجازت دی۔ جب وہ داخل ہوئے تو دو آدمیوں نے ان کے دونوں بازو تھام لیے۔ مغیرہ اپنی تلوار اور نیزہ لیے ہوئے تھے۔ انھوں نے وہاں بچھی ہوئی قالینوں کو نیزے مار مار کر پھاڑنا شروع کر دیا تاکہ وہ لوگ اسے بُرا شگون اختیار کریں۔ اسی شان سے چلتے ہوئے یہ بادشاہ کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور اس سے گفتگو شروع کی۔ ترجمان ان دونوں کے درمیان ترجمانی کر رہا تھا۔

بادشاہ بولا:

"تم باشندگانِ عرب فاقہ اور تنگ حالی سے پریشان ہو کر ہماری طرف آئے ہو؟ اگر چاہو تو ہم تمھیں کچھ دلوا دیں اور تم لوگ لوٹ جاؤ۔"

اس کے بعد مغیرہ نے اپنی بات شروع کی۔ پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر کہا:

"ہم اہلِ عرب کمزور و پامال تھے۔ لوگ ہمارے اوپر چڑھا کرتے تھے لیکن ہم کسی پر چڑھائی نہ کرتے تھے۔ پھر اللہ نے ہمارے درمیان ایک نبی مبعوث فرمایا جو معزز تھا۔ ہمارے اندر بہترین حسب و نسب کا حامل اور سب سے سچا آدمی تھا۔ اس

نے ہمیں بعض باتوں کی خبر دی جو بالکل سچی نکلیں۔ ہم سے اس نے جو وعدے کیے تھے اُن میں ایک یہ بھی تھا کہ جلد ہی ہم اس علاقہ پر غالب آ جائیں گے اور یہاں کے حکمران بن جائیں گے۔ مجھے یہاں ایسے ایسے اثاثات اور ایسا کرّ و فر نظر آ رہا ہے کہ جو لوگ میرے پیچھے ہیں وہ ان چیزوں پر قبضہ کیے بغیر نہ مانیں گے۔"

مغیرہ کہتے ہیں کہ یکایک میرے جی میں آیا کہ میں اپنے ہاتھ پاؤں سمیٹ کر ایک بار اچھل کر اس کافر کے پہلو میں جا بیٹھوں تاکہ یہ لوگ اس کو بھی اپنے لیے فالِ بد خیال کریں۔ کہتے ہیں کہ پھر میں اچھلا اور دوسرے لمحہ میں بادشاہ کے پہلو میں تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس پر سارے لوگ مجھے لاتیں مارنے لگے اور دھکے دے کر ہٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے کہا:

"ہم تمھارے سفیروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ اب اگر تم لوگ (حسنِ تدبیر سے) عاجز رہے[1] تو اس کا مواخذہ مجھ سے نہ کرو، کیونکہ سفیروں کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہیں کیا جاتا۔"

کہتے ہیں کہ اس پر لوگ میرے پاس سے ہٹ گئے۔ پھر بادشاہ (جاگیردار) بولا:

"تم لوگ چاہتے ہو تو ہم دریا پار کر کے تمھاری جانب آ جائیں، اور اگر چاہو تو تم اِدھر آ جاؤ۔"

راوی کہتا ہے کہ اس پر مغیرہ نے کہا:

"ہم ہی دریا پار کر کے تمھاری جانب آ جائیں گے۔"

(راوی نے) کہا کہ پھر ہم لوگ دریا پار کر کے ان کی طرف گئے۔

(راوی نے) کہا کہ ایرانی سپاہیوں نے خود کو پانچ پانچ، سات سات، آٹھ آٹھ اور دس

---

[1] عربی متن ہے: "ان کنتم عجزتم ..." ہم نے ترجمہ میں اسی کو سامنے رکھا۔ لیکن شارح مترجم، خانگان نے بحوالہ مسعودی اس کی تصحیح کی ہے: "اِن کنتُ عجزتُ ..." (صفحہ ۵۲، نوٹ ۲) اس عبارت کا ترجمہ ہے: "اگر میں نے بُرا کام کر دیا تو ...." (مترجم)

دس کی ٹکڑیوں میں بانٹ لیا اور پھر آپس میں ایک دوسرے کو زنجیروں سے باندھ لیا تھا تاکہ فرار ممکن نہ رہے۔

(راوی نے) کہا کہ پھر مسلمانوں نے دریا پار کیا اور ان کے بالمقابل صف آرا ہو گئے۔ ان لوگوں نے ہم پر تیر چلانے شروع کیے اور ہمیں کافی نقصان پہنچایا۔ (راوی نے) کہا "یہ دیکھ کر مغیرہ نے نعمان سے کہا:

"لوگوں پر کافی اثر ہو چکا ہے اور کافی لوگ زخمی ہو چکے ہیں، اب حملہ بول دیتے تو اچھا ہوتا۔"

نعمان نے ان سے کہا:

"آپ تو خود صاحب کمال ہیں میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
لڑائی میں شریک ہو چکا ہوں، آپ کا دستور یہ تھا کہ اگر صبح کو اوّل وقت لڑائی ۴۰
نہ شروع کرتے تو تاخیر فرماتے، اس قدر کہ سورج ڈھل جاتے اور ہوا چلنے لگے
اور نصرت نازل ہو۔"

پھر انہوں نے کہا:

"میں جھنڈے کو تین بار ہلاؤں گا۔ پہلی بار ہلانے پر ہر فرد کو چاہیے کہ اپنی ضروریات سے فارغ ہو لے اور وضو تازہ کر لے، دوسری بار ہلانے پر لوگوں کو اپنے لباس اور اسلحہ وغیرہ سب درست کر کے تیار ہو جانا چاہیے۔ پھر جب میں تیسری بار جھنڈا ہلاؤں تو حملہ کر دینا۔ پھر کسی فرد کو بھی دوسرے (کی خبر لینے) کے لیے پیچھے نہیں مڑنا چاہیے۔ اگر نعمان قتل ہو جائے تو بھی کسی کو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا چاہیے۔ اب میں اللہ تعالیٰ سے ایک دعا کرتا ہوں اور تم میں سے ہر ایک کو قسم دلاتا ہوں کہ میری اس دعا پر آمین کہے۔"

پھر انھوں نے یہ دعا کی:-

"خدایا! آج کے دن مسلمانوں کو فتح و نصرت کے ساتھ نعمان کو شہادت عطا فرما۔"

(راوی) کہتا ہے کہ سب لوگوں نے اس پر آمین کہی۔ (راوی نے) کہا کہ پھر نعمان نے جھنڈے کو تین بار ہلایا۔ (راوی نے) کہا: پھر انہوں نے حملہ کیا اور سارے لشکر نے بھی حملہ بول دیا، سب سے پہلے گرنے والے نعمان تھے۔ (راوی نے) کہا کہ یہ اسی طرح پڑے ہوئے تھے کہ ایک آدمی اُدھر سے گذرا۔ کہتا ہے کہ ان کا حال دیکھ کر مجھے افسوس ہوا۔ پھر مجھے اُن کا لیا ہوا عہد یاد آیا۔ اور میں پیچھے مڑ کر وہاں نہیں گیا بلکہ ایک علامت مقرر کر لی تاکہ یہ جگہ پہچانی جا سکے۔

(راوی نے) کہا کہ پھر مسلمان یہ کرنے لگے کہ جب بھی دشمن کسی آدمی کو قتل کر دیتا[1] تو یہ لوگ اس کے ساتھیوں کو اس سے دُور ہٹاتے جاتے۔ ذوالحباجبین جس چتلے خچر پر سوار تھا اس سے نیچے گر پڑا اور اس کا پیٹ پھٹ گیا اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ پھر لوگ وہاں آئے جہاں نعمان پڑے ہوئے تھے، تو ان میں ابھی کچھ جان باقی تھی۔ لوگ ایک برتن میں پانی لائے، انہوں نے اپنا منہ دھویا اور کہا: لشکر نے کیا کیا؟

(راوی نے) کہا: ان کو بتایا گیا کہ اللہ نے ان کو فتح عطا فرمائی۔ نعمان بولے:

"الحمد للہ اس کی اطلاع عمر کو لکھ بھیجو۔"

اس کے بعد انہوں نے جان بحق تسلیم کی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورحمتہ۔

۱۱۷-

اسرائیل نے ابواسحٰق سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ ایک شخص نے جس نے نہاوند میں نعمان بن مقرن کے نام عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا خط پڑھا تھا، اس سے حدیث

---

[1] عربی متن ہے: "اذا قتلوا الرجل"۔ ہم نے ترجمہ میں اسی کا التزام کیا ہے۔ فرنچ مترجم فانگاں نے اس کی تصحیح کی ہے "اذا قُتِلَ الرجل" (جب کوئی آدمی قتل کر دیا جاتا ہے ...) ملاحظہ ہو فرنچ ترجمہ صفحہ ۵۲۔ نوٹ ۳۔ (مترجم)

بیان کی ہے کہ (اس میں لکھا تھا) :

" جب دشمن سے مقابلہ ہو تو فرار اختیار نہ کرنا اور جب غنیمت حاصل ہو تو اس میں خیانت نہ کرنا "

جب دشمن سے ہماری مڈبھیڑ ہوئی تو نعمان نے کہا : جب تک امیر المومنین منبر پر پہنچ کر فتح کی دعا نہ کر لیں ــــ واضح رہے کہ یہ واقعہ جمعہ کے دن ہوا تھا ــــ تب تک دشمن پر حملہ نہ ہوگا ۔

(راوی نے) کہا : پھر ہم نے ان پر حملہ کیا اور سب سے پہلے نعمان زخمی ہو کر گرے انہوں نے کہا : " مجھے کسی کپڑے سے ڈھک دو ، اور پھر دشمن کی طرف توجہ کرو ، میری فکر نہ کرو "

(راوی نے) کہا : اللہ نے ہمیں فتح عطا فرمائی ۔ بعد میں جب اس کی اطلاع عمر کو ملی تو آپ منبر پر تشریف لائے ، اور لوگوں کو نعمان کی شہادت کی پُر ملال خبر سنائی ۔ نہاوند اور وہاں مسلمانوں کا جو حال رہا اس کی خبر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ تاخیر سے ملی ۔ اس دوران آپ بار بار ان کے لیے فتح کی دعا کرتے رہے ۔ آپ کی ان دعاؤں کو دیکھ دیکھ کر لوگوں کا یہ حال ہو گیا تھا کہ ہر وقت ہر جگہ نہاوند اور ابن مقرن ہی کا چرچا تھا

۔۱۱۸

علماء مدینہ میں سے ایک پرانے استاد ۔۔۔ نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ ایک اعرابی مدینہ
۱۴۱ آیا اور لوگوں سے پوچھنے لگا کہ نہاوند اور ابن مقرن کے بارے میں تمہیں کیا اطلاع ملی ہے ؟ لوگوں نے اس سے پوچھا : " بتاؤ کیا بات ہے ؟ " اس نے کہا : " کچھ نہیں "

(راوی نے) کہا : پھر لوگ (سب) عمر کے پاس آئے اور انہیں اس اعرابی کا واقعہ بتایا ۔ آپ نے اُسے بلا بھیجا اور اس سے کہا :

" تم نے نہاوند اور ابن مقرن کا ذکر کیا تھا ، مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ تمہیں ضرور (اس کے بارے میں) کچھ معلوم ہے ، اس سے ہمیں بھی مطلع کرو "

اس نے کہا :

" امیر المومنین ! میں فلاں ابن فلاں ہوں ۔ اپنے گھر والوں اور مال و اسباب کے ساتھ اللہ جل شانہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی طرف ہجرت کے ارادے سے چل پڑا تھا ۔ راستہ میں ہم نے فلاں جگہ قیام کیا جب وہاں سے چلے تو یکایک ایک آدمی ایک سرخ اونٹ پر سوار نظر آیا ــــ میں نے ایسا اونٹ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ۔ "

(اعرابی نے) کہا : " پھر ہم نے اس سے پوچھا کہ تم کہاں سے آ رہے ہو ؟ " اس نے جواب دیا کہ " عراق سے " ہم نے پوچھا کہ (لشکر کے) لوگوں کی کیا خبر ہے ؟ اس نے کہا : " مقابلہ ہوا اور اللہ نے دشمن کو شکست دے دی اور ابن مقرن مارے گئے " خدا کی قسم مجھے کچھ نہیں معلوم کہ نہاوند کہاں ہے اور ابن مقرن کون ہے ۔ "

عمر نے پوچھا :

" کیا یہ جانتے ہو کہ یہ واقعہ جمعہ کے دن سے پہلے یا بعد پیش آیا ؟ "

اُس نے کہا :

" خدا کی قسم مجھے یہ بھی نہیں معلوم ، البتہ یہ یاد ہے کہ (مخبر نے خبر دینے کا) یہ کام کب کیا ، (اعرابی نے) کہا : ہم فلاں دن روانہ ہوئے تھے ، راستہ میں ہم نے ــــ کئی منزلوں کے بعد ــــ ایک منزل فلاں جگہ کی (جہاں یہ مخبر ملا) "

(راوی نے) کہا کہ اس پر عمر نے کہا :

" یہ فلاں دن تھا ، اور اس دن جمعہ تھا ۔ شاید تیری ملاقات جنوں کے کسی ڈاکیے سے ہوئی تھی ، کیونکہ ان کے بھی ڈاکیے ہوتے ہیں ۔ "

(راوی) کہتا ہے کہ پھر کچھ عرصہ جتنا کہ خدا نے چاہا ، گذرا ۔ پھر خبر آئی کہ فوجوں کے درمیان مقابلہ اُسی دن ہوا تھا (یعنی جمعہ کے دن) پھر جب عمر کو نعمان بن مقرن کی وفات کی اطلاع ملی تو وہ اپنا ہاتھ سر پر رکھ کر رونے لگے ۔

۱۱۹۔

اسماعیل نے قیس اور انہوں نے مدرک بن عوف الاحمسی سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا کہ اسی دوران نعمان بن مقرن کا قاصد ان کے پاس آیا، عمر اس کے لشکر کا حال دریافت کرنے لگے۔ وہ آدمی لشکر کے ان افراد کے نام بتانے لگا جو نہاوند میں مارے گئے تھے۔ چنانچہ وہ فلاں ابن فلاں، اور فلاں ابن فلاں کہہ کے بتاتا رہا۔ پھر قاصد نے کہا: "ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی (مارے گئے) ہیں جن کو ہم نہیں پہچانتے۔"

(راوی نے) کہا: اس پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"لیکن اللہ ان سے بخوبی واقف ہے۔"

پھر قاصد نے کہا کہ "ایک آدمی اور بھی تھا جس نے اپنے ساتھ زیادتی کی" — اس کی مراد عوف بن ابی حیہ سے تھی جو شبل الاحمسی کے باپ تھے — اس پر مدرک بن عوف نے کہا:

"امیر المومنین! خدا کی قسم یہ میرے ماموں تھے۔ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے جان بوجھ کر خود کو ہلاکت کے سپرد کر دیا۔"

عمر نے کہا:

"لوگ جھوٹ بکتے ہیں، ایسا نہیں، وہ تو ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے دنیا دے کر آخرت خرید لی۔"

اسماعیل کہتے ہیں کہ: "ہوا یہ تھا کہ یہ روزے کی حالت میں زخمی ہو گئے، ابھی کچھ جان باقی تھی کہ یہ اٹھا کر لائے گئے، مگر انہوں نے پانی پینے سے انکار کر دیا، یہاں تک کہ انتقال کر گئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ ۴۲

۱۲۰۔ مفتوحہ علاقوں کے بارے میں اختلاف

جب سواد فتح ہو گیا تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے اس کے بارہ میں مشورہ طلب کیا۔ عام مسلمانوں کی رائے تھی کہ آپ کو اسے تقسیم کر دینا چاہیے۔ اس رائے پر اصرار کرنے میں بلال

بن رباح سب سے آگے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے بھی یہی تھی کہ اسے تقسیم کر دیا جائے۔ عثمان رضی، علی رضی اور طلحہ کی رائے وہی تھی جو عمر رضی اللہ عنہ کی تھی۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اسے یوں ہی چھوڑ دیں، تقسیم نہ کریں، یہاں تک کہ جب ان لوگوں نے تقسیم پر بہت اصرار کیا تو آپ نے کہا:

"خدایا مجھے بلال اور ان کے ساتھیوں سے بچا۔"

چند دنوں تک یہی بحث جاری رہی، اس کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں سے کہا:

"اس کو تقسیم نہ کرنے اور یونہی چھوڑ رکھنے کے حق میں مجھے دلیل کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول مل گیا ہے:

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا۔ (الحشر: ۸)

(یہ مال) ان مفلس مہاجرین کے لیے ہے جن کو ان کے گھروں اور دوسرے اموال سے زبردستی بے دخل کر کے نکال دیا گیا ہے، جو اللہ کی رضامندی اور اس کے فضل کے طلب گار دین کر آئے ہیں۔

آپ نے اس سے آگے کی آیتیں بھی پڑھ کر انہیں سنائیں، تا آنکہ یہاں تک پہنچے:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ

اور (یہ مال ان لوگوں کے لیے ہے) جو ان کے بعد آئیں۔

تو آپ نے کہا:

"اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں یہ علاقہ تمہارے درمیان تقسیم کر دوں اور بعد میں آنے والوں کے لیے کوئی حصہ نہ باقی رکھوں۔"

چنانچہ آپ نے فیصلہ کر لیا کہ یہ علاقہ تقسیم نہ کیا جائے بلکہ اسے بدستور اس کے مالکوں کے ہاتھ میں رہنے دیا جائے اور اس سے خراج وصول کیا جائے۔ آپ نے زمینوں پر خراج اور افراد پر جزیہ عاید کر دیا۔

۱۲۱۔ زمینوں کا بندوبست اور جزیہ و خراج

سری بن اسماعیل نے عامر الشعبی سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی

ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواد کی پیمائش کرائی تو معلوم ہوا کہ اس کا رقبہ تین کروڑ ساٹھ لاکھ (۳۶۰۰۰۰۰۰) جریب ہے۔ آپ نے غلہ پیدا کرنے والی زرعی زمینوں پر فی جریب ایک درہم اور قفیز (غلہ)، انگور کے باغات پر فی جریب دس درہم اور کھجور کے باغات پر پانچ درہم کے حساب سے مالیہ عاید کیا۔ جزیہ کی شرحیں ہر مرد کے لیے (باعتبار استطاعت) ۱۲ درہم، ۲۴ درہم اور ۴۸ درہم مقرر کیں۔

۱۲۲-

سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ اور انہوں نے ابو مجلز سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمار بن یاسر کو نماز اور جنگ کا امیر بنا کر بھیجا۔ عبداللہ بن مسعود کو قضاء اور بیت المال کی ذمہ داری دی اور عثمان بن حنیف کے سپرد زمینوں کی پیمائش کا کام کیا۔

آپ نے ان سب کے لیے ایک بکری روزانہ کا وظیفہ مقرر کیا — پیٹ اور نصف بکری عمار بن یاسر کے لیے، چوتھائی حصہ عبداللہ بن مسعود کے لیے اور باقی چوتھائی حصہ عثمان بن حنیف کے لیے۔

۴۳ نیز آپ نے فرمایا:

"میں نے تمہیں اور خود اپنے آپ کو اس مال کے سلسلہ میں وہی مقام دیا ہے جو یتیم کے والی کا ہے، کیوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ (النساء : ۵)

اور جس کو حاجت نہ ہو وہ مال یتیم سے پرہیز کرے، اور جو محتاج ہو وہ دستور کے موافق کھائے۔

خدا کی قسم جس زمین سے روزانہ ایک بکری لی جاتی ہو میرے خیال میں وہ بہت جلد اجڑ جائے گی!

۱۲۳- خراج کی شرحیں

(راوی) کہتا ہے کہ عثمان نے زمینوں کی پیمائش کر کے حسب ذیل شرحوں کے مطابق خراج عاید کیا:

انگور کے باغ پر فی جریب دس درہم،
کھجور پر فی جریب آٹھ درہم،
بانس اور نرکل پر فی جریب چھ درہم،
گیہوں کے کھیت پر فی جریب چار درہم، اور
جو کے کھیت پر فی جریب دو درہم۔

نیز افراد پر بارہ[۱] درہم، چوبیس[۲] درہم، اور اڑتالیس[۳] درہم کے حساب سے (جزیہ) عاید کیا۔ انہوں نے عورتوں اور بچوں کو اس سے مستثنیٰ رکھا۔

سعید کہتے ہیں کہ میرے بعض ساتھیوں کا بیان اس سے مختلف ہے، انہوں نے کہا ہے کہ: "کھجور کے باغ پر دس درہم فی جریب، اور انگور پر آٹھ درہم فی جریب۔"

۱۲۴- جزیہ کی شرحیں

محمد بن اسحاق نے حارثہ بن مضرب سے اور انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ (پہلے) آپؓ نے سواد کا علاقہ تقسیم کر دینے کا ارادہ کیا، اور حکم دیا کہ لوگوں کو شمار کیا جائے۔ معلوم ہوا کہ ہر آدمی کے حصہ میں دو یا تین کاشت کار آئیں گے۔ اس کے بعد آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ طلب کیا تو علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"ان (کاشت کاروں) کو (اپنے حال پر) چھوڑ دیجیے تاکہ یہ مسلمانوں کے لیے طاقت کا ذریعہ بنے رہیں۔"

چنانچہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عثمان بن حُنَیف کو وہاں بھیجا اور انہوں نے ان لوگوں پر

۴۸، ۲۴، ۱۰، اور ۱۲ درہم فی کس (کی شرحوں سے جزیہ) عاید کر دیا۔

۱۲۵-

(راوی نے) کہا ہے کہ ہمیں علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے بارے میں یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ نے کہا:

"اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم لوگ ایک دوسرے سے جھگڑنے لگو گے تو میں سواد کا علاقہ تمھارے درمیان تقسیم کر دیتا۔"

۱۲۶-

سواد کے باشندوں نے آپ کے پاس شکایت کہلا بھیجی تو آپ نے تنو گھوڑے سوار وہاں بھیجے۔ ان سواروں میں ایک ثعلبہ بن یزید الحمانی بھی تھے۔ جب ثعلبہ وہاں سے واپس آنے تو کہنے لگے: میں خدا کی قسم کھا کر یہ عہد کرتا ہوں کہ اب کبھی سواد نہیں جاؤں گا۔ ان کے اس عہد کی وجہ وہ خرابیاں تھیں جو انھوں نے وہاں دیکھی تھیں۔

۱۲۷-

اعمش نے ابراہیم بن المہاجر اور انھوں نے عمرو بن میمون سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ نے حذیفہ بن الیمان کو دجلہ پار کے علاقہ میں اور عثمان ابن حنیف کو اس سے اِدھر کے علاقہ پر مامور کیا تھا۔ جب یہ دونوں آپ کے پاس واپس آئے تو آپ نے ان سے دریافت کیا کہ:

"تم دونوں نے زمین پر مالیہ کس حساب سے عاید کیا ہے؟ شاید تم نے اپنی عملداری کے باشندوں پر اتنا بوجھ ڈال دیا جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے۔" ۴۴

حذیفہ نے جواب دیا: "میں نے کچھ فاضل چھوڑ دیا ہے۔"

اور عثمان نے کہا:

"میں نے دوگنا چھوڑ دیا ہے اور میں چاہتا تو اسے بھی وصول کر لیتا۔"

یہ سن کر عمر نے کہا:

"خدا کی قسم اگر میں عراق کی بیواؤں کی خدمت کے لیے زندہ رہا تو انھیں اس حال میں چھوڑ جاؤں گا کہ وہ میرے بعد کسی امیر کی محتاج نہ رہیں گی۔"

۱۲۸-

سری نے شعبی سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انگور پر دس درہم، کھجور پر پانچ، اور ہر ایسی زمین پر جس تک پانی پہنچتا ہو، خواہ وہ زیر کاشت لائی جائے یا نہ لائی جائے، ایک درہم اور ایک مختوم (غلہ کا) مقرر کر دیا۔[1]

عامر نے کہا (مختوم[2]) حجاجی (ہی کا نام) ہے، جو صاع ہے۔ اور آپ نے بارش سے سیراب ہونے والے کھجوروں پر عشر اور ڈول سے سینچے جانے والے کھجوروں پر نصف عشر (بیسواں حصہ) عاید کیا۔ کھجور کے جن باغات کی زمینوں میں کسی اور چیز کی کاشت بھی کی جائے تو اس کی پیداوار پر کوئی مالیہ نہیں عاید ہو گا۔

۱۲۹-

حصین بن عبدالرحمٰن نے عمرو بن میمون الاودی سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات سے تین یا چار دن[2] قبل میں نے انھیں دیکھا تھا کہ وہ حذیفہ بن الیمان اور عثمان بن حنیف کے پاس کھڑے ان سے کہہ رہے تھے:

"شاید تم نے زمین پر اتنا بوجھ ڈال دیا جسے وہ برداشت نہیں کر سکتی۔"

عثمان شط الفرات پر عامل مقرر ہوئے تھے اور حذیفہ دجلہ کے اُس پار جوخی کے علاقہ

---

[1] جیسا کہ ضمیمہ (۲) اور آئندہ آنے والے ایک نوٹ (متعلق عربی صفحہ ۶۴) سے واضح ہو گا، اس عبارت میں ایک اشکال ہے۔ عراقی صاع جو ۸ رطل کا ہوتا ہے۔ حجاجی اور مختوم کے مساوی ہے۔ لیکن امام ابو یوسف نے اس کی رائے سے رجوع کر کے اہل حجاز کی رائے اختیار کر لی تھی جن کے نزدیک صاع کی مقدار ۵⅓ رطل ہے۔ اس قول کی رو سے صاع مختوم اور حجاجی کے مساوی نہیں ہو سکتا۔"

[2] ملاحظہ ہو کتاب الخراج، نشر کردہ استاذ احمد محمد شاکر، فقرہ نمبر ۲۲۰۔ (مترجم)

پر اور دجلہ سے سیراب ہونے والے دوسرے علاقوں پر مقرر تھے۔ عثمان نے جواب دیا:
"میں نے زمین پر اتنا ہی مالیہ عاید کیا ہے جسے وہ برداشت کر سکتی ہے"
اور اگر میں چاہتا تو اپنی زمین پر اس سے دوگنا بار ڈال سکتا تھا۔"
حذیفہ نے کہا:
"میں نے جو شرحیں عاید کی ہیں انھیں یہ علاقہ برداشت کر سکتا ہے۔ اب
جو فاضل بچ رہے گا وہ بہت زیادہ نہ ہوگا۔"
عمر رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
"غور کرو ایسا نہ ہو کہ تم نے زمین پر اتنا بار ڈال دیا ہو جو اس کی برداشت
سے باہر ہو۔ اگر میں اہلِ عراق کی بیواؤں کی خدمت کے لیے زندہ رہا تو انھیں ایسے
حال میں چھوڑ جاؤں گا کہ میرے بعد کسی کی محتاج نہ رہیں۔"
حذیفہ جوخیٰ میں اور عثمان بن حنیف فرات کے زیریں علاقہ میں مُہر بندی پر مامور تھے۔
یعنی گردنوں پر مہر لگانے والے۔

۱۳۰-

(راوی نے) کہا کہ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وصیت میں اہلِ ذمّہ کے بارے میں یہ تلقین
فرمائی کہ ان کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا ہے اُسے پورا کیا جائے' ان پر اُن کی برداشت سے زیادہ
بار نہ ڈالا جائے اور ان کا دفاع کیا جائے۔

۱۳۱-

مجالد بن سعید نے عامر الشعبی سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ جب
عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواد کی پیمائش کرنی چاہی تو حذیفہ کے پاس کہلا بھیجا کہ "جوخیٰ
کے کسی دہقان کو میرے پاس بھیج دو"۔ اسی طرح آپ نے عثمان بن حنیف کے پاس بھی کہلایا کہ "عراق
کے کسی دہقان کو میرے پاس بھیج دو"۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک نے ایک ایک آدمی بھیجا۔ ہر ایک کے

ساتھ حیرۃ کے باشندوں میں سے ایک ترجمان بھی آیا۔ جب یہ لوگ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس
آئے تو انہوں نے کہا:
"تم لوگ عجمیوں کو ان کی زمینوں کے سلسلہ میں کیا ادا کرتے تھے؟"
انہوں نے جواب دیا: "ستائیس درہم"۔
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "مجھے تم سے یہ شرح لینا پسند نہیں"۔
آپ نے ہر کار آمد اور بے کار زمین پر جس تک پانی پہنچتا ہو ایک قفیز گیہوں' یا ایک
قفیز جَو' اور ایک درہم نقد عاید کیا۔ دونوں نے اسی بنیاد پر پیمائش کی مگر دونوں کی پیمائش کا حال
مختلف تھا۔

۱۳۲-

عثمان کو خراج کے معاملات کی اچھی مہارت تھی' لہٰذا انھوں نے زمین کی پیمائش اُسی
طرح (ٹھیک ٹھیک) کی جس طرح کپڑا ناپا جاتا ہے لیکن جوخیٰ کے باشندے بدطوار تھے انہوں
نے پیمائش میں حذیفہ کے ساتھ خوب چالیں چلیں۔ اس وقت جوخیٰ کی زمین آباد و کارآمد تھی مگر اس
واقعہ کے بعد سے اجڑ گئی' اس کا پانی زمین میں اتر گیا۔ اس کے منافع گھٹ گئے۔ اور پھر اس کا مالیہ
کم ہو گیا۔ یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ باشندگانِ جوخیٰ نے پیمائش میں حذیفہ کو دھوکا دیا تھا۔

۱۳۳-

حسن بن عمارہ نے حکم سے اور انہوں نے عمرو بن میمون اور حارثہ ابن مضرب سے روایت
کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عثمان بن حنیف کو
سواد بھیجا اور انھیں اس کی پیمائش کا حکم دیا۔ انھوں نے تمام قابلِ کاشت زمینوں پر' خواہ وہ
اس وقت آباد ہوں یا بے کار پڑی ہوں' فی جریب ایک درہم نقد اور ایک قفیز غلہ بطور خراج عاید
کر دیا۔ انہوں نے انگور' کھجور کے درختوں اور تازہ کھجور' اور زمین سے پیدا ہونے والی تمام دوسری
اشیاء کو محصول سے مستثنیٰ رکھا' نیز انھوں نے ہر فرد پر اڑتالیس درہم (کے حساب سے جزیہ) عاید کیا۔

اور یہ ذمہ داری عاید کی کہ جو مسلمان ان لوگوں کے پاس سے گزریں ان کی تین دن میزبانی کریں۔

۱۳۴۔

تین سال تک عثمان ان سے (شرح مذکور کے مطابق) مالیہ وصول کرتے رہے پھر انہوں نے اس معاملہ کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کیا اور کہا "یہ لوگ اس سے زیادہ ادا کر سکتے ہیں"۔

۱۳۵۔

حجاج بن ارطاۃ نے عون سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حلوان نامی پہاڑی سے ادھر کے سارے علاقۂ سواد کی پیمائش کرائی۔ اور تمام ایسی زمینوں پر جن کو ڈول یا کسی اور ذریعہ سے پانی ملتا تھا فی جریب ایک درہم نقد اور ایک قفیز غلہ عاید کیا، خواہ یہ زمینیں زیرِ کاشت رکھی جائیں یا انھیں بے کار چھوڑ رکھا جائے۔ آپ نے ہر خوشحال آدمی پر اڑتالیس[11] درہم متوسط حال کے آدمیوں پر چوبیس[12] درہم اور غریب آدمیوں پر بارہ[12] درہم (جزیہ) عاید کیا، اور آپ نے ان کی گردنوں پر سیسے سے مہر لگوائی۔ کھجور کے درختوں کو آپ نے انھیں سہارا دینے کی خاطر مستثنیٰ رکھا، البتہ انگور کے باغات پر فی جریب دس درہم، سمسم پر فی جریب پانچ درہم، فصلِ خریف کی سبزیوں پر فی جریب تین[2] درہم اور کپاس پر فی جریب پانچ درہم، ٤٦
خراج عاید کیا۔

۱۳۶۔ صلح کے شرائط۔

عبداللہ بن سعید بن ابو سعید نے اپنے دادا سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی قوم سے صلح کرتے تھے تو یہ شرائط طے فرما لیتے تھے کہ وہ لوگ اتنا خراج ادا کریں گے، تین دن میزبانی کیا کریں گے، راستہ دکھا دیا کریں گے، ہمارے خلاف ہمارے دشمنوں سے ساز باز نہ کریں گے اور ہمارے کسی مجرم کو پناہ نہ دیں گے۔ ان شرائط کی پابندی کرنے پر ان کو ان کے جان و مال اور بیوی بچوں کے تحفظ کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے اور یہ (حفاظت) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری قرار پاجاتی ہے لیکن اگر لشکر ان کی فصل سے ہمارے علم کے بغیر کچھ لے تو اس کے سلسلہ میں ہم ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

پانچواں باب

شام اور الجزیرہ کا بندوبست

۱۳۷۔ فتح کی کیفیت

امیر المومنین! اب اپنے اس سوال کو لیجیے جو آپ نے شام اور الجزیرہ[1] اور ان کے فتح کیے جانے کی کیفیت کے بارے میں کیا ہے۔ اب آپ نے یہ بھی دریافت فرمایا ہے کہ ان دونوں علاقوں میں جن مقامات کے باشندوں سے صلح کی گئی تھی ان کے ساتھ صلح کی کیا شرائط ہوئی تھیں۔ میں نے یہ سوال حیرہ[2] کے رہنے والے ایک استاذ کو جو الجزیرہ اور شام اور ان مفتوح ہونے کی کیفیت سے واقفیت رکھتے ہیں لکھ بھیجا تھا تو انہوں نے مجھے یہ لکھا کہ:

> "اللہ تمہیں سلامت رکھے! شام اور الجزیرہ کے بارے میں اپنی تمام معلومات اکٹھا کر کے تمہیں ارسال کر رہا ہوں۔ یہ معلومات ایسی نہیں جنھیں میں نے فقہاء سے (معلوم کر کے) محفوظ رکھا ہو، اور نہ ان کا ذریعہ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے فقہاء کا حوالہ دے کر یہ معلومات مجھ سے بیان کی ہیں۔ یہ ایسے لوگوں سے ملی ہیں جن کو ان امور کا عالم تسلیم کیا جاتا ہے۔ میں نے ان میں سے کسی سے یہ نہیں دریافت کیا کہ ان کو یہ معلومات کن راویوں کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں۔

۱۳۸۔

اسلام سے قبل الجزیرہ کی کچھ آبادی رومی سلطنت کے تحت تھی اور کچھ ایرانی سلطنت کے

---

[1] تیموری نسخہ میں "الجزیرہ" ہے۔

کے تحت۔ دونوں سلطنتوں نے اپنے اپنے علاقہ میں افسران اور فوجیں مقرر کر رکھی تھیں۔ راس العین اور اُس سے پہلے کا حصہ دریائے فرات تک روم کے قبضہ میں تھا اور نصیبین اور اس سے آگے کا حصہ دجلہ کے کنارے تک فارس کے قبضہ میں تھا۔ اسی طرح صحرائے ماردین دُورا ر انجا اور صحرا تک فارس کا تھا، اور ماردین اور دارا کی پہاڑیاں اور طور عبدین روم کے قبضہ میں تھے، رومی اور فارسی علاقوں کی درمیانی سرحد کی فوجی چھاؤنی دارا اور نصیبین کے درمیان واقع سرحد کی
ایک قلعہ میں تھی۔ ۴۷

-۱۳۹

"شام کی مہم پر ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی گئے تھے۔ ان کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرجیل بن حسنہ کو اُردُن کا والی بنا کر یزید بن ابی سفیان کو دمشق کا والی بنا کر، اور خالد بن ولید کو —— جنھیں آپ نے یمامہ سے کوچ کر کے ابو عبیدہ کے لشکر سے جا ملنے کی ہدایت کی تھی —— حمص کا والی بنا کر بھیجا تھا۔ جب یہ لوگ شام کے قریب پہنچ گئے تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن العاص کو بھی ان کے ساتھ جا ملنے کی ہدایت کی۔ جب اللہ نے ان لوگوں کو فتح عطا فرمائی تو ابو عبیدہ نے شام کے علاقوں کا انتظام سنبھالا، شرجیل اردن چلے گئے اور یزید بن سفیان دمشق اور خالد بن ولید حمص چلے گئے۔

"جب ان کی عملداریوں میں نظم و نسق معمول پر آ گیا تو ابو عبیدہ نے شرجیل کو قنسرین کی مہم پر بھیجا۔ انہوں نے قنسرین فتح کر لیا۔

-۱۴۰

"آپ نے عیاض بن غنم الفہری کو الجزیرہ کی طرف روانہ کیا۔ اس وقت رومی علاقہ کا مرکزی شہر رُہا تھا۔ عیاض نے اُسی کا قصد کیا اور راستہ میں جو قصبات اور گاؤں پڑے ان سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی۔ راستہ میں کسی جھڑپ کی نوبت نہیں آئی۔ تا آنکہ یہ رُہا جا پہنچے۔ وہاں کے باشندوں نے شہر کے دروازے بند کر دیے، اور عیاض کچھ عرصہ —— مجھے یہ نہیں بتایا گیا کہ کتنا عرصہ

—————— وہاں محاصرہ کیے پڑے رہے۔ جب رئیس قلعہ نے دیکھا کہ محاصرہ جاری ہے، اور اُس کو کسی جانب سے کوئی کمک آنے کی بھی امید نہ رہی تو ایک رات وہ پہاڑی کی طرف ایک دروازہ کھول کر بھاگ نکلا۔ اس کے ساتھ جو فوجی تھے ان میں سے بھی اکثر بھاگ گئے۔ شہر میں وہاں کے نبطی باشندے رہ گئے جن کی تعداد بہت کافی تھی۔ کچھ رومی بھی رہ گئے جنھوں نے بھاگنا نہیں پسند کیا، مگر ان کی تعداد کم تھی۔ اب ان لوگوں نے عیاض بن غنم کے پاس ایک قاصد بھیجا اور اپنی طرف سے متعین کردہ رقم (خراج) کی ادائیگی (کی شرط) پر صلح کی درخواست کی۔

عیاض نے یہ بات ابو عبیدہ بن الجراح کو لکھ بھیجی۔ جب یہ خط ان کو ملا تو انہوں نے معاذ بن جبل کو بلایا اور انھیں بھی یہ خط دکھایا۔ معاذ نے کہا:

"اگر آپ ان سے کسی متعین چیز کے عوض صلح کر لیتے ہیں اور بعد میں یہ اسے ادا کرنے سے عاجز رہیں تو آپ کو یہ حق نہیں حاصل ہو گا کہ اس بنا پر ان کو قتل کر ڈالیں۔ آپ کے لیے عملاً صرف یہی شکل رہ جائے گی کہ جس متعین رقم کی ادائیگی طے پائی ہے اسے منسوخ کر دیں، اور اگر بعد میں یہ زیادہ خوش حال ہو جاتے ہیں تو اس متعین رقم کو بغیر اس طرح کی زبردستی محسوس کیے ہوئے ادا کر دیں گے جس کے محسوس کرانے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ مناسب یہ ہو گا کہ آپ ان کی درخواستِ صلح تو منظور کر لیں لیکن اس شرط پر کہ یہ لوگ اپنی قوتِ برداشت کے مطابق خراج ادا کریں گے، پھر خواہ یہ آئندہ خوش حال ہو جائیں یا بدحال، آپ ان سے ان کی استطاعت کے مطابق ہی وصول کر سکیں گے۔ آپ کی شرط ہر حال میں پوری ہو گی، اُسے منسوخ کرنے کی نوبت نہ آئے گی۔"

ابو عبیدہ نے ان کا یہ مشورہ قبول کر لیا اور یہی بات عیاض بن غنم کو لکھ بھیجی۔ جب یہ خط عیاض بن غنم کو ملا تو انھوں نے باشندگانِ شہر کو اُس کے مضمون سے مطلع کیا۔

۱۴۱-

اس کے بعد کیا ہوا؟ اس کے سلسلہ میں لوگوں کی روائتیں مختلف ہیں۔ ایک صاحب نے
بتایا ہے کہ ان لوگوں نے حسبِ استطاعت ادائیگی کی شرط پر صلح منظور کر لی۔ دوسرے صاحب
نے کہا ہے: "ان لوگوں نے یہ شرط نہیں پسند کی۔ وہ یہ جانتے تھے کہ ان کے پاس ضرورت سے
۴۸ زیادہ مال و دولت کافی مقدار میں موجود تھا، اگر حسبِ استطاعت ادا کرنے کی قید لگاتے ہیں تو
یہ سب چلا جاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے رقم خراج کو متعین کر دینے پر اصرار کیا۔ عیاض نے جب
ان کا یہ انکار اور اصرار دیکھا اور ان کے قلعہ کی مضبوطی کے پیشِ نظر انہیں اس کو بزورِ قوت
فتح کر لینے کی امید نہیں نظر آئی تو انہی کی پیش کردہ شرط پر صلح کر لی۔
اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ دونوں صورتوں میں سے کون سی صورت اختیار کی گئی تھی، البتہ
اتنی بات قطعی ہے کہ صلح ہوئی اور شہر ان کے ہاتھوں فتح ہوا۔

۱۴۲-

یہاں سے دوسرا قریب ترین شہر حران تھا۔ عیاض بن غنم اس کے بعد یہاں خود گئے
یا انہوں نے کسی اور کو اس مہم پر بھیجا۔ یہاں بھی یہی ہوا کہ نبطی باشندے اور تھوڑے بہت رومی
جو یہاں رہتے تھے قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ جن شرائط پر رُہا فتح ہوا تھا وہی ان کے سامنے
بھی پیش کی گئیں۔ ان لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کا دار السلطنت فتح ہو چکا ہے تو سب نے
یہ پیش کش قبول کر لی۔

۱۴۳-

رہے دوسرے قصبے اور گاؤں تو ان میں سے بھی کسی کو نہیں چھوڑا گیا اور کسی نے کوئی مزاحمت
نہ کی۔ جب کسی علاقہ کا شہر فتح ہو جاتا تو اس علاقہ کے لوگ یہ کہتے کہ ہماری حیثیت بھی وہی رہے
گی جو ہمارے شہر اور ہمارے سرداروں کی ہے۔ مجھے اس بارے میں کوئی خبر نہیں مل سکی کہ عیاض
نے ان کی یہ بات منظور کر لی یا رد کر دی۔ البتہ ان علاقوں کی فتح کے بعد یہاں جن مسلمان خلفاء کی

عملداری رہی انہوں نے گاؤں والوں سے بھی شہریوں کے مساوی سلوک کیا، مگر لشکر کے لیے رسد
بہم پہنچانے کا بار انہوں نے شہریوں پر نہیں بلکہ تمام تر دیہی علاقوں پر ڈالا۔
بعض علماء جن کو اس سلسلہ میں علم رکھنے کا دعویٰ ہے یہ کہتے ہیں کہ ایسا اس لیے کیا گیا
تھا کہ دیہات والوں کے پاس زمین اور کھیت تھے مگر شہریوں کا حال اس سے مختلف تھا۔ چنانچہ
اب ان کے صاحب الرائے لوگ کہتے ہیں کہ: "ہمارا حق ہمارے ہاتھ میں ہے اور وہ وہی ہے
جو تم سے پہلے کے لوگ بھی ہم سے وصول کرتے رہے ہیں۔ وہ تمہارے رجسٹروں میں بھی درج ہے۔
رہی یہ بات کہ ابتداءً کیا طریقہ اختیار کیا گیا تھا تو اس سے تم بھی ناواقف ہو اور ہم بھی۔ جب
صورتِ حال یہ ہے تو تم لوگ اسے کس طرح جائز سمجھتے ہو کہ موجودہ طریقہ کو چھوڑ کر، جس پر عرصہ
سے عمل درآمد چلا آ رہا ہے اب کوئی ایسا طریقہ اختیار کرو جو نہ تو پہلے رائج تھا، نہ اس کا تمہارے
پاس کوئی ثبوت موجود ہے"۔

۱۴۴-

الجزیرہ کے جو حصے ایرانیوں کے قبضہ میں تھے ان کے بارے میں میری یادداشت
کے مطابق کوئی بات نہیں پہنچی ہے۔ بس اتنا معلوم ہے کہ جنگ قادسیہ میں جب ایرانیوں کو شکست
ہوئی اور اس کی اطلاع الجزیرہ میں تعینات فوجوں کو ملی تو وہ لوگ سب کے سب اپنے علاقوں کو
یوں ہی چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے۔ صرف سنجار کے لوگ رہ گئے۔ انھوں نے وہاں ایک اسلحہ خانہ
قائم کر رکھا تھا جہاں سے وہ سنجار، ماردین اور دارا کی وادیوں کا دفاع کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنے
شہر میں جمے رہے۔ جب ایرانی تباہ ہو گئے اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے والے یہاں
آئے تو انھوں نے یہ دعوت قبول کر لی اور بدستور اپنے شہر میں آباد رہے۔

۱۴۵- الجزیرہ کے محاصل

۴۹ عیاض بن غنم الفہری نے الجزیرہ کے سرداروں[۱] پر فی کس دو دو دینار، دو دو مد گیہوں، دو دو

[۱] تیسری نسخہ میں الجزیرہ کی جگہ "جزیہ" ہے۔ یعنی: "سرداروں پر جزیہ عاید کیا۔ فی کس۔۔۔"

قسط زیتوں کا تیل اور دو قسط سرکہ (بطورِ خراج) مقرر کردیا۔ انہوں نے (محصول عاید کرنے میں ہر سرداد کے ماتحت) لوگوں کو ایک طبقہ شمار کیا تھا۔ مجھے اس بارے میں کوئی خبر نہیں ملی کہ یہ بطور صلح کیا گیا تھا یا اس معاملہ کی نوعیت کچھ اور تھی۔ اس باب میں میں نے نہ تو فقہاء سے کوئی روایت سنی ہے نہ کسی دوسرے مستند واسطہ سے مجھے کوئی خبر مل سکی ہے۔

۱۴۶۔

جب عبدالملک بن مروان حکمران ہوا تو اس نے ضحاک بن عبدالرحمٰن الاشعری کو وہاں بھیجا۔ ان لوگوں سے جو کچھ وصول کیا جا رہا تھا وہ ان کو کم معلوم ہوا، لہٰذا انہوں نے سرداروں کا از سرِ نو شمار کروایا، اور سارے عوام کو ان کے تحت کام کرنے والے محنت کاروں کی حیثیت دی۔ انہوں نے حساب لگا کر معلوم کیا کہ ایک محنت کش سال بھر کتنا پیدا کرتا ہے پھر اس مقدار میں سے وہ اخراجات گھٹا دیئے جو وہ غلہ، سالن، لباس اور جوتے پر کرتا تھا اور تیوہاروں کے دنوں کو سال کے ایام کار سے کم کر دیا۔ اس حساب سے یہ معلوم ہوا کہ سال بھر میں ہر فرد کے پاس چار دینار فاضل بچ رہتے ہیں انہوں نے یہی شرح ہر ایک پر عاید کر دی اور اس معاملہ میں سب کو یکساں شمار کیا۔ پھر انہوں نے (شہر سے) دُوری اور قُرب کے لحاظ سے بھی مختلف املاک پر مختلف شرحیں عاید کیں، چنانچہ انہوں نے قریب کے ہر سو جریب کے کھیت پر ایک دینار، اور دور کے ہر دو سو جریب کے کھیت پر ایک دینار عاید کیا۔ قریب کی ہر ایک ہزار انگور کی بیلوں پر ایک دینار، اور دور کی دو ہزار بیلوں پر ایک دینار، نیز قریب کے زیتون کے سو درختوں پر ایک دینار اور دُور کے دو سو درختوں پر ایک دینار عاید کیا۔ دوری کا معیار انہوں نے ایک یا دو دن یا اس سے زیادہ کی مسافت کو رکھا۔

۱۴۷۔

"(محصول عاید کرنے کا) یہی طریقہ شام اور موصل میں بھی اختیار کیا گیا۔"

چھٹا باب

عہدِ فاروقی میں صحابہؓ کے وظائف

۱۴۸۔ عہدِ صدیقی میں فئے کی تقسیم

ابن ابی نجیح نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ: ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ مال آیا تو آپ نے فرمایا: "جس کسی سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ وعدہ فرمایا ہو وہ آجائے۔" چنانچہ جابر بن عبداللہ آپ کے پاس آئے اور اپنی دونوں ہتھیلیاں ملا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ
۵۰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا: "اگر بحرین کا مال آیا تو میں تجھے اس طرح اس طرح دوں گا۔" یہ سُن کر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا "لے لو"۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے (سکّے) اٹھائے پھر انہوں نے اسے شمار کیا تو وہ پانچ سو (درہم) تھے۔ آپ نے ان سے کہا "ایک ہزار اور لے لو" چنانچہ انہوں نے ایک ہزار اور لے لیا۔ اس کے بعد آپ نے ہر اس شخص کو دیا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے بعد بھی کچھ مال بچ رہا۔ (۱۰۳) کو آپ نے تمام لوگوں میں "چھوٹے بڑے، آزاد و غلام، مرد و عورت" کا لحاظ کئے بغیر یکساں تقسیم کر دیا۔ اس طرح ہر آدمی کے حصہ میں سات درہم[1] اور ایک تہائی درہم (۷⅓ درہم) آئے۔

۱۴۹۔ تقسیم فئے میں مساوات

اس سے اگلے سال بہت سا مال آیا، جو اس سے زیادہ تھا۔ اسے بھی آپ نے سارے لوگوں پر تقسیم کر دیا۔ ہر آدمی کو بیس[2] درہم ملے۔

---

[1] تیموری نسخہ میں سات کی جگہ نو ہے۔

(راوی نے) کہا: مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں نے آپ کے پاس آکر یہ عرض کیا کہ:

"اے رسولِ خدا کے نائب! آپ نے اس مال کی تقسیم میں تمام لوگوں کو مساوی رکھا ہے، حالانکہ ان لوگوں میں بعض لوگ وہ ہیں جنہیں دوسروں پر شرف ہے، وہ دعوت اسلام پر لبیک کہنے میں سبقت رکھتے ہیں اور قدیم الاسلام ہیں۔ بہتر ہوتا کہ آپ اپنے اصحاب فضل و سبقت اور پیش قدمی کرنے والے افراد کو دوسروں سے زیادہ دیتے۔"

(راوی) کہتا ہے کہ اس پر آپ نے فرمایا:

"تم نے سابقیت اور اولیت اور فضل کا جو ذکر کیا ہے تو میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ثواب اللہ جلّ شانہٗ دے گا۔ مگر یہ (تقسیم مال کا) معاملاتِ دنیا میں سے ہے اور اس میں ترجیح و امتیاز کے بجائے مساوات بہتر ہے۔"

۱۵۰۔ عہدِ فاروقی میں فَے کی تقسیم

جب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا اور متعدد فتوحات ہوئی تو آپ نے تقسیم میں ترجیحی سلوک کیا، اور فرمایا:

"جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی ہے ان کو میں ان لوگوں کے مساوی نہیں قرار دے سکتا جنھوں نے آپ کے ساتھ مل کر جنگ کی ہے۔"

آپ نے مہاجرین و انصار میں سے سبقت و قدامت کا شرف رکھنے والوں میں سے ان لوگوں کو جو جنگِ بدر میں شریک تھے فی کس پانچ ہزار دیا، اور جنھوں نے جنگِ بدر میں شرکت نہیں کی تھی ان کو فی کس چار ہزار دیا۔ اس کے بعد جن لوگوں کا اسلام اہلِ بدر کے اسلام کی طرح (سچا اور ممتاز) تھا اُن کا حصہ اس سے کچھ کم رکھا۔ آپ نے ان لوگوں کو ان کے سابقیت کے اعتبار سے مختلف رتبوں میں رکھا۔

۱۵۱۔ تقسیم فَے میں عدم مساوات

ابو معشر نے مجھ سے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے، مجھ سے عمرہ کے آزاد کردہ غلام اور دوسرے افراد نے حدیث بیان کی ہے کہ، جب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتوحات ہوئیں اور مال آیا تو آپ نے فرمایا:

"ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مال (کی تقسیم) کے سلسلے میں ایک خاص رائے قائم کی تھی، مگر میں اس بارے میں ایک دوسری رائے رکھتا ہوں۔ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی ہے انھیں میں ان لوگوں کے مساوی نہیں قرار دوں گا جنھوں نے آپ کے ساتھ مل کر جنگ کی ہے۔"

چنانچہ آپ نے جنگِ بدر میں شریک ہونے والے مہاجرین و انصار کو فی کس پانچ ہزار دیا۔ پھر جن لوگوں کا اسلام اہلِ بدر ہی کے اسلام کی طرح تھا مگر وہ جنگِ بدر میں نہیں شریک تھے ان کو فی کس چار ہزار دیا۔

آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے بارہ بارہ ہزار کا حصہ مقرر کیا، باستثنار صفیہ اور جویریہ کے ان دونوں کو آپ نے چھ چھ ہزار دیا، مگر ان دونوں نے اتنا قبول کرنے سے انکار کر دیا[1]۔ آپ نے ان سے کہا:

"دوسری بیویوں کا حصہ مقرر کرنے میں میں نے اُن کی ہجرت کا لحاظ کیا ہے۔"

ان دونوں نے جواب دیا:

"آپ نے تو اس مقام کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے حصے مقرر کیے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک انھیں حاصل تھا اور بعینہٖ وہی مقام ہمیں بھی حاصل تھا۔"

عمر نے یہ بات تسلیم کر لی اور انہوں نے اِن دونوں کے حصے بھی بارہ بارہ ہزار

---

[1] متن میں ہے "فنابیا ان یقبلا" فرنچ مترجم "فاگناں" نے اس کی تصحیح کی ہے "فابتا ان تقبلا"۔ (صفحہ ۶۷) (مترجم)

کر دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس کو بھی آپ نے بارہ ہزار دیا۔ اسامہ بن زید کا حصّہ چار ہزار رکھا' اور اپنے بیٹے 'عبداللہ بن عمر کا حصّہ تین ہزار مقرر کیا۔ انھوں نے پوچھا۔

"اباجان! آپ نے اسامہ کو مجھ سے ایک ہزار زیادہ کیوں دیا؟ ان کے باپ کو کوئی ایسی فضیلت تو نہیں حاصل تھی جو میرے باپ کو نہ حاصل ہو نہ خود ان کو کوئی ایسی فضیلت حاصل ہے جو مجھے نہ حاصل ہو۔"

آپ نے فرمایا:

"اسامہ کا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب تھا' اور خود اسامہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب تھے۔"

حسن اور حسینؓ کے لیے آپ نے پانچ پانچ ہزار مقرر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان دونوں کو جو مقام حاصل تھا اُس کے پیشِ نظر آپ نے ان کو (حصّہ کے لحاظ سے) ان کے والد ہی کے درجہ میں رکھا۔

مہاجرین و انصار کے لڑکوں کو آپ نے دو ہزار فی کس کے حساب سے دیا۔ ابوسلمہ کے بیٹے عمر آپ کے پاس سے گذرے تو آپ نے فرمایا: "ان کے حصّہ میں ایک ہزار کا اضافہ کردو۔" اس پر محمد بن عبداللہ بن جحش نے آپ سے کہا:

"ان کے باپ کو کوئی ایسا شرف تو نہیں حاصل تھا جو ہمارے باپوں کو نہ حاصل رہا ہو نہ خود ان میں کوئی ایسی خوبی ہے جو ہم میں نہ موجود ہو۔"

آپ نے فرمایا:

"میں نے ان کو ان کے باپ ابوسلمہ کے لحاظ سے صرف دو ہزار دیا ہے لیکن ان کی ماں اُمّ سلمہ' کا لحاظ کرتے ہوئے ایک ہزار کا اضافہ کر دیا ہے۔ اگر تیری ماں بھی اُمّ سلمہ کے ہم پلّہ ہوتی تو میں تجھے بھی ایک ہزار اور دلوا دیتا۔"

مکہ والوں اور عام لوگوں کا حصّہ آپ نے فی کس آٹھ سو رکھا۔ طلحہ بن عبیداللہ اپنے بھائی

عثمان کو آپ کے پاس لائے تو آپ نے اُن کا حصّہ آٹھ سو مقرر کر دیا۔ پھر نضر بن انس آئے تو عمر نے کہا: "ان کا حصّہ دو ہزار رکھو۔" اس پر طلحہ نے آپ سے کہا:

"میں بھی ان ہی کی طرح کے ایک آدمی (عثمان) کو آپ کے پاس لایا تو آپ نے اس کا حصّہ آٹھ سو رکھا اور نضر کے لیے آپ نے دو ہزار مقرر کیے؟"

اس پر آپ نے فرمایا:

"ان کے باپ اُحد کے دن مجھے ملے تو انہوں نے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا؟ میں نے بتایا کہ میرے خیال میں تو آپ مارے گئے' یہ سن کر انہوں نے اپنی تلوار کھینچ لی اور میان توڑ دی' اور بولے: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مارے جا چکے ہوں تو اللہ تو زندہ ہے' وہ کبھی نہیں مرے گا۔"

اس کے بعد وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ مارے گئے۔ اور (اس وقت) ان (عثمان) کے باپ فلاں جگہ بکریاں چرا رہے تھے۔

عمر نے اپنی خلافت کے دور میں اسی پالیسی پر عمل کیا۔

۱۵۲-

محمد بن اسحاق نے ابو جعفر سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ

۱۵ھ جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کے لیے (وظائف) مقرر کرنے کا ارادہ کیا ـــ اور اس سلسلہ میں آپ کی رائے عام لوگوں کی رائے سے زیادہ مناسب تھی ـــ تو لوگوں نے کہا کہ تقسیم اپنی ذات سے شروع کیجیے۔ آپ نے فرمایا: "نہیں۔"

آپ نے تقسیم کی ابتدا ان لوگوں سے کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب کا رشتہ رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے پہلے عباس کا حصّہ مقرر کیا' پھر علی کا ـــ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے آپ نے پانچوں قبائل کو دیا' تاآنکہ بنو عدی بن کعب تک پہنچ گئے (اور تقسیم مکمّل ہو گئی)

۱۵۳-

مجالد بن سعید نے شعبی سے اور انہوں نے ایک ایسے شخص سے جو عمر بن الخطاب کا زمانہ دیکھے ہوئے تھے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے: جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتوحات عطا فرمائیں اور فارس اور روم فتح ہو گئے تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے کچھ لوگوں کو جمع کر کے ان سے یہ فرمایا کہ

"تمہاری کیا رائے ہے؟ میری رائے تو یہ ہے کہ میں لوگوں کے عطیے سال بسال ادا کیا کروں اور (دوران سال میں آنے والے) مال کو جمع کرتا رہوں کیوں کہ اس طرح زیادہ برکت ہو گی۔"

لوگوں نے کہا،

"آپ نے جو رائے قائم کی ہے اسی پر عمل کیجیے، کیوں کہ ان شاء اللہ آپ کو توفیقِ ایزدی حاصل رہے گی۔"

۱۵۴-

(راوی نے) کہا: پھر آپ نے وظائف مقرر کیے۔ آپ نے تختی منگوائی اور پوچھا: "کس سے شروع کروں؟" عبدالرحمٰن ابن عوف بولے: "خود اپنی ذات سے ابتدا کیجیے۔" آپ نے فرمایا: "واللہ یہ نہیں ہو گا، بلکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برادری بنی ہاشم سے شروع کروں گا۔"

چنانچہ آپ نے بنی ہاشم کے ان تمام لوگوں کا ــــ خواہ وہ عرب تھے یا موالی ــــ نام لکھا جو جنگِ بدر میں شریک تھے۔ ان میں سے ہر فرد کے لیے پانچ پانچ ہزار کے حصے مقرر کیے۔ مگر عباس بن عبدالمطلب کا حصہ بارہ ہزار رکھا۔

اس کے بعد بنو امیہ بن عبد الشمس میں سے بدر میں شریک ہونے والوں کے حصے طے کیے، اور ان کے بعد بنی ہاشم سے قرابت کے لحاظ سے دوسرے قبائل کو لیا اور ان کے حصے مقرر کیے سارے بدری لوگوں کے لیے ــــ عربی اور موالی سب کے لیے ــــ آپ نے پانچ پانچ ہزار

کے حصے مقرر کیے۔

'انصار کے لیے آپ نے فی کس چار ہزار مقرر کیا، چنانچہ سب سے پہلے انصاری جن کا حصہ مقرر کیا گیا محمد بن مسلمہ تھے۔

'آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے لیے دس دس ہزار مقرر کیا، مگر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حصہ بارہ ہزار رکھا۔

'جن لوگوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی ان کے لیے فی کس چار ہزار مقرر کیا۔

"ام سلمہ کے رتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے آپ نے عمر بن ابی سلمہ کے لیے بھی چار ہزار مقرر کیا۔ اس پر محمد بن عبداللہ بن جحش نے کہا،

"آپ عمر (بن ابی سلمہ) کو ہم پر ترجیح کیوں دے رہے ہیں؟ کیا ان کے باپ کے ہجرت کرنے کے سبب؟ اگر ایسا ہے تو ہمارے باپوں نے بھی ہجرت کی تھی اور وہ بھی جنگِ بدر میں شریک تھے۔"

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"میں ان کو اس مقام کے پیشِ نظر ترجیح دے رہا ہوں جو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حاصل تھا۔ اب جسے اعتراض ہو وہ ان کے جیسی ماں لے آئے تو میں اس کی شکایت رفع کر دوں گا۔"

'حسن اور حسین کے لیے آپ نے پانچ پانچ ہزار مقرر کیا۔ اس میں بھی آپ نے اس مقام کی رعایت فرمائی تھی جو ان دونوں حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حاصل تھا۔ ۵۲

'اس کے بعد آپ نے عربی اور موالی سارے عوام کے لیے فی کس تین سو، چار سو کے حصے مقرر کیے۔

'مہاجرین اور انصار کی عورتوں کے لیے بھی آپ نے چھ سو، چار سو، تین سو اور دو سو فی کس کی شرحوں سے وظائف مقرر کیے۔

'مہاجرین اور انصار میں سے کچھ لوگوں کے لیے آپ نے فی کس دو ہزار مقرر کیے۔
'جب ہرقل[1] ایمان لائے تو آپ نے ان کے لیے بھی دو ہزار کا حصہ مقرر کیا۔ انہوں نے آپ سے کہا، میری زمین میرے ہی پاس رہنے دیجیے میں اسے آباد رکھے رہوں گا اور جو خراج وہ دیا کرتی تھی وہ ادا کرتا رہوں گا۔' چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔

مجالد نے کہا کہ: میری ایک چچی تھیں جن کو آپ نے دو سو دیے تھے[2]۔ جب کوفہ کے والی سعد بن العاص ہوئے تو انہوں نے اس وظیفہ میں ایک سو کی تخفیف کر دی۔ پھر جب علی کرم اللہ وجہٗ تشریف لائے تو میرے دادا[3] کی عیادت کرنے کے لیے میرے یہاں آئے۔ اس وقت میں نے اس سلسلہ میں گفتگو کی تو انہوں نے اس (ایک سو) کو دوبارہ جاری کر دیا۔

۱۵۵۔

محمد بن عمرو بن علقمہ نے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے اور انہوں نے ابو ہریرۃ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی: میں بحرین سے پانچ لاکھ درہم لے کر آیا۔ شام کے وقت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا:

"امیرالمومنین یہ مال سنبھالیے۔"

آپ نے فرمایا: "اور یہ ہے کتنا؟"

میں نے کہا: "پانچ لاکھ درہم۔"

آپ بولے: "جانتے بھی ہو کہ پانچ لاکھ کتنا ہوتا ہے؟"

کہتے ہیں کہ میں نے "سو ہزار، سو ہزار، ..." پانچ بار کہا۔

آپ نے فرمایا: "تم غنودگی کے عالم میں ہو، جاؤ رات گزار لو، پھر صبح کو میرے پاس آنا۔"

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے، 'ہرقلی'
[2] تیموری نسخہ میں ہے 'جن کا وظیفہ دو سو تھا'
[3] تیموری نسخہ میں ہے 'دادی'

چنانچہ صبح ہوئی تو میں ان کے پاس گیا اور کہا: "یہ مال مجھ سے لیجیے۔"

پوچھا: "اور وہ ہے کتنا؟"

میں نے کہا: "پانچ لاکھ درہم۔"

آپ نے فرمایا: "کیا یہ پاکیزہ طریقہ سے حاصل ہوا ہے؟"

(ابو ہریرۃ) کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ میری معلومات کی حد تک تو ایسا ہی ہے۔

۱۵۶۔

پھر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لوگو! ہمارے پاس بہت سا مال آیا ہے۔ اب اگر تم چاہو کہ ناپ ناپ کر تمہیں دیں تو ہم ایسا کریں، چاہتے ہو کہ شمار کر کے دیں تو ہم شمار کریں اور اگر تمہاری خواہش ہو کہ وزن کر کے دیا جائے تو ہم تول تول کر تم کو دیں۔"

اس پر حاضرین میں سے ایک شخص بولا:

"امیرالمومنین! لوگوں کے لیے رجسٹر مرتب کیجیے، جس کے (اندراجات کے) مطابق اُن کو دیا جایا کرے۔"

چنانچہ عمر نے یہ مشورہ پسند کیا۔ آپ نے مہاجرین کے لیے پانچ پانچ ہزار، انصار کے لیے تین تین ہزار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے لیے بارہ بارہ ہزار مقرر کیے۔

۱۵۷۔

(راوی نے) کہا: جب زینب بنت جحش کو ان کا حصہ مال وصول ہوا تو آپ نے فرمایا:

"اللہ امیرالمومنین کی مغفرت فرمائے۔ میری سہیلیوں (یعنی ازواج مطہرات) ساتھیوں میں ایسی بھی ہیں جو اس مال کی تقسیم مجھ سے زیادہ آسانی کے ساتھ کر سکتی ہیں۔"

اس پر آپ کو یہ بتایا گیا کہ: "یہ سارے کا سارا مال تنہا آپ ہی کا حصہ ہے۔ یہ سن کر آپ نے

اُسے رکھنے کا حکم دیا، چنانچہ اُسے وہیں انڈیل دیا گیا۔ آپ نے اس پر ایک کپڑا ڈھک دیا اور اپنے پاس موجود ایک صاحبہ سے کہا: "فلاں خاندان والوں اور فلاں خاندان والوں کو دینے کے لیے اس میں ہاتھ ڈال کر نکالو۔ اسی طرح مختلف خاندانوں کا نام لے کر حصہ نکلواتی رہیں۔ یہاں تک کہ جو صاحبہ ہاتھ ڈال کر (سکّے) نکال رہی تھیں وہ بول اُٹھیں: "میرے خیال میں آپ مجھ کو نہیں یاد فرما رہی ہیں، حالانکہ میرا بھی آپ پر کچھ حق ہے"۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ "اب کپڑے کے نیچے جو کچھ بچا ہوا ہے وہ تمھارے لیے ہوئے":

(راوی) کہتا ہے: "پھر اس عورت نے کپڑا اٹھایا تو وہاں پچاسی درہم بچے تھے۔

(راوی) کہتا ہے: "پھر آپ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی:

"خدایا! اس سال کے بعد اب مجھے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا وظیفہ پانے کی نوبت کبھی نہ آئے!"

(راوی نے) کہا "چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سب سے پہلی بیوی تھیں جو حضور سے جا ملیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سب سے زیادہ سخی اور فیاض تھیں۔

۱۵۸۔

"عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے انصار کے وظائف کی تقسیم زید بن ثابت کے سپرد کر دی۔ انہوں نے عوالی (یعنی مدینہ کے بالائی علاقہ) کے رہنے والوں سے ابتدا کی۔ پہلے بنی عبدالاشہل اور ان کے بعد اوس (کے نام لکھے) کیوں کہ ان لوگوں کے گھر (مسجدِ نبوی سے) دُور تھے۔ ان کے بعد خزرج کے حصے لکھے اور خود اپنا حصہ سب سے آخر میں رکھا۔ یہ لوگ مالک بن نجار کی اولاد ہیں اور مسجد نبوی کے اردگرد آباد ہیں:

۱۵۹۔

عبداللہ بن الولید المدنی نے موسیٰ بن یزید[1] سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے: مزنی۔ [2] تیموری نسخہ میں ہے: بریدہ۔

کی ہے کہ: "ابوموسیٰ اشعری عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کے پاس دس لاکھ لے کر آئے۔ عمر نے پوچھا: "کتنا لے کر آئے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا: "دس لاکھ۔"

(راوی) کہتا ہے کہ عمر کو یہ رقم بہت زیادہ معلوم ہوئی (اور یقین نہ آیا)۔ انہوں نے کہا:

"جو کچھ بتا رہے ہو اُسے سمجھتے بھی ہو؟"

یہ بولے: "ہاں" اور "سو ہزار، سو ہزار" ۔ ۔ ۔ "دس بار کہہ کر یہ بتایا کہ اتنا لے کر آیا ہوں۔"

یہ سن کر عمر نے کہا:

"اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو اس مال میں سے اُس چرواہے کو بھی اُس کا حصہ ملے گا جو یمن میں ہو اور اس کا خون اس کے چہرہ ہی میں ہو۔

۱۶۰۔ تقسیم فے میں عدم مساوات کی مصلحت

۵۵ مدینہ کے ایک استاذ نے اسماعیل بن محمد بن السائب سے انہوں نے زید سے اور زید نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: "میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

"اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں کوئی فرد ایسا نہیں جس کا اس مال میں کچھ حق نہ ہو، چاہے اسے یہ حق دیا جائے یا نہ دیا جائے۔ کوئی فرد کسی دوسرے فرد کے مقابلہ میں سے زیادہ کا حق دار نہیں سوائے مملوک غلام کے (کہ آزاد کو اس سے زیادہ کا حق ہے) اس معاملے میں میری حیثیت بھی بعینہٖ وہی ہے جو تم میں سے کسی فرد کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ عزوجل کی کتاب کی روشنی میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کے اعتبار سے ہم سب کے رتبے جدا جدا ہیں، لہٰذا تقسیم میں افراد کے دعوت اسلام کو جب

پہلے لبیک کہنے، اُن کی پیش قدمیوں اور ان کے صاحبِ مال ہونے یا حاجت مند ہونے کا بھی لحاظ رکھا جائے گا۔ خدا کی قسم اگر میں زندہ رہا تو صنعا کی پہاڑی پر مویشی چرانے والے کو بھی اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے اس مال میں سے اس کا حصّہ پہنچ جائے گا، بغیر اس کے کہ اس کا چہرہ سرخ ہو ۔۔۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ بغیر اس کے کہ اُسے اپنا حق حاصل کرنے کے لیے کوئی بھاگ دوڑ کرنی پڑے (جس میں اس کا چہرہ تمتما اُٹھے)

۱۶۱۔

(راوی نے) کہا: حمیر کا رجسٹر علیحدہ تھا۔ فوجوں اور بستیوں کے امراء کے لیے نو ہزار، آٹھ ہزار، اور سات ہزار کے لگ بھگ اس قدر وظیفہ مقرر فرماتے تھے جو ان کی غذائی ضروریات کے لیے کافی ہو اور جس کے ذریعہ وہ اپنی دوسری ذمہ داریوں کو بھی ادا کر سکیں۔

۱۶۲۔ بچوں کے لیے وظیفہ

(راوی نے) کہا: بچے کے لیے ولادت کے بعد ہی سے سو درہم مقرر تھے۔ جب وہ بڑا ہو جاتا تو اس کا وظیفہ دو سو کر دیتے اور جب بالغ ہو جاتا تو اس میں اور اضافہ کر دیتے۔

۱۶۳۔ تقسیمِ فئے میں مساوات کی طرف رجوع

(راوی) کہتا ہے: جب آپ نے دیکھا کہ مال بہت زیادہ ہو گیا ہے تو فرمایا:

"اگر میں آئندہ سال اس شب زندہ رہا تو (رجسٹر کی فہرست میں) آخر کے لوگوں کو شروع کے لوگوں میں شامل کر دوں گا تاکہ تمام افراد کو برابر برابر وظائف ملنے لگیں۔"

(راوی) کہتا ہے: آپ اس سے قبل ہی انتقال فرما گئے۔ اللہ آپ پر اپنی رحمت کا نزول فرمائے۔

۱۶۴۔

علی بن عبداللہ[1] نے زہری سے اور زہری نے سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

[1] تیموری نسخہ میں ہے: عبداللہ بن علی

روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: جب فارس کے خمس کا مال عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو آپ نے فرمایا:

"خدا کی قسم جب تک میں اسے تقسیم نہ کر دوں آسمان کے سوا کوئی دوسری چھت اس کو نہیں ڈھکنے پائے گی۔"

(راوی نے) کہا: پھر آپ کے حکم سے یہ مسجد کی دو صفوں کے درمیان رکھ دیا گیا۔ آپ نے عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن ارقم کو حکم دیا اور انھوں نے رات بھر اس کی نگرانی کی۔ صبح کو عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے ہمراہ وہاں آئے اور اس پر جو چادریں ڈھکی ہوئی تھیں انھیں آپ کے حکم سے ہٹا دیا گیا۔ اب عمر نے جواہرات، موتیوں، اور سونے چاندی کے ڈھیر کا ایک ایسا منظر دیکھا جسے آپ کی آنکھوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ آپ رونے لگے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے آپ سے کہا:

"یہ شکر کا موقع ہے، آپ کو رونا کس بات پر آ رہا ہے؟"

فرمایا: "بجا کہتے ہو، لیکن جب بھی اللہ نے کسی قوم کو یہ سب دیا اس نے قوم میں آپس کے بغض و عناد کی تخم ریزی بھی کر دی۔"

پھر آپ نے پوچھا: "ہم لوگوں کو ہاتھوں سے اُٹھا اُٹھا کر دیں یا صاع سے ناپ کر تقسیم کریں؟"

(راوی نے) کہا: پھر آپ نے یہ طے کیا کہ ہاتھوں ہی سے تقسیم کریں، چنانچہ آپ نے ہاتھوں سے اٹھا اٹھا کر یہ دولت تقسیم کی:

(راوی نے) کہا: یہ رجسٹروں کی ترتیب سے پہلے کی بات ہے۔

۱۶۵۔ غریبوں کے لیے روزینہ

اعمش نے ابواسحاق اور انھوں نے حارثہ بن مضرب سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ: ایک غریب آدمی کے

لیے کتنا کافی ہوتا ہے ؟ (راوی نے) کہا : آپ نے ایک جریب آٹا ، جو سات قفیز کے برابر ہوتا ہے ، پکوایا ۔ اس کی روٹی پکا کر تیس مسکینوں کو بلا کر پیٹ بھر کر کھلایا ۔ رات میں پھر ایسا ہی کیا ۔ (راوی) کہتا ہے : چنانچہ اسی تجربہ کی بنا پر آپ نے غریب آدمی کے لیے (جو تنہا ہو) مہینہ میں دو جریب مقرر کر دیا ۔

۱۶۶

ہمارے ایک پرانے استاذ نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ : مجھ سے میرے اساتذہ نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ : عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس راہِ خدا (میں جہاد) کے لیے مخصوص چار ہزار نشان زدہ گھوڑے تھے ۔ جس کسی آدمی کا وظیفہ اس کے لیے کم پڑ جاتا ، یا وہ ضرورت مند ہوتا تو اسے ایک گھوڑا دے دیتے اور فرماتے :

"اگر تم نے چارہ پانی میں کمی کر کے اسے ہلاک کر دیا ، یا ناکارہ کر دیا تو تم اس کے ذمہ دار قرار دیے جاؤ گے ، اور اگر تم نے اس پر سوار ہو کر جنگ میں حصہ لیا اور یہ مارا گیا ، یا تم مارے گئے تو تم سے کوئی مطالبہ نہ ہوگا "

عفا اللہ عنہ
محمد عبد الرحمن الکعلوف
24-6-80

ساتواں باب

سواد کے لیے مجوزہ محاصل

فصل ۱

سواد میں محاصل کا سابق نظام

۱۶۷ - عہدِ فاروقی میں سواد کے محاصل

میں نے سواد کے خراج اور اس کے محاصل وصول کرنے کے طریقوں پر غور کیا ۔ اس سلسلہ میں میں نے خراج کے متعلق علم رکھنے والوں اور دوسرے حضرات کو جمع کر کے ان سے بحث و مذاکرہ بھی کیا ، کیوں کہ ہر ایک نے اس باب میں ایسی رائیں ظاہر کی ہیں جن پر عمل جائز نہیں ہوگا ۔

میں نے ان سے ان محاصل کی بابت گفتگو کی جو عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ان لوگوں پر زمین کے خراج کے طور پر عاید کیے گئے تھے ، اور یہ بات سامنے رکھی کہ اس وقت ان کی زمینیں ان محاصل کا بار برداشت کر سکتی تھیں ۔ (اس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ) عمر نے حذیفہ اور عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا تھا :

"شاید تم نے زمین پر اتنا بار ڈال دیا ہے جسے وہ برداشت نہیں کر سکتی ۔"

اس وقت عثمان فرات کے کنارہ کے علاقہ میں ، اور حذیفہ دجلہ پار کے علاقوں جوخیٰ اور دجلہ سے سیراب ہونے والے دوسرے علاقوں پر آپ کے عامل تھے ۔ عثمان نے کہا تھا : ۵

"میں نے زمین پر جو بار ڈالا ہے اُسے وہ برداشت کر سکتی ہے ، اگر میں چاہتا

تو اس سے دوگنا بار ڈال سکتا تھا۔"

حذیفہ نے کہا تھا،

"میں نے اس پر اتنا ہی بار ڈالا ہے جس کی وہ بآسانی متحمل ہو سکتی ہے اس کے بعد جو کچھ فاضل بچ رہتا ہے وہ بہت زیادہ نہیں۔"

۱۶۸-

پس یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ اس وقت ان لوگوں کی زمینوں پر جو خراج عاید کیا گیا تھا اُسے وہ برداشت کر سکتی تھیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں صحابیوں نے یہی اطلاع دی تھی' اور ہمارے علم کی حد تک کسی شخص نے بھی اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔

۱۶۹- موجودہ صورتِ حال

لیکن ان لوگوں نے یہ کہا کہ اس زمانہ میں زیادہ تر زمینیں آباد تھیں اور ایسی زمینیں کم تھیں جن پر کاشت نہ کی جا رہی ہو اور اب ایسی کارآمد زمینیں زیادہ ہیں جن پر کاشت نہیں کی جا رہی ہے اور ایسی کارآمد زمینیں کم ہیں جن پر کاشت بھی کی جا رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم سے اب بھی خراج کی وہی شرحیں وصول کی گئیں جو (عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مقرر کی گئی) تھیں تو ان کارآمد زمینوں پر جو زیرِ کاشت نہیں ہیں وہی مالیہ عاید ہو گا جو زیرِ کاشت زمینوں پر ہو گا۔ اور پھر ہمیں (لازماً) ان زمینوں کی آبادکاری کا انتظام کرنا ہو گا۔ جو آج بالکل بنجر ہو چکی ہیں، حالانکہ اُن کی کاشت ہم نہیں کر سکتے کیوں کہ ایک تو ہم اُن زمینوں کا خراج ادا کرنے سے بھی قاصر ہو رہے ہیں جو زیرِ کاشت نہیں ہیں اور دوسرے ہمارے پاس سرمایہ بھی بہت کم ہے۔ رہیں وہ زمینیں جو کم و بیش سَو سال سے بے کار پڑی ہیں تو بھی مستقبل قریب میں ان کی باز یافت اور آبادکاری کا امکان نظر نہیں آتا۔ ایسی زمینوں کو آباد کرنے والوں کو اتنے زیادہ مصارف برداشت کرنے ہوں گے جو ہماری استطاعت سے باہر ہیں۔ معطل زمینوں کی آبادکاری سے گریز کا ہمارے پاس یہی عذر ہے۔

۱۷۰- ترمیم کی ضرورت

(ان باتوں پر غور کرنے کے بعد) اب میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ محصول کے طور پر غلہ کی کوئی متعین مقدار یا درہموں کی کوئی متعین تعداد مختلف شرحوں کے ساتھ ان پر عائد کرنا سلطان اور بیت المال کے لیے نقصان کا باعث ہو گا۔ یہ شکل خراج ادا کرنے والی رعایا کے باہمی معاملات کے لیے بھی مضر ہو گی۔

۱۷۱- متعین مقدار میں عائد کرنے کے نقصانات

جہاں تک متعین مقدار غلہ کی شکل میں خراج عاید کرنے کا سوال ہے تو اگر غلہ بہت زیادہ سستا ہوا تو سلطان اس مقدار کو کافی نہیں سمجھے گا جو ان پر عاید کی گئی ہے' اور نہ وہ بطیب خاطر اس تخفیف کو گوارا کرے گا۔ ان (تھوڑے محاصل) کے ذریعہ فوجوں کو ضروری قوت نہ بہم پہنچائی جا سکے گی اور سرحدوں پر فوجی چوکیوں کا قیام (انتظام) ٹھیک طرح نہ ہو سکے گا۔

اگر غلہ بہت زیادہ گراں ہوا تو خراج ادا کرنے والوں کو مقدار مقررہ زیادہ معلوم ہو گی لیکن سلطان کو اس میں تخفیف نہیں گوارا ہو گی۔

۱۷۲- قیمتوں کا اتار چڑھاؤ

ارزانی اور گرانی اللہ کے ہاتھ میں ہے' ان کا حال یکساں نہیں رہتا۔ درہموں کی متعین تعداد کی صورت میں محصول عاید کرنے کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ اس سلسلہ میں اور بہت سے عوامل کو بھی دخل ہے لیکن ان کی تفصیل و تشریح باعثِ طوالت ہو گی۔

ارزانی اور گرانی کی کوئی ایک حد نہیں جسے معلوم کیا جا سکے اور جس پر قائم رہا جا سکے۔ (اشیاء کے نرخ کا) معاملہ اوپر آسمان سے طے ہوتا ہے کوئی نہیں جانتا کہ یہ کس طرح طے پاتا ہے۔ ارزانی غلہ کی فراوانی کے سبب نہیں ہوتی' اور نہ ہی گرانی اُس کی قلت کے سبب ہوتی ہے۔ ارزانی اور گرانی اللہ کے فیصلہ اور حکم کے تحت ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ غلہ فراواں ہو مگر گراں ہو۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ کم ہو مگر سستا ہو۔

۱۷۳۔

۵۸ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ نے حکم بن عُتیبہ[1] سے اور انہوں نے ایک آدمی سے روایت کرتے ہوئے جس نے ان سے حدیث بیان کی تھی، مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں (ایک بار) نرخ گراں ہو گئے تو لوگوں نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ نرخ گراں ہو گئے ہیں لہٰذا آپ ہمارے لیے ایک شرح متعین کر دیجیے تاکہ ہم اُسی پر قائم رہیں۔ آپ نے فرمایا:

"ارزانی اور گرانی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے لیے یہ درست نہیں کہ اللہ کے فیصلہ اور اس کے حکم سے تجاوز کریں"

۱۷۴۔

ثابت ابوحمزہ الیمانی نے سالم بن ابوالجعد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے، کہا کہ میں نے انھیں یہ کہتے سنا ہے کہ: "لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: نرخ گراں ہو گئے ہیں لہٰذا آپ ہمارے لیے ایک نرخ مقرر فرما دیجیے"

آپ نے فرمایا:

"نرخ کی گرانی اور ارزانی اللہ کے ہاتھ میں ہے، میں چاہتا ہوں کہ اللہ سے اس حال میں ملوں کہ مجھ سے کسی کو کوئی شکایت نہ ہو جس کا وہ مجھ سے بدلہ چاہے"

۱۷۵۔

سفیان بن عیینہ نے ایوب سے اور انہوں نے حسن سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے، کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نرخ گراں ہو گئے تو لوگوں نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول، کیا آپ ہمارے لیے نرخ مقرر نہیں فرما دیں گے؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے: حکم بن عُیینہ

"اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا ہے، اللہ ہی تنگی پیدا کرنے والا ہے، اللہ ہی فراخی پیدا کرنے والا ہے۔ خدا کی قسم میں نہ تو تم کو کوئی چیز دے سکتا ہوں اور نہ کسی چیز کو تم سے روک سکتا ہوں، بلکہ میں صرف خازن ہوں جیسا حکم ملتا ہے ویسا کرتا ہوں۔ میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ اللہ سے اس حال میں ملوں کہ کوئی مجھ سے کسی ایسی زیادتی کا مواخذہ کرنے والا نہ ہو جو میں نے اس پر جان، خون یا مال کے سلسلہ میں کی ہو"

۱۷۶۔

(غلہ کی مقررہ مقدار یا دراہم کی متعینہ تعداد وصول کرنے کی شکل میں) خراج ادا کرنے والوں کو ایک دوسرے سے جو نقصان پہنچتا ہے اس کی نوعیت یہ ہے کہ ان محاصل کی تحصیل کے لیے (کھیتوں کی) پیمائش، یا کسی اور طرح کے نشانات قائم کرنا ناگزیر ہوگا۔ ان میں سے جو شکل بھی اختیار کی جائے، طاقت ور لوگ کمزوروں پر مسلط ہو جائیں گے۔ یہ کام خود اپنے ہاتھ میں لے لیں گے، اور خراج کا بار ان لوگوں کے سر ڈال دیں گے جن پر اس کا بار نہیں پڑنا چاہیے۔ باوجود ان کے احتجاج و انکار کے ایسا ہی ہوگا۔ اس کے علاوہ اس سلسلہ میں اور بہت سی قابل توجہ باتیں سامنے آتی ہیں۔ اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان سب کو کھول کھول کر بیان کرتا۔ لیکن میں نے یہ بات آپ کے لیے تفصیل سے (ذیل میں) بیان کر دی ہے کہ خراج، عشور اور جوالی[1] کی تحصیل، نیز دوسرے مالی امور میں کیا طریقے اختیار کرنے ان شاء اللہ کافی ہوں گے۔

---

[1] یعنی جزیہ تشریح صفحہ ۱ پر ملاحظہ ہو۔

فصل ۲

مجوّزہ نظامِ محاصل

۱۷۷- پیداوار میں حِصّہ دار بننے کا اصول

میرے خیال میں پیداوار کے اندر ایک منصفانہ ملکی سی نسبت سے حِصّہ دار بن جانا بیت المال کی آمدنی بڑھانے، خراج ادا کرنے والوں کو ایک دوسرے کی دست درازیوں، اور ایک دوسرے پر بے جا بار ڈالنے سے بچانے نیز ان کو والیوں اور دوسرے افسرانِ حکومت کی ظلم و زیادتی سے محفوظ رکھنے کا بہتر طریقہ ہے۔ اس طریقہ سے سلطان بھی راضی رہے گا اور خراج ادا کرنے والے بھی ایک دوسرے کی ظلم و زیادتی سے مامون رہتے ہوئے سکھ چین اور کشادہ حالی کی زندگی بسر کر سکیں گے۔

امیرالمومنین! اللہ انھیں عمر دراز بخشے، اُس مقام کی بدولت جو اللہ نے انھیں اپنے والدین اور اپنے بندوں کی نسبت سے عطا فرما رکھا ہے، اس سلسلہ میں زیادہ بلند نگاہ اور صاحب بصیرت ہیں۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ امیرالمومنین اس سلسلہ میں جو ارادہ کریں، اور جس طریقہ کو پسند فرمائیں اس میں ان کو (حسنِ انتخاب کی) توفیق عطا فرمائے اور راستبازی پر قائم رہنے اور دین اور رعایا کی بہی خواہی میں ان کی بطریقِ احسن مدد فرمائے۔

۱۷۸- بٹائی کی شرحیں

امیرالمومنین کو اللہ باقی رکھے، میری رائے یہ ہے کہ وہ سارے باشندگانِ سواد سے گیہوں اور جو کی کاشت پر (چشموں سے بہتے ہوئے پانی سے سیراب ہونے والی زمینوں کی پیداوار کے $\frac{2}{5}$ پر معاملہ کریں، اور رہٹ سے سیراب کی جانے والی زمینوں میں پانچ اور نصف (یعنی $\frac{1}{4}$ پیداوار) پر، کھجور کے درختوں، انگور، بچنۂ کھجور، اور باغات میں ایک تہائی ($\frac{1}{3}$) پر اور گرمی میں پیدا ہونے

والے فصلوں میں سے چوتھائی ($\frac{1}{4}$) پر معاملہ کریں۔ ان میں سے کسی چیز پر بھی خراج کی وصولی اندازہ کر کے نہ ہو اور نہ ہی کوئی چیز تخمینہ سے طے کی جائے (بلکہ پیداوار) تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دی جائے پھر اس کی مجموعی قیمت میں سے حِصّے تقسیم کر دیے جائیں، یا اس کی ایک منصفانہ قیمت لگائی جائے جس میں نہ تو خراج ادا کرنے والوں پر کوئی زیادتی ہو نہ حکومت کا کوئی نقصان، اور پھر اس حساب سے اُن کے ذمہ جو کچھ نکلتا ہو وہ لے لیا جائے۔ ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت خراج ادا کرنے والوں کے لیے سہل تر ہو وہی اختیار کی جائے۔ اگر (پیداوار کو) فروخت کر کے اس کی قیمت کراں کے اور حکومت کے درمیان تقسیم کر دینا زیادہ سہل ہو تو ان کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کیا جائے۔

۱۷۹- مزارعت کے نظائر

مسلم الخزاعی[1] نے انس بن مالک سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خیبر کو نصف (پیداوار خود لینے کی شرط) پر بٹائی کا معاملہ کر کے یہود کے حوالہ کر دیا تھا۔ آپ عبداللہ بن رواحہ کو ان کے پاس بھیجتے تھے، وہ اندازہ سے (دو حِصّے) کر دیتے اور پھر انھیں اختیار دے دیتے تھے کہ دونوں حِصّوں میں سے جس کو چاہیں خود رکھ لیں۔ یا آپ ان سے یہ کہتے: تم اندازہ (سے تقسیم) کرو اور مجھے اختیار دو (کہ جو آدھا چاہوں لے لوں) اس پر وہ لوگ کہا کرتے تھے: "اسی (عدل) کی وجہ سے آسمان و زمین قائم ہیں۔"

۱۸۰-

حجاج بن اَرطاۃ نے نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو نصف (پیداوار خود لینے کی شرط) پر خیبر والوں کے حوالہ کر دیا تھا۔ چنانچہ خیبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں، ۶۰
پھر ابوبکر کے دَور میں اور پھر عمر کے دورِ حکمرانی کے بیشتر حِصّہ میں انہی لوگوں کے پاس رہا۔ پھر

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے: "الحرانی"۔ ہو سکتا ہے کہ یہ دراصل معاویہ کے محافظ دستہ کے مسلم الخزاعی ہوں۔

عمرؓ ہی نے اسے ان لوگوں کے ہاتھ سے نکال لیا۔

۱۸۱۔

محمد بن سائب کلبی نے ابو صالح سے اور انہوں نے عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کیا تو ان لوگوں نے کہا: "اے محمدؐ، ہم ان اموال کے مالک رہے ہیں اور ہمیں ان کے بارے میں آپ لوگوں سے زیادہ علم ہے لہٰذا آپ لوگ اس سلسلہ میں ہمارے ساتھ معاملہ کر لیجیے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے آدھی پیداوار پر معاملہ کر لیا، اس شرط کے ساتھ کہ "ہم جب تم کو نکالنا چاہیں گے نکال دیں گے"۔ جب اہلِ خیبر نے یہ معاملہ طے کر لیا تو باشندگانِ فدک کو بھی اس کی خبر ملی۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محیصہ بن مسعود کو ان کے پاس بھیجا تو انہوں نے بھی وہی معاملہ طے کر لیا جو باشندگانِ خیبر نے کیا تھا۔ اس شرط کے ساتھ کہ آپ ان کی حفاظت کریں گے اور ان کا خون نہ بہائیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اہلِ خیبر کی طرح ان کے معاملے کو برقرار رکھا۔ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت قرار پایا کیوں کہ مسلمانوں نے اونٹ یا گھوڑے نہیں دوڑائے تھے۔

۱۸۲۔

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابو لیلیٰ نے حکم سے، انہوں نے مقسم سے اور مقسم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کر لیا تو اس کے باشندوں نے آپؐ سے کہا: "ہم اس کی کاشت کے سلسلہ میں آپ لوگوں سے زیادہ واقف کار ہیں"، چنانچہ آپؐ نے اُسے نصف (پیداوار خود لینے کی شرط) پر اُنہی لوگوں کو دے دیا۔ پھر آپؐ نے عبداللہ بن رواحہ کو بھیجا تاکہ وہ آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان (پیداوار کی) تقسیم عمل میں لائیں۔ اُن لوگوں نے عبداللہ بن رواحہ کو ہدیۃً کچھ دیا تو انہوں نے اُن کا ہدیہ واپس کر دیا اور کہا:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تمہارا مال کھانے کے لیے نہیں بھیجا ہے بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ میں تمہارے اور ان کے درمیان (پیداوار کی) تقسیم عمل میں لاؤں۔"

پھر انہوں نے کہا:

"اگر تم چاہو تو میں محنت کر کے غلّہ کو اُس کی بالوں سے علیحدہ کروں اور آدھا غلّہ ناپ کر تمہیں دے دوں، یا تم لوگ محنت کر کے غلّہ نکالو اور آدھا ناپ کر الگ کر دو۔"

اس پر اہلِ خیبر نے کہا: "اسی (عدل) کی بدولت آسمان و زمین قائم ہیں۔"

۱۸۳۔

محمد بن اسحاق نے نافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ: ایک مرتبہ عمرؓ خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو کہا:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "ہم نے خیبر والوں سے اس شرط پر صلح کی ہے کہ ہم جب چاہیں گے اُن کو وہاں سے نکال دیں گے"۔ اب ان لوگوں نے عبداللہ بن عمر پر دست درازی کی ہے[1] اور اس سے قبل یہ انصاری پر دھاوا بول چکے ہیں۔ ہمارے علم کی حد تک اس سرزمین پر ان کے سوا ہمارا کوئی اور دشمن نہیں (جو یہ زیادتی کرتا)۔ اب خیبر میں جن لوگوں کے اموال و املاک ہوں وہ وہاں جا کر انھیں خود سنبھال لیں کیوں کہ میں اُن لوگوں کو نکالنے والا ہوں۔"

---

[1] ملاحظہ ہو یحییٰ ابن آدم: کتاب الخراج (نشر کردہ استاذ احمد محمد شاکر) فقرہ ۹۸ اور اس پر نوٹ۔ (مترجم)

فصل ۳

حکومت کی دی ہوئی جاگیروں کے محاصل

۱۸۴۔ عُشر

قطائع (اسلامی ریاست کی طرف سے عطا کردہ قطعات زمین) سے متعلق محاصل کی تفصیل یہ ہے:

جو زمینیں بہتے پانی سے سیراب ہوتی ہوں وہ عشری قرار پائیں گی، اور جن کی سینچائی ڈول،
۶۱ بڑے ڈول یا پانی کھینچنے والے جانوروں کے ذریعہ کی جاتی ہو ان پر رہٹ، ڈول اور پانی لانے والی اونٹنی (پر مصارف اور محنت) کے بار کے پیش نظر بیسواں حصّہ عائد ہوگا،

عُشر اور صدقہ عشری زمینوں پر پیدا ہونے والے پھل اور کھیتی پر (واجب) ہوتا ہے آثار اور سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ عُشر صرف ان زمینوں پر عاید ہوگا جو بہنے والے پانی (چشمہ، نہر وغیرہ) سے سیراب ہوں اور نصف عُشر ان پر جن کی سینچائی بڑے ڈول، رہٹ یا پانی لانے والے جانوروں کے ذریعہ کی جائے۔ اپنے جن علماء تک ہماری رسائی ہو سکی ہے وہ اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں اور آثار میں بھی یہی مذکور ہے۔

۱۸۵۔

میری رائے میں عُشر صرف انہی پیداواروں پر عائد ہوگا جو لوگوں کے پاس باقی رہتی ہوں (ذخیرہ کر کے) نہ رکھی جا سکنے والی سبزیوں، چارہ اور ایندھن پر عشر نہیں۔ جو چیزیں لوگوں کے پاس باقی نہیں رہتیں مثلاً خربوزہ، ککڑی، کھیرا، کدو، بینگن، گاجر، ترکاریاں، تلسی اور خوشبودار پودے اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔ ان چیزوں میں عشر نہیں (واجب) ہوگا۔

جو چیزیں لوگوں کے پاس باقی رہتی ہیں اور قفیز سے ناپی اور رطل سے تولی جاتی ہیں مثلاً

گیہوں، جو، مکئی، چاول، دوسرے غلّے، سمسم، پٹ سن، بادام، چلغوزہ، اخروٹ، پستہ، زعفران، زیتون، اکرطم، دھنیا، زیرہ کارومی، زیرہ، پیاز، لہسن اور اسی قسم کی دوسری چیزیں۔ جب زمین ان اشیاء کی پانچ وسق یا اس سے زیادہ مقدار پیدا کرے تو اس پیداوار میں عُشر واجب ہوگا، بشرطیکہ یہ ایسی زمین ہو جو بہتے ہوئے پانی یا بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہو۔ پیداوار اگر بڑے ڈول، رہٹ یا جانوروں کے ذریعہ سینچی جانے والی زمین میں ہوتی ہو ——————

—————— تو اس میں بیسواں حصّہ واجب ہوگا۔

۱۸۶۔ عُشر کے لیے پیداوار کا نصاب

اگر پیداوار پانچ وسق سے کم ہو تو اس میں کچھ بھی نہ واجب ہوگا۔

اگر کسی زمین سے ڈھائی وسق گیہوں اور ڈھائی وسق جو پیدا ہو تو بھی اس میں عُشر واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک وسق گیہوں، ایک وسق جو، ایک وسق دھان، ایک وسق کھجور اور ایک وسق کشمش پیدا ہو اور سب مل کر پانچ وسق پورا ہو جائے تو اس میں بھی عُشر ہوگا۔ اگر پیداوار پانچ وسق سے ایک وسق یا اس سے تھوڑی یا زیادہ کم ہو تو اس سے مستثنیٰ ہے۔

۱۸۷۔ زعفران میں عُشر

زعفران اگر عشری زمین میں پیدا ہو اور اللہ اتنی زعفران پیدا کر دے کہ جس کی قیمت اس زمین سے پیدا ہونے والے سب سے کم قیمت غلّے کے، جس پر عُشر لیا جاتا ہو، پانچ وسق کی قیمت کے مساوی ہو جائے تو اس میں عُشر واجب ہوگا، ——————

۶۲ —————— یہ اس حال میں جب کہ زمین بہتے پانی یا بارش کے پانی سے سینچی جاتی ہو، اگر ڈول یا رہٹ سے سینچائی کی جاتی ہو تو اس میں سے بیسواں حصّہ واجب ہوگا۔ (زعفران) اگر خراجی زمین میں پیدا ہو تو اس پر اسی تفصیل کے مطابق خراج عائد ہوگا۔ البتہ اگر اس کی قیمت ۵ وسق (غلّہ کی قیمت) کے مساوی نہ ہو تو اس میں کچھ نہیں واجب ہوگا۔

۱۸۸۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: "زعفران اگر عشری زمین میں پیدا ہو تو اس میں عشر (واجب) ہوگا، خواہ اس زمین سے صرف ایک ہی رطل زعفران کیوں نہ پیدا ہوا، اور اگر خراجی زمین میں پیدا ہو تو اس پر خراج عائد ہوگا۔

۱۸۹۔ پیداوار کے نصاب کے بارے میں ائمہ کے اقوال

زمین کی پیداوار (کے محاصل، عشر یا خراج) کی ادائیگی کب کی جانی چاہیے۔ اس باب میں ہمارے اصحاب کی رائیں مختلف ہیں۔ ابو حنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ: "پیداوار کم ہو تو بھی اور زیادہ ہو تو بھی (اس میں سے حکومت کا حصہ نکالا جائے گا) دوسرے ائمہ کا قول یہ ہے کہ (اس وقت عشر کے احکام جاری ہوں گے) جب کہ زمین کی پیداوار کم سے کم ۵ وسق ہو، جو پیداوار ۵ وسق سے کم ہو اس پر صدقہ نہیں واجب ہوگا۔

۱۹۰۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے تھے: "زمین سے تھوڑا یا بہت جو کچھ بھی پیدا ہو اس میں عشر (واجب) ہے بشرطیکہ یہ پیداوار عشری زمین میں ہو اور اسے بہتے ہوئے پانی (چشمہ وغیرہ) سے سینچا جائے۔ اگر سینچائی بڑے ڈول، رہٹ، یا پانی لانے والی اونٹنی کے ذریعہ کی جائے تو بیسواں حصہ (واجب) ہے۔ خراج اس وقت لیا جائے گا جب کہ خراجی زمین میں گیہوں، جو، کھجور، کشمش، مکئی، دوسرے اجناس، مختلف اقسام کی سبزیاں، اور جاڑے اور گرمی میں پیدا ہونے والے مختلف قسم کے دوسرے غلے، خواہ وہ ناپے جاتے ہوں یا نہ ناپے جاتے ہوں، پیدا ہوں۔ جب ان میں زمین سے کوئی چیز تھوڑی یا بہت پیدا ہو تو اس پر عشر واجب ہوگا، اور (عشر کا حساب لگانے سے پہلے) اس میں سے محنت کاروں کی اجرت، یا بیل پر آنے والا صرفہ نہیں وضع کیا جائے گا ـــــ بشرطیکہ یہ زمین بہتے ہوئے پانی سے سینچی جاتی ہو یا اسے بارش سیراب کرتی ہو۔ اگر زمین کی سینچائی بڑے ڈول، رہٹ یا جانوروں کے ذریعہ کی جاتی ہو تو اس کی پیداوار میں بیسواں حصہ واجب ہوگا۔

۱۹۱۔

ہم سے حماد نے بیان کیا کہ ابراہیم نخعی نے کہا ہے: "زمین تھوڑا یا بہت جو کچھ بھی پیدا کرے، اس میں عشر واجب ہے خواہ وہ صرف گھاس کا ایک گٹھا ہی پیدا کرے۔

۱۹۲۔

ابو حنیفہ اسی بات کو اختیار کرتے تھے، اور فرماتے تھے: "جو زمین بھی زیر کاشت ہے وہ اگر خراجی ہو تو اس پر واجب ہونے والا خراج وصول کیے بغیر نہ چھوڑا جائے گا، اور اگر وہ عشری زمین ہو تو اس پر واجب ہونے والا عشر ضرور وصول کیا جائے گا، خواہ وہ کم پیدا کرے یا زیادہ۔

۱۹۳۔

ان کے علاوہ دوسرے (فقہاء) کا قول یہ ہے کہ زمین کی پیداوار جب تک پانچ وسق کے بقدر نہ ہو اس پر صدقہ نہیں (واجب) ہے۔ اس (قول) کی بنا وہ (روایت) ہے جو اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

۱۹۴۔

٦٢ ابان بن ابی عیاش نے حسن بصری سے انہوں نے انس بن مالک سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "گیہوں، جو، مکئی، کھجور، اور کشمش جب پانچ وسق سے کم (پیدا) ہو تو اس میں صدقہ نہیں، نہ ہی پانچ اوقیہ سے کم (چاندی) میں ہے اور نہ پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ ہے۔"

۱۹۵۔

یحییٰ بن ابو انیسہ نے ابو زبیر سے انہوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "جو (پیداوار) پانچ وسق سے کم ہو اس میں صدقہ نہیں۔"

ہمارے نزدیک مختار قول یہی ہے۔

۱۹۶۔

وسق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کے لحاظ سے ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اس طرح پانچ وسق تین سو صاع کے برابر ہوئے۔ ایک صاع پانچ اور ایک تہائی رطل (۵ ⅓ رطل) کے برابر ہوتا ہے۔ اور وہ حجاج کے قفیز ربع ہاشمی اور ہاشمی مختوم کی طرح کا ہوتا ہے۔ حجاج کا قفیز بتیس (۳۲) رطل کا ہوتا ہے[1]۔

۱۹۷

اگر زمین تین سو صاع کے بقدر پیداوار اجناس پیدا کرے اور زمین والا اس میں سے کچھ خود کھا دے یا اپنے گھر والوں، پڑوسی، یا دوست وغیرہ کو کھلا دے اور اس کے بعد جو باقی بچے وہ تین سو صاع سے کم ہو تو اس باقی (جنس) میں عشر واجب ہے، بشرطیکہ اس کی سینچائی چشمہ وغیرہ کے بہنے والے پانی سے کی گئی ہو۔ اگر اسے بڑے ڈول، رہٹ یا پانی لانے والی اونٹنی کے ذریعہ سینچا جاتا ہو تو اس میں نصف عشر (۱/۲۰) واجب ہوگا جو کچھ اس نے خود کھایا یا دوسروں کو کھلا دیا اس میں کچھ نہیں واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر پیداوار کا کچھ حصہ چوری ہو جائے تو اسے صرف باقی ماندہ میں سے عشر یا نصف عشر دینا ہوگا۔

۱۹۸۔

زمین کی پیداوار کے (محاصل کے) بارے میں بس یہی باتیں منقول ہیں۔ یہ اس باب کی بنیادی

---

[1] اس عبارت میں کچھ غلطی ہے جیسا کہ ضمیمہ (۲) کے اوزان اور پیمانے میں صاع، ہاشمی اور مختوم کی تشریح سے واضح ہوگا۔ حجاج کا قفیز ۸ رطل کے مساوی ہے اور صاع ⅓ ۵ رطل کا ہوتا ہے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے البتہ یہ درست ہے کہ حجاج کا قفیز ¼ ہاشمی کے برابر ہے کیوں کہ ہاشمی ۳۲ رطل کا ہوتا ہے۔

یہ اشکال اس صورت میں دور ہو سکتا ہے جب ہم یہاں صاع سے مراد عراقی صاع لیں جو ۸ رطل کے مساوی ہے لیکن واضح ہے کہ ابو یوسف نے صاع کی مقدار کے بارے میں اہل حجاز کی رائے اختیار کر لی تھی یعنی صاع = ⅓ ۵ رطل جیسا کہ اس عبارت میں انھوں نے خود صراحت کر دی ہے نیز ملاحظہ ہو ابو عبید، کتاب الاموال صفحہ ۵۱۹ حاشیہ ۱۶۰۔"

باتیں ہیں۔ ان سے جو فروعی باتیں نکلتی ہیں وہ انہی پر محمول ہیں، اور انہی سے مماثلت کی بنا پر بیان کی جاتی ہیں۔ یہ تصریحات وہ ہیں جو معیار کا کام کرتی ہیں جن پر دوسری باتیں قیاس (اور پرکھی) جائیں گی اور انہی سے ان سے ملتے جلتے دوسرے امور میں حکم اخذ کیا جائے گا۔ آپ اس باب میں وہ رائے اختیار کیجیے جو آپ کے نزدیک رعایا کے لیے بہتر اور بیت المال کے لیے زیادہ آمدنی کی باعث ہو۔ مذکورہ بالا دونوں رایوں میں سے آپ جو رائے چاہیں اختیار کر سکتے ہیں

۱۹۹۔ عشر اور نصف عشر

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابو لیلیٰ نے عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ عشر اس گیہوں، جو، کھجور اور کشمش پر واجب ہے جو بہنے والے پانی سے سینچا جائے۔ جس (فصل) کی سینچائی بڑے ڈول، رہٹ، یا پانی لانے والے جانوروں کے ذریعہ کی جائے اس میں نصف عشر واجب ہوتا ہے۔

۲۰۰۔

سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جس فصل کو آسمان سیراب کرے اس میں عشر ہے اور جس کو ڈول اور رسی کے ذریعہ سے سینچا جائے اس میں نصف عشر۔"

۲۰۱۔

۹۲ حسن بن عمارہ نے ابو اسحٰق سے انہوں نے عاصم بن حمزہ سے اور انھوں نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "جس کو آسمان سیراب کرے یا جسے بہتے ہوئے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر (واجب) ہے اور جس کو ندی نالہ سے سینچا جائے اس میں نصف عشر۔"

۲۰۱-۱-

اسرائیل بن یونس نے ابو اسحاق سے انہوں نے عاصم بن ضمرہ سے اور انہوں نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"جس کو آسمان سیراب کرے اس میں ہر دس میں ایک اور جس کو ڈول سے سینچا جائے اس میں ہر بیس میں ایک (کی نسبت سے عشر واجب ہے)"

اور ایک موقع پر آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

"اور جس کو رہٹ کے ذریعہ سینچا جائے۔"

۲۰۲-

محمد بن سالم نے عامر الشعبی سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ:

"جس کو آسمان سیراب کرے یا جسے چشمہ وغیرہ کے بہنے والے پانی سے سیراب کیا جائے اُس میں عُشر ہے اور جس کو رہٹ، اونٹنی یا بڑے ڈول کے ذریعہ سینچا جائے اُس میں نصف عُشر۔"

۲۰۳-

عمرو بن عثمان[1] نے موسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ ان کی رائے یہ تھی کہ صدقہ صرف گیہوں، جو، کھجور، انگور اور کشمش (یا منقہ) میں واجب ہوتا ہے۔ (راوی نے) کہا "ہمارے پاس ایک تحریر ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کے لیے لکھا تھا" یا انہوں نے یہ کہا کہ "ایک نسخہ ہے" یا "میں نے ایسا ایک نسخہ پایا ہے۔"

۲۰۴-

ابان بن ابو عیاش نے انس بن مالک سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

---

[1] تیموری نسخہ میں: عمر ہے۔

"جس کو آسمان سیراب کرے، یا جو بہتے ہوئے پانی سے سینچا جائے اس میں عشر ہے اور جس کو بڑے ڈول، پانی لانے والی اونٹنیوں، یا حوضوں سے سینچا جائے اس میں نصف عشر۔"

۲۰۵۔ صدقہ کے لیے مال کا نصاب

عمرو بن یحییٰ بن عمارہ بن ابو الحسن[1] نے اپنے والد سے، انہوں نے ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

"پانچ اونٹوں سے کم زکوٰۃ نہیں، نہ پانچ اوقیہ سے کم (چاندی) میں زکوٰۃ (واجب) ہے جو پانچ اوقیہ سے کم ہو، اور جو (غلّہ معتدار میں) پانچ وسق سے کم ہو اس میں صدقہ نہیں۔"

عمرو نے کہا: "وسق ہمارے نزدیک ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔"

۲۰۶-

مجھ سے عبدالرحمٰن بن معمر نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ یحییٰ بن عمارہ بن ابو الحسن[2] المازنی نے ابو سعید الخدری سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے اور اس میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ: "اور اس زمانے کے پانچ وسق آج کے دو وسق کے برابر ہوتے ہیں۔"

۲۰۷-

عبداللہ بن علی نے اسحاق بن عبداللہ بن ابو بکر سے، انہوں نے عباد بن تمیم سے اور انہوں نے اصحاب رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سے بعض افراد سے — جن میں ابو ایوب شامل ہیں — اور ان افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ:

---

[1] تیموری نسخہ میں حسین ہے۔ [2] تیموری نسخہ میں حسین ہے۔

"صدقہ پانچ وسق یا اس سے زیادہ گیہوں، کھجور اور کشمش میں واجب ہے۔"

۲۰۸- پھلوں اور سبزیوں پر صدقہ

لیث بن ابی سلیم نے مجاہد سے اور مجاہد نے ابن عمر سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ: "سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں۔"

۲۰۹-

ولید بن عیسیٰ نے ہم سے بیان کیا ہے کہ: میں نے موسیٰ بن طلحہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ: ترسبزی، تربوز، ککڑی اور کھیرے پر صدقہ نہیں۔ اور (راوی) نے کہا: صدقہ صرف کھجور، گیہوں، جو اور انگور میں واجب ہے۔ (یہاں صدقہ سے ان کی مراد عُشر ہے)

۲۱۰-

قیس بن ربیع الاسدی نے ابو اسحاق سے انہوں نے عاصم بن حمزہ سے اور عاصم بن حمزہ نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"سبزیوں میں زکوٰۃ نہیں یعنی ترکاری، ککڑی، کھیرا، تربوز، اور وہ تمام چیزیں جن کے تنہ نہیں ہوتا۔"

۲۱۱-

ابان نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا ہے: "(بغیر تنہ کی) ترکاریوں میں زکوٰۃ نہیں۔"

۲۱۲

اشعث بن سوار نے عطاء بن ابی رباح سے، اور حکم کے واسطہ سے ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ ان دونوں نے کہا ہے: "زمین جو کچھ بھی پیدا کرے اس میں عشر واجب ہے"

۲۱۳-

محمد بن عبد اللہ نے حکم سے، الحکم نے موسیٰ بن طلحہ سے، موسیٰ بن طلحہ نے عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے، اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

"چار چیزوں کے علاوہ کسی چیز میں زکوٰۃ نہیں: کھجور، کشمش، گیہوں اور جو۔"

۲۱۴- شہد اور خشک میوے

٦٦ [شہد، اخروٹ، بادام اور اسی طرح کی دوسری اشیاء کے سلسلہ میں (یہ حکم ہے کہ) اگر شہد عشری زمین میں پایا جائے تو اس میں عشر (واجب) ہوگا۔ اگر خراجی زمین میں ہو تو اس میں کچھ نہیں واجب ہوگا۔ اگر میدانوں میں یا پہاڑ پر یا درختوں اور غاروں میں پایا جائے تو بھی اس میں کچھ نہیں واجب ہوگا۔ اس کا حال ان پھلوں جیسا ہے جو پہاڑوں اور وادیوں میں پائے جاتے ہیں، جن پر نہ خراج واجب ہوتا ہے نہ عشر۔

۲۱۵-

ہمارے ایک بزرگ نے عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: طائف کے ایک امیر نے عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ:

"شہد کی مکھیاں پالنے والے جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کیا کرتے تھے وہ ہمیں نہیں ادا کر رہے ہیں اور اس کے باوجود ہم سے یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کی وادیوں کی حفاظت کا اہتمام کریں۔ آپ اس کے بارے میں مجھے اپنی رائے لکھ بھیجیے۔"

اس پر عمرؓ نے ان کو یہ لکھا کہ:

"جو کچھ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتے تھے وہی اگر تمہیں بھی ادا کریں تب تم ان کی وادیوں کی حفاظت کرو لیکن اگر یہ تم کو وہ کچھ نہ ادا کریں جو ان کو ادا کرتے تھے تو ان کے لیے حفاظت کا انتظام نہ کرو۔"

(راوی نے) کہا: یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر دس مشکیزہ (شہد) میں سے ایک مشکیزہ ادا کرتے تھے۔

۲۱۶

یحییٰ بن سعید نے عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہد کے بارے میں یہ تحریر فرمایا کہ: ہر دس مشکیزہ میں سے ایک مشکیزہ۔

۲۱۷-

احوص بن حکیم نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہر دس رطل میں سے ایک رطل۔

۲۱۸-

عبداللہ بن المحرر نے زہری سے مرفوعاً روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "شہد میں عشر ہے۔"

۲۱۹-

اخروٹ، بادام، چلغوزہ، پستہ، اور اس قسم کی دوسری اشیا جب عشری زمین میں پیدا ہوں تو ان میں عشر واجب ہوگا، اور اگر خراجی زمین میں پیدا ہوں تو خراج، کیوں کہ یہ وہ اشیا ہیں جو ناپی جاتی ہیں۔

۲۲۰-

نرکل، (ایندھن کے طور پر کام آنے والی) لکڑی، گھاس، بھوسے اور کھجور کی شاخوں میں نہ ٦٧
عشر واجب ہے، نہ خمس نہ خراج۔ رہا بانس، تو اگر وہ عشری زمین میں پیدا ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا اور خراجی زمین میں پیدا ہو تو خراج۔ گنا اگر عشری زمین میں پیدا ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا، اور خراجی زمین میں ہو تو خراج، کیوں کہ یہ غذائی اشیا میں سے ہے۔ بانس اگرچہ غذائی استعمال میں نہیں آتی لیکن یہ ایک قیمتی اور مفید چیز ہے۔

۲۲۱-

ہمارے علم کی حد تک مٹی کے تیل، تارکول، پارہ، اور مومیا، پر جب کہ ان میں سے کسی

چیز کا چشمہ زمین میں پایا جائے، کچھ نہیں واجب ہوتا، عشری زمین میں ہو یا خراجی زمین میں۔[۱]]

۲۲۲-

حجاج بن ارطاۃ نے حکم، حکم نے مقسم اور مقسم نے عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہوئے اللہ عزوجل کے قول "وآتوا حقّہٗ یوم حصادہ" کے بارے میں ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے فرمایا: "(اس سے مراد ہے) عشر اور نصف عشر۔"

۲۲۳-

اشعث بن سوار نے محمد بن سیرین سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہوئے اللہ عزوجل کے قول "وآتوا حقّہٗ یوم حصادہ" کے بارے میں ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "یہ حق اُس صدقہ کے علاوہ ہے جو اس میں (واجب ہوتا) ہے۔"

۲۲۴-

مغیرہ بن سماک نے ابراہیم سے روایت کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول "و آتوا حقّہٗ یوم حصادہ" کے بارے میں ہم سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

"یہ اُس وقت (کا دستور) تھا جب عشر اور نصف عشر کی سنت نہیں جاری کی گئی تھی، جب عشر اور نصف عشر کی سنت جاری کر دی گئی تو اس کو ترک کر دیا گیا۔"

۲۲۵-

ہمارے ایک استاد نے ابو جابر سے اور انہوں نے حسن سے روایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے قول "وآتوا حقّہٗ یوم حصادہ" کے بارے میں ہم سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

"یہ (حق) غلّہ اور پھلوں کا صدقہ (ہی) ہے۔"

۲۲۶-

قیس بن ربیع نے سالم الافطس سے اور انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہوئے

---

[۱] جو عبارت قوسین [ ] کے درمیان آئی ہے، یعنی صفحہ ۲۳۳ تا صفحہ ۲۳۵ وہ (بولاق کے) چھپے ہوئے نسخہ میں نہیں ہے۔ ہم نے اسے تیموری نسخہ سے نقل کیا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے قول "وآتوا حقہٗ یوم حصادہٖ" کے بارے میں ہم سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

"تمہارے یہاں مہمان آئے تو تم اس کے سواری کے جانور کو چارہ دو سائل آئے تو اسے دو پھر (اس کے علاوہ) اس (پیداوار) میں عشر اور نصف عشر (بھی واجب) ہے۔"

فصل ۴

عراق کی جاگیروں کی نوعیت

۲۲۷۔ جاگیروں کی نوعیت

۶۸ سرزمینِ عراق کی جاگیریں ان زمینوں پر مشتمل ہیں جو پہلے کسریٰ اس کے شہزادوں اور اہلِ خاندان کی مِلک تھیں اور (عام) افراد میں سے کسی کے قبضہ میں نہ تھیں۔

۲۲۸۔

عبداللہ بن ولید مدنی[1] نے بنو اسد کے ایک آدمی سے — جن کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ میں نے سواد کے بارے میں ان سے زیادہ واقفیت رکھنے والا کوئی دوسرا آدمی نہیں دیکھا — روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں صوافی زمینوں (سے خراج کی آمدنی) چالیس لاکھ (درہم) تک پہنچ گئی تھی۔ اور یہی زمینیں ہیں جن کو آج "صوافی الاستان" کہا جاتا ہے۔ معاملہ یوں ہے کہ آپ نے ہر وہ زمین (بحقِ ریاست) خاص کر لی تھی جو کسریٰ یا اس کے خاندان والوں کی تھی یا کسی ایسے فرد کی مِلک تھی جو جنگ میں مارا گیا یا بھاگ

[1] تیموری نسخہ میں ہے "مزنی"۔

کر حربی علاقہ میں چلا گیا۔ جو زمینیں پانی کے نیچے تھیں انھیں اور سارے ڈاک گھروں کو بھی آپ نے (بحقِ ریاست) خاص کر لیا تھا۔

(راوی نے) کہا: انھوں نے (زمین کی) دو قسمیں اور بتائی تھیں جو مجھے یاد نہیں رہیں۔

۲۲۹۔

عبداللہ بن ولید نے عبداللہ بن ابو حرہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اہلِ سواد سے دس قسم کی زمینیں (بحقِ ریاست) خاص کر لی تھیں:

جنگ میں مارے جانے والوں کی زمینیں،

بھاگ جانے والوں کی زمینیں،

وہ ساری زمینیں جو کسریٰ کی ملکیت تھیں،

وہ ساری زمینیں جو اس کے خاندان والوں میں سے کسی کی ملکیت تھیں،

وہ ساری زمینیں جو پانی کے تحت تھیں،

سارے ڈاک گھر۔

(راوی نے) کہا: میں زمین کی چار اور قسمیں بھول گیا جو کاسروں کی تھیں۔

۲۳۰۔

(راوی) کہتا ہے کہ: عمر رضی اللہ عنہ نے جو زمینیں خاص کر لی تھیں ان کا خراج ستر لاکھ (درہم) ہوا کرتا تھا۔ جب جماجم کا واقعہ پیش آیا تو لوگوں نے رجسٹر جلا دیے اور یہ اصلی ریکارڈ ضائع ہو کر مٹ گیا اور پھر نہ جانا جا سکا۔

۲۳۱۔

مدینہ کے پرانے اساتذہ میں سے ایک نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ: رجسٹر میں یہ (درج) پایا گیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کسریٰ اور آلِ کسریٰ کے اموال (بحقِ ریاست) خاص کر لیے

تھے۔ نیز جو لوگ اپنی زمین چھوڑ کر بھاگ گئے تھے یا جنگ میں مارے گئے تھے ان کی زمینیں پانی سے ڈھکی ہوئی زمینیں اور جنگلات

چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ جس کو بھی جاگیر دیتے انہی زمینوں میں سے دیتے۔ ۶۹

۲۳۲۔ جاگیر دینے کا اختیار

اس کا حال اس مال جیسا ہے جو کسی ملکیت میں نہ ہو نہ ہی کسی وارث کے قبضہ میں ہو۔ ایسے مال کے سلسلہ میں امام عادل کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس میں سے انعامات دے اور جن لوگوں نے اسلام کی کوئی قابلِ لحاظ خدمت انجام دی ہو اُن کو کچھ بطورِ عطیہ دے اور بے جا ترجیحی سلوک کیے بغیر ان اموال کو مناسب طور پر صرف کرے۔ بالکل یہی نوعیت ان زمینوں کی بھی ہے۔

میرے نزدیک سرزمین عراق میں جاگیریں عطا کرنے کی نوعیت یہی ہے۔ حجاج نے جو کچھ کیا، اور پھر عمر بن عبدالعزیز نے جو اقدامات کیے تو عمر (بن عبدالعزیز) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درحقیقت سنت پر عمل کیا، کیوں کہ جس کسی کو راہِ راست پر چلنے والے حکمرانوں نے جاگیریں عطا کر دیں اس سے یہ جاگیریں واپس لینے کا حق کسی کو نہیں۔ اب جس نے (کوئی جاگیر) کسی ایک سے چھین کر کسی دوسرے کو بطور جاگیر دے دی تو اس کی نوعیت اس مال جیسی ہے جسے کوئی کسی فرد سے غصب کر کے دوسرے فرد کو دے دے۔

۲۳۳۔ جاگیروں کے محاصل

جاگیروں سے عشر اس لئے وصول کیا جانے لگا کہ ان کی نوعیت صدقہ کی ہے۔ اصلاً یہ امام کی رائے پر موقوف ہے کہ ان پر عشر عاید کرنا مناسب سمجھے تو ایسا کرے اور عشر کا دوگنا ($\frac{1}{5}$) عاید کرنا موزوں خیال کرے تو ایسا کرے۔ اسی طرح اگر وہ ان زمینوں کو خراج کے تحت لانا چاہے تو ایسا بھی کر سکتا ہے، بہ شرطیکہ ان کو خراجی نہروں سے سینچا جاتا ہو۔ خاص طور پر عراق کی زمین کے سلسلہ میں امام کے لیے (مالیہ عاید کرنے کے باب میں) کافی گنجائش ہے۔

ان (جاگیروں) سے صرف دسواں حصہ اس لیے لیا جاتا ہے کہ نہروں کی کھدائی، مکانات

کی تعمیر اور زمین کی جوتائی وغیرہ کے سلسلہ میں (محنت اور مصارف کا) بار جاگیردار کے سر ہوتا ہے اس سلسلہ میں جاگیردار پر بہت بار پڑ جاتا ہے۔ اسی بار کی وجہ سے ان سے صرف عشر لیا جاتا رہا ہے۔ بہرحال فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے، جس طریقہ کو زیادہ موزوں سمجھے اسی پر عمل کیجیے، انشاء اللہ۔

آٹھواں باب

محاصل زمین

فصل ۱

عرب کی زمینیں

۲۳۴۔

حجاز، مکہ، مدینہ، یمن کی زمینوں، اور عرب کی ان ساری زمینوں کے مالیہ میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جائے گی جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کیا تھا۔ کیوں کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فیصلہ ہو کر آپ کا حکم نافذ ہو چکا ہے۔ اب امام کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس کو کسی دوسرے (نظام محاصل) سے بدل دے۔

۲۳۵۔ عشر

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین عرب کے متعدد علاقے فتح کیے اور ان سب پر عشر عاید کیا۔ کسی زمین پر بھی خراج نہیں عاید کیا۔ ہمارے رفقاء ان زمینوں کے بارے میں یہی رائے رکھتے ہیں۔ چونکہ مکہ اور حرم کے علاقہ میں خراج نہیں عاید کیا گیا۔ لہٰذا ان حضرات نے عرب کی ساری زمینوں پر اسی اصول کا اطلاق کیا، اور بحرین و طائف کی زمینوں کو بھی اسی اصول کے تحت رکھا گیا۔

عرب کی سرزمین کے بارے میں دوسری سرزمینوں سے مختلف حکم اس لیے بھی قابل فہم ہے کہ اسی طرح عرب کے بت پرستوں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ یا تو وہ اسلام لائیں یا قتل کر دیے جائیں،

ان سے جزیہ نہیں قبول کیا جائے گا۔ یہ حکم اس حکم سے مختلف ہے جو ان کے دوسرے لوگوں کے بارے میں آیا ہے۔

۲۳۶۔ خراج

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی ایک قوم پر جنھیں اہل کتاب سمجھا جاتا ہے، اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی بنا پر کہ "ومن یتولھم منکم فانہ منھم" خراجِ ذات (یعنی جزیہ) عاید کیا تھا۔ آپ نے ہر بالغ مرد اور عورت پر ایک دینار یا اس کے مساوی قیمت کا معافری کپڑا مقرر کیا تھا۔ جہاں تک زمین کا تعلق ہے آپ نے اس پر کوئی خراج نہیں عاید کیا بلکہ بہتے ہوئے پانی سے سینچی جانے والی زمینوں پر عشر اور رہٹ سے سینچی جانے والی زمینوں پر رہٹ اور اونٹنی (پر آنے والے مصارف اور محنت) کے بار کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے نصف عشر عاید کیا تھا۔

۲۳۷۔ عرب کی زمینوں کی بابتہ خوارج کا مسلک

خوارج راہ راست سے بھٹک گئے اور انہوں نے عرب کی بستیوں کو وہی مقام دیا جو عجم کی بستیوں کو حاصل ہے۔ ان لوگوں نے اس بات کو نہیں اختیار کیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کا اجماع ہو چکا ہے اور جو کہ عمر اور علی کی رائے ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن صحابیوں کا اجماع ہے وہ تحقیق کرنے اور توفیق پانے دونوں اعتبار سے خوارج سے بہتر تھے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

فصل ۲

بصرہ و خراسان کی زمینیں

۲۳۸۔

بصرہ و خراسان کی زمینوں کی نوعیت میرے نزدیک وہی ہے جو سواد کی ہے۔ ان میں جو

زمینیں بزورِ قوت فتح کی گئی ہیں وہ خراجی ہیں اور جن پر ان کے باشندوں سے صلح کی گئی ہے۔ ان کے سلسلہ میں متعلقہ صلح نامہ پر عمل کیا جائے گا۔ اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ جن زمینوں کے مالک ان کے مالک ہونے کی حالت میں اسلام لائے ہیں وہ عشری قرار پائیں گی۔

میں ان زمینوں اور علاقہ سواد کے درمیان کسی معاملہ میں بھی کوئی تفریق نہیں کرتا، لیکن ان کے سلسلہ میں ایک طریقہ چلا آرہا ہے، اور تمام سابق خلفاء نے اسی طریقہ کو برقرار رکھا ہے لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ بھی ان کو اسی حال میں رہنے دیں، یہی مناسب فیصلہ ہے اور اسی پر عمل ہوتا رہا ہے۔

فصل ۳

جاگیریں اور ان کے محاصل

۲۳۹-

۱، عراق، حجاز، یمن اور طائف کے علاقوں میں، یا عرب اور عرب کے علاوہ دوسرے ملکوں میں جو زمین بھی قابلِ کاشت ہو، نہ کسی کا حق ہو، نہ کسی کے قبضہ میں ہو، نہ کسی کی ملکیت ہو اور نہ کسی کا ورثہ ہو، اور جس پر کسی عمارت کے آثار بھی نہ ہوں، اور امام اُسے کسی شخص کو بطور جاگیر دے دے، پھر وہ شخص اسے آباد کرے تو ایسی زمین اگر خراجی علاقہ میں واقع ہو تو جس شخص کو جاگیر دی گئی ہے وہ خراج ادا کرے گا، خراجی علاقے وہ ہیں جو بزورِ قوت فتح کیے گئے ہوں، مثلاً سواد وغیرہ۔

اگر یہ زمین عشری زمینوں میں سے ہو تو جس شخص کو جاگیر دی گئی ہے وہ اس پر عشر ادا کرے گا۔ عشری زمین کی تعریف یہ ہے کہ جس زمین کا مالک اُس کا مالک ہونے کی حالت میں اسلام لایا ہو وہ عشری قرار پائے گی۔ اور حجاز، مدینہ، مکہ، یمن اور عرب کی ساری زمین عشری زمین ہے۔

۲۴۰-

بزورِ قوت فتح ہونے والے علاقوں کی جو زمین امام کسی کو بطور جاگیر دے اس پر خراج عائد ہوگا، اِلّا یہ کہ امام اُسے عشری قرار دے دے۔ امام کو اس کا اختیار ہے کہ جب خراجی زمینوں میں سے کوئی زمین کسی کو جاگیر کے طور پر عطا کرے تو اُس پر عُشر (⅒) یا عُشر اور نصف (۳/۲۰) یا دو عُشر (۲/۱۰)، یا اس سے زیادہ، یا کوئی (متعین) خراج، غرض یہ کہ جتنا کچھ بھی عائد کرنا مناسب سمجھے کر دے۔ مجھے امید ہے کہ اس باب میں اُس کے لیے کافی گنجائش ہے، اور وہ ان مختلف صورتوں میں سے جو صورت چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ البتہ حجاز، مدینہ، مکہ اور یمن کی زمینیں اس اختیار سے باہر ہیں۔ ان علاقوں میں خراج نہیں عاید کیا جا سکتا، امام کے لیے نہ تو اس کی گنجائش ہے، نہ ایسا کرنا اس کے لیے جائز ہے کہ ان کے سلسلہ میں کوئی تبدیلی عمل میں لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق اور آپ کے حکم کے تحت جو صورت اختیار کی جا چکی ہے اس کو چھوڑ کر امام کوئی اور صورت نہیں اختیار کرے گا۔

میں نے آپ کے لیے یہ بات پوری طرح واضح کر دی آپ دونوں رایوں میں سے جس کو پسند کریں اختیار کر لیجیے۔ اس طریقہ پر عمل کیجیے جس کو آپ مسلمانوں کی بہبود کے لیے زیادہ موزوں، ان کے خواص و عوام کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے والا، اور اپنے دین کی سلامتی کے لیے بہتر طریقہ سمجھتے ہوں ـــــ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۲۴۱-

مجالد بن سعید نے عامر الشعبی سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عتبہ بن غزوان کو بصرہ کی طرف ـــــ جسے سرزمین ہند کہا جاتا تھا ـــــ روانہ کیا اور انہوں نے سعد بن ابی وقاص کے کوفہ پہنچنے سے پہلے وہاں داخل ہو کر وہاں پڑاؤ کیا۔ نیز یہ کہ وہاں کی مسجد اور محل، جو آج بھی اپنے مقام پر موجود ہے تعمیر کرنے والے زیاد ابن ابیہ تھے۔ (انہوں نے یہ بھی بتایا کہ) تب سعد بن ابی وقاص مدائن کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو ابو موسیٰ اشعری

نے تستر، اصبہان، مہرجان قذق اور ماہ ذبیان[1] فتح کر لیا۔

۲۴۲۔

۶۲ جس فرد کو بھی راہِ راست پر چلنے والے حکمرانوں سے علاقہ سواد سرزمین عرب اور الجبال میں — ان قسموں میں سے جن کے بارے میں ہم بتا چکے ہیں کہ امام کو ان میں سے جاگیریں دینے کا اختیار حاصل ہے — کوئی زمین دی تو ان کے بعد آنے والے خلفاء کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان کو واپس لے لیں یا انھیں لوگوں کے قبضہ سے نکال لیں جن کے پاس یہ زمینیں اس وقت موجود ہیں خواہ ان کو انھوں نے وراثت میں پایا ہو یا کسی سے خرید کر حاصل کیا ہو۔ جو زمینیں والیوں نے ایک فرد سے لے کر دوسرے کو بطور جاگیر دی ہیں تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ غاصب ایک فرد سے غصب کر کے دوسرے کو دے دے۔ امام کے لیے نہ تو یہ جائز ہے نہ اس کے لیے ایسا کرنے کی کوئی گنجائش ہے کہ کسی فرد کو بھی کسی مسلمان یا معاہد کا حق (چھین کر) بطور جاگیر دے۔ اُسے اس طرح کی زمینوں کو ان کے قبضہ سے نہیں نکالنا چاہیے۔ بجز اس صورت کے کہ ان کے ذمہ اُس کا کوئی حق واجب ہو اور وہ اس (جاگیر) کو اُس واجب حق کے بدلہ ان سے لے کر عوام الناس میں سے جس کو بھی چاہے بطور جاگیر دے دے۔ ایسا کرنا اس کے لیے جائز ہو گا۔

۲۴۳۔ جاگیر دینے کا اختیار

زمین میرے نزدیک مال کی طرح ہے چنانچہ امام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ بیت المال میں سے ان لوگوں کو انعامات دے جنھوں نے اسلام کی کوئی نمایاں خدمت انجام دی ہو یا جو اس مال کے ذریعہ دشمن کے مقابلہ کی تیاری کرنے والے ہوں۔ امام اس باب میں وہ پالیسی اختیار کرے گا جو اس کی رائے میں مسلمانوں کے لیے بہتر اور ان کے حق میں موزوں ہو۔ یہی نوعیت زمینوں کی بھی ہے۔ میں نے جس قسم کے لوگوں کا اوپر ذکر کیا ہے ان میں سے امام جس کو چاہے جاگیر دے سکتا ہے۔

---

[1] مطبوعہ نسخہ میں ہے۔ تیموری نسخہ میں ہے "ماذنیان" ہے۔ غالباً زیادہ صحیح "ماہ دینار" ہے۔ جو نہاوند کے شہر کا نام ہے۔

میرے خیال میں غیر مملوکہ اور غیر آباد زمینوں کو بے کار چھوڑ رکھنے کی بجائے امام کو چاہیے کہ انھیں بطور جاگیر مختلف افراد کو دے دے۔ اس طرح ہمارے علاقے زیادہ آباد و خوش حال ہو جائیں گے اور خراج میں بھی اضافہ ہو گا۔

جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا ہے میرے نزدیک جاگیر دینے کی نوعیت یہی ہے۔

۲۴۴۔ جاگیر دینے کے نظائر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جاگیریں دی ہیں اور ان کے ذریعہ بعض لوگوں کو اسلام پر قائم رہنے سے مانوس کیا ہے۔ آپ کے بعد خلفاء نے بھی ایسے لوگوں کو جاگیریں دی ہیں جن کے بارے میں ان کا احساس یہ تھا کہ ان کو جاگیر دینا بہتری کا باعث ہو گا۔

۲۴۵۔

ابن ابی نجیح نے عمرو بن شعیب سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزینہ یا جہینہ کے کچھ لوگوں کو ایک زمین بطور جاگیر عطا کی۔ مگر ان لوگوں نے اسے آباد نہ کیا۔ پھر کچھ دوسرے لوگوں نے اسے آباد کر لیا۔ اب جہینہ یا مزینہ والے عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان لوگوں کے خلاف مقدمہ لے کر گئے۔ اس پر آپ نے فرمایا،

"اگر یہ (زمین) میری یا ابوبکر کی دی ہوئی ہوتی تو میں اسے واپس لے لیتا مگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی جاگیر ہے۔"

پھر آپ نے فرمایا،

"جس کے پاس بھی کوئی زمین ہو اور وہ اسے تین سال چھوڑے رکھے اور آباد نہ کرے پھر اسے کچھ دوسرے لوگ آباد کر لیں تو یہ لوگ اس کے زیادہ حق دار ہوں گے۔"

۲۴۶۔

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں

۴۳ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کی املاک میں سے ایک زمین جس میں کھجور کے درخت بھی تھے، زبیر کو بطور جاگیر عطا فرمائی۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمین کا نام جُرف تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عقیق کا سارا علاقہ لوگوں کے درمیان بطور جاگیر تقسیم کر دیا، یہاں تک کہ ایک جاگیر عروہ بن زبیر کی زمین سے بھی تجاوز کر گئی۔ پھر آپ نے فرمایا:

"کہاں ہیں آج کے دن سے جاگیر کے طلب[1] گار؟ اگر ان (طلب گاروں) میں
کچھ بھلائی نظر آئی تو میرے قدموں کے نیچے (بہت زمین) ہے۔"

خوات بن جبیر نے کہا: "اسے مجھے بطور جاگیر دے دیجیے چنانچہ آپ نے اسے انھیں دے دیا۔"[2]

---

[1] دوسری نسخہ میں ہے "ایک جاگیر عروہ کی زمین سے تجاوز کر گئی تو ابن زبیر نے کہا جاگیر کے طلبگار ....."

[2] اس حدیث کو پہلا کرتا یحییٰ ابن آدم قرشی نے اپنی کتاب الخراج میں بھی روایت کیا ہے (فقرہ ملا ۲۴۲ اور ملا ۲۴۳)۔ کتاب الخراج نشرکردہ استاذ احمد محمد شاکر)

بلاذری (فتوح البلدان (طبع قاہرہ ۱۹۳۲ء) صفحہ ۲۶ پر یہ حدیث ان الفاظ میں آئی ہے۔

وحدثنی الحسین قال حدثنا حفص بن غیاث عن ہشام بن عروۃ قال خرج عمر یقطع الناس وخرج معہ الزبیر فجعل عمر یقطع حتی مر بالعقیق فقال این المستقطعون منذ الیوم ما مررت بقطعۃ اجود منہا فقال الزبیر اقطعنیہا فاقطعہ ایاہا۔

(ترجمہ) اور مجھ سے حسین نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم سے حفص بن غیاث نے بروایت ہشام بن عروہ حدیث بیان کی ہے۔ کہا ہے کہ عمر لوگوں کو جاگیریں دینے نکلے آپ کے ساتھ زبیر بھی تھے۔ عمر جاگیریں دیتے ہوئے یہاں تک کہ عقیق کے پاس سے گذرے آپ نے فرمایا آج کے دن سے جاگیر کے طلب گار کہاں ہیں میں اس سے عمدہ قطعہ زمین سے نہیں گذرا۔ زبیر نے کہا کہ یہ مجھے دے دیجیے تو آپ نے اسے ان کو بطور جاگیر دے دیا۔)

اسی صفحہ پر ایک دوسری حدیث یہ ہے

وحدثنی الحسین قال حدثنی یحییٰ ابن آدم، قال حدثنا ابو معاویۃ الضریر عن ہشام

(بقیہ حاشیہ ۲۴۷ پر ملاحظہ فرمائیے)

۲۴۷۔

سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے: "جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو آپ نے ابوبکر کو جاگیر عطا کی اور عمر کو بھی جاگیر عطا کی، رضی اللہ عنہما۔"

۲۴۸۔

اشعث بن سوار نے حبیب بن ابی ثابت سے انہوں نے صلت مکی سے اور انہوں نے ابورافع سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو ایک زمین عطا فرمائی۔ یہ اسے زیر کاشت نہ لا سکے تو انہوں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اُسے آٹھ ہزار و نیا دیا آٹھ لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ پھر ان لوگوں نے اپنی دولت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس رکھ دی۔ جب انہوں نے اسے واپس لیا تو دیکھا کہ وہ کچھ کم ہے۔ اس پر ان لوگوں نے کہا: "یہ تو کم ہے"۔ آپ نے فرمایا:

"اس کی زکوٰۃ کا حساب لگاؤ۔"

(راوی) کہتا ہے کہ ان لوگوں نے حساب کیا تو معلوم ہوا کہ زکوٰۃ محسوب کرنے کے بعد رقم پوری ہو جاتی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۶) بن عروۃ عن ابیہ قال اقطع عمر العقیق کلہ حتی انتہی الی قطیعۃ خوات بن جبیر الانصاری، فقال این المستقطعون، ما قطعت الیوم اجود من ہذہ۔

(ترجمہ) مجھ سے حسین نے حدیث بیان کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھ سے یحییٰ ابن آدم نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم سے ابو معاویۃ الضریر نے ہشام بن عروہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے حدیث بیان کی ہے کہ: عمر نے سارا عقیق بطور جاگیر دے دیا یہاں تک کہ خوات بن جبیر انصاری کی زمین تک جا پہنچے تو آپ نے کہا: "جاگیر کے طلب گار کہاں ہیں؟ آج میں نے اس سے بہتر زمین جاگیر میں نہیں دی ہے" (مترجم)

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ میں کوئی ایسا مال رکھوں گا جس کی زکوٰۃ ادا نہ کروں"۔

۲۴۹-

مدینہ کے رہنے والے ایک استاذ نے مجھ سے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن الحرث المزنی کو سمندر اور پہاڑی[1] کے مابین سارا علاقہ بطور جاگیر عطا فرما دیا۔ پھر جب عمر بن الخطاب کا زمانہ آیا تو انہوں نے ان سے کہا: 'اس (سارے علاقہ) کو زیر کاشت لانا تمہارے بس سے باہر ہے'۔ پھر آپ اس پر راضی ہو گئے کہ کانوں کے علاوہ باقی علاقہ کو انھیں بطور جاگیر دے دیں۔ کانوں کو آپ نے مستثنیٰ کر لیا۔"

۲۵۰-

اعمش نے ابراہیم بن المہاجر سے اور انہوں نے موسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: "عثمان بن عفان نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو نہرین (کے علاقہ) میں جاگیر دی اور عمار بن یاسر کو استینیا میں۔ آپ نے خباب کو صنعا اور سعد بن مالک کو ہرمزان کا گاؤں بطور جاگیر عطا کیا۔"

(راوی نے) کہا: "چنانچہ یہ سب (جاگیریں آج بھی) جاری ہیں۔"

(راوی نے) کہا: "عبداللہ بن مسعود اور سعد اپنی زمین تہائی اور چوتھائی (پیداوار خود لینے کی شرط) پر دے دیا کرتے تھے۔"

۲۵۱-

ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اُن صاحب کے حوالہ سے جنھوں نے ان سے حدیث بیان کی تھی، ہم سے حدیث بیان کی ہے۔ کہا ہے: "عبداللہ بن مسعود کے پاس خراجی زمین تھی، خباب کے پاس بھی ایک خراجی زمین تھی۔ اور حسین[2] بن علی اور ان لوگوں کے علاوہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم

---

[1] متن میں 'الصخر' ہے۔ فریخ مترجم: فاگنان نے کتاب الخراج کے مسودہ نمبر ۲۴۵۲ کے حوالہ سے اس کی تصحیح کر کے اسے "الصحراء" پڑھا ہے۔ (صفحہ ۹۳۔ نوٹ ۱)

[2] تیموری نسخہ میں ہے "حسن"۔

کے پاس بھی خراجی زمینیں تھیں، شریح کے پاس بھی ایک خراجی زمین تھی۔ یہ سب لوگ ان زمینوں پر خراج ادا کیا کرتے تھے۔"

۲۵۲-

یہ سارے آثار یہی بتا رہے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو جاگیریں عطا فرمائی ہیں اور آپ کے بعد خلفاء نے بھی جاگیریں دی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا اُسی میں بہتری دیکھی کیوں کہ اس طرح لوگوں کی اسلام سے وابستگی میں پختگی پیدا ہوتی اور زمین کی آبادکاری بھی عمل میں آتی تھی۔ اسی طرح خلفاء نے بھی صرف انہی لوگوں کو جاگیریں دی ہیں جنھوں نے اسلام کی کوئی نمایاں خدمت انجام دی تھی یا جو دشمن کی سرکوبی کا ذریعہ تھے اور ان حضرات کے نزدیک بہترین طریقہ وہی تھا جسے انہوں نے اختیار کیا۔ یہ بات نہ ہوتی تو انہوں نے ایسا نہ کیا ہوتا انہوں نے کسی مسلمان یا معاہد کا حق کبھی جاگیر کے طور پر کسی دوسرے کو نہیں دیا۔

۲۵۳- زمین غصب کرنے کا گناہ

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے اور انہوں نے سعید بن زید سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جس نے بالشت بھر زمین بھی بغیر حق کے لے لی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق اس کی گردن میں ڈالے گا۔"

فصل ۴

دوسرے علاقوں کا حکم

۲۵۴۔ وہ زمینیں جن کے مالک اسلام لے آئیں

امیرالمومنین! آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ اہلِ حرب میں سے جو لوگ اپنی جان اور زمینوں کے مالک رہتے ہوئے اسلام لائے ہوں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ تو (اس کا جواب یہ ہے کہ) ان کا خون حرام ہے، اور اسلام لاتے وقت یہ جن اموال کے مالک تھے وہ ان کی ملکیت قرار پائیں گے۔ یہی حال ان کی زمینوں کا بھی ہے۔ یہ زمینیں اسی طرح عشری قرار پائیں گی جس طرح مدینہ (کی زمین) جہاں کے باشندے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسلام لائے اور ان کی زمینیں عشری قرار دی گئیں۔ یہی حال طائف اور بحرین کا ہے۔

اس طرح جب ماویہ کے باشندے اپنے پانی (کے چشموں اور کنویں وغیرہ) اور علاقوں کے مالک ہونے کی حالت میں اسلام لائیں تو وہ ساری چیزیں جن پر اسلام لاتے وقت ان کو قبضہ حاصل تھا ان کی ملکیت تسلیم کی جائیں گی۔ دوسرے قبیلہ والوں میں سے کسی کو یہ حق نہیں حاصل ہے کہ ان علاقوں میں کوئی ایسی تعمیر عمل میں لائے جس کے ذریعہ وہ ان میں سے کسی قطعہ زمین کا حق دار بن کھڑا ہو۔ نہ وہ اس علاقہ میں کنواں کھود کر اس کے ذریعہ کسی حق کے طالب ہو سکتے ہیں۔

ان دیہاتیوں کو یہ حق نہیں حاصل ہے کہ کسی کو چارہ لینے سے روک دیں۔ یہ لوگ چرواہوں یا مویشیوں کو پانی پینے سے نہیں روکیں گے۔ اسی طرح یہ اپنے علاقہ میں مسافروں یا گھوڑوں، خچروں وغیرہ کو بھی پانی حاصل کرنے سے نہیں روک سکیں گے۔

ان کی زمینیں عشری زمینیں ہیں۔ ان کو آئندہ بھی ان زمینوں سے بے دخل نہیں کیا جائے گا۔ وہ انھیں ورثہ میں منتقل کر سکیں گے اور ان کی خرید و فروخت کر سکیں گے۔ یہی حال

ان تمام علاقوں کا ہے جن کے باشندے ان پر قابض رہتے ہوئے اسلام لائے ہوں۔ یہ علاقے اور ان میں پائی جانے والی چیزیں ان کی ملکیت میں باقی رہیں گی۔

۲۵۵۔ وہ زمینیں جن کے مالکوں سے صلح ہو جائے

مشرکین میں سے جس قوم سے امام اس شرط پر صلح کرے کہ وہ اس کا فیصلہ اور اس کی تقسیم تسلیم کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیں اور خراج ادا کریں وہ اہلِ ذمہ قرار دیے جائیں گے اور ان کی زمین خراجی زمین ہوگی۔ ان سے جتنے (مالیہ) پر صلح ہوئی ہے وہ لیا جاتا رہے گا اور ان سے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کیا جائے گا۔ طے شدہ مالیہ میں کوئی اضافہ نہ کیا جا سکے گا۔

۲۵۶۔ بزورِ قوت فتح ہونے والے علاقے

جس زمین کو امام بزورِ قوت فتح کرتا ہے اور پھر اسے فاتحین کے درمیان تقسیم کر دیتا ہے تو اگر اس کی رائے میں یہی شکل بہتر ہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور وہ زمین عشری قرار پائے گی۔ لیکن اگر وہ تقسیم کرنا مناسب نہ سمجھے اور ان زمینوں کو ان کے باشندوں ہی کے قبضہ میں رہنے دینا بہتر سمجھے جیسا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سواد کے سلسلہ میں کیا تھا، تو اسے ایسا کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس صورت میں یہ زمین خراجی قرار پائے گی۔ ایسا کرنے کے بعد اسے یہ اختیار نہیں رہ جاتا کہ وہ زمین ان لوگوں سے واپس لے لے۔ اب یہ ان کی ملکیت ہے، وہ اسے ورثہ میں منتقل کریں گے اور اس کی خرید و فروخت کر سکیں گے۔ امام ان پر خراج عاید کرے گا۔ لیکن ان پر اُن کی برداشت سے زیادہ خراج نہیں عاید کیا جانا چاہیے۔

فصل ۵

احیاءِ موات سے متعلق احکام

۲۵۷۔

بزورِ قوت فتح کیے جانے والے علاقوں، یا ان علاقوں میں جن کے باشندوں سے صلح کا معاہدہ کیا گیا ہے، بعض بستیوں میں بہت سی زمینیں ایسی ہیں جن پر نہ تو کھیتی کے آثار نظر آتے ہیں نہ کسی مکان کے نشانات۔ امیرالمومنین! آپ نے ان زمینوں کی بابت بھی دریافت کیا ہے کہ موزوں پالیسی کیا ہوگی۔

۲۵۸۔ موات زمینوں کی تعریف۔

ایسی زمینوں میں جب تعمیر یا زراعت کے کوئی آثار نہ پائے جائیں، اور نہ یہ بستی والوں کی مشترکہ ضروریات کی تکمیل میں کام آتی ہوں، (مثلاً) تفریح گاہ، مویشیوں اور سواری کے جانوروں کی چراگاہ، ایندھن حاصل کرنے کی جگہ، یا قبرستان نہ ہوں — اور نہ تو کسی ۷۶
کی ملکیت میں ہوں نہ کسی کے قبضہ میں — تو یہ موات قرار پائیں گی۔ اب جو بھی ان زمینوں یا ان کے کسی ٹکڑے کی آبادکاری عمل میں لائے، یہ (زمین یا قطعہ زمین) اس کی ملکیت ہو جائے گا۔

۲۵۹۔ موات میں امام کا تصرف۔

آپ کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ ایسی زمینیں جسے مناسب سمجھیں بطور جاگیر عطا کریں۔ آپ ان کو کرایہ پر بھی دے سکتے ہیں، یا کوئی دوسری مفید شکل سامنے آئے تو اسے بھی اختیار کر سکتے ہیں۔

۲۶۰۔ احیاء کے ذریعہ ملکیت

جو کوئی بھی کسی موات زمین کو کارآمد بنا لے وہ زمین اس کی ملک ہو جاتی ہے۔

۲۶۱۔ احیاء کے لیے حکومت کی اجازت کی ضرورت

ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے تھے: "اگر امام کی اجازت حاصل ہو جائے تو جو کوئی بھی کسی افتادہ زمین کو آباد کرلے وہ زمین اس کی ملک بن جائے گی۔ مگر کوئی فرد کسی افتادہ زمین کی آبادکاری امام کی اجازت کے بغیر کرے تو وہ زمین اس کی ملکیت نہیں بن جائے گی اور امام کو یہ اختیار حاصل رہے گا کہ اُسے اس فرد کے قبضہ سے نکال لے اور اُسے کرایہ پر دینے یا بطور جاگیر کسی کے حوالہ کر دینے وغیرہ دوسرے طریقوں میں سے جو طریقہ مناسب سمجھے اختیار کرے۔

۲۶۲۔

مجھ سے کہا گیا ہے کہ ابوحنیفہ کی شان سے بعید ہے کہ انہوں نے یہ بات بغیر کسی دلیل کے کہہ دی ہو کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث منقول ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

"جس نے کوئی مردہ زمین زندہ کی تو وہ اس کے لیے ہے۔"

لہٰذا تم ان کی وہ دلیل ہم پر واضح کرو۔ ہمارا خیال ہے کہ تم نے ضرور ان سے کوئی ایسی بات سنی ہوگی جسے وہ اس سلسلہ میں دلیل بناتے رہے ہوں۔

مصنف عرض کرتا ہے کہ اس سلسلہ میں وہ دلیل کے طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ زمین کی آبادکاری امام کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتی اگر دو آدمی ہوں اور ان میں سے ہر ایک ایک ہی جگہ کو (آبادکاری کے لیے) منتخب کرنا چاہے، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کو ایسا کرنے سے روکے تو تمھارا کیا خیال ہے، ان دونوں میں سے کون اس جگہ کا زیادہ حق دار ہوگا۔ کوئی شخص اگر کسی دوسرے آدمی کے گھر کے سامنے واقع افتادہ زمین کی آبادکاری عمل میں لانا چاہے اور اس آدمی کو اس کا اقرار بھی ہو کہ وہ اس زمین پر کوئی حق نہیں رکھتا، مگر وہ اس شخص سے کہے کہ اس کو نہ آباد کر کیوں کہ یہ میرے گھر کے سامنے واقع ہے اور اس کی آبادکاری مجھ کو نقصان پہنچائے گی — تو اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ابوحنیفہ نے اس باب میں امام کی اجازت لوگوں کے درمیان نزاع ختم

کرنے کے خیال سے ضروری قرار دی ہے۔ جب امام اس بارے میں کسی آدمی کو اجازت دے دے تو اُسے آبادکاری کا اختیار مل جائے گا۔ یہ اجازت دینا مناسب اور جائز بات ہے۔ اگر امام کسی فرد کو ایسا کرنے سے روک دے تو یہ روکنا بھی درست ہوگا۔ امام کی اجازت یا ممانعت کی صورت میں لوگوں کے درمیان ایک ہی جگہ کے سلسلہ میں کشمکش کی نوبت نہیں آئے گی اور نہ ایک دوسرے کو ضرر رسانی کی۔

ابوحنیفہ نے جو بات کہی ہے وہ اس باب میں مروی آثار کو رد نہیں کرتی۔ حدیث کا رد جب ہوتا جب کہ وہ یہ کہتے کہ: اگر وہ اس زمین کو امام کی اجازت سے آباد کرے تو بھی وہ اس کی ملکیت نہیں بنے گی: اب جو یہ کہتا ہے کہ (اس صورت میں) زمین اس فرد کی ملکیت ہو جائے گی تو یہ کہنا اس اثر کا اتباع ہوا۔ اضافہ صرف امام کی اجازت ضروری قرار دینے کا کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کے باہمی نزاعات کا سدِّباب ہو اور ایک دوسرے کو ضرر رسانی کی نوبت نہ آئے۔

۲۶۳۔

باوجود اس کے میری رائے یہی ہے کہ ایسی شکل میں جب کہ احیاء سے کسی کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچ رہا ہو اور نہ کوئی اس کے خلاف عذر دار ہو، رسول اللہ کی (دی ہوئی) اجازت قیامت تک کام آتی رہے گی۔ لیکن اگر ضرر رسانی کی صورت پیدا ہو جائے تو اس کا علاج اس حدیث کی روشنی میں کیا جائے گا کہ:

"ظلم کرنے والے کا کوئی حق نہیں۔"

۲۶۴۔

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے، انہوں نے عائشہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

"جس نے کوئی مردہ زمین زندہ کی تو وہ اس کے لیے ہے اور ظلم کرنے والے کا کوئی حق نہیں۔"

۲۶۵۔

حجاج بن ارطاۃ نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے اِن کے دادا سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"جس نے کوئی موات زمین زندہ کی وہ اس کے لیے ہے۔"

۲۶۶۔

محمد بن اسحاق نے یحییٰ بن عروہ سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

"جس نے کوئی مردہ زمین زندہ کی وہ اس کے لیے ہے اور کسی ظلم کرنے والے کا کوئی حق نہیں۔"

عروہ کہتے ہیں کہ: مجھ سے ایک صاحب نے جنھوں نے کھجور کے اس (زیرِ نزاع) درخت[۱] کو دیکھا تھا حدیث بیان کی ہے کہ اس کی جڑ میں کلھاڑے مارے جا رہے تھے:

۲۶۷۔

لیث نے طاؤس سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"عادی[۲] زمینیں اللہ اور اس کے رسول کی ہیں اور اس کے بعد تمھارے لیے ہیں، چنانچہ جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کر لیا، وہ اس کے لیے ہے اور

۱؎ اوپر کھجور کے اس درخت کا کوئی ذکر نہیں آیا ہے۔ پورا واقعہ سبل السلام (طبع ثانی جلد ۳ ص ۹۸) میں ملے گا۔

۲؎ عادی کے معنی قدیم کے ہیں۔ عاد عرب قدیم کا ایک فرد تھا جس کی طرف حضرت ہودؑ کی قوم منسوب ہے۔ پرانی چیز کو عادی اسی نسبت سے کہنے لگے گویا کہ وہ چیز اتنی قدیم ہے جتنی کہ عاد۔ یہاں اس سے مراد وہ زمینیں ہیں جو زمانۂ قدیم سے غیر مملوکہ چلی آ رہی ہوں۔

اورکسی چہار دیواری بنالینے والے کا تین سال بعد کوئی حق نہ باقی رہے گا۔"

۲۶۸- چہار دیواری بنالینے والے کا حق

محمد بن اسحاق نے زہری سے اور انہوں نے سالم بن عبداللہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے منبر پر (کھڑے ہوکر) یہ فرمایا:

"جس نے کوئی مردہ زمین زندہ کرلی وہ اس کے لیے ہے، اور کسی چہار دیواری بنالینے والے کے لیے تین سال بعد کوئی حق نہ باقی رہے گا۔"

اس کا سبب یہ تھا کہ بعض لوگ زمینوں کے گرد چہار دیواری بنالیتے (اور اس طرح انھیں مخصوص کرلیتے) لیکن ان پر کاشت نہ کرپاتے۔

۲۶۹-

حسن بن عمارہ نے زہری سے اور انہوں نے سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

"جس نے کسی مردہ زمین کو زندہ کرلیا وہ اس کے لیے ہے، اور کسی چہار دیواری بنالینے والے کے لیے تین سال بعد کوئی حق نہیں۔"

۲۷۰-

سعید بن ابوعروبہ نے قتادہ سے، قتادہ نے حسن سے اور انہوں نے سمرہ بن جندب سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے:

"جس نے کسی زمین کے گرد چہار دیواری بنالی وہ زمین اس کی ہوگئی۔"

۲۷۱- بازیافتہ زمینوں کے محاصل

ہمارے نزدیک اس حدیث کا اطلاق ان افتادہ زمینوں پر ہوتا ہے جن پر نہ کسی کا کوئی
حق ہو نہ وہ کسی کی ملک ہوں۔ جو زمین ایسی ہو اور کوئی اسے آباد کرے تو وہ اس کی ملکیت ۶۰
ہوجائے گی۔ (اور آباد کاری کے طریقے یہ ہیں): اس پر خود کاشت کرے، کسی دوسرے سے

بٹائی کے معاملہ پر کاشت کرائے (زراعت کے لیے) کرایہ پر دے دے، اس میں نہریں کھدوائے، اور جن طریقوں میں اس کا بھلا دیکھے ان طریقوں سے اس کی آباد کاری عمل میں لائے۔

اب اگر یہ زمین عشری زمینوں میں سے ہے تو وہ اس پر عشر ادا کرے گا، اور اگر خراجی زمینوں میں سے ہے تو وہ اس پر خراج ادا کرے گا۔ اگر وہ اس کی سینچائی کے لیے کنواں کھود لیتا ہے، یا اس کے لیے کوئی نہر نکال لاتا ہے تو وہ عشری زمین قرار پاجائے گی۔

۲۷۲-

اہل عرب[1] میں سے جو قوم بھی مٹ چکی ہو اور اب ان میں سے کوئی فرد نہ باقی رہا ہو، ان کی زمینیں معطل پڑی ہوں، اور معلوم نہ ہو کہ وہ کسی کے قبضہ میں ہیں یا نہیں، نہ کوئی شخص ان میں سے کسی زمین کے بارے میں کوئی دعویٰ لے کر سامنے آئے، تو ان میں سے کسی زمین کو اگر کوئی شخص اپنے قبضہ میں کرے اور اسے کار آمد بنائے، اس کو جوتے، بوئے اور اس کا خراج یا عشر ادا کرے تو وہ زمین اس کی ملکیت ہوجائے گی۔ یہی وہ افتادہ زمینیں ہیں جن کا میں نے آپ سے اس فصل کے شروع میں ذکر کیا ہے۔

امام کو یہ اختیار نہیں کہ کسی چیز کو بھی کسی کے قبضہ سے بغیر کسی ثابت شدہ اور معروف حق کے نکال لے۔ البتہ امام کو یہ حق حاصل ہے کہ ہر افتادہ زمین کو، ہر اس (چیز) کو جس پر کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ وہ کسی کے قبضہ میں ہو، بطور جاگیر عطا کردے۔ امام اس سلسلہ میں وہ طریقہ اختیار کرے گا جو اس کی نظر میں مسلمانوں کے لیے سب سے بہتر ہو اور جس کے فوائد زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پہنچ سکیں۔

۲۷۳-

اور جو کوئی کسی ایسی سرزمین میں کسی افتادہ زمین کی آباد کاری عمل میں لائے جو پہلے مشرکین کے قبضہ میں رہی ہو اور پھر مسلمانوں نے اسے بزور قوت فتح کرلیا ہو، اور امام نے اس کا پانچواں حصہ الگ کر کے باقی کو فاتح فوج کے درمیان تقسیم کردیا ہو، تو یہ عشری زمین ہے، کیوں کہ جب

[1] تیموری نسخہ میں ہے: "اہل خراج یا اہل حرب میں سے"

امام نے اسے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا تو وہ عشری زمین ہو گئی۔ چنانچہ جو شخص ایسی سرزمین میں کسی قطعہ زمین کی آباد کاری عمل میں لایا ہے وہ اس پر عشر ادا کرے گا، بالکل اسی طرح جس طرح وہ لوگ عشر ادا کریں گے جن کے درمیان امام نے یہ زمین تقسیم کی تھی۔

۲۷۴۔

اور اگر جس طرح عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے علاقۂ سواد کو اس کے باشندوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیا تھا اسی طرح امام نے فتح کرنے کے بعد اس سرزمین کو بھی اس کے باشندوں ہی کے پاس رہنے دیا ہو، اُسے فاتحین کے درمیان تقسیم نہ کیا ہو تو یہ خراجی زمین ہے جو شخص اس میں سے کسی قطعہ زمین کی آباد کاری عمل میں لایا ہے وہ اس پر اسی طرح خراج ادا کرے گا جس طرح کہ وہ لوگ ادا کرتے ہیں جن کے قبضہ میں امام نے یہ زمینیں باقی رہنے دی تھیں۔

۲۷۵۔

جو شخص بھی حجاز یا عرب کی سرزمین میں، جس کے مالک اس پر قبضہ رکھتے ہوئے اسلام لائے ہیں اور جو عشری زمین ہے، کسی افتادہ زمین کا احیار عمل میں لائے گا وہ زمین اس کی ملکیت ہو گی۔

۲۷۶۔

اگر آباد کردہ زمین ایسے علاقہ کی ہو جو پہلے مشرکین کے قبضہ میں تھا پھر اسے مسلمانوں نے فتح کر لیا اور اسے آباد کرنے والا اس کے لیے کسی ایسے چشمہ وغیرہ سے پانی لاتا ہے جو پہلے مشرکین کے قبضہ میں تھا، تو یہ زمین خراجی قرار پائے گی۔ البتہ اگر وہ اس قسم کا پانی نہیں استعمال کرتا بلکہ اسی زمین میں کنواں کھود کر، یا اسی میں سے کوئی چشمہ نکال کر اس کا احیار عمل میں لاتا ہے تو وہ زمین عشری قرار پائے گی۔ لیکن اگر اس کے لیے اس زمین پر ان نہروں سے پانی لانا ممکن ہو جو پہلے عجمی قوموں کے قبضہ میں تھیں، خواہ وہ یہ پانی لائے یا نہ لائے۔ یہ زمین خراجی قرار پائے گی۔

۲۷۷۔ عجم کی زمینیں

عرب کی زمین عجم کی زمین سے اس بنا پر مختلف ہے کہ باشندگانِ عرب سے اسلام قبول کرنے کے مطالبہ کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے ان سے جزیہ نہیں قبول کیا جاتا، ان سے اسلام لانے کے سوا کوئی دوسری شکل نہیں قبول کی جاتی۔ اب اگر ان کے علاقے ازراہِ عنایت انہی کے پاس رہنے دیے جائیں تو بھی وہ عشری قرار پائیں گے، اور اگر امام انھیں ان کے قبضہ میں نہ باقی رہنے دے بلکہ تقسیم کر دے تو بھی وہ عشری قرار پائیں گے۔

(اہلِ) عرب کے بارے میں جو حکم ہے وہ اس حکم سے مماثلت نہیں رکھتا جو (اہلِ) عجم کے بارے میں ہے کیوں کہ عجم والوں سے اسلام لانے یا جزیہ ادا کرنے کے مطالبہ کے ساتھ جنگ کی جاتی ہے ————————————————— اور عرب والوں سے صرف اسلام لانے کے مطالبہ کے ساتھ۔ یا تو یہ اسلام لائیں گے یا قتل کر دیے جائیں گے۔ ہمارے علم میں کوئی ایسی مثال نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا آپ کے صحابہ میں سے کسی نے یا آپ کے بعد کے خلفاء میں سے کسی نے عرب کے بت پرستوں سے کبھی جزیہ لیا ہو ان کے لیے صرف یہ شکل رکھی گئی ہے کہ اسلام لے آئیں ورنہ قتل کر دیے جائیں گے۔ جب ان پر غلبہ حاصل ہو جائے تو ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے گا جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حُنین کے موقع پر قبیلۂ ہوازن کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا تھا۔ پھر بعد میں آپ نے ان سب کو معاف کر دیا اور آزاد کر دیا۔ یہ طریقہ آپ نے صرف عرب کے بت پرستوں کے ساتھ اختیار کیا تھا۔

۲۷۸۔ اہلِ کتاب عربوں کا حکم

جہاں تک اہلِ کتاب عربوں کا سوال ہے ان کی حیثیت وہی ہے جو کہ عجمیوں کی ہے۔ ان سے جزیہ قبول کیا جائے گا، جس طرح کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بنی تغلب پر خراج کے بدلہ دوگنا صدقہ عاید کر دیا تھا، اور جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ یمن پر ہر بالغ فرد پر ایک دینار نقد یا اس کے مساوی معافری کپڑے کی ادائیگی لازم کر دی تھی۔ یہ لوگ ہمارے نزدیک اہلِ کتاب کی طرح ہیں۔

اسی طرح آپ نے باشندگانِ نجران سے فدیہ کی ادائیگی کی شرط پر صلح فرمائی تھی۔

۲۷۹۔ اہلِ عجم کا حکم

اہلِ عجم کا معاملہ یوں ہے کہ ان میں سے اہلِ کتاب، مشرکین، بت پرستوں اور آتش پرستوں سے صرف مردوں سے جزیہ قبول کیا جائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا ہے، مجوسی اہلِ شرک ہیں، اہلِ کتاب نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ لوگ عجمی لوگ ہیں۔ ان کی عورتوں سے نکاح نہیں کیا جائے گا، اور ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق کے عجمی مشرکوں پر، صرف مردوں کے سر، انھیں تنگ حال، خوش حال اور متوسط حال طبقوں میں تقسیم کر کے جزیہ عاید کیا تھا۔

۲۸۰۔ مرتد کا حکم

عرب یا عجم کے مرتد لوگوں کے بارے میں وہی حکم ہے جو عرب کے بت پرستوں کے بارے میں ہے۔ ان سے صرف اسلام قبول کیا جا سکے گا، بصورتِ دیگر وہ قتل کر دیے جائیں گے۔ ان پر جزیہ نہیں عاید کیا جا سکے گا۔

فصل ۶

محاربِ مرتدین کا حکم

۲۸۱۔

مرتدین اگر مزاحمت کریں اور جنگ کریں تو ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے گا۔ ۸۰
اور انھیں اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بنی حنیفہ اور مرتد ہو جانے والے دوسرے عربوں کے بچوں کو غلام بنا لیا تھا۔ علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

نے بھی ابوبکر کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے بنی ناجیہ کو غلام بنا لیا تھا۔ ان لوگوں پر خراج نہیں عاید کیا جا سکتا۔

اگر یہ لوگ عملاً جنگ ہونے اور مغلوب ہو جانے سے پہلے اسلام لے آئیں تو ان کے جان و مال کی معافی ہو گی اور ان (کے بیوی بچوں) کو غلام نہیں بنایا جائے گا۔ اور اگر یہ مغلوب ہو جانے کے بعد اسلام لائیں تو ان کے خون معاف کر دیے جائیں گے مگر بچوں اور عورتوں کو غلام بنانے کا حکم ان پر نافذ کیا جائے گا، البتہ مرد آزاد ہوں گے، ان کو غلام نہیں بنایا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے موقع پر قیدیوں کا فدیہ قبول کیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ ان کی حیثیت غلاموں کی سی نہ تھی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اشعث بن قیس اور عیینہ بن حصن کو آزاد کر دیا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں بھی غلام نہیں سمجھے گئے تھے۔ اسی وجہ سے یہ اپنے آزاد کرنے والوں کے مُوالی بھی نہیں قرار پائے۔

مرتد ہونے والوں اور (عرب کے) بت پرستوں میں سے مردوں کو غلام نہیں بنایا جاتا، نہ ان سے جزیہ قبول کیا جاتا، ان کے لیے واحد شکل یہ ہے کہ اسلام لے آئیں ورنہ قتل کر دیے جائیں گے۔

۲۸۲۔

جن لوگوں کے سلسلہ میں بھی یہ حکم ہو کہ وہ یا اسلام لائیں یا قتل کر دیے جائیں۔ ان کے ملک پر اگر امام کو غلبہ حاصل ہو جائے، اور وہ ان کے بچوں کو غلام بنا لے اور مردوں کو قتل کر دے، اور غنیمت اپنی تقسیم کے مقررہ قاعدہ کے مطابق تقسیم کر دی جائے؛ پانچواں حصہ ان کے لیے جن کے نام اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دیے ہیں اور بقیہ ان مسلمانوں کے لیے جو اس جنگ میں شریک رہے ہوں، تو ایسا کرنا جائز ہو گا۔

اور اگر امام انھیں غلام نہ بنائے بلکہ معاف کر دے۔ اور آزاد چھوڑ دے، اور زمین اور ان کے دوسرے اموال بھی (ان ہی کے پاس) رہنے دے تو اس کے لیے ایسا کرنے کی بھی پوری پوری گنجائش ہے۔ اور یہ شکل بھی مناسب اور جائز ہے۔

ان کی زمین عشری قرار پائے گی، اسے خراجی زمین سے کوئی مناسبت نہیں، کیوں کہ اس شکل میں جو حکم ہے وہ خراج کے حکم سے یکسر مختلف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین عرب کے متعدد دیار پر غلبہ حاصل ہوا اور آپ نے ان علاقوں کو (مالِ غنیمت کے طور پر تقسیم نہیں کیا بلکہ) علی حالہٖ چھوڑ دیا۔ بحرین، یمامہ، اور ان دونوں کے علاوہ عطفان اور تمیم کے علاقے اسی ذیل میں آتے ہیں۔

۲۸۳۔

جو اموال (دشمن) لوگ اپنے لشکر میں ساتھ لائے ہوں انھیں علی حالہٖ نہیں چھوڑا
۸۱ جائے گا بلکہ ان کا ۴/۵ حصہ ان لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا جنھوں نے اس کو بطورِ غنیمت حاصل کیا ہو، اور خمس ان لوگوں کے لیے ہو گا جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرما دیا ہے۔ لشکر کی غنیمت کا حال ان چیزوں سے مختلف ہے جو اللہ تعالیٰ بستی والوں سے (بطورِ فئے) دلوا دے۔ ان چیزوں کے بارے میں جو حکم ہے وہ اس حکم سے مختلف ہے جو ان غنائم کے بارے میں ہے (جو دشمن کے کیمپ سے میدانِ جنگ میں حاصل ہوں)۔ یہ وہ اموالِ غنیمت ہیں جو عرب و عجم کے بت پرست مشرک اور اہلِ کتاب (دشمنوں) سے حاصل ہوں، کہ اس سلسلہ میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ (بہر صورت) پانچواں حصہ ان لوگوں کے لیے ہے جن کے نام اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں گنا دیے ہیں اور ۴/۵ ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ان پر جنگ کر کے اس غنیمت کو حاصل کیا ہو۔

فصل ۷

عام مفتوحہ علاقوں کا حکم

۲۸۴

عام بستیوں اور علاقوں والوں، شہروں اور ان کے باشندوں اور ان کے جملہ اموال و املاک کے سلسلہ میں امام کو اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو ان کو ان کی زمین، رہائشی مکانات، اور دوسری عمارتوں میں رہنے دے، اور ان کے اموال و املاک کو بدستور ان ہی کی ملکیت تسلیم کرے، اور ان پر جزیہ اور خراج عاید کرے۔ البتہ صرف عرب کے بت پرست مرد اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔ ان سے جزیہ نہیں قبول کیا جائے گا۔ ان کے لیے صرف ایک راہ ہے: اسلام یا قتل۔

۲۸۵۔

بستی والوں سے اللہ جو کچھ دلوا دے اس پر خمس کے حکم کا اطلاق نہیں ہوتا۔[1] اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو یہ فرمایا ہے اس کو ملاحظہ کیجیے کہ:

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القرٰی فللہ وللرسول ولذی القربٰی والیتامٰی والمساکین وابن السبیل۔ (الحشر: ۷)	اللہ بستیوں والوں سے اپنے رسول کو جو کچھ ہاتھ لگائے وہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، اور مسافروں کے لیے۔

پھر فرمایا:

والذین تبوؤا الدار والایمان	اور (یہ مال ان لوگوں کے لیے ہے) جنھوں نے ایمان

---

[1] تیموری نسخہ میں "لا خمس" کی جگہ "وانہ خمس" ہے (جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ: ورنہ اللہ بستی والوں سے جو دلوا دے اس میں سے خمس نکالا جاتا ....)

من قبلھم — لاکر ان مہاجرین سے پہلے سے اس گھر (دارالہجرت) کو آباد کر رکھا ہے۔ (الحشر: ۹)

پھر فرمایا:

والذین جاءوا من بعدھم — اور (یہ مال ان لوگوں کے لیے ہے) جو ان کے بعد آئیں۔ (الحشر: ۱۰)

لہٰذا بستیوں[1] میں یہ تمام لوگ شریک قرار پائے، اور یہ حکم ان اموال سے متعلق ہے جو (دشمن) کے لشکر سے نہ حاصل ہوئے ہوں۔ ۸۲

۲۸۶۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بستیوں کو تقسیم کیے بغیر چھوڑ دیا ہے۔ آپ مکہ پر بزورِ قوت غالب ہوئے اور یہاں مختلف مال واملاک موجود تھے، مگر آپ نے انھیں تقسیم نہیں کیا۔ آپ قریظہ، نضیر اور ایک سے زیادہ عربی علاقوں پر فتح یاب ہوئے مگر آپ نے خیبر کے سوا کسی علاقہ کو تقسیم نہیں کیا۔ اسی بنا پر امام کو یہ اختیار حاصل ہو گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تقسیم کر دینے کی پالیسی پر عمل کرے تو یہ بھی روا ہے اور جس طرح آپ نے خیبر کے سوا دوسرے علاقوں کو بغیر تقسیم چھوڑ دیا تھا اُسی طرح وہ بھی چھوڑ دے تو یہ بھی درست ہے۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی سواد اور شام ومصر کے ان علاقوں کو چھوڑ دیا تھا، حالانکہ ان میں سے زیادہ تر علاقے بزورِ قوت فتح کیے گئے ہیں صلح صرف قلعہ والوں سے ہوئی ہے۔ ان ملکوں کے ۸۲
بقیہ علاقوں پر بزورِ قوت فتح کے بعد قابض ہوئے تھے پھر عمر نے ان سارے علاقوں کو تقسیم کیے بغیر ان تمام مسلمانوں کے لیے چھوڑ دیا جو اس وقت موجود تھے یا ان کے بعد آئیں۔ آپ نے اس پالیسی کو بہتر خیال کیا۔

امام کے لیے صحیح طریقہ یہی ہے کہ اس سلسلہ میں جس پالیسی کو مسلمانوں اور دین کے لیے محفوظ اور مناسب سمجھے اختیار کرے۔

---

[1] تیموری نسخہ میں بستیوں (قریٰ) کی بجائے قرابت والوں (قربیٰ) ہے۔

فصل ۸

عشری اور خراجی زمینوں کی تعریف

۲۸۷۔

امیر المومنین! اب میں آپ کے اس سوال کو لیتا ہوں جو آپ نے عشری زمین اور خراجی زمین کی ۸۲
علیحدہ علیحدہ پہچان کے بارے میں کیا ہے۔

ہر وہ زمین جس کے مالک اس پر قابض رہتے ہوئے اسلام لائے ہوں ان کی ملکیت ہے اور عشری زمین قرار پائے گی، خواہ وہ زمین عرب کی ہو یا عجم کی، جیسے کہ مدینہ، جس کے مالک اس پر قابض رہتے ہوئے اسلام لائے تھے یا جیسے کہ یمن۔ اسی طرح بت پرست عربوں کی زمین اور ہر اس فرد کی زمین عشری قرار پائے گی جس سے جزیہ نہ قبول کیا جاتا ہو بلکہ اس کے لیے اسلام لانے یا قتل کیے جانے کے سوا کوئی اور شکل نہ رکھی گئی ہو — خواہ امام نے اس زمین پر (بزورِ قوت) غلبہ حاصل کیا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین عرب کے متعدد علاقے فتح کیے اور انھیں بغیر تقسیم کیے چھوڑ دیا[1]۔ چنانچہ وہ قیامت تک عشری (زمینیں) رہیں گی۔

عجمیوں کے علاقوں میں سے جس علاقہ کو بھی امام نے فتح کیا ہو اور پھر اسے اسی کے باشندوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیا ہو اس کی زمین خراجی ہے، اور اگر اسے ان لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا ہو جنھوں نے اسے بطورِ غنیمت حاصل کیا تھا تو وہ عشری زمین ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عجمیوں کی زمین فتح کرنے کے بعد اسے انہی

---

[1] تیموری نسخہ میں "اور انھیں بغیر تقسیم کیے چھوڑ دیا" کی جگہ یہ عبارت ہے: اور انھیں انھی باشندوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیا چنانچہ وہ خراجی زمینیں قرار پائیں۔ اور اگر (امام نے) انھیں ان لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا جنھوں نے اسے غنیمت میں حاصل کیا تھا تو وہ عشری زمین قرار پائیں گی۔

لوگوں کے قبضہ میں رہنے دیا تو وہ زمینیں خراجی قرار پا گئیں۔

عجمیوں کے علاقہ کی ہر وہ زمین، جس پر امام نے اس کے باشندوں سے مصالحت کر لی ہو اور وہ لوگ ذمّی بن گئے ہوں، خراجی زمین ہے۔

فصل ۹

سمندر سے نکلنے والی اشیائ کے محاصل

۲۸۸۔

۹۳ امیر المؤمنین! آپ نے سمندر سے نکالے جانے والے عنبر اور زیور بنانے کے لائق چیزوں کے بارے میں دریافت فرمایا ہے۔ واضح رہے کہ سمندر سے زیور بنانے کے لائق جو اشیاء یا عنبر برآمد ہو ان میں خمس (۱/۵) واجب ہے۔ ان دو کے سوا اور چیزوں میں کچھ نہیں (واجب ہے)۔

۲۸۹۔

ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہما اللہ کہتے تھے کہ "ان میں سے کسی چیز پر کچھ نہیں واجب" کیوں کہ ان کی نوعیت مچھلی جیسی ہے۔ مگر جہاں تک میرا تعلق ہے "میرا خیال یہ ہے کہ ان میں خمس لیا جائے گا اور باقی ۴/۵ حصہ اس کے لیے ہے جس نے اسے نکالا ہو (یہ رائے رکھنے کی) وجہ یہ ہے کہ اس باب میں ہم سے عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بیان کی گئی ہے اور اس پر عبداللہ ابن عباس نے عمر سے اتفاق رائے ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ ہم نے اس کا اتباع کیا ہے اور اس کے خلاف جانا مناسب نہیں سمجھا۔

۲۹۰۔

حسن بن عمارہ نے عمرو بن دینار سے، انہوں نے طاؤس سے اور انہوں نے عبداللہ بن

عباس سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یعلیٰ بن امیہ کو سمندر پر افسر مقرر کیا تو انہوں نے آپ سے ایک وہیل مچھلی کے بارے میں جسے ایک آدمی نے ساحل پر پایا تھا، لکھ کر دریافت کیا کہ اس میں کیا (واجب) ہے۔ (جواب میں) عمرؓ نے انھیں یہ لکھا کہ:

"یہ اللہ کے عطا کردہ اموال میں سے ایک مال ہے، اس میں اور سمندر میں سے اللہ جلّ شانہٗ جو کچھ بھی نکالے اس میں خمس واجب ہے۔"

(راوی نے) کہا، عبداللہ بن عباس نے فرمایا:

"اور یہی میری بھی رائے ہے۔"

فصل ۱۰

شہد اور خشک میووں، وغیرہ کے محاصل

۳۹۱۔

شہد اور اخروٹ، بادام اور اس قسم کی دوسری اشیاء کا حکم یہ ہے کہ شہد اگر عشری زمین میں پایا جائے تو اس میں عشر واجب ہے، اور اگر خراجی زمین میں پایا جائے تو کچھ نہیں۔ اسی طرح اگر میدانوں یا پہاڑوں میں، درختوں یا غاروں میں پایا جائے تو بھی اس میں کچھ نہیں واجب ہے۔ اس کا معاملہ ان پھلوں جیسا ہے جو پہاڑوں یا وادیوں میں پیدا ہوتے ہیں کہ ان پر نہ خراج عائد

۹۴ ہوتا ہے نہ عشر۔

۲۹۲۔

ہمارے ایک استاد نے عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی

ہے کہ انہوں نے کہا: طائف کے امیر نے عمر بن الخطاب کو لکھ بھیجا کہ شہد والے ہمیں وہ (مالیہ) نہیں ادا کر رہے ہیں جو یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کیا کرتے تھے، اور اس کے باوجود اُن کا مطالبہ یہ ہے کہ ہم ان کے لیے ان کی وادیوں کی حفاظت کا اہتمام کریں۔ آپ اس بارے میں مجھے اپنی رائے لکھ بھیجئے۔ اس پر عمر نے انھیں یہ لکھ بھیجا کہ:

"یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ ادا کیا کرتے تھے وہی اگر تم کو بھی ادا کریں تب تو تم ان کی وادیوں کی حفاظت کرو، اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ ادا کرتے تھے وہ تم کو نہ ادا کریں تو ان کیلئے حفاظت کا انتظام نہ کرو۔"

(راوی نے) کہا: یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر دس مشکیزہ میں سے ایک مشکیزہ ادا کرتے تھے۔

۲۹۳۔

یحییٰ بن سعید نے عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر نے شہد کے چھتوں کے بارے میں یہ لکھا کہ ہر دس مشکیزہ میں سے ایک مشکیزہ۔

۲۹۴۔

احوص بن حکیم نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے، "ہر دس رطل میں سے ایک رطل۔"

۲۹۵۔

عبداللہ بن المحرر نے زہری سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے مرفوعاً بیان کرتے تھے۔ مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"شہد میں عشر ہے۔"

۲۹۶۔

بادام، اخروٹ، چلغوزہ، پستہ، اور اس قسم کی دوسری چیزیں جب عشری زمین میں پیدا ہوں تو ان میں عشر واجب ہوگا، اور جب خراجی زمین میں پیدا ہوں تو خراج، کیوں کہ یہ اشیاء ناپی جاتی ہیں۔

۲۹۷۔

نرکل، (ایندھن کے طور پر کام آنے والی) لکڑی، گھاس، بھوسا، اور کھجور کی ٹہنیوں میں نہ عشر واجب ہے، نہ خمس، نہ خراج۔

۲۹۸۔

البتہ قصب الذریرہ[1] عشری زمین میں پیدا ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا۔ اور خراجی زمین میں پیدا ہو تو خراج واجب ہوگا۔

۲۹۹۔

گنا جب عشری زمین میں ہو تو اس میں عشر واجب ہوگا اور خراجی زمین میں ہو تو خراج، کیوں کہ یہ ایک پھل ہے جو کھایا جاتا ہے۔ قصب الذریرہ اگرچہ کھائی نہیں جاتی، لیکن یہ ایک مفید اور آمدنی دینے والی چیز ہے۔

۳۰۰۔

۸۵ اگر مٹی کے تیل، تارکول، پارہ، رال میں سے کسی چیز کا چشمہ زمین میں پایا جائے تو ہمارے علم کی حد تک ان میں کچھ نہیں واجب ہوتا۔ خواہ یہ عشری زمین میں پایا جائے یا خراجی زمین میں۔ ٭

---

[1] ایک خوشبودار لکڑی۔

نواں باب

نجران کا بندوبست

۳۰۱۔ امیرالمومنین کا سوال

امیرالمومنین! آپ نے نجران اور باشندگان نجران کی بابت دریافت فرمایا ہے کہ ان کے بارے میں کیا حکم نافذ کیا گیا، علاقۂ نجران کے بارے میں کیا پالیسی اختیار کی گئی، جو شرائط ان کے ساتھ طے کی گئی تھیں ان کے باوجود ان لوگوں کو وہاں سے کیسے نکال دیا گیا، اور یہ کہ اس کا سبب کیا تھا؟

۳۰۲۔ باشندگان نجران سے معاہدہ

واقعہ یوں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند شرائط پر جو آپ نے ان لوگوں سے اور ان لوگوں نے آپ سے طے کر لی تھیں، وہاں کے باشندوں کے لیے وہاں رہنے کا حق تسلیم کر لیا تھا، اور آپ نے اُن کو اس مضمون کی ایک تحریر لکھ کر دے دی تھی جس کی عبارت کا ذکر میں نے آپ کے لیے (ذیل میں) کیا ہے۔ آپ نے عمرو بن حزم کو ان کے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے پاس بھیجا تھا اور ان کے لیے ایک عہد نامہ تحریر کر دیا تھا۔

۳۰۳۔ عہدِ نبویؐ

چنانچہ محمد بن اسحاق نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمرو بن حزم کو نجران بھیجا تو ان کو یہ لکھ کر دیا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے امان ہے یاایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود۔[1] محمد نبی کی جانب سے ایک وصیت

[1] اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو معاہدوں کی پابندی کرو۔ (المائدہ:۱)

عمرو بن حزم کے لیے جب کہ اس نے ان کو یمن کی طرف روانہ کیا ہیں ان کو معاملہ میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہوں اور یہ کہ وہ (یہ) کریں اور (یہ) کریں۔ اور اموال غنیمت میں سے اللہ جل شانہٗ کا پانچواں حصہ لے لیا کریں، اور مسلمانوں پر پھلوں میں سے جو صدقہ دینا فرض کیا گیا ہے اس کی تحصیل عمل میں لائیں۔"

۳۰۴۔

اور ان لوگوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھے ہوئے (عہد) کا جو نسخہ ان کے پاس ہے وہ یہ ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ ہے وہ تحریر جو محمد نبی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام پھلوں، سونے،[1] چاندی اور غلاموں کے بارے میں اہل نجران کے لیے لکھی ––– اس وقت جب کہ اس کا فیصلہ اُن پر نافذ ہوا ––– یہ ساری چیزیں اُس نے ازرہِ عنایت ان ہی کے لیے چھوڑ دی ہیں اس شرط پر کہ وہ (سالانہ) کپڑوں کے دو ہزار جوڑے از قسم اوقیہ دیا کریں گے ہر سال ماہِ رجب میں ہزار جوڑے اور ماہِ صفر میں ہزار جوڑے، ہر جوڑا ایک اوقیہ چاندی (یا اس کی قیمت) کے مساوی ہوگا،[2] جو کپڑے اواقی کے حساب سے) خراج سے زیادہ ہوں گے یا
۰۶ مقدار اواقی سے کپڑوں کی قیمت جتنی کم ہوگی اس کا حساب ملحوظ رکھا جائے گا۔ الخ

[1] تیموری نسخہ میں ہے، ہر زرد وسپید پھل اور غلاموں کے بارے میں۔

[2] یہاں متن کی عبارت یہ ہے ۔ ۔ ۔ فی کل رجب الف حلۃ وفی کل صفر الف حلۃ مع کل حلۃ اوقیۃ من الفضۃ۔ جیسا کہ بلاذری: فتوح البلدان (طبع قاہرہ ۱۹۳۲ء) صفحہ ۷۰ سے معلوم ہوتا ہے، اس عبارت میں "مع" زائد ہے۔ فریخ مترجم خاگنان نے بھی (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰۸) اس لفظ کو زائد قرار دیا ہے۔ ہمارا ترجمہ اسی تصحیح کے مطابق ہے۔

(مترجم)

"یہ لوگ جو زرہیں یا گھوڑے یا اونٹ یا دوسرے سامان ادا کریں گے ان کو بھی (خراج کے) حساب میں شامل کر لیا جائے گا،" اور

"نجران کے سر میرے قاصدوں کا بار ہو گا اور اسے ان کو بیس دن یا اس سے کم مدت تک ضرورت کے سامان فراہم کرنا ہوں گے،" اور

"وہ میرے قاصدوں کو (جو تحصیل خراج کے لیے وہاں بھیجے جائیں) ایک ماہ سے زیادہ عرصہ وہاں نہیں روکا کریں گے،"

"جب بھی یمن میں کوئی شورش یا ناگہانی حادثہ[1] واقع ہو گا ان کو تیس زرہیں تیس گھوڑے اور تیس اونٹ بطور عاریت فراہم کرنے ہوں گے،" اور

"میرے قاصدوں کو یہ لوگ جو زرہیں، گھوڑے، اونٹ، یا سامان عاریۃً دیں گے ان میں سے جو چیزیں ضائع ہو جائیں، وہ میرے قاصدوں کے ذمہ واجب الادا ہوں گی، تاآں کہ یہ ان سامانوں کو ادا کر دیں۔"

"نجران اور اس کے ماتحت لوگوں کو اپنے اموال، جانوروں، زمینوں، اور مذہب کے سلسلے میں ــــــ حاضر اور غیر حاضر تمام افراد کو ان کے اہلِ خاندان[2] کو عبادت گاہوں کو ــــــ تھوڑی یا بہت جو چیزیں بھی ان کے قبضہ میں ہیں سب کے سلسلے میں اللہ کی نگہبانی اور محمد نبی اللہ کے رسول کی ذمہ داری حاصل ہو گی،" اور

"ان کے اُساقفہ میں سے کسی اس کی اُسقفیت حرک نہیں کرائی جائے گی نہ کسی راہب سے اس کی رہبانیت چھڑوائی جائے گی اور نہ کسی کاہن سے اس کی کہانت، اور ان پر کسی قسم کی ذلت[3] نہیں طاری کی جائے گی،" اور

"عہدِ جاہلیت میں کیے ہوئے کسی خون کی ذمہ داری ان کے سر نہ ہو گی،" اور

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے: "ناگہانی حادثہ کے طور پر پیش آ جانے والی شورش۔"

[2] تیموری نسخہ میں ہے "اہلِ خاندان" کی جگہ "عبادت" ہے۔

[3] تیموری نسخہ میں ہے: "اور ان پر کوئی اتہام نہیں"؛

"نہ ان کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ تنگی میں مبتلا کیا جائے گا، نہ ان کی سرزمین کو کوئی فوج پامال کرے گی،" اور

"ان میں سے جو لوگ (ہم سے) کسی کے حق کے طالب ہوں گے ان کے درمیان انصاف کیا جائے گا، بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کو زیادتی کرنے دی جائے یا کسی کو زیادتی کا نشانہ بننے دیا جائے،" اور

"جو صاحب ریاست بھی ربا کھائے گا اس سے میری ذمہ داری ساقط ہو جائے گی،" اور

"ان میں سے کسی فرد سے کسی دوسرے فرد کے کیے ہوئے ظلم کا مواخذہ نہ کیا جائے گا۔"

"جو کچھ اس تحریر میں (درج) ہے اسے اللہ کی پناہ اور محمد نبی، رسول اللہ کی ذمہ داری ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حاصل ہے، تاآنکہ اللہ کوئی (دوسرا) حکم دے ــــــ جب تک کہ یہ لوگ خیر خواہی برتیں، اور اپنی ذمہ داریوں کو ٹھیک طرح سے ادا کرتے رہیں اور کوئی ظلم و زیادتی کر کے بھاگ نکلنے کی کوشش نہ کریں۔"

اس پر گواہ ہیں: ابوسفیان بن حرب، اور غیلان بن عمرو، اور بنی نصر[1] سے تعلق رکھنے والے مالک بن عوف، اور مغیرہ بن شعبہ،

اور ان کے لیے یہ تحریر عبداللہ ابن ابوبکر نے لکھی ہے؛

۳۰۵۔ عہدِ صدیقی۔

(راوی نے) کہا: "پھر یہ لوگ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے لیے یہ تحریر فرمایا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ ہے وہ تحریر جو اللہ کے بندے ابوبکر، محمد نبی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ نے باشندگانِ نجران کے لیے سپردِ قلم کی ہے۔

---

[1] تیموری نسخہ میں "بنی نضر" ہے۔

"اس نے ان کو ان کی جانوں، زمینوں، مذہب، اموال، ماتحت لوگوں، ان کی عبادت، ان میں سے غیر حاضر لوگوں اور موجود افراد، ان کے اساقفہ، راہبوں، عبادت گاہوں اور ان کے قبضہ میں تھوڑا بہت جو کچھ بھی ہے، ان تمام کے سلسلہ میں اللہ کی امان اور محمد نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کی پناہ میں لے لیا ہے۔ انہیں نہ کوئی نقصان پہنچایا جائے گا نہ کسی تنگی میں مبتلا کیا جائے گا۔ کسی اسقف کو اس کی اسقفیت سے اور کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے نہیں ہٹایا جائے گا۔

(یہ عہد) ان تمام وعدوں کی تکمیل کے طور پر (کیا جا رہا ہے) جو محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے تحریر فرمائے ہیں۔

"اس صحیفہ میں جو کچھ درج ہے اس کو اللہ کی پناہ اور محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری ہمیشہ ہمیش حاصل رہے گی، اور

"ان کے سر یہ ذمہ داری ہے کہ خیر خواہی برتیں اور ان کے اوپر جو حقوق لازم آتے ہیں ان کے باب میں بہتر رویہ اختیار کریں۔"

گواہی دی: مستورد بن عمرو نے، جو بنی القین کا ایک فرد ہے، اور عمرو (ابوبکر کے ایک آزاد کردہ غلام) نے، اور راشد بن حذیفہ نے، اور مغیرہ نے اور اس نے اسے لکھا بھی ہے۔

۳۰۶۔ عہدِ فاروقی۔

پھر جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو یہ لوگ ان کے پاس آئے۔ عمر نے ان لوگوں کو نجران یمن سے جلا وطن کر کے نجرانِ عراق میں بسا دیا تھا، کیوں کہ آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ آپ نے ان کے لیے یہ تحریر فرمایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ ہے وہ تحریر جو مومنین کے امیر عمر نے باشندگانِ نجران کے لیے لکھی ہے۔

"ان میں سے جو لوگ بھی (نجران یمن سے) روانہ ہو رہے ہیں، ان کو اللہ کی امان حاصل ہے، مسلمانوں میں سے کوئی بھی انھیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔

"یہ اس (عہد نامہ) کے ایفاء کے طور پر (لکھا گیا) ہے جو محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے تحریر فرمایا تھا۔

"[امّا بعد!] یہ لوگ شام اور عراق کے جس امیر کے پاس سے بھی گذریں اُسے چاہیے کہ زمین کی کھیتی کرنے میں ان کی مدد کرے اور یہ لوگ جو کچھ (زمینیں) خود کاشت کرلیں وہ ان کے لیے راہِ خدا میں صدقہ، اور ان زمینوں کا بدل ہیں جنھیں یہ چھوڑ کر آ رہے ہیں۔ کسی کو اس بارے میں ان پر اعتراض کا کوئی حق نہیں، نہ ان سے کسی طرح کا تاوان لیا جا سکتا ہے۔

"[امّا بعد!] جو مسلمان فرد ان کے یہاں آئے اُسے ان پر ظلم کرنے والوں کے خلاف ان کی مدد کرنی چاہیے کیوں کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنھیں ذمہ حاصل ہے اور "ان کے سر جو جزیہ ہے وہ اِن کے آنے کے بعد سے چوبیس (۲۴) مہینوں تک کے لیے معاف کیا جاتا ہے، اور

"اور ان پر کوئی بار نہ ڈالا جائے، اِلّا یہ کہ کوئی ان کے ساتھ بھلائی کر دے، ان پر نہ کوئی زیادتی کی جائے نہ ان کو کسی دست درازی کا ہدف بنایا جائے۔"

"اس پر گواہ ہیں: عثمان بن عفان، اور معیقیب، اور انھوں نے اسے لکھا بھی ہے!

۳۰۷۔ عہدِ عثمانی۔

پھر جب عمر رضی اللہ عنہ وفات پا گئے اور عثمان خلیفہ ہوئے تو یہ لوگ ان کے پاس مدینہ حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے لیے ولید بن عقبہ کو، جو آپ کے عامل تھے، یہ تحریر فرمایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے بندے، مومنین کے امیر، عثمان کی جانب سے ولید بن عقبہ کو۔

"سلام اللہ علیک! میں اس خدا کی حمد بجا لاتا ہوں جس کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں۔

"[امّا بعد!] عراق میں نجران کے جو باشندے ہیں ان کے اسقف، عاقب اور سردار لوگوں نے میرے پاس آکر مجھ سے شکایت کی ہے، اور مجھے وہ شرط دکھائی ہے جو عمر نے ان کے ساتھ طے کی تھی۔ مجھے معلوم ہوا کہ مسلمانوں سے ان لوگوں کو کیا نقصانات پہنچے ہیں۔

"میں نے ان کے جزیہ میں سے تیس جوڑوں کی تخفیف کر دی ہے، انھیں میں نے اللہ جل ثناءہ کی راہ میں بخش دیا ہے، اور

"میں نے ہر وہ زمین ان کو دے دی جو عمر نے ان کو ان کی یمنی زمین کے عوض صدقہ کی تھی۔

"اب تم ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی ہدایت حاصل کرو، دیکھو کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنھیں ذمہ حاصل ہے، اور میرے اور ان کے تعلقات بھی اچھے رہے ہیں۔

"عمر نے ان کے لیے جو صحیفہ تحریر کیا تھا اس کو غور سے دیکھ لو اور اس میں جو کچھ درج ہے وہ ان کے ساتھ پورا کرو۔ جب تم ان کا صحیفہ پڑھ لو تو اسے انھیں واپس دے دینا۔

والسلام"

اس تحریر کو حمران بن ابان نے نصف شعبان ۳۷ھ میں سپرد قلم کیا۔

۳۰۸۔ عہدِ علوی

پھر جب علی رضوان اللہ علیہ خلیفہ ہوئے اور عراق تشریف لائے تو یہ لوگ ان کے پاس حاضر ہوئے۔

چنانچہ اعمش نے سالم بن ابی الجعد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: نجران کا اسقف علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس کے ساتھ

ایک لال چمڑے (کی تھیلی) کے اندر ایک تحریر تھی۔ اس نے کہا:

"امیر المومنین! میں آپ سے آپ کے ہاتھ کی تحریر اور زبان کی سفارش طلب کرتا ہوں — اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ ہمیں ہمارے (سابق) علاقہ میں واپس کر دیجیے۔"

(راوی نے) کہا: اس پر علی رضی اللہ عنہ نے ان کو واپس بھیجنے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

"تیرا برا ہو! عمر کے فیصلے بہت موزوں ہوتے تھے۔"

۳۰۹۔ جلاوطنی کا سبب

(راوی) کہتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اس لیے جلاوطن کر دیا تھا کہ آپ کو مسلمانوں کے سلسلہ میں ان لوگوں کی طرف سے اندیشہ لاحق ہو گیا تھا۔ انہوں نے اپنے ملک میں گھوڑے اور ہتھیار مہیا کرنے شروع کر دیے تھے چنانچہ آپ نے ان کو نجران یمن سے نکال کر نجران عراق میں بسا دیا۔

(راوی نے) کہا: یہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ علی کو اگر عمر کی پالیسی کی مخالف پالیسی اختیار کرنی مقصود ہوگی تو وہ ان کو (ان کے سابق علاقہ یعنی نجران یمن میں) واپس بھیج دیں گے۔

۳۱۰

پھر علی رضی اللہ نے ان کے لیے یہ تحریر فرما دیا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ اللہ کے بندے مومنین کے امیر علی بن ابی طالب کی جانب سے نجرانی لوگوں کے لیے ایک تحریر ہے۔

"تم لوگ میرے پاس اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریر لے کر آئے ہو جس میں تمھارے لیے تمھاری جانوں اور اموال کے سلسلہ میں شرط لکھی ہے۔ ۸۹

تمھارے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر اور عمر نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ میں نے پورا کر دیا، لہٰذا

"اب جو مسلمان بھی ان کے یہاں جائے اُسے ان وعدوں کو پورا کرنا چاہیے (جو ان کے ساتھ کئے گئے ہیں) نہ ان کو دبایا جائے نہ ان کے ساتھ ظلم کیا جائے نہ ان کے حقوق میں سے کسی حق میں کوئی کمی کی جائے۔"

'(اس دستاویز کو) عبداللہ بن رافع نے لکھا۔ لکھتے وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں داخل ہونے کے بعد سینتیسویں (۳۷ ویں) سال کے ماہ جمادی الآخرۃ کے دس دن گذر چکے تھے۔

۳۱۱۔ موجودہ محاصل۔

ان کی زمین اور ان کی ذات کے جزیہ کے سلسلہ میں صرف جوڑوں کی یہی مقررہ تعداد واجب ہے۔ اس تعداد کو ان تمام مردوں کے اوپر جو اسلام نہیں لائے ہیں اور نجران کی زمینوں میں سے ہر زمین پر تقسیم کر دیا جائے گا، خواہ ان میں سے بعض افراد نے اپنی زمین یا اس کا کچھ حصہ کسی مسلمان یا ذمی یا تغلبی کے ہاتھ فروخت کر دیا ہو۔

جہاں تک ان کی زمینوں کا تعلق ہے (اس کے مالیہ کے سلسلہ میں) عورت اور بچہ سب کی حیثیت یکساں ہے (اور سب اس کے دین دار ہوں گے)، البتہ جزیہ ذات کے سلسلہ میں عورتوں اور بچوں پر کچھ نہیں واجب ہے۔

۳۱۲۔

اب اس زمانہ میں آج کے نجران والوں پر میزبانی یا قاصدوں اور والی کو اشیاء ضرورت کی فراہمی کی ذمہ داری نہیں یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے لیے تھا جب یہ لوگ نجران یمن میں رہتے تھے۔ اب یہ ذمہ داریاں باقی نہیں رہیں۔

۳۱۳۔

اگر کوئی نجرانی خراجی زمینوں میں سے کوئی زمین خریدے تو اس زمین کا خراج اس کے ذمہ ہوگا۔ یہ خراج اُس خراج کے مطالبہ کو ساقط نہ کرے گا جو اس آدمی پر نجرانی زمین کے سلسلہ میں عاید ہے۔ اسی طرح ان جوڑوں کا مطالبہ بھی ساقط نہ ہوگا جو اس پر اس کی ذات کے جزیہ اور زمین کے سلسلہ میں — بشرطیکہ اس کے پاس خاص نجران میں کوئی زمین رہی ہو — واجب ہیں، کیوں کہ جوڑے تو ان لوگوں پر خاص سرزمین نجران کے سلسلہ میں ان کی ذات کے جزیہ کے طور پر واجب ہیں۔

۳۱۴۔

چاہیے کہ ان کے ساتھ نرمی برتی جائے، حسن سلوک کیا جائے، ان کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں لی گئی ہیں وہ پوری طرح ادا کی جائیں، اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔ نہ ان پر ظلم کیا جائے اور نہ ان کو تنگی میں مبتلا کیا جائے۔ نہ ان کو کوئی نقصان پہنچایا جائے

———— نہ ان پر کوئی بوجھ یا ہنگامی بار ڈالا جائے۔ ان سے مالیہ وصول کرنے کے لیے کسی فرد کو خود ان کے پاس بھیجنا چاہیے۔

۳۱۵۔

ان کی عورتوں اور بچوں پر ان کی ذات کے سلسلہ میں کوئی جزیہ کپڑوں کے جوڑوں کی شکل میں یا اور کسی شکل میں نہیں لازم آتا۔

۳۱۶۔

حسن بن عمارہ نے محمد بن عبید اللہ[1] سے، انہوں نے عبد الرحمٰن بن سابط سے اور انہوں نے یعلیٰ بن امیہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے:

"جب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے سرزمین نجران کے — یعنی اس نجران کے جو یمن کے قریب واقع ہے — خراج کی تحصیل پر مامور کر کے بھیجا تو میرے پاس یہ لکھا کہ:

"پھر اس زمین کا جائزہ لو جس کے مالک اسے چھوڑ کر چلے گئے ہوں، پھر ان ۵۰

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے: 'عبداللہ سے'

میدانی علاقوں کا جن کو آسمان سیراب کرتا ہے یا جن کو بہنے والے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ ایسی زمینوں میں جو کھجور کے درخت یا اور درخت ہوں ان لوگوں کے حوالہ کر دو، وہ اس کی دیکھ بھال اور سینچائی کریں گے اور اللہ اس میں جو کچھ بھی پیدا کرے گا اُس میں سے عمر اور مسلمانوں کا حصّہ دو تہائی ہو گا اور ان کے لیے ایک تہائی، اور

"ان میں سے جس زمین کی سینچائی بڑے ڈول کے ذریعہ کی جاتی ہو اس (کی پیداوار) میں دو تہائی ان کے لیے ہو گا اور ایک تہائی عمر اور مسلمانوں کے لیے

میدانی علاقوں کو ان کے حوالے کر دو کہ یہ اس میں کھیتی کریں۔ جو علاقے بہتے ہوئے پانی سے سینچے جائیں یا جن کو آسمان سیراب کرے ان (کی پیداوار) میں ایک تہائی ان کے لیے ہو گا اور دو تہائی عمر اور مسلمانوں کے لیے، اور

جو میدانی زمین بڑے ڈول کے ذریعہ سینچی جاتی ہو اس (کی پیداوار) میں ان کے لیے دو تہائی ہو گا اور عمر اور مسلمانوں کے لیے ایک تہائی۔" ؎

دسواں باب

صدقات

فصل ۱

مویشیوں کی زکوٰۃ

۳۱۷۔ امیر المومنین کا سوال

امیر المومنین! آپ نے اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ بکری اور گھوڑوں میں واجب ہونے والے صدقہ کی بابت دریافت فرمایا ہے، اور معلوم کیا ہے کہ جن لوگوں پر ان میں سے مختلف قسم کے جانوروں کا صدقہ واجب ہو ان سے صدقہ کی وصولی کن قاعدوں کے مطابق عمل میں لائی جائے۔

۳۱۸۔

امیر المومنین! آپ صدقات کی تحصیل و تقسیم کے ذمہ دار افسران کو یہ حکم دیجیے کہ جن لوگوں پر یہ صدقات واجب ہوں ان سے حق کے مطابق وصول کر کے اسے ان لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا کریں جن کا یہ حق ہے۔ اس باب میں اُس طریقہ پر عمل کیا جائے گا جس کی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرما دی ہے، اور جسے آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے اختیار کیا۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص بھی کوئی اچھی راہ نکالتا ہے اس کو اس طریقہ کے خود اختیار کرنے کا ثواب بھی ملتا ہے اور جو دوسرے لوگ اس طریقہ کو اختیار کرتے ہیں، ان کے اجر کے برابر مزید ثواب بھی ملتا ہے، اور اس سے خود ان (دوسرے) لوگوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں واقع ہوتی۔ یہ بات ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے بتائی گئی ہے۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں

کہ آپ کو ان لوگوں کی صف میں شامل رکھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کا اتباع کرتے ہیں اور آپ کے طریقہ (پر چلنے) پر راضی رہتے ہیں، اور جنہیں وہ بہت زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے۔ اللہ آپ کی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں آپ کی مدد فرمائے اور جن امور کی نگرانی و سرپرستی آپ کے سپرد کی ہے اُن کا تحفظ فرمائے۔

۳۱۹۔ مویشی کی زکوٰۃ۔

مختلف اصناف (مال) پر جو صدقات واجب کیے گئے ہیں ان کی جو تفصیل ہم تک پہنچی ہے وہ ہم نے ذیل میں بیان کر دی ہے۔ میں نے اپنے فقہا کو بھی اسی (تفصیل) کے حق میں پایا ہے اور یہ ہمارے درمیان متفق علیہ ہے۔ اس باب میں ہم نے جو سب سے عمدہ چیز کہی ہے وہ بھی یہی ہے۔

ایک حدیث جو بروایت زہری' بروایت سالم' بروایتِ ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے سلسلہ میں ایک تحریر قلم بند فرمائی اور اسے اپنی تلوار کے ساتھ رکھ دیا۔ یا (راوی نے) یہ کہا کہ اپنی وصیت کے ساتھ رکھ دیا؛ اپنی وفات تک آپ نے یہ تحریر نہیں نکالی۔ ۹۱
پھر ابوبکر نے اپنی زندگی بھر اسی پر عمل کیا، اور آپ کے بعد عمر نے اسی کے مطابق عمل کیا۔

(راوی) کہتا ہے: اس میں یہ لکھا تھا کہ:

"ایک سو بیس (کی تعداد) تک ہر چالیس بکری میں سے ایک بکری (واجب ہے)؛ تعداد اس سے زیادہ ہو تو دو سو تک پر دو بکریاں' اور اس سے زیادہ ہوں تو تین سو تک پر تین بکریاں' اس سے بھی زیادہ ہوں تو ہر سو بکری میں سے ایک بکری۔ زائد کی تعداد جب تک سو نہ ہو اس میں کچھ نہیں واجب ہے۔

"اور پانچ اونٹوں پر ایک بکری — دس پر دو بکریاں — پندرہ پر تین بکریاں، بیس پر چار بکریاں؛

پچیس سے پینتیس تک کی تعداد پر ایسی اونٹنی جو عمر کے دوسرے سال میں ہو، اونٹوں کی تعداد پینتیس سے زیادہ ہو تو پینتالیس تک پر ایسی اونٹنی جو عمر کے تیسرے

سال میں ہو، اس سے زیادہ پر ساٹھ اونٹوں تک ایسی اونٹنی جو عمر کے چوتھے سال میں ہو، اس سے زیادہ پر پچھتر تک میں ایسی اونٹنی جو عمر کے پانچویں سال میں ہو، اس سے زیادہ پر نوّے تک میں دو ایسی اونٹنیاں جو عمر کے چوتھے سال میں ہوں؛ اور تعداد ایک سو بیس[۱] سے زیادہ ہو تو ہر پچاس پر ایک ایسی اونٹنی جو عمر کے چوتھے سال میں ہو اور ہر چالیس[۲] پر ایک ایسی اونٹنی جو عمر کے تیسرے سال میں ہو۔

"صدقہ وصول کرنے میں حساب لگاتے وقت نہ تو مختلف گلّوں کو یکجا کیا جائے گا نہ ایک گلّہ[۳] کو مختلف گلّوں میں تقسیم کیا جائے گا، اور

"جو گلّہ دو شریکوں کی ملکیت ہو اس کے صدقہ کا بار دونوں شریک برابر برداشت کریں گے۔"

۳۲۰۔

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہم تک یہ روایت پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

"جب اونٹوں کی تعداد ایک سو بیس[۱] سے آگے بڑھ جاتی ہے تو اس زائد کی زکوٰۃ اسی حساب سے لگائی جائے گی جیسے ابتدا میں (یعنی ایک سے ایک سو بیس تک) لگائی گئی تھی۔"

یہی ابراہیم نخعی کا بھی قول ہے اور اسی رائے کو ابو حنیفہ نے بھی اختیار کیا ہے۔
جب اونٹوں کی تعداد (بہت) زیادہ ہو تو ہر پچاس اونٹوں پر ایک ایسی اونٹنی لی جائے گی جو عمر کے چوتھے سال میں ہو۔

اسی طرح بھیڑ بکریاں جب زیادہ ہوں تو ہر سو بکری میں سے ایک بکری واجب ہے۔ چرنے والی[له] گایوں میں تیس سے کم تعداد پر کچھ نہیں واجب ہے۔ ان کی تعداد تیس سے زیادہ ہو تو انتالیس[۳۹]

له چرنے والے (سائمہ) مویشی وہ ہیں جن کی خوراک کا بطور خاص اہتمام نہ کرنا پڑے اور چارہ وغیرہ نہ فراہم کرنا پڑے بلکہ وہ میدان میں گھاس چر کر اپنی خوراک حاصل کریں۔

تک پر سال بھر سے زائد عمر کا ایک بچھڑا واجب ہے، تعداد چالیس ہو تو ایک بڑی عمر کی گائے، اور تعداد اس سے بھی زیادہ ہو تو ہر تیس پر ایک سال بھر سے زیادہ عمر کا بچھڑا اور چالیس پر ایک بڑی عمر کی گائے واجب ہے۔

۳۲۱۔

اعمش نے ابراہیم سے اور انھوں نے مسروق سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو یمن بھیجا تو انھیں یہ حکم دیا کہ ہر تیس گایوں پر ایک یک سالہ زیادہ بچھڑا اور ہر چالیس پر ایک بڑی عمر کی گائے وصول کریں۔

۳۲۲۔

اسی مضمون کی ایک روایت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں بھی ہم تک پہنچی ہے

۳۲۳۔ گھوڑے کی زکوٰۃ۔

گھوڑے کے بارے میں میں نے اپنے اساتذہ کو مختلف الرائے پایا۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: "چرنے والے گھوڑوں پر صدقہ واجب ہے، ہر گھوڑے پر ایک دینار"۔ یہی بات ہم
۹۲ سے بروایت حماد[1] بروایت ابراہیم بھی روایت کی گئی ہے۔

تقریباً یہی بات علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بھی ہم تک پہنچائی گئی ہے۔

۳۲۴۔

علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک دوسری حدیث بھی ہم تک پہنچی ہے جو آپ سے مروی اس سے پہلے اثر کے خلاف جاتی ہے۔ اس دوسری حدیث کو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک رفع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا ہے۔

"میں نے اپنی امت کی خاطر گھوڑوں اور غلام (کی زکوٰۃ) کو معاف کر دیا ہے"۔

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے "ہم سے حماد نے بروایت ابراہیم بھی بیان کی ہے"۔

۳۲۵۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ بیان کیا گیا ہے، اور اسے معروف افراد نے ہم تک پہنچایا ہے، کہ آپ نے فرمایا ہے:

"میں نے اپنی امت کے لیے گھوڑوں اور غلاموں (کی زکوٰۃ) کو بخش دیا ہے"۔

۳۲۶۔

وہ حدیث بھی اسی سلسلہ کی ہے جو ہم سے سفیان بن عیینہ نے ابو اسحاق سے انہوں نے حارث سے حارث نے علی رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

"میں نے تمھارے لیے گھوڑے اور غلام کے صدقہ سے درگزر کیا ہے"۔

۳۲۷۔

محنت کرنے والے اونٹوں اور بیلوں میں صدقہ نہیں واجب ہوتا۔ معاذ نے ان پر کچھ نہیں وصول کیا تھا، اور یہی حضرت علی کی رائے بھی ہے۔

۳۲۸۔

بھینس اور لمبی گردن والے مضبوط نر اونٹ بھی عام اونٹوں اور گائے بیل کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان وہی فرق ہے جو کہ شاۃ کے اندر بکریوں اور بھیڑوں میں ہوتا ہے۔

۳۲۹۔ زکوٰۃ میں کیسے جانور لیے جائیں گے۔

رہا یہ سوال کہ بھیڑ بکریوں میں سے صدقہ میں کس قسم کی راسیں لی جائیں گی، تو (اس کا جواب یہ ہے کہ) وہی راسیں لی جائیں گی جن کے اگلے چار دانت نکل آئے ہوں، یا جو اس سے بھی بڑی ہوں۔ بوڑھی، اندھی اور کانی راسیں، یا ایسی جن کی ایک آنکھ بہت خراب ہو صدقہ میں نہیں لی جائیں گی۔ نیز بھیڑ یا بکرا، یا ایسی بھیڑ یا بکری جو بچہ جننے والی ہو۔ گابھن ہو، یا جسے (دودھ کی خاطر) گھر میں پال رکھا گیا ہو یا جسے ان مویشیوں کے مالک نے خود کھانے کی غرض سے کھلا کھلا کر موٹا کیا

ہو اور ایسی بھیڑ یا بکری جو ابھی عمر کے دوسرے سال میں ہو یا اس سے بھی کم عمر کی ہو نہیں لی جائے گی۔ جو راسیں سال بھر سے زیادہ عمر کی ہوں، اور مذکورہ بالا چار قسموں میں نہ شامل ہوں انھیں محصل صدقہ قبول کر لیا کرے گا۔

محصل صدقہ کو چن چن کر عمدہ راسیں لینے کا حق نہیں۔ نہ وہ سب سے گھٹیا یا اوسط سے گری ہوئی راسیں لے گا، بلکہ سنّت کے مطابق، اور اس سلسلہ میں جو آثار منقول ہیں ان کی روشنی میں، اُسے چاہیے کہ اوسط قسم کی راسیں لے۔

۳۳۰۔

محصل صدقہ کو ایک علاقہ سے وصول کردہ بھیڑ بکری دوسرے علاقہ میں نہیں لے جانا چاہیے (بلکہ اُسی علاقہ کے مستحقین میں تقسیم کر دینا چاہیے)

۳۳۱۔ سال پورا ہونے کی شرط۔

اونٹوں، گایوں، اور بھیڑ بکریوں میں سے صدقہ اُسی وقت وصول کیا جائے گا جب کہ ان پر پورا ایک سال گذر جائے، جب سال پورا ہو جائے تو اس میں سے (صدقہ) وصول کیا جائے گا۔

۳۳۲۔

مویشیوں کو شمار کرنے میں چھوٹی اور بڑی راسوں، اور بھیڑ اور بکری کے بچوں سب کو شامل
۹۲ کیا جائے گا۔ خواہ (وہ اتنا چھوٹا ہو کہ) چرواہا اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر لائے، بشرطیکہ یہ بچہ سال پورا ہونے سے قبل پیدا ہو چکا ہو۔ جو بچے سال پورا ہونے کے بعد پیدا ہوئے ہوں ان کو اس سال کے شمار میں نہیں بلکہ آئندہ سال کے شمار میں شامل کیا جائے گا، بشرطیکہ یہ اس سال کے پورا ہونے تک باقی رہیں۔

صدقہ (کا حساب لگانے) میں بھیڑوں اور بکریوں کی حیثیت یکساں ہے

۳۳۳۔ نصاب مکمل ہونے کی تشریح

اگر مالک کے پاس بچے اور بڑی راسیں ملا کر کل چالیس راسیں ہوں اور اُن پر پورا سال

ئه تیموری نسخہ میں ہے، کندھے پر،

گذر چکا ہو تو ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ ان میں سے کچھ بھی نہیں واجب ہے۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ محصل صدقہ کو ان میں سے ایک راس لے لینی چاہیے۔

بچھڑوں اور اونٹ کے یک سالہ بچوں کے سلسلہ میں بھی جو دودھ چھوڑ چکے ہوں ابو حنیفہ اور مصنف دونوں کی رائے میں یہی فرق ہے۔ اللہ ان دونوں پر رحم فرمائے۔

اگر مالک کے پاس پختہ عمر کو پہنچی ہوئی بھیڑ یا بکری ایک ہو اور اس کے علاوہ چھوٹی بڑی سب راسیں ملا کر انتالیس ۳۹ ہوں، اور ان پر پورا سال گذر جائے تو ان میں سے ایک پختہ عمر والی بھیڑ یا بکری واجب ہوگی۔ ابو حنیفہ نے بھی یہی کہا ہے کہ اگر گلہ میں ایک پختہ عمر والی راس ہو جو صدقہ میں لی جاتی ہو تو اس گلہ میں سے صدقہ واجب ہو جائے گا۔

اسی اصول کا اطلاق اونٹوں اور گائے بیلوں پر بھی ہوگا۔

۳۳۴۔ تخفیف کا طریقہ

اگر یہ پوری عمر والی بھیڑ یا بکری سال پورا ہونے کے بعد مر جائے تو ابو حنیفہ کے قول کی رو سے مویشیوں کے اس گلہ میں کچھ نہیں واجب ہوگا۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ اس ناقص گلہ پر پورے گلہ کی زکوٰۃ کا $\frac{39}{40}$ حصہ واجب ہوگا۔

اگر سال پورا ہونے پر گلہ کے مالک کے پاس چالیس ۴۰ گائیں ہوں، لیکن محصل زکوٰۃ کے آنے سے قبل ان میں سے بیس ۲۰ مر جائیں تو بقیہ گایوں میں سے پوری عمر کی ایک راس کا نصف واجب ہوگا۔ اگر اس سے کم گائیں مری ہوں تو زکوٰۃ بھی اسی حساب سے کم کی جائے گی۔ — چالیس میں سے ایک تہائی گائیں مر جائیں تو بڑی راس کا $\frac{2}{3}$ واجب رہ جائے گا، اور چوتھائی مر گئی ہوں تو ایک پوری عمر کی راس کا $\frac{3}{4}$ واجب ہوگا۔

پوری عمر کی راس کا جتنا بھی حصہ واجب ہو اسے محصل صدقہ ایک پورے بچھڑے کے برابر نہیں قرار دے سکتا۔

مذکورہ بالا اصول کا اطلاق اونٹوں پر بھی ہوگا۔ اگر مالک کے پاس پچیس اونٹ ہوں اور

سال پورا ہو جائے تو اونٹ کا ایک ایسا بچہ واجب ہوگا جو عمر کے دوسرے سال میں ہو۔ اب اگر ایک اونٹ کے سوا یہ سارے اونٹ مر جائیں تو اس ایک میں سے سال بھر سے زیادہ عمر کے بچہ کا $\frac{1}{25}$ واجب ہوگا۔ اگر بیس مر گئے ہوں اور پانچ بچ رہے ہوں تو اُس وقت ان اونٹوں کے مالک سے کچھ بھی نہیں وصول کیا جائے گا بلکہ ان اونٹوں میں محصّل صدقہ کا $\frac{1}{5}$ بچہ اونٹ باقی سمجھا جائے گا۔

مالک کے پاس پچاس گائیں ہوں اور اس میں پوری عمر کی راس صرف ایک ہو تو تیس سے زیادہ پر چالیس تک صرف ایک ایسا بچھڑا واجب ہوتا ہے جو عمر کے پہلے سال میں ہو۔ جب تعداد چالیس ہو جائے تو اس میں ایک پوری عمر کی گائے واجب ہوتی ہے اور چالیس سے زائد پر، جب تک کہ تعداد ساٹھ نہ ہو جائے، وہی ایک پوری عمر کی گائے واجب ہے۔ تعداد ساٹھ ہو جانے پر دو بچھڑے واجب ہوں گے اور جب تعداد ستر ہو جائے تو پوری عمر کی ایک گائے اور ایک بچھڑا واجب ہوگا۔ جب گایوں کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہو تو ہر چالیس پر ایک پوری عمر کی گائے اور ہر تیس پر ایک نر بچھڑا جو عمر کے پہلے سال میں ہو یا ایک گائے جو عمر کے دوسرے 94
سال میں ہو واجب ہے۔

مالک کے پاس سال پورا ہونے پر پچاس گائیں رہی ہوں اور اس کے بعد ان میں سے دس مر جائیں تو ان گایوں میں سے حسب سابق، پوری عمر کی ایک گائے واجب ہوگی، کیوں کہ اتنی تعداد باقی رہ گئی ہے جس پر کہ ایک پوری عمر کی گائے واجب ہوتی ہے۔ لیکن اگر بیس گائیں ہلاک ہو گئیں ہوں تو بقیہ میں ایک پوری عمر کی گائے کا $\frac{3}{4}$ واجب ہوگا، کیوں کہ جتنی گایوں میں ایک پوری عمر کی گائے واجب ہوتی ہے، یعنی چالیس۔ اس میں سے $\frac{3}{4}$ باقی رہیں، لہٰذا پوری عمر کی ایک راس کا $\frac{1}{4}$ ساقط ہو جائے گا۔

اگر سال پورا ہونے پر مالک کے پاس پچاسی اونٹ ہوں تو اس پر ان اونٹوں میں سے ایک ایسی اونٹنی واجب ہے جو عمر کے چوتھے سال میں ہو۔ اب اگر ان اونٹوں میں سے تین یا چار محصّل صدقہ کے آنے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں اور چھیالیس ۴۶ اونٹ بچ رہتے ہیں تو بھی محصّل

صدقہ ان میں سے ایک ایسی اونٹنی لے گا جو عمر کے چوتھے سال میں ہو لہٰذا مر جانے والے اونٹوں کا حساب پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ لیکن اگر بچ رہنے والے اونٹوں کی تعداد چھیالیس سے کم ہو تو ایک چوتھے سال والی اونٹنی کو چھیالیس حصّوں میں تقسیم کر کے یہ حساب لگایا جائے گا کہ جتنے اونٹ زندہ بچے ہیں ان کا حصّہ ان حصّوں میں سے کتنا ہوتا ہے اور اسی حساب سے مالک پر ان اونٹوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی (یعنی باقی ماندہ اونٹوں کی تعداد ضرب $\frac{1}{46}$ اونٹنی)

اسی اصول کا اطلاق بھیڑوں اور بکریوں پر بھی ہوگا۔ مالک کے پاس ایک سو بیس راسیں ہوں تو ان میں سے ایک راس واجب ہوگی کیوں کہ بھیڑ بکریوں کی تعداد جب تک چالیس نہ ہو ان میں کچھ نہیں واجب ہوتا اور چالیس ۴۰ ہو جانے کے بعد ایک سو بیس ۱۲۰ کی تعداد تک ایک ہی بھیڑ یا بکری واجب ہوتی ہے۔ اب اگر ان ایک سو بیس ۱۲۰ میں سے بیس، یا چالیس ۴۰، یا اَسّی راسیں ہلاک ہو جاتی ہیں تو بھی باقی چالیس میں ایک راس واجب ہوگی کیوں کہ اتنی تعداد باقی بچ گئی ہے جس پر صدقہ واجب ہے۔ لیکن اگر ان میں سے سَتّر مر جائیں اور بیس ۲۰ بچ رہیں تو ان میں صرف $\frac{1}{2}$ راس واجب ہوگی ــــ یعنی چالیس پر جو واجب ہوتا ہے اس کا نصف۔ تخفیف میں اس تعداد کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے گا جو چالیس سے زیادہ رہی ہو بلکہ اُس کمی کے حساب سے تخفیف کی جائے گی جو چالیس کی تعداد میں واقع ہوئی ہو۔

اگر سال پورا ہونے پر ایک سو اکیس ۱۲۱ راسیں ہوں تو ان میں سے دو راسیں واجب ہوں گی۔ اب اگر محصّل صدقہ کے آنے سے پہلے ان میں سے کچھ راسیں ہلاک ہو جاتی ہیں تو اسی حساب سے (صدقہ میں) تخفیف کر دی جائے گی۔ $\frac{1}{2}$ تعداد ہلاک ہو جاتی ہے تو دو راسوں کا $\frac{1}{2}$ (یعنی $\frac{1}{2}$ راس) ساقط ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر $\frac{1}{5}$ تعداد ہلاک ہو جاتی ہے (تو دو راسوں کا $\frac{1}{5}$ یعنی $\frac{2}{5}$ راس ساقط ہو جائے گی) اگر ان (ایک سو اکیس ۱۲۱) میں سے صرف دو ۲ بکریاں یا بھیڑیں ہلاک ہوتی ہیں تو مالک پر دو ۲ راسوں کے ایک سو اکیس ۱۲۱ حصّوں میں سے ایک سو انیس ۱۱۹ حصے (یعنی $\frac{119 \times 2}{121}$ راسیں واجب ہیں۔

اسی اصولِ (تخفیف) کا اطلاق اس قسم کی (کمی واقع ہو جانے کی) ان تمام شکلوں پر ہوگا

جو اونٹوں، گائے، بیل یا بھیڑ بکری کے سلسلہ میں پیدا ہوں۔ واللہ اعلم۔

فصل ۲

تحصیل صدقات کا طریقہ

۳۳۵۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے گریز ۹۵

اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھنے والے کسی فرد کے لیے زکوٰۃ کی ادائیگی سے گریز جائز نہیں یہ بھی جائز نہیں کہ قابل زکوٰۃ مال کو اپنی ملکیت سے نکال کر دوسروں کی ملکیت بنا دے تاکہ وہ متفرق ہو جائے اور ہر ایک فرد کے پاس اونٹوں، گایوں اور بھیڑ بکریوں کی ایسی تعداد جمع ہو جائے جن پر صدقہ نہیں واجب ہوتا اور اس طرح اس مال پر سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے۔ کسی طریقہ سے اور کوئی وجہ پیدا کر کے بھی کسی مال کی زکوٰۃ کو ساقط کرنے کی ترکیب نہیں کرنا چاہیے۔

۳۳۶۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار

ہمیں عبداللہ ابن مسعود کے بارے میں یہ معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے:۔

"زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کرنے والا مسلمان نہیں ہے اور جو اسے نہ ادا کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔" اور،

۳۳۷۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب لوگوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے فرمایا،

"اگر ان لوگوں نے اس زکوٰۃ میں سے جو یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرتے تھے مجھے اونٹ کے پاؤں میں باندھی جانے والی ایک رسی بھی دینے سے انکار کیا تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔"

آپ نے یہ رائے قائم کی تھی کہ ان لوگوں سے جنگ کرنا آپ کے لیے بالکل جائز ہے۔

۳۳۸۔

جریر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "ہونا چاہیے کہ جب محصّلِ صدقہ تمھارے یہاں سے وصولی کر کے واپس جائے تو وہ تم سے راضی ہو۔"

۳۳۹۔ محصّلین زکوٰۃ کے اوصاف

امیرالمومنین! آپ ایک ایسے امانت دار، معتمد علیہ، پاک باز اور خیر خواہ فرد کے تقرر کا حکم صادر فرمایئے جس کے اوپر آپ اپنے اور اپنی رعایا کے سلسلہ میں پورا اطمینان رکھتے ہوں اور اس فرد کو تمام ممالک کے صدقات کی تحصیل کا نگران بنا دیجیے۔ آپ اس ذمہ دار کو حکم دیجیے کہ وہ ہر علاقہ میں ایسے لوگوں کو تعینات کرے جن کے بارے میں اسے اطمینان ہو۔ اسے ان لوگوں کے طور طریقہ (فقہی) مسلک اور امانت داری کے بارے میں مناسب تفتیش کر لینا چاہیے۔ یہی لوگ سارے علاقوں کے صدقات جمع کر کے اس ذمہ دار فرد کے پاس لائیں۔ جب سارے صدقات اس کے پاس جمع ہو جائیں تو آپ ان کے مصارف کے بارے میں اُسے وہ حکم دیں جو اللہ جل شانہ نے (اسی باب میں) دیا ہے آپ اِس حکم کو نافذ کیجیے اور (صدقات کی تحصیل کے) اس کام کو خراج وصول کرنے والے افراد کے ذمہ نہ کیجیے، کیوں کہ صدقہ کے مال کو خراج کے مال کے ساتھ خلط ملط نہیں ہونا چاہیے۔

مجھے اطلاع ملی ہے کہ افسرانِ خراج اپنی جانب سے صدقات کی وصولی کے لیے کچھ افراد کو بھیج دیتے ہیں اور یہ لوگ ظلم و زیادتی سے کام لے کر ایسی حرکتیں کرتے ہیں جو نہ تو جائز ہیں نہ ان کی کسی طرح بھی گنجائش نکل سکتی ہے۔ زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے تو صرف پاک باز اور صالح افراد کا انتخاب کیا جانا چاہیے۔

۳۴۰۔

جب آپ کسی فرد کو تحصیلِ زکوٰۃ کا ذمہ دار بنا دیں اور وہ اپنی جانب سے (مختلف علاقوں میں) ایسے لوگوں کو مقرر کر دے جن کی دین داری اور امانت داری پر بھروسہ کیا جا سکتا ہو تو آپ ان لوگوں کے لیے ایسے وظائف جاری کر دیجیے جو آپ کی رائے میں مناسب ہوں، البتہ یہ تنخواہیں اتنی

زیادہ نہ ہو کہ صدقات سے ہونے والی بیشتر آمدنی اسی میں صرف ہو جائے۔

۳۴۱۔ صدقات کے مصارف

خراج کے مال کو صدقات اور عُشور کے مال میں ملا دینا مناسب نہیں کیونکہ خراج سارے مسلمانوں کے لیے فے کی حیثیت رکھتا ہے اور صدقات صرف ان لوگوں کا حق ہیں جن کے نام اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں گنا دیے ہیں۔

۳۴۲۔

جب صدقہ کا مال اونٹ، گائے بیل اور بھیڑ بکریاں، جمع ہو جائیں تو مسلمانوں سے لیے جانے
۹۶ والے عشور یعنی اموال (تجارت) اور ان سامانوں کی چنگی جنھیں لے کر لوگ (محصل چنگی) عاشر کے
پاس سے گزریں ــ انھی اموالِ (صدقہ) کے ساتھ جمع کر دیے جائیں۔ کیوں کہ ان تمام (آمدنیوں) کے حقدار صرف وہی ہیں جو صدقہ کے ہیں اور اس سارے مال کو ان (مستحقین) کے درمیان تقسیم کیا جائے گا جن کی تفصیل اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرما دی ہے۔

۳۴۳۔

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں منجملہ ان باتوں کے جو اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہیں، ارشاد فرماتا ہے:

انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمؤلفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل۔ (التوبہ: ۶۰)

زکوٰۃ صرف فقراء، مساکین، زکوٰۃ کے کام پر مامور افراد، اور ان لوگوں کے لیے ہے جن کی تالیفِ قلب منظور ہو، نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں اور اللہ کی راہ میں، اور مسافروں پر خرچ کرنے کے لیے ہے۔

'مؤلفۃ القلوب' تو اب باقی نہیں رہے۔

عاملین زکوٰۃ کو امام بقدر کفایت (تنخواہیں) دے گا۔ یہ تنخواہیں زکوٰۃ میں وصول ہونے

والے مال کے ۱/۸ سے کم بھی ہو سکتی ہیں اور زیادہ بھی۔ البتہ تحصیل زکوٰۃ کے ذمہ دار کو اتنا (مشاہرہ) دیا جانا چاہیے جو اس کے ماتحت کارکنوں کے لیے تنگی یا اسراف کے بغیر متوسط معیار سے گذر بسر کے لیے کافی ہو۔

صدقہ کا باقی مال باقی مستحقین کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ ایک حصہ فقراء اور مساکین کے لیے ہو گا، اور ایک غارمین کے لیے۔ غارمین وہ مقروض لوگ ہیں جو اپنے قرضے ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔

غریب الوطن بے سہارا مسافروں کے لیے بھی ایک حصہ ہو گا جس میں سے ان پر صرف کیا جائے گا اور ان کی مشکلات حل کی جائیں گی۔

ایک حصہ گردنوں کو چھڑانے کے لیے ہو گا، اور (اسی حصہ میں سے) ایسے لوگوں کو دیا جائے گا جن کا کوئی آدمی غلام ہو، یا ان کے باپ، بھائی، بہن، ماں، بیٹی، بیوی، دادا، دادی، چچا، پھپھی، ماموں، ممانی، اور ان جیسے دوسرے قریبی اعزا کسی کی ملکیت ہوں۔ ایسے لوگوں کی مدد کی جائے گی تاکہ وہ ان اعزا کو خرید (کر آزاد کر) سکیں۔ اسی حصہ میں سے مکاتب[ؒ] غلاموں کی بھی مدد کی جائے گی۔

ایک حصہ مسلمانوں کی سرحدوں کی مرمت کے لیے رکھا جائے گا۔

یہ سارے حصے تحصیل زکوٰۃ پر مامور افسران کے مشاہرے علیحدہ کرنے کے بعد الگ کیے جائیں گے۔

۳۴۴۔

ہر شہر اور اس کے مضافات کے صدقات میں سے فقراء و مساکین کا حصہ اسی کے باشندوں کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ وہاں سے لے جا کر دوسرے شہر کے لوگوں کو نہیں دیا جائے گا۔

۳۴۵۔

فقراء اور مساکین کے اس حصہ کے علاوہ دوسرے حصوں کے سلسلہ میں امام کو اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مصارف میں سے جن پر مناسب سمجھے صرف کرے۔ اگر وہ باقی سارے مال

ؒ تشریح اوپر (صفحہ ۱۵۳) پر گزر چکی ہے۔

زکوٰۃ کو مذکورہ مصارف میں سے کسی ایک پر صرف کر دے تو بھی درست ہو گا۔

۳۴۶

حسن بن عمارہ نے حکیم بن جبیر، انہوں نے ابو وائل اور انہوں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ کے پاس زکوٰۃ کا کچھ مال لایا گیا تو آپ نے یہ سارا مال ایک ہی خاندان کو دے دیا۔

۳۴۷-

حسن بن عمارہ نے حکم سے، حکم نے مجاہد سے اور مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: ۹۷

"اس میں کوئی حرج نہیں کہ صدقہ (کا سارا مال مستحقین کی) ایک ہی قسم کو دے دیا جائے۔"

۳۴۸-

حسن بن عمارہ نے منہال بن عمرو سے، انہوں نے زر بن حبیش سے اور انہوں نے حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اس میں کوئی حرج نہیں کہ صدقہ (کا سارا مال مستحقین کی) ایک ہی قسم کو دے دیا جائے۔"

۳۴۹۔ عامل زکوٰۃ کا مقام۔

محمد بن اسحاق نے عاصم بن عمر سے، انہوں نے قتادہ سے، قتادہ نے محمود بن لبید سے اور انہوں نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"حق کے ساتھ صدقہ وصول کرنے والا عامل راہِ خدا میں جنگ کرنے والے کی طرح ہے۔"

۳۵۰۔ عامل زکوٰۃ کی ذمہ داریاں

ہمارے اساتذہ میں سے کسی نے طاؤس سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے

کہ انہوں نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادہ ابن صامت کو صدقات کی تحصیل پر مقرر کیا تو ان سے یہ فرمایا:

"ابو ولید! اللہ سے ڈرتے رہو اور قیامت کے دن اس حال میں نہ آنا کہ اپنے کاندھوں پر ایک اونٹ اٹھائے ہوئے جو بلبلا رہا ہو، یا ایک گائے جو چیخیں کر رہی ہو، یا ایک بکری جو ممیا رہی ہو۔"

انہوں نے کہا: "اللہ کے رسول! کیا یہ (ذمہ داری) ایسی (کٹھن) ہے؟"

آپ نے فرمایا: "ہاں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے (یہ ذمہ داری ایسی ہی ہے) سوائے اس فرد کے جس پر اللہ رحم فرمائے۔"

انہوں نے کہا: "اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں آئندہ کبھی دو افراد پر بھی امیر بننا نہیں قبول کروں گا۔"

۳۵۱-

ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے اور انہوں نے ابو حمید ساعدی سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن لتبیہ نامی ایک شخص کو بنی سلیم کے صدقات کا عامل مقرر فرمایا۔ جب یہ وہاں سے واپس آئے تو کہنے لگے:

"یہ (مال) تمہارے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیۃً دیا گیا ہے۔"

(راوی نے) کہا: پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا:

"اس عامل کو کیا ہو گیا ہے جسے میں (تحصیل زکوٰۃ پر مامور کر کے) بھیجتا ہوں تو وہ واپس آکر یہ کہتا ہے کہ یہ تمہارے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیۃً ملا ہے۔ اس نے ایسا کیوں نہ کیا کہ اپنے ماں باپ کے گھر میں بیٹھا رہتا تاکہ یہ دیکھ لیتا کہ پھر اسے ہدیے دیے جاتے ہیں یا نہیں۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو فرد بھی اس (مال) میں سے کوئی چیز لے گا تو قیامت کے دن وہ اسے اپنی گردن پر لادے ہوئے آئے گا، بلبلاتا ہوا اونٹ، ڈکارتی ہوئی گائے

یا ممیاتی ہوئی بکری ــــ"

" اتنا کہہ کر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے یہاں تک کہ آپ کے بغل کی سپیدی نظر آنے لگی، پھر آپ نے فرمایا:

" بارِ الٰہا! کیا میں نے (حق بات) پہنچا دی ؟"

۳۵۲۔ صدقہ میں اچھے جانور لینے سے احتراز۔

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے عکرمہ بن ابی خالد سے انہوں نے بشر بن عاصم سے انہوں نے عبداللہ بن سفیان سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو محصّل زکوٰۃ بنا کر بھیجا، ۹۰
پھر آپ نے ان کو مدینہ میں کہیں دیکھ لیا تو پوچھا:

"کیا تمھیں یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ جہاد کی طرح کے ایک کام میں لگے رہو ؟"

انہوں نے کہا:

" اچھی کیسے لگے، جب کہ ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ میں ان پر ظلم کرتا ہوں۔"

آپ نے فرمایا: " وہ کیسے ؟"

انہوں نے کہا: " لوگ کہتے ہیں کہ تم ہم سے بھیڑ بکری کے بچے کی بھی گنتی وصول کرتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا: " ٹھیک کرتے ہو (بچہ اتنا چھوٹا ہو کہ) چرواہا اسے اپنے کندھوں پر اٹھا کر لائے تو بھی اُسے زکوٰۃ کا حساب لگانے میں شمار کرو، اور ان کو یہ جتا دو کہ تم گھروں میں (دودھ کی خاطر) پالی ہوئی بھیڑ یا بکری، کھانے کے لائق (تیار) موٹی نر بھیڑ بکرے اور بچہ جننے کے قریب بھیڑوں اور بکریوں کو انہی کے لیے چھوڑ دیتے ہو۔"

۳۵۳۔

عطاء بن عجلان نے حسن سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ، عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفیان بن مالک کو بصرہ میں تحصیل صدقہ پر مامور کیا۔

وہ کچھ دنوں وہاں رہے پھر آپ سے جہاد پر چلے جانے کی اجازت طلب کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا:

"کیا تم جہاد میں نہیں مصروف ہو ؟"

انہوں نے کہا: " وہ کیسے ؟ جب کہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ہم پر ظلم کرتا ہے ؟"

آپ نے کہا: " وہ کس بات میں ؟"

انہوں نے کہا: " لوگ کہتے ہیں کہ (یہ زکوٰۃ کا حساب لگانے میں) بکری کے بچوں کو بھی شمار کر لیتا ہے۔"

آپ نے فرمایا: " بچوں کو ضرور شمار میں شامل رکھو، خواہ (وہ اتنا چھوٹا ہو کہ) چرواہا اسے اپنے کندھے پر اٹھا کر لائے" فرمایا: " کیا یہ حقیقت نہیں کہ تم پالتو بھیڑ بکریاں کھانے کے لیے تیار کی ہوئی راسیں، بچہ جننے کے قریب بھیڑ بکریاں اور نر بھیڑ اور بکرے انہی کے لیے چھوڑ دیتے ہو ؟"

۳۵۴۔

یحییٰ بن سعید نے یحییٰ بن حبان سے اور انہوں نے قبیلہ اشجع کے دو افراد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محمد بن مسلمہ کو ان لوگوں (یعنی قبیلہ اشجع) پر محصّل زکوٰۃ بنا کر بھیجا۔ ان دونوں نے کہا: یہ (محمد بن مسلمہ) بیٹھ جاتے اور ہم ان کے پاس جس طرح کی بھیڑ بکریاں بھی لاتے ان میں اگر ان کا اپنا حق (یعنی زکوٰۃ) پورا ہوتا نظر آتا تو انھیں قبول کر لیا کرتے۔

۳۵۵۔

یحییٰ بن سعید نے محمد بن یحییٰ سے اور انہوں نے قاسم بن محمد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ ایک بار عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے سے صدقہ کی کچھ بکریاں گذریں جن میں سے ایک بہت بڑے تھن والی تھی۔ آپ نے دریافت فرمایا:

" یہ کیسی ہے ؟"

لوگوں نے جواب دیا: "یہ صدقہ کی بکریوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔"

اس پر عمر نے کہا: "اِس کے مالک نے اسے راضی خوشی نہ دیا ہو گا۔ تم لوگ عوام کی کوئی چیز زبردستی نہ لیا کرو، اور (صدقہ میں) ان کے حزرات کو نہ لیا کرو۔"

'حزرات' سے آپ کی مراد لوگوں کے بہترین اموال سے تھی۔

۳۵۶۔

ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی دور کے ابتدائی زمانہ میں ایک محصّل صدقہ کو کام پر روانہ کرتے وقت فرمایا کہ:

"(صدقہ میں) ضعیف العمر اونٹ اور (دُھنی) یک سالہ اونٹ اور عیب دار انہیں وصول کرنا۔ لوگوں کے بہترین اموال میں سے کوئی چیز بھی نہ لینا۔"

۳۵۷۔

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ جب اللہ جل ثناؤہٗ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا تو آپ نے ایک شخص کو لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا:

"لوگوں کو مرغوب بہترین اشیاء میں سے کوئی چیز (زکوٰۃ میں) نہ لینا ضعیف العمر، یک سالہ اور عیب دار مال ہی لینا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند نہیں کیا کہ قبل اس کے لوگوں کو دین کا صحیح فہم حاصل ہو، وہ ادائگی زکوٰۃ کو کارِ ثواب سمجھ کر کریں (ان سے بہترین اشیاء زکوٰۃ میں لے کر) ان کو (دین سے) برگشتہ کیا جائے۔

یہ شخص گیا اور اس طرح وصولی کی جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کرنے کا حکم دیا تھا۔ اسی سلسلہ میں یہ بادیہ میں رہنے والے ایک آدمی کے پاس پہنچا اور اُسے سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں سے صدقہ وصول کریں تاکہ

اس کے ذریعہ ان کا تزکیہ اور تطہیر ہو۔ اس پر اس آدمی نے ان سے کہا: "اٹھو اور (زکوٰۃ) لے لو۔" یہ گئے اور انہوں نے ضعیف العمر، یک سالہ اور عیب دار اونٹ منتخب کیے۔ (راوی نے) کہا کہ یہ دیکھ کر اس آدمی نے ان سے کہا:

"خدا کی قسم مجھ سے پہلے کوئی دوسرا شخص کبھی میرے اونٹوں میں سے اللہ کے لیے کچھ لینے نہیں کھڑا ہوا۔ خدا کی قسم تم کو چن چن کر (عمدہ اونٹ) لینے پڑیں گے۔"

پھر یہ شخص واپس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس واقعہ کا تذکرہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کے لیے دعا فرمائی۔

۳۵۸۔

سفیان بن عیینہ نے عبدالکریم الجزری اور انہوں نے زیاد بن ابی مریم سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک محصّل زکوٰۃ کو بھیجا تو وہ (زکوٰۃ وصول کر کے) آپ کے پاس پختہ عمر کے اونٹ لے آئے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا:

"تم خود بھی تباہ ہوئے اور تم نے دوسروں کو بھی تباہ کیا۔"

انہوں نے کہا: "میں ایک پوری عمر کا اونٹ لے کر اس کے عوض دو ایک سالہ اونٹ دے دیا کرتا تھا۔"

آپ نے فرمایا: "(آئندہ) ایسا نہ کرنا۔"

۳۵۹۔ تحصیل زکوٰۃ میں نرمی

داؤد بن ابو ہند نے عامر الشعبی سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ کہا جاتا تھا:

"صدقہ (کی تحصیل) میں زیادتی سے کام لینے والا اُس شخص کی طرح ہے جو اُسے ادا کرنے سے انکار کرے۔"

۳۶۰۔

عبیدہ بن ابی رائطہ نے ابو حمید سے اور انہوں نے دہیل بن عوف مہاشی سے

روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر یہ کہا:

"ابوہریرۃ! زکوٰۃ وصول کرنے والوں نے ہم پر ظلم و زیادتی سے کام لیا ہے اور ہمارے اموال چھین لیے ہیں۔"

آپ نے فرمایا: "وہ جو چیز بھی طلب کریں اُسے دینے سے انکار نہ کرو، انھیں گالیاں نہ دو، اور ان کے شر سے اللہ کی پناہ چاہو۔"

٣٦١-

ہمارے کسی استاد نے ابراہیم بن میسرہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: ایک آدمی نے ابوہریرہ سے پوچھا:

"زکوٰۃ کس طرح کے مال میں سے لی جانی چاہیے؟"

آپ نے جواب دیا: "درمیانی درجہ کے تہائی مال میں سے اگر (محصلِ زکوٰۃ) اسے لینے سے انکار کر دے تو ایسے اونٹ پیش کرو جو عمر کے پانچویں اور چھٹے سال میں ہوں، وہ انھیں قبول کرنے سے بھی انکار کر دے تو پھر اُسے حسب مرضی انتخاب کرنے دو اور اس سے بھلے بول بولو۔"

٣٦٢-

حسن بن عمارہ نے ابواسحاق سے، انہوں نے عاصم بن ضمرہ سے، اور انھوں نے علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے کہا،

"جن بھیڑ بکریوں کی تعداد چالیس سے کم ہو ان میں کچھ واجب نہیں۔"

فصل ٣

مجوّزہ محاصلِ زمین کی مصلحت

٣٦٣- اصولِ تعیین

مجھ سے دریافت کیا گیا ہے کہ تم زمین سے پیدا ہونے والے مختلف قسم کے غلوں اور کھجور، انگور اور دوسرے پھل دار درختوں کی پیداواروں کے سلسلہ میں اہلِ خراج سے اپنی مقرر کردہ نسبتوں کے مطابق بٹائی کا معاملہ کرنے کا طریقہ کیوں تجویز کرتے ہو۔ کیا وجہ ہے کہ تم اُن سے اُسی تعیّن مالیہ پر معاملہ کرنے کو پسند نہیں کرتے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی زمینوں، اور کھجور، اور دوسرے درختوں پر عاید کیا تھا، اور ایں حالیکہ لوگ اس طریقہ سے راضی بھی تھے اور ان محاصل کو برداشت بھی کر رہے تھے

میرا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ محاصل عائد کیے تھے اس وقت آپ کی نظر میں زمین ان کو برداشت کرنے کے قابل تھی، لیکن یہ خراج عائد کرتے وقت آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اہلِ خراج پر ہمیشہ اسی مقدار خراج کی ادائگی لازم رہے گی اور میرے بعد آنے والے خلفاء کو اس میں کمی بیشی کا اختیار نہ ہو گا۔ جبکہ آپ کا حذیفہ اور عثمانؓ سے جب کہ یہ لوگ آپ کو عراق کے ان علاقوں کے حالات سے مطلع کرنے آئے تھے جن پر آپ نے ان کو عامل مقرر کیا تھا، یہ فرمانا کہ "شاید تم دونوں نے زمین پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ ڈال دیا ہے" اس بات کی دلیل ہے کہ اگر یہ دونوں آپ کو یہ بتاتے کہ ان زمینوں پر ان کے باشندوں سے لیے جانے والے محاصل کا بوجھ ڈالا گیا ہے وہ ان کی برداشت سے باہر ہے تو آپ ان پر عاید کردہ خراج میں تخفیف عمل میں لاتے۔ زمین پر جو خراج عائد کیا گیا تھا وہ اگر آخری اور قطعی ہوتا، جس میں کمی بیشی کی کوئی گنجائش نہ ہوتی، تو آپ ان دونوں عاملوں سے ہرگز اہلِ زمین کی برداشت یا عدم برداشت

کے بارے میں وہ سوال نہ کرتے جو آپ نے کیا، کیا وجہ ہے کہ خراج کی ان شرحوں میں کمی بیشی جائز نہ ہو جب کہ عثمان اِس سوال کا جواب عمر رضی اللہ عنہ کو یہ دیتے ہیں کہ میں نے زمین پر ایسے محاصل عاید کیے ہیں جن کو وہ بآسانی برداشت کر سکتی ہے' اور اگر میں چاہتا تو اپنی زمین پر اس سے دوگنے محاصل عائد کر سکتا تھا، کیا انھوں نے یہ بات نہیں کہی کہ وہ کچھ فاضل چھوڑ آئے ہیں جسے اگر وہ لینا چاہتے تو لے سکتے تھے؟ اسی طرح حذیفہ بھی عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ "میں نے زمین پر اتنا ہی بوجھ ڈالا ہے جسے وہ بآسانی برداشت کر سکے، اور اس کے بعد جو باقی بچ رہے گا وہ بہت زیادہ ہوگا۔" ان کا یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی اس زمین میں کچھ فاضل تھا جو انھوں نے ان لوگوں کے لیے چھوڑ دیا تھا اگرچہ یہ کم تھا۔ واللہ اعلم'

101 حضرت عمر نے ان دونوں سے یہ سوال اسی لیے کیا تھا کہ معلومات حاصل کر کے اگر ضرورت محسوس ہو تو ان کے عائد کردہ محاصل میں ایسی کمی بیشی عمل میں لائیں کہ وہ زمین کی قوتِ برداشت کے مطابق ہو جائیں اور زمین والوں کے لیے گراں بار نہ ہوں۔

اب ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ان لوگوں کی زمینوں پر جتنا خراج عاید کیا گیا تھا اس کی ادائیگی ان کے لیے دشوار ہو گئی ہے اور ان کی زمین اب اسے برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اگر ہم اب بھی ان پر وہی شرحیں عائد کرتے ہیں تو اس سے ان کے اندر اپنی زمین چھوڑ کر چلے جانے کا رجحان پیدا ہوگا اور اس طرح ہم ان کی جلاوطنی کے اسباب فراہم کر دیں گے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، جنھوں نے اولاً ان پر یہ خراج عائد کیا تھا، ان کے بارے میں یہ دریافت کیا تھا کہ وہ اس خراج کو برداشت کر سکیں گے یا نہیں۔ آپ نے ہدایت کی تھی کہ ان لوگوں پر ان کی برداشت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔ ان تمام باتوں کے پیشِ نظر ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ اس باب میں اس اصول کی پیروی کریں جس کی تاکید خود عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی ہے اور جس کی تلقین آپ نے (اپنے عمّال کو) کی تھی۔ ہمیں توقع ہے کہ بھلائی آپ کی ہدایت کی پیروی میں ہی مضمر ہے۔ چنانچہ ہم نے ان لوگوں پر وہ بوجھ نہیں ڈالا جس کو وہ برداشت نہیں کر سکتے اور ان سے صرف اسی قدر

خراج وصول کرنے کی تجویز پیش کی جسے ان کی زمین برداشت کر سکے۔

۳۶۴۔ کمی بیشی کا اختیار

امام کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ اہلِ زمین پر جو خراج عائد کرے اس میں ان کی قوتِ برداشت کے مطابق کمی بیشی کر سکے اور اہلِ زمین پر بے جا بار ڈالنے سے پرہیز کرتے ہوئے ان سے پیداوار میں شرکت یا رقبہ اراضی کے حساب سے نقد مالیہ پر معاملہ کرے۔ اس کی ایک دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ طرزِ عمل ہے جو آپ نے باشندگانِ سواد کے سلسلہ میں اختیار کیا تھا۔ آپ نے ان پر فی جریب ایک قفیز غلّہ اور ایک درہم نقد عائد کیا تھا، خواہ زمین زیر کاشت ہو یا نہ ہو۔ نخلستانوں پر آپ نے فی جریب آٹھ درہم عاید کیا تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے زمین والوں کی آسانی کے لیے نخلستانوں کو محصول سے معاف رکھا تھا۔ (راویوں نے) کہا ہے کہ آپ نے بہتے پانی سے سینچے جانے والے نخلستانوں پر عشر اور ڈول سے سینچے جانے والے نخلستانوں پر نصف عشر عائد کیا تھا۔ اور جن نخلستانوں کی زمینوں پر (دوسری اجناس کی) کاشت کی جاتی تھی ان پر کچھ محصول نہیں لگایا تھا۔ آپ نے انگور کی بیلوں اور ترکاریوں وغیرہ پر ان شرحوں کے مطابق مالیے عاید کیے تھے جن کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔

۳۶۵۔

آپ نے یعلیٰ بن امیہ کو سرزمینِ نجران میں مامور کیا اور ان کو لکھ بھیجا زمین والوں کے ساتھ زمین سے پیدا ہونے والے غلّہ میں تہائی اور دو تہائی کی نسبتوں سے شرکت پر معاملہ کر لیں۔ کھجور کے درختوں کے بارے میں آپ نے ہدایت کی کہ جن درختوں کو بہتے ہوئے پانی سے سیراب کیا جائے ان کے پھلوں میں سے مسلمانوں کے لیے دو تہائی اور ان لوگوں کے لیے ایک تہائی، اور جو درخت ڈول سے سینچے جاتے ہوں ان کی پیداوار میں درخت والوں کے لیے دو تہائی اور مسلمانوں کے لیے ایک تہائی کی نسبتوں سے شرکت پر معاملہ کر لیا جائے۔

۳۶۶۔

علاقہ سواد اور سرزمین نجران کے سلسلہ میں عمرؓ کے یہ دو اقدامات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ امام کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ اپنی صواب دید کے مطابق ہر زمین پر اتنا خراج عائد کرے جسے اس کے باشندے بآسانی برداشت کر سکتے ہوں۔ ۴۲

۳۶۷۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو بزور قوت فتح کیا تھا لیکن آپ نے اس پر کوئی متعین خراج نہیں عائد کیا بلکہ یہود کے ساتھ نصف پیداوار پر بٹائی کا معاملہ کر لیا۔ کیا آپ نے اس (نظیر) پر غور نہیں کیا۔

۳۶۸۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سواد فتح کیا تو عراق کے بعض بڑے بڑے زمینداروں سے گفتگو کی اور ان سے دریافت کیا کہ وہ عجمی حکمرانوں کو اپنی زمین کے مالیہ کے طور پر کتنا ادا کرتے تھے ان لوگوں نے جواب دیا کہ ستائیس (درہم)۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ میں تم سے اتنا لینے پر راضی نہیں ہوں گا۔ چنانچہ آپ نے مناسب سمجھا کہ ان علاقوں کی پیمائش عمل میں لائی جائے۔ آپ نے زمین پر ایک متعین خراج عائد کر دیا۔ آپ کی نظر میں یہ طریقہ خراج ادا کرنے والوں کے لیے بھی بہتر تھا اور اسی طرح ان لوگوں پر ان کی قوت برداشت سے زیادہ بار ڈالے بغیر زیادہ سے زیادہ آمدنی بھی ہو سکتی ہے۔

۳۶۹۔

اب امام کو چاہیے کہ عمرؓ نے خراج ادا کرنے والوں پر جو محاصل عائد کیے تھے ان پر دوبارہ غور کرے اگر آج بھی اہلِ خراج ان شرحوں کے مطابق ادائے خراج کی صلاحیت رکھتے ہوں اور ان کی زمین ان محاصل کو برداشت کر سکتی ہو تو انہی شرحوں کو باقی رہنے دے، ورنہ ان پر اب ایسی شرحیں عائد کرے جو زمین اور اہلِ زمین کی قوتِ برداشت کے اندر رہو۔

۳۷۰۔ محصلِ خراج کے لیے ہدایات

عبدالرحمٰن بن ثابت بن ثوبان نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو لکھ بھیجا کہ "زمین کا جائزہ لو، محاصل کی تعیین میں کسی ناکارہ زمین کو آباد زمین پر یا آباد زمین کو ناکارہ زمین پر نہ قیاس کرو۔ ناکارہ زمینوں کا جائزہ لینے پر اگر یہ اندازہ ہو کہ وہ کچھ محصول برداشت کر سکتی ہیں تو ان سے ان کی برداشت کے مطابق وصول کرو اور ان کی اصلاح کی تدبیر کرکے ان کو پوری طرح قابلِ کاشت بنا دو۔ ایسی کارآمد زمین پر کوئی محصول نہ عائد کرو جو زیر کاشت نہ ہو۔ جن قابلِ کاشت زمینوں سے خراج وصول ہونا بند ہو گیا ہو ان کے معاملہ کو زمین والوں کے ساتھ نرمی اور سہولت برتتے ہوئے سلجھاؤ۔

اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ خراج میں صرف وزنِ سبعہ[1] والے درہم لیا کرو جن میں جعلی یا ردّی سکّے[2] نہ ہوں۔ سکہ ڈھالنے والوں کی اجرت اور چاندی گھلانے کی اجرت نہ وصول کرو۔

---

[1] وزن سبعہ والے درہم سے وہ درہم مراد ہیں جن کا وزن ۱۴ قیراط (چاندی) ہوتا تھا۔ ایسے دس درہموں کا وزن سات مثقال کے برابر ہوتا تھا لہٰذا ان کا نام وزن سبعہ والے درہم پڑ گیا۔

اسلام سے پہلے مختلف وزن کے درہم رائج تھے بعض درہم ۱۰ قیراط کے ہوتے تھے اور ایسے دس درہموں کا وزن پانچ مثقال ہوتا تھا ان کو وزنِ خمسہ والے درہم کہا جاتا تھا بعض کا وزن ۱۲ قیراط تھا اور ایسے دس درہموں کا وزن چھ مثقال ہوتا تھا، یہ وزنِ ستہ والے درہم کہلاتے بعض درہم ایک مثقال (۲۰ قیراط) وزن کے ہوتے تھے ایسے دس درہموں کا وزن دس مثقال ہوتا تھا ان کو وزنِ عشرہ والے درہم کہا جاتا تھا۔ اسلامی دور میں سکوں میں یکسانیت پیدا کرنے کے لیے ان تینوں قسم کے درہموں کو ملا کر ان کا اوسط وزن درہم کا معیاری وزن قرار دیا گیا جو $\frac{20+12+10}{3}=14$ قیراط کے برابر تھا یہ درہم وزنِ سبعہ والے درہم کہلائے (بحوالہ بلاذری: فتوح البلدان، فصیل امر النقود، صفحہ ۴۵۱ طبع قاہرہ ۱۹۳۲ء) مترجم

[2] متن میں ہے "لیس فیہا تبر" تبر کے معنی ہیں خالص غیر مسکوک سونا یعنی اس بیان میں غیر موزوں ہے ہم نے اس کی تصحیح کر کے اسے "لیس فیہا نبہرہ" (ن، ب اور ہ سے) بوزن مبنی ردّی چیز اور ردّی درہم یعنی جعلی درہم، پڑھنا مناسب سمجھتے ہیں۔ قرینہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ ابو عبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال صفحہ ۴۷، حدیث نمبر ۱۲۰

فرنچ مترجم فاگناں نے "اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں ..." سے یہاں تک کی عبارت کا ترجمہ بالکل مختلف کیا ہے۔ جو ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔ فاگناں صفحہ ۱۳۱، سطر ۲ تا ۶۔ (مترجم)

زر وزاور مہرجان کے تحفے نہ لو۔ کاغذات[1] کی قیمت اور ہرکاروں[2] کی اجرت نہ وصول کرو شب باشی کے مکانوں کا کرایہ اور پیشہ ور زنا سے ہونے والی آمدنی (پر ٹیکس) نہ لو۔ اور زمین والوں میں سے جو کوئی اسلام لائے اس پر خراج (یعنی جزیہ) نہیں عائد ہوگا۔

۳۷۱۔ مالیہ میں تخفیف

محصلِ خراج کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی فرد کو اس کی زمین کے مالیہ میں سے کچھ بطور امداد بخش دے۔ ایسا وہ صرف اسی شکل میں کرسکے گا جب امام اسے اس کا اختیار دے اور یہ ہدایت کرے کہ اگر وہ عوام الناس کی بہبود اور خراج کی آمدنی میں اضافہ کی خاطر کسی کے ساتھ اس طرح کی بخشش مناسب سمجھے تو کرسکتا ہے۔

اگر امام کی اجازت کے بغیر والیِ خراج کسی فرد کو خراج میں سے اس طرح کی بخشش دیتا ہے تو اس کے لیے اسے قبول کرنا جائز ہوگا۔ اس کی ذمہ داری ہے کہ اپنے اوپر واجب خراج پورا پورا ادا کرے، کیوں کہ خراج زمین کی زکوٰۃ ہے اور سارے مسلمانوں کے لیے فئے کی نوعیت رکھتا ہے۔ ۱۰۲

۳۷۲۔

والیِ خراج کے لیے خراج میں سے کچھ بخشش دینا صرف اس صورت میں جائز ہوگا جب کہ اس نے خراج کا ٹھیکہ لے رکھا ہو ایسی شکل میں جس کو بخشش دی جائے اس کے لیے بھی اس کا قبول کرنا جائز ہوگا۔ بخشش کے جائز ہونے کی دوسری شکل یہ ہے کہ امام نے والی کو زمین خطے کے خراج کے سلسلہ میں پورا اختیار دے دیا ہو۔ اس شکل میں والی کے لیے بخشش کرنا اور متعلق فرد کے لیے اس کا قبول کرنا درست ہوگا۔ اس باب میں اصولی پوزیشن یہ ہے کہ خراج میں سے

---

[1] کاغذات سے مراد وہ اسٹیشنری ہے جو خراج کے حساب کتاب میں کام آتی تھی۔ (مترجم)

[2] متن میں فتوح ہے۔ فرنچ مترجم فاگناں نے طبری کے حوالہ سے اُسے فیوج (یعنی ہرکارہ) پڑھا ہے ہم نے بھی اسی تصحیح کے مطابق ترجمہ کیا ہے کیوں کہ اس سیاق میں فتوح بالکل مہمل ہے (ملاحظہ ہو فاگناں صفحہ ۱۳۱ و نوٹ ۲) نیز ملاحظہ ہو ہمارا نوٹ نمبر ۳۵۲ (مترجم)

کچھ بخشش دینے کا اختیار صرف امام کو حاصل ہے اور اس فرد کو جسے امام نے مصالح کے پیشِ نظر ایسا کرنے کی اجازت دے دی ہو۔

۳۷۳۔

کسی فرد کے لیے جائز نہیں کہ خراجی زمین کو عشری یا عشری زمین کو خراجی بنا دے۔ ایسا کرنے کی شکل عموماً یہ ہوتی ہے کہ کسی فرد کے پاس عشری زمین ہو اور اسی سے متصل کوئی خراجی زمین بھی ہو، پھر یہ اسے خرید کر اپنی زمین میں ملالے اور ساری زمین پر عُشر ادا کرنے لگے۔ یا کسی آدمی کے پاس خراجی زمین ہو اور اس سے متصل کوئی عشری زمین ہو جسے یہ خرید کر اپنی زمین میں ملالے اور اس پر بھی خراج ادا کرنے لگے۔

یہ تھا زمین اور خراج سے متعلق ناجائز طریقوں کا بیان۔

گیارھواں باب

پانی اور زمین کے متعلق بعض مسائل

فصل ا

پانی میں مچھلی کی فروخت

۳۷۴۔

امیرالمومنین! آپ نے (زیرِ آب) جھاڑیوں اور پانی کے گڈھوں کے اندر پائی جانے والی مچھلیوں کی فروخت کی بابت دریافت کیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ جو مچھلی پانی کے اندر رہے اس کی فروخت جائز نہیں کیوں کہ یہ 'غرر' (یعنی دھوکہ کی صورت) ہے

پانی میں پائی جانے والی مچھلی اس کی ملک ہوگی جو اسے شکار کرے۔

۳۷۵۔

اب اگر پانی میں مچھلیاں اس طور پر پائی جائیں کہ بغیر شکار کے ہاتھ سے پکڑی جا سکتی ہوں تو ان کی فروخت میں کوئی حرج نہیں، مثلاً چھوٹے حوض میں پائی جانے والی مچھلیاں جو بغیر شکار کے نکال لی جاتی ہیں۔ لیکن اگر ان کو شکار کر کے ہی نکالا جا سکتا ہو تو ان کی نوعیت وہی ہے جو جنگل کے ہرنوں یا آسمان کے پرندوں کی ہے۔ ان کی بیع اس بنا پر ناجائز ہے کہ وہ غرر ہے۔ یہ مچھلیاں اس شخص کی ملکیت ہوں گی جو ان کو شکار کرے۔

۳۷۶

بعض لوگوں نے (زیرِ آب) جھاڑیوں میں پائی جانے والی مچھلیوں کی فروخت کی اجازت دی ہے لیکن ہمارے نزدیک صحیح رائے ان لوگوں کی ہے جو اسے ناجائز سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۳۷۷۔

علاء بن المسیب (بن رافعؒ) نے حراث العکلی سے اور انہوں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"جو مچھلیاں ابھی پانی میں ہوں ان کی خرید و فروخت نہ کرو کیوں کہ یہ غرر ہے"۔

۳۷۸۔

یزید بن ابو زیاد نے مسیب بن رافع سے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

"جو مچھلیاں ابھی پانی میں ہوں ان کی خرید و فروخت نہ کرو کیوں کہ یہ غرر ہے"۔

۳۷۹۔

عبداللہ بن علی نے اسحاق بن عبداللہ سے اور انہوں نے ابو الزناد سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ہم نے عمر بن عبدالعزیز کو خط لکھ کر ان سے عراق کی ایک جھیل کی بابت، جس میں مچھلیاں جمع ہو جایا کرتی تھیں یہ دریافت کیا کہ کیا ہم اسے کرایہ پر دے دیں، تو آپ نے جواب میں یہ لکھا کہ ہاں ایسا ہی کرو۔

۳۸۰۔

ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حماد سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میری درخواست پر عبدالحمید بن عبدالرحمٰن نے عمر بن عبدالعزیز کو لکھ کر جنگل جھاڑی میں پائے جانے والے شکار کی بیع کی بابت دریافت کیا تو عمر نے ان کو لکھ بھیجا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس معاملہ کو آپ نے 'حبس' کا نام دیا۔

۳۸۱۔

حسن بن عمارہ نے حکم سے اور انہوں نے ابراہیم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا: اگر تم نے شکار کو اس حالت میں خریدا ہو کہ وہ گھیرے میں لیا جا چکا ہو اور اس میں سے بعض جانوروں کو تم نے دیکھ بھی لیا ہو تو کوئی حرج نہیں۔

۳۸۲۔

ہمیں علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ آپ نے برس کے جنگل کا معاوضہ چار ہزار درہم (سالانہ) مقرر کیا تھا اور ٹھیکہ داروں کو ایک تحریر چمڑے کے ٹکڑے پر لکھ کر دے دی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو یہ جنگل اس کے اندر پائے جانے والے بانس اور نرکل کا ٹھیکہ دیتے ہوئے دیا تھا۔

۳۸۳۔

ہم سے ابن ابی لیلیٰ نے عامر الشعبی کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع کیا ہے جس میں غرر (یعنی دھوکہ کا اندیشہ) ہو۔

فصل ۲

مزارعت

۳۸۴۔ مزارعت کے جواز میں اختلاف

امیر المومنین! آپ نے دریافت کیا ہے کہ پرتی زمینوں کو نصف یا تہائی پیداوار پر مزارعت کے طور پر (کاشتکار کو) دینا کیسا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہمارے حجازی اور مدنی رفقاء اس معاملہ کو مکروہ اور فاسد قرار دیتے ہیں۔ یہ حضرات عام درختوں اور کھجور کے پیڑوں کے سلسلہ میں تہائی یا چوتھائی یا

اس سے کم یا زیادہ پر مساقاۃ کا معاملہ کر لینے کو درست قرار دیتے ہیں لیکن پرتی زمینوں کی نوعیت کو باغات اور نخلستانوں سے جداگانہ قرار دیتے ہیں۔

۳۸۵۔

ہمارے کوفی رفقاء اس باب میں مختلف الرائے واقع ہوئے ہیں۔ ان میں سے جن حضرات نے کھجور اور عام درختوں کے ضمن میں مساقاۃ کی اجازت دی ہے وہ پرتی زمینوں میں بھی آدھی یا تہائی پیداوار پر مزارعت کے معاملہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور جن حضرات نے درختوں اور کھجوروں میں مساقاۃ کے معاملہ کو ناجائز قرار دیا ہے انھوں نے آدھے یا تہائی پر مزارعت کی اجازت بھی نہیں دی ہے۔ اہل کوفہ کی یہ دونوں جماعتیں مزارعت اور مساقاۃ کو یکساں سمجھتی ہیں۔ جس نے مساقاۃ کو فاسد قرار دیا ہے اس نے زمین میں بھی اس طرح کے معاملہ کو فاسد قرار دیا ہے اور جس نے اس کو جائز قرار دیا ہے اس نے مزارعت کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

۳۸۶۔ مزارعت اور مضاربت کی مماثلت

مصنف نے اس سلسلہ میں جو بہترین رائے سنی ہے وہ یہ ہے کہ یہ سارے معاملات درست اور جائز ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

میرے نزدیک اس معاملہ کی نوعیت وہی ہے جو مضاربت کی ہے کہ اس میں ایک آدمی دوسرے کو (منافع میں) آدھے یا تہائی کی نسبت سے شریک ہونے کی شرط پر اپنا مال بطور مضاربت دیتا ہے اور ایسا کرنا جائز ہوتا ہے در ایں حالیکہ معاملہ مجہول ہے، معلوم نہیں نفع کس قدر ہوگا۔ جہاں تک میرا علم ہے اس معاملہ کی نوعیت اور اس کے جواز کی بابت علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ میرے نزدیک زمین کا معاملہ بھی مضاربت ہی جیسا ہے، زمین خواہ پرتی ہو یا اس میں کھجور اور دوسرے درخت بھی ہوں اس سب کی نوعیت یکساں ہے۔

۳۸۷۔

ابو حنیفہ ان لوگوں میں سے تھے جو پرتی زمینوں یا باغات اور نخلستانوں میں تہائی اور چوتھائی

یا کم و بیش پیداوار پر اس طرح کا معاملہ کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے۔

۳۸۸۔

ابن ابی لیلیٰ ان لوگوں میں سے تھے جو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے

۳۸۹۔ عدم جواز کے دلائل

ابو حنیفہ اور مزارعت و مساقاۃ کو ناجائز قرار دینے والے دوسرے فقہاء اپنے مسلک کی دلیل وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو ابو حصین نے [ابن] رافع بن خدیج سے اور انہوں نے اپنے والد سے اور ان کے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ ایک بار آپ ایک احاطہ کے پاس سے گزرے تو فرمایا:

"یہ کس کا ہے؟"

رافع بن خدیج نے جواب دیا کہ میرا ہے میں نے اسے کرایہ پر لیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا:

"دیکھو! اسے اسی کی کچھ پیداوار کے عوض کرایہ پر نہ لینا" ۱۰۶

ابو حنیفہ اور مساقاۃ کو ناجائز سمجھنے والے دوسرے حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک مجہول اور فاسد اجارہ ہے؛

۳۹۰۔

یہ حضرات تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض مزارعت کے (ناجائز ہونے کے) سلسلہ میں اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں جابرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ آپ نے تہائی اور چوتھائی کے عوض مزارعت کو مکروہ (تحریمی) قرار دیا ہے۔

۳۹۱۔ جواز کے دلائل

جیسا کہ میں اوپر بتا چکا ہوں فقہاء حجاز نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے استدلال کرتے ہیں جو آپ نے خیبر کے کھیتوں اور کھجور کے باغات کے سلسلہ میں اختیار کیا تھا۔ جہاں تک مجھے علم ہے فقہاء کوفہ کی مذکورہ بالا جماعت کے علاوہ دوسرے

فقہا کے درمیان اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔

مصنف کے علم و اطلاع کی حد تک بہترین مسلک یہی ہے کہ یہ طریقہ درست اور جائز ہے۔ ہم نے ان احادیث کی پیروی کی ہے جو خیبر کی مساقاۃ کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں کیونکہ جو حدیثیں ان کے خلاف جاتی ہیں اُن سے یہ احادیث ہماری نظر میں زیادہ قابلِ اعتماد، زیادہ عموم کی حامل اور تعداد میں بھی زیادہ ہیں۔

۳۹۲۔ مزارعت کے نظائر

نافع نے عبد اللہ بن عمر سے انہوں نے عمر سے اور عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے اہلِ خیبر سے وہاں پیدا ہونے والے غلّہ اور کھجوروں کا آدھا خود لینے کی شرط پر معاملہ کر لیا تھا۔ آپ اپنی ہر بیوی کو سالانہ ایک سو وسق دیا کرتے تھے، اسّی وسق کھجور اور بیس وسق جَو۔ جب عمر خلیفہ ہوئے تو انھوں نے خیبر کو مسلمان حصہ داروں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو آپ نے اختیار دے دیا کہ وہ چاہیں تو ان کے حصّہ کی زمین انھیں دے دی جائے یا انھیں حسبِ دستورِ سابق ایک سو وسق سالانہ ملتے رہیں۔ ازواجِ مطہرات میں سے بعض نے یہ پسند کیا کہ حضرت عمر ان کا حصّہ زمین الگ کر دیں اور بعض نے سو وسق (کھجور اور جَو) لیتے رہنے کی شکل کو ترجیح دیا۔ عائشہ اور حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے یہی شکل پسند کی۔

۳۹۳۔

ہم سے عمرو بن دینار نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم لوگ ابو جعفر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے اپنی زمین، کھجور کے درختوں اور دوسرے درختوں کو ٹھیکہ پر دینے کے معاملہ کی بابت دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کو نصف پیداوار کے عوض اس کے باشندوں کو ٹھیکہ پر دیتے تھے۔ اہلِ خیبر نخلستانوں کی حفاظت، ان کی سینچائی، اور ان کو بار آور کرنے کے سارے کام انجام دیتے تھے۔ جب کھجوریں پک کر توڑی

۱۰۷ جانے کے قابل ہو جاتی تھیں تو آپ عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے تھے جو کھجوروں کی مقدار کا تخمینہ لگاتے اہلِ خیبر کھجوروں کو خود لے لیتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصف پیداوار کی قیمت ادا کر دیتے۔ ایک سال ان لوگوں نے آپ کے پاس آکر یہ شکایت کی عبداللہ بن رواحہ نے تخمینہ کرنے میں ہمارے ساتھ زیادتی سے کام لیا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ:

"ہم عبداللہ کے تخمینہ کو تسلیم کرتے ہوئے ساری پیداوار خود لے لیں گے اور تمھیں تمھارے نصف حصہ کی قیمت ادا کر دیں گے۔"

اہلِ خیبر نے اپنی انگلیوں سے اس طرح اشارہ کیا۔ (یہ کہہ کر راوی نے خود اپنی انگلیوں سے) دو تہائی کا نشان بنا کر بتایا۔[1]

انہوں نے کہا "یہ حق ہے" اسی انصاف کے سہارے آسمان و زمین قائم ہیں ہمیں پیداوار آپ نہ لیں بلکہ اُسے ہم خود رکھ لیں گے۔"

چنانچہ انہوں نے کھجوریں خود لے لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصف حصہ کی قیمت ادا کر دی۔

۳۹۴۔

حجاج نے ابو جعفر سے اور ابو جعفر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے

[1] متن کی عبارت یہ ہے: "قالوا بایدیھم ھکذا ——— وعقد بین ددر ثلاثین ——— ھذا الحق ....."

اس کا کوئی ایسا ترجمہ نہیں بنتا جو سیاق میں موزوں ہو۔ فرنچ مترجم فاگناں نے (صفحہ ۱۳۶ - نوٹ ۱) مسودہ کتاب الخراج نمبر ۱۰۵ م کے حوالے سے لکھا ہے کہ راوی در اصل عمر بن ذر ہمدانی ہے اور عبارت یہ ہونی چاہیے۔ وعقد ابنُ ذرٍ ثلاثین ——— ہمارا ترجمہ بادنیٰ تصرّف اس تصحیح کے مطابق ہے (ملاحظہ ہو فاگناں کا مذکورۂ بالا نوٹ) اس کے باوجود الجھن رفع نہیں ہوتی کیوں کہ دو تہائی کا نشان پیداوار کی دو تہائی اور ایک تہائی دو حصوں میں تقسیم ظاہر کرتا ہے جب کہ خیبر میں تقسیم نصف نصف پر تھی، جیسا کہ اسی حدیث میں مذکور ہے ——— واللہ اعلم بالصواب۔

(مترجم)

یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے خیبر کو نصف پیداوار کے عوض دیا تھا۔ انہوں نے کہا ہے کہ ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی زمینوں کو تہائی پیداوار کے عوض دیا کرتے تھے۔

۳۹۵۔

اعمش نے ابراہیم بن مہاجر سے اور انہوں نے موسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ موسیٰ بن طلحہ نے کہا ہے کہ میں نے سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن مسعود کو اپنی زمینیں تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض دیتے ہوئے دیکھا ہے۔

۳۹۶۔

حجاج بن ارطاۃ نے بروایت ابو جعفر، بروایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے خیبر کو نصف پیداوار کے عوض دیا تھا۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہم اپنی زمینیں تہائی پیداوار کے عوض دیا کرتے تھے۔

اس باب میں ہم نے جو کچھ سنا ہے اس میں بہترین مسلک یہی ہے، واللہ اعلم۔ اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

۳۹۷۔ مزارعت کی قسمیں

ہمارے نزدیک مزارعت کی کئی قسمیں ہیں:۔

ایک قسم وہ ہے جس کی نوعیت عاریت کی ہے، جس میں اجارہ[1] نہیں ہوتا۔ اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ کوئی آدمی اپنے بھائی کو کوئی زمین برائے کاشت دے دے اور اس سے کرایہ کا معاملہ نہ کرے۔ عاریت پر لینے والا اپنے پاس سے بیج اور بیل کا انتظام کر کے اپنے خرچ پر اسے زیرِ کاشت لاتا

۱۰۸ ہے۔ پیداوار اس کی ہوگی اور زمین کا خراج مالکِ زمین کے ذمہ ہوگا۔ البتہ اگر یہ زمین عشری ہے تو عشر کاشت کرنے والے کے ذمہ ہوگا۔ یہی رائے ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ زمین ایک آدمی کی ہو اور وہ کسی دوسرے آدمی کو دعوت دے کہ وہ اس پوری زمین کی کاشت عمل میں لائے البتہ بیج اور دوسرے تمام اخراجات دونوں برابر برابر برداشت

[1] تیموری نسخہ میں ہے "جس میں شرط نہیں ہوتی"

کریں۔ یہ شکل بھی پہلی شکل کی طرح ہے۔ پیداوار دونوں کی مشترکہ ملکیت ہوگی۔ زمین اگر عشری ہے تو عشر پیداوار ہی سے نکالا جائے گا، اور اگر خراجی ہے تو خراج مالکِ زمین کے ذمہ ہوگا۔

ایک اور شکل پرتی زمین کو سال دو سال کی متعین مدت کے لیے کسی متعین رقم پر کرایہ پر دینے کی ہے۔ یہ شکل بھی جائز ہے۔ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے مطابق خراج صاحبِ زمین کے ذمہ ہوگا، اور اگر زمین عشری ہے تو عشر بھی صاحبِ زمین کے ذمہ ہوگا۔ کرایہ پر دی جانے والی زمینوں کے خراج کے بارے میں میری بھی یہی رائے ہے، البتہ عشر بہر حال اس فرد کے ذمہ ہوگا جو پیداوار کا مالک ہو۔

چوتھی شکل تہائی یا چوتھائی پیداوار پر بٹائی کا معاملہ کرنے کی ہے۔ اس کے بارے میں ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے یہ ہے کہ یہ معاملہ فاسد ہے۔ جس نے اس شرط پر زمین لی ہو اُسے اس قسم کی زمینوں کے کرایہ کے برابر کرایہ ادا کرنا ہوگا اور خراج یا عشر (دونوں میں سے جو بھی واجب ہو اس کی) ادائیگی مالک زمین کے سر ہوگی۔ میری رائے یہ ہے کہ مزارعت کا معاملہ اپنی مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ جائز ہوگا۔ زمین پر خراج عاید ہو تو وہ مالکِ زمین کے ذمہ ہوگا اور عشر واجب ہو تو وہ دونوں کے ذمہ کھیت کی پیداوار میں عائد ہوگا۔

ایک اور شکل یہ ہے کہ زمین، بیل اور بیج ایک آدمی کے ہوں اور وہ کسی کاشتکار کو بلا کر پیداوار کے چھٹے یا ساتویں حصہ کے عوض اس پر محنت کروائے۔ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی تائید کرنے والے فقہاء کے نزدیک یہ معاملہ بھی فاسد ہے۔ محنت کار کو اجرتِ مثل دی جائے گی اور ساری پیداوار مالکِ زمین کی ہوگی۔ خراج کی ادائیگی مالکِ زمین کے ذمہ ہوگی، لیکن اگر عشر واجب ہو تو وہ پیداوار ہی سے لیا جائے گا۔

متعدد آثار کی روشنی میں میری رائے یہ ہے کہ یہ دو افراد مذکورہ بالا شرائط پہ معاملہ کریں وہ جائز ہوگا۔

۳۹۸۔ ناجائز معاملات

- اگر نصف آمدنی کے عوض کوئی شخص کسی دوسرے کو ایک پن چکی دے تاکہ وہ اسے چلائے اور اجرت سے کر لوگوں کا غلہ پیسنے کا کام کرے تو یہ معاملہ فاسد اور ناجائز ہوگا۔

۳۹۹۔

۱۰۹ یہی نوعیت اس معاملہ کی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو کسی بستی کے جھونپڑے یا مکانات، جانور یا کشتیاں کرایہ پر اٹھانے کا کاروبار کرنے کے لیے دے اور یہ طے پائے کہ ان سے جو آمدنی ہوگی اس میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے۔ یہ شکل نہ ابو حنیفہ کے نزدیک درست ہے نہ میرے نزدیک درست۔ مزارعت اور معاملت کی جو شکلیں اوپر زیرِ بحث آئی ہیں ان میں اور اس شکل میں بڑا فرق ہے۔

۴۰۰۔

معاملہ کی اس فاسد شکل میں اجیر کو اجرتِ مثل ملنی چاہیے جس کی ادائیگی (سامان یا جائداد کے) مالک کے ذمہ ہوگی۔ پن چکی یا کشتی سے جو آمدنی ہو وہ اس کے مالک کی ہوگی۔

فصل ۳

احیاءِ موات سے متعلق بعض مسائل

۴۰۱۔

امیر المومنین! آپ نے ان قطعات کے بارے میں دریافت کیا ہے جو دجلہ اور فرات میں پانی کے ایک طرف ہٹ جانے کے سبب خشک ہو کر نمودار ہو جاتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا علاقہ کسی شخص کی زمین کا ایک حصہ ہوتا ہے اور یہ شخص اسے پانی سے محفوظ کر کے زیرِ کاشت لاتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دجلہ یا فرات میں اس طرح کے کسی جزیرے پانی خشک ہو جانے کے بعد اس علاقے سے متصل قطعۂ زمین کا مالک اس علاقہ کو بھی پانی سے محفوظ کر کے زیرِ کاشت لے آئے۔

اس کی نوعیت افتادہ زمینوں جیسی ہے اور اگر اس فرد کا قبضہ کسی دوسرے کے لیے مضرت رسانی کا باعث نہ ہو تو یہ زمین اس کی ملک ہو جائے گی۔ البتہ اگر اس سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچ رہا ہو تو بغیر امام کی اجازت کے اس شخص کو نہ تو اس زمین پر قبضہ کرنے دیا جائے گا نہ اسے بند باندھنے یا کاشت کرنے یا کوئی دوسرا تصرف کرنے کی اجازت ہوگی۔

۴۰۲۔

جب دریائے دجلہ میں پانی کسی ایسے علاقہ سے ہٹ جائے جو قبستان موسیٰ کے سامنے والے جزیرہ یا مشرق کی جانب والے جزیرہ کی طرح ہو تو کسی فرد کو اس پر کوئی نیا تصرف کرنے اس پر تعمیر عمل میں لانے یا کاشت کرنے کا حق نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ اس طرح کے علاقوں پر بند باندھ کر زیر کاشت لانے دیا جائے تو عام لوگوں اور گھروں کے مالکوں کو نقصان پہنچے گا۔

میری رائے میں امام کو بھی اس طرح کے علاقوں میں سے جاگیر دینے یا ان پر کوئی نیا تصرف کرنے کا اختیار نہیں۔

۴۰۳۔

البتہ شہر کے باہر اس طرح کے جو علاقے ہوں ان کی نوعیت افتادہ زمینوں جیسی ہے، کوئی بھی آدمی اسے کارآمد بنا سکتا ہے البتہ اسے اس زمین کے سلسلہ میں ریاست کا حق ادا کرنا ہوگا۔

اسی طرح اگر وادیوں میں کوئی غیر مملوکہ زمین زیر آب آگئی ہو، پھر کوئی شخص بند باندھ کر، پانی نکال کر اس زمین کی بازیافت عمل میں لائے اور اس میں جو نرکل ہوا سے کاٹ دے اور اسے کارآمد بنائے تو یہ بھی افتادہ زمین کی آبادکاری قرار دیا جائے گا۔

جنگل، جھاڑی اور ترائی کے جس غیر مملوکہ علاقہ کو بھی کوئی فرد اصلاح کر کے کارآمد بنائے اور اس کی آبادکاری عمل میں لے آئے وہ افتادہ زمین کی مانند اس کی ملکیت قرار پا جائے گا۔

۴۰۴۔

اگر کسی فرد نے اس طرح کے کسی ایسے علاقہ کا احیاء کیا ہو جو پہلے سے کسی دوسرے کی

ملکیت تھا تو میری رائے میں یہ علاقہ پہلے مالک کو واپس دے دیا جائے گا اور اس دوسرے آدمی کا اس میں کوئی حق نہ ہوگا۔

اگر اس دوسرے آدمی نے اس زمین پر کھیتی کر لی ہے تو فصل اس کو مل جائے گی۔ لیکن اس کھیتی کے سبب زمین (کی قوت نمو) میں جو کمی واقع ہوتی ہے اس کی تلافی اس کے ذمہ ہوگی۔ اس کے ذمہ (زمین کا) کوئی کرایہ نہ ہوگا۔ البتہ اس نے جو نرکل اس میں سے کاٹے ہوں ان کی قیمت اس کے ذمہ ہوگی۔

یہ زمین اگر میدانی علاقہ کی ہو اور اس میں دوسرے پودے رہے ہوں تو ان کا معاملہ بھی یہی ہے کیوں کہ دوسرے پودوں کی نوعیت بھی نرکل جیسی ہے۔

۴۰۵۔

اگر کوئی آدمی کسی وادی میں کوئی قطعۂ زمین گھیرے اور اس کے لیے نہر بھی کھود لے، پھر کوئی دوسرا آدمی آئے اور اس کے ساتھ اس زمین پر محنت کرنے اور اس زمین میں شریک ہونے کا خواہش مند ہو تو، اگر اس آدمی کے شریک بننے کے وقت اس زمین کا پانی خشک ہو چکا تھا تو یہ شرکت باطل ہوگی، لیکن اگر اس وقت تک پانی خشک نہیں ہوا تھا تو شرکت جائز ہوگی۔

اسی طرح کسی میدانی علاقہ میں کوئی آدمی کھیتی شروع کرنے والا ہو اور ایک دوسرا آدمی اگر شریک ہونا چاہے تو، اگر پہلا آدمی اس زمین میں کنواں کھود چکا ہو یا حوض بنا چکا ہو یا نہر کھود کر وہاں پانی لا چکا ہو، تو اس کے بعد کی جانے والی شرکت فاسد ہوگی، لیکن اگر اس نے ابھی کنواں یا حوض کھودنے یا نہر تعمیر کرنے کا کام نہ کیا ہو تو پہلی شکل کی طرح اس شکل میں شرکت جائز ہوگی۔

۴۰۶۔

دجلہ و فرات کے جن جزیروں سے پانی ہٹ جائے وہ اگر کسی شخص کے گھر اور صحن کے سامنے واقع ہوں اور یہ شخص اُسے اپنے صحن میں شامل کرنے کا خواہش مند ہو تو اُسے ایسا نہیں کرنے دیا جائے گا۔ البتہ ایسے علاقہ کو اگر کوئی شخص بند باندھ کر پانی سے محفوظ کرے اور اس پر

کاشت کرنے لگے اور اس کے سلسلہ میں ریاست کا حق ادا کرنے لگے تو یہ جائز ہوگا۔ اس کی زعیت افتادہ زمین جیسی ہے جسے کوئی کارآمد بنالے۔ چنانچہ اگر مذکورہ بالا شخص جس کا محل اس علاقہ سے متصل واقع ہے اس زمین کو زیر کاشت لاکر اس پر ریاست کا حق ادا کرنا چاہیے تو وہ ایسا کرنے کا زیادہ حق دار ہے اور یہ زمین اس کی ہو جائے گی۔

۴۰۷۔

اگر صورت حال یہ ہو کہ جس علاقہ سے پانی ہٹ گیا ہے اس کے گرد اگر بند باندھ دیا جائے تو یہ دجلہ و فرات میں سے گذرنے والے جہازوں اور کشتیوں کے لیے نقصان دہ ہو اور 111
ان کشتیوں کے مسافروں کو غرق ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی شکل میں اس علاقہ کو آباد کاری کرنے والے کے قبضہ سے نکال کر سابق حالت میں لوٹا دیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ اس جزیرہ کی نوعیت مسلمانوں کی رہ گذر کی ہے اور کسی فرد کو بھی مسلمانوں کی رہ گذر میں کوئی ایسا تصرف کرنے کا اختیار نہیں جو ان کے لیے نقصان دہ ہو۔

۴۰۸۔

امام کو بھی مسلمانوں کی رہ گذر کے کسی حصہ کو جس کا کسی فرد کو دے دینا عام مسلمانوں کے لیے مضرت کا باعث ہو، کسی کو بطور جاگیر دینے کا اختیار نہیں حاصل ہے۔

امام اگر مسلمانوں کی کسی عام رہ گذر کو تعمیر مکان کے لیے کسی فرد کی ملک میں دینا چاہے تو اسے ایسا کرنے کا اختیار نہ ہوگا، خواہ وہ عوام کے لیے اس سڑک کے عوض قریب یا دور کوئی متبادل راستہ بھی فراہم کر رہا ہو۔ ایسا کرنا اس کے لیے حلال نہ ہوگا۔ اگر وہ ایسا کر بیٹھا تو گنہ گار ہوگا۔

یہی نوعیت دجلہ و فرات جیسے بڑے دریاؤں کے ان علاقوں کی ہے جن سے پانی ہٹ جائے۔ امام کے لیے انھیں بطور جاگیر کسی فرد کو دینا اسی حال میں روا ہوگا جب ایسا کرنے سے کسی کو نقصان نہ پہنچے۔ نقصان کا اندیشہ ہو تو اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

جو کوئی بھی ان علاقوں میں کوئی ایسا تصرف کرے جو باعث مضرت ہو اس کے تصرف

کو مٹا کر سابق حالت برقرار کر دی جائے گی۔

۴۰۹۔ ضرر اور ازالہ ضرر

آپ نے ان بڑے ڈولوں[1] کی بابت دریافت کیا ہے جو دجلہ میں ڈال دیے جاتے ہیں اور دجلہ میں گذرنے والی کشتیوں کے راستہ میں پڑتے ہیں۔ ان ڈولوں سے فوائد بھی وابستہ ہیں اور نقصانات بھی۔ اگر یہ گذرنے والی کشتیوں کو نقصان پہنچاتے ہوں تو ان کو کنارے کر دیا جائے گا اور ان کے مالکوں کو اس کی اجازت نہ ہوگی کہ ان کو دوبارہ ان مقامات پر واپس لائیں۔ البتہ اگر ان سے کسی نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو ان کو بدستور رہنے دیا جائے گا۔

مجھے بتلایا گیا ہے کہ ان سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ کبھی کبھی پانی کی موجیں کشتیوں کو ان سے ٹکرا دیتی ہیں اور کشتیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ میری رائے میں ان سے ٹکرا کر جو کشتیاں ٹوٹ جائیں ان کے نقصان کی تلافی ڈول والے کے سر ہوگی۔

امام کو چاہیے کہ اس طرح کے ڈول باقی نہ رہنے دے بلکہ ایک فرمان کے ذریعہ ان کو تڑوا دے اور کنارے ہٹا دے، کیوں کہ ان سے بڑا نقصان ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں دجلہ و فرات کی حیثیت مسلمانوں کی شاہراہوں جیسی ہے کسی کو ان میں تصرف کا اختیار نہیں۔ اگر کوئی شخص کوئی ایسا تصرف کرتا ہے جس کے سبب کوئی ہلاک ہو جائے تو وہ اس کا ذمہ دار ہوگا۔

۴۱۰۔

میری تجویز یہ ہے کہ کسی معتمد علیہ دیانت دار آدمی کو اس کام کا ذمہ دار بنا دیا جائے تاکہ وہ جائزہ لے اور دجلہ و فرات میں پائے جانے والے ڈولوں میں سے کسی ڈول کو بھی کسی ایسے مقام پر نہ رہنے دے جہاں ان کا رہنا کشتیوں کے لیے باعث مضرت ہو یا جن سے ان کشتیوں

---

[1] متن میں "خوب" ہے۔ جس کا ترجمہ ہم نے بڑے ڈول کیا ہے۔ فرینچ مترجم فاگناں نے اس کا ترجمہ MOULINS کیا ہے۔ صفحہ ۱۴۱، سطر ۱ جس کے معنی پن چکی کے ہیں۔ (بحوالہ ڈوزی) (مترجم)

کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، ایسے ہر فدل کو وہ کنارے کر دے اور اس کے مالک کو متنبہ کر دے کہ وہ ان کو دوبارہ ان مقامات پر نہ واپس لائیں۔ اس کام کی انجام دہی سے بہت بڑا اجر وابستہ ہے۔

فصل ۴
نہر، نالی اور کنویں سے متعلق مسائل

۴۱۱۔ نہروں کی مرمت کا مسئلہ

۱۱۲ امیر المومنین! آپ نے کسی والی یا امیر کی کھدوائی ہوئی نہر یا دوسری ایسی نہروں کے بارے میں دریافت کیا ہے جن کے کنارے مٹی سے اٹ کر عام لوگوں کی سڑک کو بند کر دینے کا باعث بن گئے ہوں اور اب ان سے لوگوں کے گھروں کو بھی نقصان پہنچ رہا ہو۔ ان کے سبب لوگوں کو اپنے گھروں میں ڈھلوان راستہ سے گذر کر یا دوڑتے ہوئے داخل ہونا پڑتا ہو۔ آپ کا سوال یہ ہے کہ ایسی شکل میں کیا کیا جائے۔ کیا امام کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ جب معاملہ اس کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ ایسی نہروں کو پاٹ دینے اور ان کے کنارے توڑ کر ہموار کر دینے کا حکم صادر کرے؟

اس کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ اگر یہ نہر قدیمی ہو تو اسے علیٰ حالہٖ چھوڑ دیا جائے۔

اگر نہر نئی ہو اور کسی والی نے یا دوسرے آدمی نے اسے حال ہی میں تعمیر کیا ہو تو اس نہر کے فوائد زیادہ ہوں تو اسے علیٰ حالہٖ چھوڑ دیا جائے، لیکن اگر نقصان کا پہلو غالب ہو تو آپ کو چاہیے کہ اسے منہدم کر کے پاٹ کے سطح زمین کے برابر کر دینے کا حکم دے دیں۔

جس نہر کے فوائد کا پہلو غالب ہو اس کے انہدام یا اس میں کسی اور مضر تصرف سے امام کو اجتناب کرنا چاہیے۔ البتہ اگر کسی نہر سے فائدہ سے زیادہ نقصان ہو رہا ہو[1] تو امام کی ذمہ داری

[1] تیموری نسخہ میں ہے: اگر کسی نہر سے کوئی فائدہ نہ ہو۔

ہو جاتی ہے کہ اسے منہدم کر کے پٹوا کر سطح زمین کے برابر کروا دے۔ اس کلیہ سے صرف وہ نہریں مستثنیٰ ہیں جو انسانوں اور جانوروں کے پانی پینے کے کام آتی ہوں۔ اگر کچھ لوگوں کو ان سے نقصان پہنچ رہا ہو اور دوسرے لوگوں کو پانی پینے کا فائدہ حاصل ہو رہا ہو تو ان نہروں سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔

اگر کچھ لوگ بغیر امام کی اجازت کے ایسی نہر کو پاٹ کر بند کر دیں تو امام کو چاہیے کہ اسے دوبارہ پہلے کی طرح جاری کرا دے، اور ان لوگوں کو ایسا کرنے کی سخت سزا ملنی چاہیے۔ وجہ یہ ہے کہ پانی پینے اور سینچائی کرنے میں بڑا فرق ہے۔ ہم لوگ پانی پینے (کے حق) کی خاطر تو قتال کرنے کو جائز سمجھتے ہیں، لیکن زمینوں کی سینچائی کی خاطر قتال کی اجازت نہیں دیتے۔

۴۱۲۔

ایسی نہر سے پانی پینے کا حق رکھنے والوں کو اختیار ہو گا کہ اگر کوئی شخص اس سے اپنے کھیت یا باغ کی سینچائی کرنا چاہے تو اسے روک دیں، بشرطیکہ اس شخص کے ایسا کرنے سے ان لوگوں کو واقعۃً تکلیف ہو رہی ہو۔

۴۱۳۔ بڑی نہروں کی تعمیر کا طریقہ

۱۱۳ آپ کا دوسرا سوال ایسی نہر سے متعلق ہے جو دجلہ یا فرات سے نکلتی ہو اور کسی مخصوص گروہ کی ملکیت ہو۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اس نہر کی کھدائی کرنا چاہیں تو اس کا بار ان کے درمیان کیسے تقسیم کیا جائے۔

اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ یہ سارے لوگ مل کر کھدائی شروع کریں گے، اور کھدائی کا کام دریا کے قریب والے سرے سے شروع کریں گے۔ جس جس فرد کی زمین تک نہر کی کھدائی کا کام پورا ہوتا جائے گا اس کے سر سے کھدائی کی ذمہ داری ختم ہوتی جائے گی اور آگے صرف باقی ماندہ لوگ کام کریں گے، تا آنکہ نہر کا دوسرا سرا آ جائے۔

بعض فقہا نے یہ طریقہ تجویز کیا ہے کہ پہلے نہر کو دریا کے کنارے سے آخری سرے تک

کھود لیا جائے گا۔ پھر اس پر آنے والے جملہ مصارف کا حساب لگایا جائے گا۔ ان مصارف کو اُن ساری زمینوں پر تقسیم کر دیا جائے گا جو اس سے سیراب ہوتی ہوں اور ہر مالک زمین پر اس کی زمین کے بقدر حصہ عاید کر دیا جائے گا۔

آپ ان میں سے جس طریقہ کو چاہیں اختیار کر سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں آپ (اپنے کو کسی ایک طریقہ کا پابند پا کر) تنگی نہ محسوس کریں گے۔

۴۱۴۔

اگر اس مخصوص نہر کے مالکوں کو اس کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہو اور وہ اس کے کناروں کی مرمت کرنا چاہتے ہوں، لیکن بعض مالکان زمین اس کام میں شریک ہونے سے گریز کرتے ہوں تو اگر نہر کو ایسا خطرہ لاحق ہو جو عام مضرت کا سبب بن سکتا ہو تو امام کو چاہیے کہ ان تمام لوگوں کو مجبور کرے کہ وہ کنکر وغیرہ کے ذریعہ اس کے کناروں کو مستحکم کریں۔ البتہ اگر مضرت عامہ کا اندیشہ نہ ہو تو سب کو نہ مجبور کیا جائے بلکہ ہر آدمی کو حکم دیا جائے کہ وہ اپنے (علاقہ میں واقع) حصۂ نہر کی مرمت کرے۔

۴۱۵۔

اس نہر کے مالکوں کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ کسی فرد کو اس میں پانی پینے سے روک دیں۔ البتہ انھیں دوسروں کو سینچائی کے لیے پانی لینے سے روکنے کا حق حاصل ہے۔

۴۱۶۔ پانی پینے اور پلانے کا حق

کسی چشمہ، کنوئیں یا نالی کے مالکوں کو یہ حق نہیں حاصل ہے کہ مسافروں کو اس میں سے پانی پینے یا اپنی سواری کے جانوروں اور اونٹ، بھیڑ، بکری وغیرہ کو پانی پلانے سے روک سکے وہ پانی کو پینے کے لیے فروخت کرنے کا بھی حق نہیں رکھتے۔ پانی پینے سے ہماری مراد انسانوں، ان کی سواری کے جانوروں، اونٹوں اور دوسرے حیوانات کے پانی پینے کے حق سے ہے۔

مالک کو اس کا حق حاصل ہے کہ دوسروں کو کھیتوں، کھجور کے درختوں اور باغات کی سینچائی

کے لیے پانی لینے سے روکے۔ کسی دوسرے فرد کو یہ حق نہیں کہ مالک کی اجازت کے بغیر ان چیزوں کی سینچائی کے لیے پانی لے سکے۔ اگر مالک اُسے اجازت دے دے تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر وہ پانی کو اس کے ہاتھ فروخت کرے تو یہ بیع جائز نہیں ہوگی اور خریدار یا فروخت کنندہ کسی کے لیے بھی حلال نہ ہوگی کیوں کہ (پانی کی مقدار) غیر متعین اور نا قابلِ علم ہے اور اس بیع میں دھوکہ کا اندیشہ ہے۔

اسی طرح اگر پانی کسی مصنوعی طور پر تعمیر کردہ حوض میں ہو جہاں وہ سیلاب وغیرہ کے ذریعہ جمع ہو جاتا ہو تو اس کی بیع بھی لا حاصل ہے۔

اگر فروخت کنندہ چند متعین پیمانوں یا مقررہ وزن کی مقدار کے حساب سے پانی فروخت کرے تو بھی بیع ناجائز ہوگی۔ عدم جواز کا سبب اس باب میں منقول حدیث اور سُنّت ہے۔

۴۱۷۔ پانی کی فروخت

برتنوں میں رکھے ہوئے پانی کی فروخت میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ یہ محفوظ کردہ پانی ہے۔ مالک پانی کو اپنے برتن میں محفوظ کرے تو اس کی بیع میں کوئی حرج نہیں۔ اگر وہ پانی کے لیے ایک

۲۴ حوض بنائے، کسی برتن میں بھر بھر کر اس میں پانی ڈالے اور جب کافی پانی جمع ہو جائے تو اسے فروخت کرے تو درست ہوگا۔ کیوں کہ اس طرح برتن میں رکھنے کی شرط پوری ہو جائے گی۔ اب اس نے پانی کو محفوظ کر لیا اور اس کی بیع جائز ہوگی۔ لیکن اگر اسی حوض میں سیلاب وغیرہ کے ذریعہ پانی جمع ہو جائے تو اس کی بیع درست نہ ہوگی۔

۴۱۸۔

چشمہ یا کوئیں کے پانی کی بیع بھی لا حاصل ہے، خواہ اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔ اگر کوئی اسے فروخت کرے گا تو یہ فروخت جائز نہ ہوگی۔ ہر شخص کو ان جگہوں سے پانی لینے کا حق حاصل ہے، حالانکہ اگر ان کی بیع درست ہوتی تو پانی لینے والے کے لیے مالک کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہوتا۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ کسی فرد کو بھی اپنے ساتھی کی مشک سے بلا اس کی اجازت اور رضامندی کے پانی لینے کا حق نہیں۔ الّا یہ کہ اسے ایسی شدید ضرورت لاحق ہو کر (بغیر پانی کے

اسے اپنی جان جانے کا اندیشہ ہو۔

۴۱۹۔

متعدد احادیث و آثار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی چشمہ، کوئیں، نہر یا نالی کے مالک کو یہ حق نہیں حاصل ہے کہ مسافروں کو پانی لینے سے روکے، البتہ اسے لوگوں کو کھیت، کھجور، دوسرے درختوں اور انگور کی بیلوں کو سیراب کرنے کے لیے پانی لینے سے روکنے کا حق حاصل ہے کیوں کہ اس حق کے اثبات کے لیے کوئی حدیث نہیں منقول ہے، اور اس سے پانی کے مالک کو نقصان بھی پہنچتا ہے، لیکن اونٹوں، مویشیوں اور دوسرے جانوروں کو پانی پینے سے روکنے کا اُسے کوئی حق نہیں۔

(مالک کو نقصان پہنچنے کی بات کو آپ ایک مثال کے ذریعہ سمجھ سکتے ہیں) آپ نہیں دیکھتے کہ اگر ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کی نہر کو اپنی زمین کی طرف کاٹ لے جائے اور دونوں اپنا مقدمہ آپ کے سامنے لائیں تو آپ نہر ــــ کے مالک کے حق میں فیصلہ کریں گے، اور جس شخص نے اس پر زیادتی کی ہے اسے پانی کو اپنی زمین کی طرف موڑ لے جانے سے روک دیں گے۔ یہ پانی کسی نہر سے جایا گیا ہو یا نالی، چشمہ، کوئیں یا حوض سے، ہر حال میں فیصلہ یہی ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس (طرح پانی کاٹ لے جانے) سے پانی والے کی کھیتی تباہ ہو جائے گی، مگر حیوانات کے پانی پینے کے جس حق کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے اس سے پانی کے مالک کو یہ خطرہ نہیں ہوگا۔ آپ دیکھتے نہیں کہ پانی کا غاصب کی نہر میں بہا لیا جانا اُسے مالک کی زمین، کھیت، کھجور اور درختوں اور فصل سے کاٹ دیتا ہے (اور یہ پانی سے محروم رہ جاتے ہیں) لیکن انسانوں اور جانوروں کے پانی پینے سے یہ محرومی اور اس سے وابستہ نقصانات نہیں ہوتے۔ ان دونوں شکلوں کے درمیان تفریق اس باب میں منقول احادیث اور سنت کی بنا پر کی گئی ہے۔

۴۲۰۔ فاضل پانی کی فروخت ناجائز ہے

محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ نے عمرو بن شعیب سے، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ان کے دادا نے کہا ہے:

"عبداللہ بن عمر کے ایک ملازم نے عبداللہ بن عمر کو لکھا:

"اپنے کھیتوں، کھجوروں اور دوسرے درختوں کی سینچائی کے بعد جو پانی فاضل بچ رہا ہے اس کے عوض مجھے تیس ہزار (درہم) پیش کیے جارہے ہیں۔ اگر آپ کی رائے ہو تو میں اسے فروخت کر کے غلام خرید لوں اور ان سے آپ کے کاموں 115
میں مدد لیا کروں۔"

اس پر آپ نے اُسے یہ لکھا کہ:

"مجھے تمہارا خط ملا، اور اس کا منشا سمجھ میں آیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ: "جس نے فاضل پانی کو روکا تاکہ فاضل چارہ نہ اگ سکے اُسے اللہ قیامت کے دن اپنے فضل سے محروم رکھے گا۔"

اس خط کے موصول ہونے پر اپنے نخلستانوں، کھیت اور درختوں[1] کو سیراب کرو اور جو پانی فاضل بچ رہے اس سے اپنے پڑوسیوں (کی زمینوں) کو سیراب ہونے دو۔ پہلے سب سے قریبی پڑوسی کو، پھر اس کے بعد والے کو۔ . . . . . (وعلی ہذا الترتیب)۔ والسلام۔

۴۲۱۔ پانی مشترکہ ملکیت ہے

حریز[2] بن عثمان الحمصی نے بروایت زید بن حبان الشرعبی مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ: ہم میں سے ایک آدمی سرزمین روم میں مقیم تھا۔ کچھ لوگ اس کے خیمہ کے ارد گرد مویشی چرایا کرتے تھے[3] جنھیں اس آدمی نے بھگا دیا۔ ایک مہاجر نے اس کو ڈانٹا اور ایسا کرنے سے منع کیا چنانچہ وہ باز آگیا۔ مہاجر نے اس سے کہا کہ میں تین غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے: "زمینوں کو۔"

[2] ۱۳۰۲ھ کے ایڈیشن کے متن میں جریر بن عثمان ہے لیکن ۱۳۵۲ھ کے ایڈیشن (مکتبہ سلفیہ۔ قاہرہ) کے حاشیہ میں صراحت ہے کہ یہ طباعت کی غلطی ہے۔ صحیح نام حریز بن عثمان ہے۔ ترجمہ میں صحیح نام لکھا گیا ہے۔ (مترجم)

[3] یہ ترجمہ تیموری نسخہ کے مطابق ہے جس کا حوالہ حاشیہ میں ہے۔ متن میں "مویشی چرایا کرتے" کی جگہ "زراعت کرتے" ہے

وسلم کے ساتھ شریک رہا ہوں اور اسی اثنا میں میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ،

"تین چیزوں میں سارے مسلمان شریک ہیں: پانی، چارا، اور آگ۔"

اس آدمی نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنا تو اس کا دل پسیج گیا اور اس نے اگر ان (مہاجر) صاحب کو گلے لگا لیا، اور ان سے معذرت چاہی۔

۴۲۲۔

ہم سے علا بن کثیر نے بروایت مکحول حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"چارا، پانی، یا آگ لینے سے دوسروں کو نہ روکو کیوں کہ یہ چیزیں ناداروں کے لیے سرمایہ اور کمزوروں کے لیے سہارا ہیں۔"

۴۲۳۔

محمد بن اسحاق نے عبداللہ بن ابوبکر سے اور انہوں نے عمرہ بن عائشہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کی بیع سے منع کیا ہے۔"

۴۲۴۔

ہمارے نزدیک اس کی تفسیر یہ ہے کہ آپ نے محفوظ کرنے سے پہلے پانی کی بیع سے منع کیا ہے، اور محفوظ کرنے کی شکل صرف یہ ہے کہ اُسے برتنوں یا مشکیزوں میں محفوظ کر لیا جائے۔ کوئیں اور حوض میں رہنے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۴۲۵۔ حسن بن عمارہ نے عدی بن ثابت سے، انہوں نے ابو حازم سے، انہوں نے ابو ہریرہ سے ابو ہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"تم میں سے کسی کو بھی یہ نہیں کرنا چاہیے کہ چارا اُگنے کا ستہ باندھنے کی خاطر پانی روکے۔"

۴۲۶۔ پانی کے لیے جنگ کا حق

۱۱۶ نہر، چشمہ، کوئیں، یا نالی کا مالک اگر مسافر کو خود پانی پینے یا اپنے اونٹ، بکری یا سواری کے جانور کو پانی پلانے سے روکے اور مسافر کو اپنی جان جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں ہمارے فقہاؔ کی رائے یہ ہے کہ، جب آدمی کو اپنی جان چلی جانے کا اندیشہ ہو تو وہ پانی حاصل کرنے کے لیے ہتھیار لے کر جنگ کر سکتا ہے، بشرطیکہ پانی خود مالک کی ضرورت سے زیادہ ہو۔

۴۲۷۔

کھانے کے بارے میں ان کی یہ رائے نہیں، اس کے سلسلے میں وہ صرف اس حد تک جائز سمجھتے ہیں کہ اسے قتال کے بغیر چھین لیا جائے یا غصب کر لیا جائے۔ قتال کی اجازت ان حضرات نے مخصوص طور پر اس شکل میں دی ہے جب کہ پانی برتنوں میں رکھا ہوا ہو اور اس کا مالک اسے دینے سے انکار کر دے، اگرچہ وہ اس کی ضرورت سے زیادہ ہو، مگر شرط یہ ہے کہ پانی کی ضرورت شدید ہو اور اس کے بغیر جان چلی جانے کا اندیشہ ہو۔ اس باب میں یہ حضرات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث کو دلیل بناتے ہیں۔ (جو یہ ہے:)

۴۲۸۔

"مسافروں کی ایک جماعت ایک ایسی جگہ پہنچی جہاں پانی تھا۔ انہوں نے اس کے مالکوں سے درخواست کی کہ ان کو کوئیں کا راستہ بتا دیں۔ ان مسافروں نے اُن سے کہا کہ ہماری اور ہمارے جانوروں کی گردنیں پیاس کے مارے ٹوٹی جا رہی ہیں، مہربانی کر کے تم ہمیں کوئیں تک پہنچاؤ اور ہمیں ایک ڈول دے دو جس سے ہم پانی نکال سکیں، لیکن ان لوگوں نے ایسا نہیں کیا۔ مسافروں نے واپس آ کر اس واقعہ کا ذکر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیا تو آپ نے فرمایا:

"تم نے ہتھیار لے کر ان لوگوں پر حملہ کیوں نہ کر دیا؟"

۴۲۹۔ دریائیں مشترکہ ملکیت ہیں

سارے مسلمان دجلہ، اور فرات اور ان جیسے سارے بڑے دریاؤں اور وادیوں میں یکساں

طور پر شریک ہیں۔ ان سے وہ سینچائی کے لیے بھی پانی لے سکتے ہیں اور اپنے اور اپنے جانوروں کے پینے کے لیے بھی، کسی کو انھیں اس سے روکنے کا حق نہیں۔ ہر گروہ کو اپنی اراضی، کھجوروں اور دوسرے درختوں کی سینچائی کا حق ہے، کسی کو پانی دینے اور کسی سے روکنے کا طریقہ درست نہیں۔

٤٣٠۔

اگر کوئی آدمی اس بڑے دریا سے نہر نکال کر اپنی زمین تک لے جانا چاہتا ہو تو اگر اس سے دریا کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اُسے ایسا کرنے دیا جائے گا اور اُسے نہر نکالنے کی اجازت نہ ہوگی۔ البتہ اگر اس طرح کا نقصان نہ پہنچ رہا ہو تو اُسے ایسا کرنے دیا جائے گا۔

٤٣١۔

یہ بڑا دریا جو سارے مسلمانوں کے لیے عام ہے اگر کسی طرح کی کھدائی یا مرمت کا محتاج ہو تو اس کی ذمہ داری امام کے سر ہوگی۔ اگر اس کے بند ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو امام کو چاہیے کہ اُسے درست کرائے بڑے دریا جو سارے مسلمانوں کے لیے عام ہیں ان کی نوعیت ان مخصوص نہروں سے مختلف ہے جو کسی خاص گروہ کی ملکیت ہوں اور دوسرے اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہوں۔ مخصوص نہروں کے مالکوں کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں حق شفعہ حاصل ہوتا ہے — جب کہ ان میں سے کوئی اپنی زمین فروخت کرنے جا رہا ہو۔ انھیں یہ حق بھی حاصل ہے کہ دوسروں کو اراضی اور باغات کی سینچائی کے لیے اس نہر سے پانی لینے سے روکیں۔ دجلہ و فرات کا حال یہ نہیں، ان میں سے ہر شخص سینچائی کے لیے پانی لے سکتا ہے، کشتی گذر سکتی ہے اور اس کے پانی میں شرکت کے سبب لوگوں کو حق شفعہ نہیں مل سکتا۔

فصل ۵

گھاٹ بنانے، نہریں نکالنے اور حریم کے مسائل

٤٣٢۔ گھاٹ بنا لینا۔ ۱۱۷

دجلہ یا فرات کے کنارے کسی قطعۂ زمین کا مالک اگر اپنی زمین پر گھاٹ تعمیر کرے تاکہ پانی پینے والے وہاں سے پانی لیں اور یہ ان سے اس کی اجرت وصول کرے تو ایسا کرنا جائز نہ ہوگا؛ کیوں کہ اس شخص نے نہ تو ان لوگوں کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی ہے نہ انھیں کوئی زمین کرایہ پر دی ہے۔ البتہ اگر اونٹوں اور دوسرے جانوروں کے آ کر کھڑے ہونے کے لیے گھاٹ والی زمین کو متعین ماہانہ معاوضہ پر ٹھیکہ پر دے دے تو ایسا کرنا جائز ہوگا، کیوں کہ یہ کسی زمین کو ایک متعین کرایہ پر دینے کی (جائز) شکل ہے۔ اس زمین کے کسی حصہ کو اگر کوئی شخص ایک دن کے لیے اس غرض سے کرایہ پر لے کہ اس میں اونٹ یا سواری کے دوسرے جانوروں کو رکھ سکے تو یہ شکل بھی جائز ہے۔

اگر گھاٹ بنانے والا خود اس جگہ کا مالک نہ ہو تب اس کے لیے ایسا کرنا قرین مناسب نہ جائز۔ یہ گھاٹ اگر کسی ایسی زمین پر بنا ہو جس پر کسی کا حق نہیں تو آپ اس شخص کو (معاوضہ وصول کرنے سے) روک دیجیے۔ سارے مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ ایسی جگہ سے بغیر کوئی اجرت ادا کیے پانی پئیں اور پلائیں۔ گھاٹ بنانے والے کو اجرت لینے کا حق صرف اس شکل میں دیا جائے گا جب کہ وہ اس زمین کا مالک ہو، لیکن جب زمین اس کی ملکیت نہ ہو، نہ امام نے اب اسے اس کی ملکیت میں دے دیا ہو تو اس کو نہ تو اُسے کرایہ پر دینے کا حق ہوگا نہ کسی دوسرے تصرف کا۔

اگر زمین گھاٹ بنانے والے کی ملکیت ہو اور عام مسلمان پانی پینے کے لیے اس جگہ سے گذرنا چاہتے ہوں اور وہ شخص انھیں روکے تو امام اس معاملہ[۱] پر غور کرے گا۔ اگر عام لوگوں کو پانی

---

[۱] تیموری نسخہ میں ہے: "اس زمین کے بارے میں"

حاصل کرنے کے لیے دریا تک پہنچنے کا اس کے سوا کوئی اور راستہ نہ میسّر ہو تو اس شخص کو انھیں روکنے کا حق نہ ہوگا۔ لوگ بلا کوئی معاوضہ ادا کیے اس کی زمین اور گھاٹ سے ہو کر گذریں گے، کیوں کہ اس شخص کو پانی سے روکنے کا حق نہیں حاصل ہے لیکن اگر عام لوگوں کے پانی تک پہنچنے کے لیے اس کے سوا دوسرا راستہ بھی موجود ہو تو گھاٹ کے مالک کو انھیں روکنے کا اختیار ہوگا۔

۴۳۳۔

(مختصر یہ کہ) دجلہ و فرات جیسے بڑے دریاؤں پر گھاٹ تعمیر کرنے اور اسے کرایہ پر دینے کا حق صرف اس شخص کو حاصل ہے جو یا تو پہلے سے اس زمین کا مالک ہو یا اب امام نے اُسے اس کی ملکیت میں دے کر یہ حق عطا کر دیا کہ اس پر جو تصرّف چاہے کرے۔ وجہ یہ ہے کہ دجلہ و فرات سارے مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ان پر گھاٹ وغیرہ تعمیر کرتا ہے تو ایسا کرنے کا حق اسے صرف اس شکل میں حاصل ہوگا جب کہ وہ اسے سارے عوام کے فائدہ کے لیے تعمیر کرے اور سب کے لیے کھلا رکھے۔

۴۳۴۔

۱۱۴ اگر کسی محلہ کے لوگوں نے پانی لینے کی خاطر اپنے لیے ایک گھاٹ بنا لیا ہو تو انھیں بھی دوسرے لوگوں کو وہاں سے پانی لینے سے روکنے کا حق نہیں۔ البتہ اگر اونٹوں اور دوسرے جانوروں کے وہاں اکٹھا ہونے سے ان لوگوں کو نقصان پہنچتا ہو تو وہ لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کر سکتے ہیں۔ رہے دوسرے لوگ (جن سے اس طرح کا ضرر نہ پہنچ رہا ہو) تو انھیں روکنے کا حق نہیں۔

۴۳۵۔ ضرر اور ضرر رسانی

امیر المومنین! آپ نے ایک مسئلہ یہ پیش کیا ہے کہ اگر کسی شخص کی ذاتی نہر جس سے وہ اپنے کھیت، کھجور اور دوسرے درختوں کو سیراب کرتا ہو، پھٹ پڑے اور اس کا پانی بہہ کر دوسرے کی زمین کو ڈبو دے تو کیا یہ شخص اُس کے نقصان کا ضامن ہوگا؟ میری رائے یہ ہے کہ چونکہ یہ نہر اس شخص کی ملکیت تھی لہٰذا اس پر کسی طرح کی ضمان نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر اس دوسرے آدمی کی زمین کا پانی

سوکھ جائے اور زمین ناکارہ ہو جائے تو پہلی زمین کے مالک پر اس کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی جس فرد کی زمین ڈوبی اور سوکھ گئی ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ اپنی زمین کے تحفظ کا بندوبست کرے۔ البتہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ دانستہ طور پر کسی مسلمان یا ذمّی کی زمین کو ناکارہ کر دینے اور اس کی کھیتی[1] تباہ کر کے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرر رسانی سے منع فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا ہے:

"ملعون ہے وہ شخص جو کسی مسلمان یا غیر مسلم کو نقصان پہنچائے، لعنت ہے اُس پر۔"

اور عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو عبیدہ کو یہ فرمان لکھ بھیجا تھا کہ مسلمانوں کو کسی ذمّی فرد پر ظلم و زیادتی کرنے سے روکیں۔

۴۳۶۔

اگر کسی طرح یہ بات معلوم ہو جائے کہ نہر کا مالک اپنی زمین میں پانی کھول کر اپنے پڑوسیوں کی فصل تباہ کرنے اور ان کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے تو چاہیے کہ اس کو اس ضرر رسانی سے روکا جائے۔

۴۳۷۔ مچھلیوں کی فروخت

اگر اس دوسرے فرد کی زمین پر (پہلے فرد کے بہائے ہوئے) پانی کے سبب مچھلیاں آ جائیں تو یہ مچھلیاں شکار کرنے والے کی ہوں گی نہ کہ مالکِ زمین کی۔ آپ دیکھتے نہیں کہ کوئی آدمی اگر کسی دوسرے کی زمین میں ہرن شکار کرے تو وہ ہرن اُسی کا ہوگا، یہی حال ان مچھلیوں کا بھی ہے۔ زمین کے مالک کو یہ حق حاصل ہے کہ اس آدمی کو دوبارہ اپنی زمین میں شکار کے لیے آنے سے روکے، لیکن اگر وہ دوبارہ آ کر شکار کرے تو شکار بہرحال اُسی کا ہوگا اور اس سے اس کا کوئی تاوان نہ لیا جا سکے گا۔

۴۳۸۔

جن مچھلیوں کو (حوض وغیرہ میں) اس طرح محفوظ کر دیا ہو کہ انھیں ہاتھ سے پکڑا جا سکتا ہو

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے "غرق کر دینے"

انھیں اگر کوئی دوسرا شکار کرے تو بھی وہ مالک زمین ہی کی ملکیت ہوں گی۔

۴۳۹۔ نہر نکالنے سے متعلق نزاعی امور

اگر کسی آدمی کی نہر کسی دوسرے آدمی کی زمین میں سے ہوکر گذرتی ہو اور زمین والا یہ چاہے
۱۱۹ کہ نہر اس کی زمین میں سے نہ گذرے تو وہ اس کا مطالبہ نہیں کر سکے گا۔ جب وہ نہر (عرصہ سے)
اس زمین میں سے گذرتی چلی آئی ہے تو آپ اُسے علیٰ حالہٖ جاری رہنے دیں کیوں کہ نہر اسی حال
میں اس آدمی کے قبضہ میں چلی آرہی ہے۔ اگر نہر اس آدمی کے قبضہ میں نہ رہی ہو اور پہلے سے
وہاں بہتی نہ چلی آرہی ہو تو آپ اس آدمی سے اس بات پر گواہی طلب کیجیے کہ یہ نہر اسی کی ہے
اگر گواہی مل جائے تو آپ اس کے حق میں نہر کی ملکیت کا فیصلہ کر دیں۔ اگر وہ نہر کی ملکیت پر
گواہ لانے سے قاصر رہے اور صرف اِس بات پر شہادت مل سکے کہ وہ عرصہ سے اس نہر میں پانی
بہاکر سینچائی کے لیے اپنی زمین تک پانی لاتا رہا ہے تو آپ اس کا یہ حق بحال رکھیں۔ ایسی شکل
میں نہر اور اس کے دونوں جانب کا حریم اس کا ہوگا تاکہ وہ اس کی کھدائی اور مرمت کر سکے۔ زمین
کے مالک کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جب یہ شخص اپنی نہر کو گہرا کرنے یا اس کی مرمت کرانے کا ارادہ کرے
تو اسے روک دے۔ اس شخص کو یہ حق حاصل ہوگا کہ نہر سے مٹی نکال کر اس کے دونوں کناروں پر اپنے
حریم کے اندر ڈالے۔ البتہ اسے زمین کے مالک کی زمین میں کوئی ایسی چیز نہ ڈالنی چاہیے
جس سے اُس کو نقصان پہنچے۔

اس طرح اگر اس آدمی کی یہ نہر اس کی زمین کے بعد بہتی ہوئی کسی دوسرے کی زمین میں
اپنا فاضل پانی گراتی ہو اور اُس زمین کا مالک اس پانی کے بہنے میں رکاوٹ ڈالے تو، اگر اس
نہر کا مالک گواہی کے ذریعہ ثابت کر دے کہ اصل نہر اسی کی ہے تو اس کا حق تسلیم کر لیا جائے گا۔
اور اس کا فاضل پانی بدستور اس دوسرے شخص کی زمین میں رہنے دیا جائے گا۔

۴۴۰۔

اگر کوئی آدمی کسی دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر کنواں، نہر یا نالی کھودے

تو اُسے اس آدمی کو روکنے کا حق حاصل ہے۔ وہ اس سے اس کی کھودی ہوئی زمین کے
پاٹنے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اگر اس کھدائی سے اس کی زمین کو نقصان پہنچا ہو تو اسے اس
کا معاوضہ ادا کرنا ہوگا۔ یہ تاوان اس نقص کے بقدر ہوگا جو کھدائی کے سبب زمین میں واقع ہوا ہو۔

۴۴۱۔

اگر کوئی شخص نالی تعمیر کر رہا ہو اور اُسے کسی دوسرے آدمی کی نالی کے اوپر یا نیچے سے
گذارنا چاہتا ہو تو یہ دوسرا آدمی جس کی نالی پہلے سے موجود ہے اس شخص کو ایسا کرنے سے روک
سکتا ہے اور اس سے اپنی کھودی ہوئی نالی کے پاٹنے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اگر وہ پہلے اس شخص
کو اس نالی کی تعمیر کی اجازت دے چکا ہو اور وہ اس کی کھدائی عمل میں لا چکا ہو تو بھی وہ جب چاہے
اس کو روک سکتا ہے اور اس ممانعت سے اس کے سر کوئی تاوان نہ عاید ہوگا۔ صرف ایک شکل ایسی
ہے جس میں ممانعت کرنے پر اسے تاوان دینا ہوگا۔ اگر اس نے یہ اجازت دی ہو کہ تم فلاں وقت
تک نالی کھود سکتے ہو اور اس وقت کے آنے سے پہلے ہی اُسے ایسا کرنے سے روک دے
تو اس شخص نے نالی کی تعمیر میں جو کچھ صرف کیا ہو وہ اسے تاوان دینا ہوگا۔ البتہ کھدائی کا کوئی معاوضہ
نہ دینا ہوگا۔

۴۴۲۔ حریم کے مسائل

امیر المومنین! آپ نے یہ بھی دریافت فرمایا ہے کہ میدانوں میں جو کنویں، نالیاں، نہریں اور چشمے
کھیت سینچنے، مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے اور خود پانی پینے کے لیے کھودے جائیں ان کا حریم
کتنا ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی میدانی علاقہ میں کسی ایسی جگہ کنواں کھودے جس
پر کسی مسلمان یا معاہد کا کوئی حق نہ ہو تو اس کے چاروں طرف چالیس ہاتھ تک کا رقبہ زمین بطور
حریم اس کے لیے ہوگا، بشرطیکہ وہ کنواں مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے کھودا گیا ہو۔ اگر کنواں
۱۲۰ ناضح کے لیے کھودا گیا ہو تو اس کا حریم ساٹھ ہاتھ کا ہوگا۔ اگر چشمہ کھودا گیا ہو تو اس کا حریم
پانچ سو ہاتھ کا ہوگا۔ ناضح والا کنواں وہ ہے جس سے اونٹ کے ذریعہ پانی نکال کر کھیتوں کی

آب پاشی کی جائے "عطن" کا کنواں مویشیوں کے پانی پینے کے لیے کھودے جانے والے کوئیں کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ آب پاشی کا کام نہ لیا جاتا ہو۔ ہر وہ کنواں جس سے اونٹ کی مدد سے پانی نکال کر کھیت سینچے جاتے ہوں "ناضح" والا کنواں قرار پائے گا۔

٤٤٣۔

مصنف حسن بن عمارہ سے اور وہ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"چشمہ کا حریم پانچ سو ہاتھ، ناضح والے کوئیں کا حریم ساٹھ ہاتھ اور عطن کے کوئیں کا حریم چالیس ہاتھ کا ہوتا ہے ۔۔۔ عطن سے مراد مویشیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ سے ہے۔"

٤٤٤۔

اسماعیل بن مسلم نے حسن سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جس نے کنواں کھودا اسے اس کے ارد گرد چالیس ہاتھ تک کی زمین مل جائے گی تاکہ مویشی کھڑے ہو سکیں۔"

٤٤٥۔

ہم سے اشعث بن سوار نے بروایت شعبی یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ:

"کوئیں کا حریم ہر چہار طرف چالیس ہاتھ تک ہوتا ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ کوئیں کے مالک کے حریم میں یا اس کے پانی میں مداخلت کرے۔"

٤٤٦۔

جس نالی کا پانی اس کے کناروں سے نکل کر سطح زمین پر نہ بہتا ہو اس کا حریم بھی میرے نزدیک اتنا ہی ہوگا جتنا کہ کوئیں کے لیے ہے۔ کسی دوسرے فرد کو کنواں، چشمہ، یا نالی کھودنے والے کے

حریم میں مداخلت کا حق نہیں۔ نہ اسے اس حریم کے اندر کوئی دوسرا کنواں کھودنے کا حق حاصل ہے۔ اگر وہ کنواں کھودنے لگے تو اسے ایسا نہ کرنے دیا جائے گا بلکہ جس شخص کے کوئیں یا چشمہ کے حریم میں ایسا کیا جا رہا ہے اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ اس آدمی نے جو کھدائی کی ہے اسے پاٹ دے، کیوں کہ اسے اس آدمی کو اپنے چشمہ یا کوئیں کے حریم میں مداخلت سے باز رکھنے کا پورا حق حاصل ہے۔ اسی طرح اگر یہ دوسرا آدمی حریم کے حدود میں کوئی عمارت تعمیر کرے یا کھیتی کرنے لگے یا اس میں کوئی اور تصرف کرے تو پہلے آدمی کو اسے ان تمام اقدامات سے روکنے کا حق حاصل ہوگا۔ پہلے آدمی کے کوئیں میں اگر کوئی جاندار گر کر ہلاک ہو جائے تو اس پر کوئی ضمان نہ ہوگی لیکن دوسرے آدمی کے تصرفات کے سبب اگر کوئی ہلاک ہو تو وہ آدمی اس کا ضامن قرار پائے گا، کیوں کہ اس نے یہ تصرف دوسرے کی ملک میں (بغیر کسی حق کے) کیا تھا۔

٤٤٧۔

اس ضمن میں آپ غور و فکر کے بعد حریم کی ایسی حدیں مقرر کر دیجئے جو کسی کے لیے بھی باعث نقصان نہ ہوں۔

١٢١ جب پانی کناروں سے نکل کر سطح زمین پر بہنے لگے تو میرے نزدیک اس کا حریم نہر کی حریم کے برابر ہوگا۔

٤٤٨۔

اگر دوسرا آدمی پہلے آدمی کے حریم کے باہر، مگر اس سے قریب ہی ایک کنواں کھودے اور پہلے کوئیں کا پانی خشک ہو جائے، اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس کے خشک ہونے کا سبب اس دوسرے کوئیں کی تعمیر ہے، تو بھی دوسرے آدمی کے سر کچھ (تاوان) نہ ہوگا، کیوں کہ اس نے پہلے آدمی کے حریم میں کوئی مداخلت نہیں کی ہے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ میں دوسرے آدمی کو بھی پہلے ہی آدمی جتنا حریم اور اسی جیسے حقوق دیتا ہوں۔ جو حکم ناضح اور عطن کے کوئیں کا ہے وہی چشمے کا بھی ہے۔

۴۴۹۔

حسن بن عمارہ نے زہری سے، زہری نے سعید بن المسیب سے اور انہوں نے عمر بن الخطابؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

"جو کوئی بھی کسی مردہ زمین کو کارآمد بنالے وہ اس کے لیے ہے۔ مگر کسی محتجر کو تین سال بعد کوئی حق نہ رہ جائے گا۔"

۴۵۰۔

حضرت عمرؓ کی اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ جو آدمی احتجار کے ذریعہ کسی حق کو خاص کرے اور تین سال گذر جائیں مگر وہ اس پر کاشت نہ کرے تو پھر اس پر اس کا کوئی حق نہیں رہ جاتا محتجر کی تعریف یہ ہے کہ آدمی کسی افتادہ زمین کے گرد حد بندی کر کے اس کو گھیر لے۔ نہ تو اس پر کاشت کرے نہ اسے کارآمد بنائے تین سال تک تو یہی آدمی اس قطعۂ زمین کا زیادہ حق دار ہے اگر تین سال گذر جانے پر بھی وہ اسے کارآمد نہ بنائے تو اب اس زمین کے سلسلہ میں اس کی اور دوسرے انسانوں کی حیثیت یکساں ہو جائے گی۔ تین سال گذر جانے پر وہ دوسرے کے مقابلہ میں اس زمین کا زیادہ حق دار نہ رہ جائے گا۔

۴۵۱۔

ہم سے محمد بن اسحاق نے بروایت ابوبکر بن محمد بیان کیا ہے کہ یہ عمرو بن حزم سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے ان سے عطن کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ:

"عہد جاہلیت میں تو اس کے لیے پچاس پچاس (ہاتھ) ہوتے تھے مگر جب اسلام آیا تو یہ طے کر دیا گیا کہ دو کوؤں کا درمیانی فاصلہ پچاس ہاتھ ہونا چاہیے یعنی ہر کوئیں کے لیے چاروں طرف پچیس (ہاتھ)"

۴۵۲۔

محمد بن عبداللہ بن عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت

کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ ان کے دادا (عمرو بن شعیب) نے کہا:

کنواں تعمیر کرنے والے کو اس کے چاروں طرف پچاس ہاتھ زمین مل جائے گی' وہ اس کو گھیرے گا، کسی اور فرد کو اس میں داخل ہونے کا حق نہ ہوگا۔"

۴۵۳۔

ہم سے قیس بن ربیع نے بروایت بلال بن یحییٰ عیسی' جو اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رفع کرتے ہیں' یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

"حمٰی صرف تین شکلوں میں ہے: کوئیں کے لیے' اسی سے بندھے ہوئے گھوڑے کے لیے اور جب کچھ لوگ ایک جگہ بیٹھے ہوئے ہوں تو ان کے حلقہ کے لیے۔"

۴۵۴۔ فاضل پانی روکنے کی ممانعت

ہم سے محمد بن اسحاق نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رفع کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

"جب کسی وادی میں پانی ٹخنوں تک پہنچ جائے تو بالائی حصہ کے لوگوں کو یہ حق نہیں حاصل ہوگا کہ وہ پانی کو زیریں علاقہ کے لوگوں کی طرف جانے سے روکیں۔"

۴۵۵۔

ابو عمیس نے قاسم بن عبدالرحمٰن سے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

"آب پاشی کے پانی کے سلسلہ میں زیریں علاقہ کے لوگ (پانی سے استفادہ کے معاملہ میں) بالائی حصہ کے لوگوں پر اس وقت تک حکمراں رہیں گے جب تک وہ اپنی کھیتی کو سیراب نہ کرلیں۔"

۴۵۶۔

ہم سے ابو معشر نے اپنے اساتذہ کی روایت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رفع کرتے

۱؎ قلمی نسخہ میں ہے: "اوضیٰ"

ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے بارش کے بہتے ہوئے پانی کے بارے میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب پانی ٹخنوں تک آجائے تو بالائی حصہ کے لوگوں کو اسے اپنے پڑوسیوں کی طرف بہنے سے نہ روکنا چاہیے۔

فصل ۶

گھاس اور چراگاہوں کے مسائل

۴۵۷۔ چراگاہیں

اگر کسی بستی والوں کے پاس کچھ چراگاہیں ہوں جہاں وہ اپنے مویشی چراتے[1] اور جن میں سے وہ ایندھن کے لیے لکڑی حاصل کرتے ہوں، اور یہ بات معروف ہو کہ یہ چراگاہیں انہی کی ملکیت ہیں تو بدستور ان کی ملکیت رہیں گی۔ ان کو انھیں فروخت کرنے، وراثت میں منتقل کرنے اور ان میں ہر وہ تصرف کرنے کا اختیار ہوگا جو کوئی مالک اپنی ملکیت میں کر سکتا ہے۔ البتہ انھیں یہ حق نہ حاصل ہوگا کہ دوسروں کو چارہ یا پانی لینے سے روکیں۔ جن لوگوں کے پاس مویشی ہوں انھیں یہ حق حاصل ہوگا کہ انھیں ان چراگاہوں میں چرائیں اور وہاں کے پانی سے سیراب ہوں۔ مگر ان لوگوں کو یہ حق نہ حاصل ہوگا کہ یہاں کا پانی بیا کر کھیت سیراب کرنے کے لئے لے جائیں، الا یہ کہ وہ مالکوں کی مرضی سے ایسا کریں جیسا کہ ہم اوپر بتا چکے ہیں، پانی کو خود پینے اور مویشیوں کو پلانے اور اُسے آب پاشی کے لیے استعمال کرنے میں بڑا فرق ہے۔

۴۵۸۔

کسی فرد کو کسی دوسرے کی ملکیت میں بغیر مالک کی اجازت کے چراگاہ بنا لینے، نہر یا کنواں تعمیر کر لینے، یا کھیت بنا لینے کا حق نہیں، البتہ خود مالک کو یہ سب کچھ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اگر وہ اس طرح کا کوئی تصرّف کرے تو دوسروں کو اس کے کھیت میں کھیتی کرنے یا اس کے گرد

[1] تیموری نسخہ میں ہے "مویشی چرانے"

۱۲۳ چہار دیواری تعمیر کر لینے کا حق نہیں۔ البتہ اگر مملوکہ زمین کی نوعیت چراگاہ کی ہو تو اس کی گھاس اور پانی میں مالک اور دوسرے افراد یکساں طور پر شریک سمجھے جائیں گے۔

۴۵۹۔ جنگلات

جنگلات کی نوعیت چراگاہوں سے مختلف ہے۔ کسی دوسرے کے جنگل سے بغیر اس کی اجازت کے کسی کو لکڑیاں چننے کا حق نہیں، اگر وہ ایسا کرے گا تو اسے اس کا تاوان دینا ہوگا۔ لیکن اگر کوئی جنگل سے پرندوں کا یا وہاں کے پانی میں سے مچھلیوں کا شکار کرے تو اسے ایسا کرنے کا حق ہے کیوں کہ جنگل کا مالک ان چیزوں کا مالک نہیں ہوتا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے گھر یا باغ میں کسی جنگلی جانور یا پرندہ کا شکار کرے تو وہ شکار اس کا ہوگا، مالک مکان اس شکار کا مالک نہیں، البتہ اسے اس بات کا اختیار ہے کہ اس شخص کو اپنے گھر اور باغ میں داخل ہونے سے روکے۔ اگر وہ بغیر اس کی اجازت کے داخل ہوا، تو اس نے برا کام کیا، لیکن جو شکار وہ کرتا ہے وہ بہرحال اسی کا ہوگا۔

۴۶۰۔ مچھلیوں کی فروخت

مچھلیاں اگر (کسی گڈھے میں) محفوظ کر لی گئی ہوں تو، اگر انھیں بغیر شکار کیے نہ حاصل کیا جا سکتا ہو تو انھیں محفوظ کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہ واقع ہوگا اور بغیر شکار کے ان کی بیع جائز نہ ہوگی۔ لیکن اگر ان مچھلیوں کو بغیر شکار کیے ہاتھ ہی سے پکڑ لیا جا سکتا ہو تو وہ مالک کی ملکیت سمجھی جائیں گی جس نے انھیں گھیر کر محفوظ کیا ہے۔ اگر کوئی دوسرا آدمی ان کو شکار کرے تو وہ اپنے کیے ہوئے شکار کا تاوان بھگتے گا۔

مالک ان مچھلیوں کو پانی سے نکالے بغیر فروخت کر سکتا ہے، اس کی نوعیت وہی ہے جو برتن میں محفوظ کر لینے بعد پانی کی فروخت کی ہے۔

۴۶۱۔ جنگلات اور چراگاہیں

جو شخص اپنے گائے بیل دوسرے آدمی کے جنگل میں چرائے اُسے ایسا کرنے کا حق دار

یہ تسلیم کیا جائے گا اور اُسے اس نقصان کا تاوان دینا ہو گا جو جنگل کو اس جانوروں کے چرنے سے پہنچا ہو۔ وجہ یہ ہے کہ میرے نزدیک مالک کو اپنے جنگل کے نرکل کو فروخت کرنے اور ٹھیکے بٹائی پر دینے کا حق حاصل ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بُرس کے گھنی جھاڑیوں والے جنگل والوں سے چار ہزار درہم پر معاملہ کیا تھا اور چمڑے کے ایک ٹکڑے پر انھیں ایک تحریر لکھ دی تھی۔ اس کے برخلاف گھاس نہ تو فروخت کی جا سکتی ہے نہ اسے بٹائی پر دیا جا سکتا ہے۔

۴۶۲۔

عموماً پہاڑیوں پر اور وادیوں میں واقع ہر گاؤں کی اپنی چراگاہ ہوتی ہے جہاں لوگ مویشی چراتے اور جلانے کے لیے لکڑیاں چنتے ہیں۔ یہ چراگاہیں ان گاؤں کی طرف ہی منسوب ہوتی ہیں۔ لیکن اگر کسی گاؤں کے پاس صرف جھاڑی دار میدان ہو اور اس کے سوا اپنے مویشیوں کے لیے کوئی اور چراگاہ نہ ہو اور ان جھاڑیوں سے دوسرے لوگوں کو لکڑیاں چننے اور مویشی چرانے کی اجازت دینے سے ان کے جانوروں اور مویشیوں کو تکلیف ہوتی ہو تو انہیں یہ حق حاصل ہے کہ دوسروں
۱۲۴ کو اپنی چراگاہ میں مویشی چرانے اور لکڑیاں چننے سے روک دیں لیکن اگر انھیں قریب و جوار میں لکڑیاں چننے اور مویشی چرانے کی دوسری غیر مملوکہ جگہیں میسر ہوں تو ان کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ عام لوگوں کو اپنی چراگاہ میں مویشی چرانے اور لکڑیاں چننے سے روکیں۔

۴۶۳۔ حرم مدینہ

ابو اسحاق شیبانی نے بشیر بن عمرو السکرتی سے اور انہوں نے ابو مسعود الانصاری یا سہل بن حنیف سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی بابت یہ کہتے سُنا ہے کہ،

"وہ ایک مامون حرم ہے، وہ ایک مامون حرم ہے، وہ ایک مامون حرم ہے۔"

۴۶۴۔

مالک بن انس نے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ نے مدینہ اور اس کے چاروں طرف بارہ میل کے علاقہ کی خاردار جھاڑیوں کو کاٹنے اور جلانے سے منع کر دیا ہے اور چار میل تک کے علاقہ میں شکار کرنے کی ممانعت کر دی ہے۔

۴۶۵۔

بعض علماء کے نزدیک آپ کے اس حکم کی مصلحت یہ ہے کہ چونکہ یہ جھاڑیاں (عضاہ) اونٹ گائے، بھیڑ بکری وغیرہ کے چارے کے طور پر کام آتی ہیں لہٰذا ان کو اسی غرض کے لیے مخصوص کر دیا جائے کیوں کہ عرب والوں کی خاص غذا انہی مویشیوں کا دودھ تھا اور لوگوں کو ایندھن سے کہیں زیادہ ضرورت غذا کی تھی۔

۴۶۶۔ ایندھن چُننے کا حق

جب ایندھن ایسی چراگاہوں سے مل سکتا ہو جو کسی آدمی کی ملکیت ہوں تو دوسروں کو بغیر اس کی اجازت کے وہاں سے ایندھن حاصل کرنے کا حق نہیں۔ جو ایسا کرے گا اُسے مالک کو اس لکڑی کی قیمت دینی ہوگی جو اس نے وہاں سے چنی ہو۔ البتہ اگر یہ چراگاہیں کسی کی ملکیت میں نہ ہوں تو سارے انسانوں کو ان میں لکڑیاں چننے کا حق ہے۔ جب تک کسی جگہ کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کسی کی ملکیت میں ہے وہاں سے لکڑیاں حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہی حال ان پھلوں کا ہے جو پہاڑوں، چراگاہوں اور وادیوں میں پائے جانے والے خودرو درختوں پر آئیں کہ جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ وہ کسی آدمی کی ملکیت ہیں ان کے پھل کھانے اور ساتھ لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہی حال اس شہد کا ہے جو پہاڑوں پر اور جنگلات میں پایا جاتا ہے اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں، پہاڑی شہد کسی کی ذاتی ملک نہیں ہوتا کیوں کہ شہد کی مکھیاں پالنے والے جس شہد کے مالک ہوتے ہیں وہ مصنوعی چھتوں میں پایا جاتا ہے۔ لہٰذا جس شہد کو علیحدہ محفوظ نہ کر لیا گیا ہو، وہ ان چڑیوں اور سانڈوں کی طرح مباح عام ہے جو جنگلوں میں پائے جاتے ہیں

۴۶۷۔ ضرر اور ضرر رسانی

۱۲۵ اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ زمین میں گھاس جلائے اور اُس کی آگ اُڑ کر دوسرے آدمی کی چیزوں کو جلا دے تو پہلا آدمی اس نقصان کا ذمہ دار نہ گردانا جائے گا، کیوں کہ اُسے اپنی زمین میں آگ جلانے کا پورا حق حاصل ہے۔ یہی حال اپنی زمین میں کٹی ہوئی فصل کی باقی ماندہ کھونٹیاں جلانے کا ہے۔ اسی طرح اگر کسی جنگل کا مالک اپنے یہاں نرکل جلا رہا ہو اور یہ آگ دوسرے کے مالی نقصان کا ذریعہ بن جائے تو اس پر کوئی ضمان نہ عاید ہو گی۔ ان دونوں آدمیوں کی حیثیت وہی ہے جو اوپر اس شخص کی بتائی جا چکی ہے جو اپنی زمین کی آب پاشی کر رہا ہو لیکن پانی بہہ کر دوسرے کے کھیت کو غرق کر دے یا دوسرے کے کھیت کا سارا پانی اس کی آب پاشی کے سبب سوکھ جائے، اس شکل میں بھی پہلے شخص پر کوئی تاوان نہ عاید ہو گا۔ البتہ یہ بات کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنی زمین میں کوئی ایسا تصرف کرے جس سے اس کی غرض دانستہ طور پر پڑوسی کی ضرر رسانی ہو — مثلاً اس کی زمین کو غرق کر دینا، یا اس کی کھیتی کو جلا دینا۔

۴۶۸۔ سرکاری چراگاہیں

ہشام بن سعید نے زید بن اسلم سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے: میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام کو ایک سرکاری چراگاہ کا نگراں مقرر کیا تو اُس سے یہ فرمایا:

"دیکھو ھُنَیّ! عام لوگوں پر دست درازی نہ کرنا، اور مظلوم کی (بد) دعا سے ڈرنا، کیوں کہ اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ عام لوگوں کے اونٹوں یا گلّہ یا بھیڑ بکریوں کو میری چراگاہ میں چرنے دینا لیکن عثمان بن عفان اور ابن عوف کے اونٹوں کو دور رکھنا کیوں کہ اگر ابن عفان اور ابن عوف کے مویشی ہلاک ہو جائیں تو یہ لوگ مدینہ آکر اپنے کھیت اور کھجور کے باغات سنبھال لیں گے لیکن اگر کسی غریب کے مویشی ہلاک ہو گئے تو وہ میرے پاس دُہائی دیتا، امیر المومنین! امیر المومنین! پکارتا آئے گا۔

میرے لیے اُسے سونا چاندی دینے سے زیادہ آسان یہی ہے کہ اُسے چارا پانی فراہم کرتا رہوں۔ خدا کی قسم یہ علاقے انھی کے ہیں عہد جاہلیت میں انہوں نے اس پر جنگیں لڑی ہیں اور اسلامی دور میں جب یہ لوگ اسلام لائے تو ان زمینوں کے مالک یہی تھے۔ اگر جہاد کے لیے سواریاں فراہم کرنے کی خاطر مجھے یہ اونٹ نہ رکھنے ہوتے تو میں ان لوگوں کے علاقوں میں سے ذرا بھی زمین اُن سے لے کر بکارِ سرکار نہ مخصوص کرتا —"

بارھواں باب

عمالِ خراج کے لیے ہدایات

۴۶۹- زمینوں کو ٹھیکہ پر دینا

میری رائے یہ ہے کہ آپ سواد یا دوسرے علاقوں کی کسی زمین کو ٹھیکہ پر نہ دیجیے ٹھیکہ دار
۱۳۶ کو اگر اپنی عمل داری میں خراج کے بعد کچھ بھی فاضل بچتا نظر آتا ہے تو وہ اہلِ خراج پر ظلم و زیادتی
کرتا اور ان پر ایسے بار ڈالتا ہے جو ان پر نہیں پڑنے چاہییں۔ وہ اپنے ذمہ (سرکاری) رقم کی
ادائگی کی خاطر ان لوگوں پر اتنا بوجھ ڈال دیتا ہے جس سے ان کی کمر ٹوٹ جاتی ہے اس طرز عمل
میں رعایا کی ہلاکت اور سارے علاقوں کی تباہی اور ویرانی مضمر ہے۔ ٹھیکہ دار اپنے ٹھیکہ کو بحال
رکھنے کے لیے اس کی کوئی پروا نہیں کرتا کہ رعایا کو کتنی تباہی سے سابقہ پڑ رہا ہے۔ بگمانِ غالب
یہی ہے کہ لوگ ٹھیکہ کی سرکاری رقم ادا کر دینے کے بعد بھی خاصی رقم بچا لیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ
ایسا صرف اسی شکل میں ممکن ہے جب کہ یہ رعایا سے سختی کے ساتھ پیش آئیں ان کو خوب ماریں،
دھوپ میں کھڑے رہنے کی سزا دیں اور گردنوں میں پتھر لٹکائیں۔ مختصر یہ کہ اہلِ خراج کو علی ناحق
بڑے عذاب سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ملک میں ایسا فساد مچتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں
روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم ان سے ان کی ضرورت سے فاضل مال لیں۔ ان
پر ان کی طاقت سے زیادہ بار ڈالنا کسی طرح جائز نہیں۔ میں ٹھیکہ کے طریقہ کو اسی لیے ناپسند
کرتا ہوں کہ مجھے یہ اطمینان نہیں کہ ٹھیکہ دار اہلِ خراج پر بے جا بار نہ ڈالے گا اور ان سے وہ
سلوک نہ کرے گا جس کی تفصیل میں نے اوپر بیان کی ہے۔ اس سلوک سے رعایا کو نقصان پہنچے
گا اور جن علاقوں کو انہوں نے آباد کر رکھا ہے اُسے یہ تباہ کر کے چھوڑ کر چلے جائیں گے جس کے
نتیجہ میں خراج کی آمدنی بھی کم ہو جائے گی۔ فساد پھیلایا جائے گا تو کچھ بھی باقی نہ رہے گا اور

بھلے طریقہ سے کام چلایا جائے گا تو کوئی کمی نہ واقع ہوگی۔ اللہ نے فساد مچانے سے منع کیا ہے۔
فرماتا ہے:

ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔ (الاعراف: ۵۶)	اور زمین میں اس کی اصلاح ہو جانے کے بعد فساد نہ برپا کرو۔

اور

واذا تولّی سعی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد۔ (البقرہ: ۲۰۵)	اور جب وہ پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو اس کی دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے کھیتوں کو غارت کرے اور نسلِ انسانی کو تباہ کرے حالانکہ اللہ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

ماضی میں جو قومیں تباہ ہو گئیں ان کی تباہی کا سبب یہی تھا کہ انھوں نے عوام کو ان کے
حقوق دینے سے گریز کیا تاکہ لوگ ان حقوق کو قیمت ادا کر کے ان سے خریدیں اور ظلم ڈھائے
تاکہ لوگ ان کے مظالم سے بچنے کی خاطر فدیے ادا کریں۔

اہلِ خراج پر ایسا بار ڈالنا جس کی ادائگی ان کے ذمہ واجب نہیں صریح ظلم اور سراسر حرام
ہے اس کی گنجائش کسی طرح نہیں نکل سکتی۔

۴۷۰-

اگر کسی ملک یا علاقہ کے باشندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان کے ہمراہ اس جگہ
کا کوئی خوش حال اور معروف آدمی بھی ہو جو آپ سے کہے کہ میں اس علاقہ یا ملک کی طرف سے اس
کے خراج کی ادائگی کا ذمہ لیتا ہوں اور وہاں کے باشندے اس پر رضامندی ظاہر کریں اور کہیں کہ
یہ شکل ہمارے لیے زیادہ سہولت کا باعث ہوگی تو آپ کو اس معاملہ پر غور کرنا چاہیے۔ اگر اس شکل
کے اختیار کرنے میں اس ملک یا علاقہ والوں کا فائدہ نظر آئے تو اُس آدمی کو ٹھیکہ دے دینا چاہیے
اور اُسے ذمہ دار تسلیم کر کے متعدد افراد کو اس معاہدہ پر گواہ ٹھہرا لینا چاہیے نیز اس فرد کے

ہمراہ امام کی جانب سے مقرر کردہ ایک امیر بھیجا جائے جس کی امانت و دیانت پر پورا بھروسہ
ہو۔ اس امیر کو بیت المال سے مشاہرہ دیا جانا چاہیے۔ امیر کا کام یہ ہوگا کہ اگر یہ شخص اہلِ خراج
۱۲۷ میں سے کسی پر بھی ظلم کرنے اس کے خراج میں اضافہ کرنے یا اس پر کوئی ایسا بار ڈالنے کا ارادہ
کرے جو اس کے ذمہ نہیں نکلتا تو اُسے سختی سے روک دے۔

اس سلسلہ میں امیر المومنین بہتر فیصلہ کرسکتے ہیں۔ ٹھیکہ پر دینے یا براہِ راست اپنی جانب سے
تحصیلِ خراج کے ذمہ دار والی مقرر کرنے میں سے جو طریقہ اُن کو اہلِ خراج کے لیے بہتر اور بیت المال
کے لیے زیادہ آمدنی کا ذریعہ نظر آئے اُسے اختیار فرمائیں۔ ٹھیکہ دار یا والی کو رعایا پر ظلم نہ کرنے کی
تلقین کرنی چاہیے اور انھیں تنبیہ کرنی چاہیے کہ اہلِ خراج پر ان کی طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالیں
نہ ان سے ان چیزوں کا مطالبہ کریں جو ان کے ذمہ نہیں۔ اس کے باوجود اگر وہ ایسی حرکتیں کریں
تو اپنی دھمکیوں کو عمل کا جامہ پہنا دیجیے تاکہ یہ سزا دوسروں کے لیے تنبیہ کا کام کرے۔

۴۷۱۔ محصلینِ خراج کے اوصاف

امیر المومنین! خدا آپ کو سلامت رکھے، میری رائے یہ ہے کہ آپ بھلے دین دار اور امانت دار
لوگوں کو تحصیلِ خراج پر مامور کریں۔ یہ ذمہ داری اُسی کے سپرد کیجیے جو عالم اور فقیہ ہو، اہل الرائے
کے مشورہ سے کام کرتا ہو اور پاک دامن و پاک باز ہو، لوگوں کو اس میں اخلاقی خرابیاں نہ نظر آئیں
اور خدا کے کام میں وہ کسی کی ملامت کی پروا نہ کرتا ہو۔ جو حقوق کی پاس داری اور ادائے امانت کا
فریضہ ثواب پانے اور جنت حاصل کرنے کی خاطر ادا کرے اور اگر اس سے اس کے خلاف کوئی فعل
سرزد ہو جائے تو اس بات سے ڈرے کہ اللہ اسے اس کی موت کے بعد سزا دے گا۔ جو گواہی دے
تو اس کی گواہی قبول کی جاسکتی ہو، اور اگر فیصلہ کرنے بیٹھے تو اس سے ظلم و جور کا اندیشہ نہ ہو۔

آپ جسے ذمہ دار بنائیں گے اُسے جائز حدود کے اندر حرام سے اجتناب کرتے ہوئے
مالیہ وصول کرنے کا کام دیں گے وہ اپنی صوابدید کے مطابق بعض حالات کو آپ کے سامنے پیش

لہ متن میں ہے نفذ اللہ بھا او عدبہ۔ فرنچ مترجم، فاگناں نے (صفحہ ۱۶۱۔ نوٹ ۲) اس کی
تصحیح کی ہے نوفا للہ بما اوعدبہ (مترجم)

کرے گا اور بعض سے خود نبٹ لے گا، لہٰذا جو آدمی راست باز، معتمد علیہ اور امانت دار نہ ہو اُس پر
مالی امور کے سلسلہ میں بھروسہ نہیں کیا جانا چاہیے۔ میرا مشاہدہ ہے کہ لوگ خراج کے والیوں کا
تقرر عمل میں لاتے وقت احتیاط سے نہیں کام لیتے۔ جو آدمی بھی ان میں سے کسی کی ڈیوڑھی پر چند دن
پڑا رہے اُسے وہ مالیہ وصول کرنے کا کام دے کر مسلمانوں کے سر پر مسلط کر دیتا ہے۔ حالانکہ زیادہ
امکان اسی کا ہے کہ وہ نہ تو اس شخص کے حسن کردار اور سلامت روی پر مطمئن ہے نہ اس کے طور طریق
اور دیگر معاملات کے سلسلہ میں اس کے بارہ میں کوئی واقفیت رکھتا ہے۔ جس فرد کو بھی خراج کی
تحصیل پر مامور کیا جائے اس کے تقرر میں خاصی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس کے مسلک اور اس
کے طور طریق وغیرہ کے بارہ میں پوری تحقیق کی جانی چاہیے۔ ان کے سلسلہ میں ایسا کرنا اتنا ہی
ضروری ہے جتنا کہ حاکموں اور قاضیوں کے تقرر میں۔

۴۷۲۔ والیوں اور محصلینِ خراج کو ہدایتیں

جن لوگوں کو آپ مامور کریں انھیں پہلے ہی دن جتلا دیں کہ انھیں اپنی عمل داری کے باشندوں
پر ظلم و زیادتی نہیں کرنی چاہیے، نہ ان کی تحقیر و توہین کرنی چاہیے، بلکہ تھوڑی سختی اور ہلکی گرفت
۱۲۸ کے ساتھ مجموعی طور پر نرم خوئی سے کام لینا چاہیے۔ رعایا پر ظلم کرنے یا بے جا بار ڈالنے سے پرہیز
کرنا چاہیے۔ اُسے مسلمانوں کے ساتھ نرمی، بدکرداروں کے ساتھ سختی، اہلِ ذمہ سے عادلانہ برتاؤ،
مظلوم کی دادخواہی، ظالموں پر سختی اور عام لوگوں کے ساتھ عفو و درگذر کی پالیسی اختیار کرنی چاہیے۔
یہی طریقہ لوگوں کو مطیع و فرماں بردار بنانے والا طریقہ ہے۔ خراج کی تحصیل اسی ضابطہ کے تحت
عمل میں لائی جائے جو ان والیوں کے لیے مقرر کر دیا گیا ہو، یہ لوگ اپنی طرف سے نئے طریقے وضع
کرکے رعایا کے ساتھ کوئی دوسرا سلوک نہ کریں۔ والی کو چاہیے کہ اپنی مجلس میں تمام لوگوں کے ساتھ
مساوی سلوک کرے تاکہ نزدیک اور دور کے لوگ، معزز و پست حیثیت افراد، سب حق کے معاملہ میں
اس کے سامنے بالکل برابر ہوں۔ والی کو اہواء و خواہشات کی پیروی سے بچتے رہنا چاہیے،
کیوں کہ جو لوگ اللہ کا تقویٰ اختیار کرتے اور اس کی اطاعت و فرماں برداری کو دوسروں کی اطاعت و

فرماں برداری پر ترجیح دیتے ہیں انھیں اللہ تعالیٰ نے مختار قرار دیا ہے۔

میرا خیال ہے کہ اگر آپ اس طرح کی ہدایات جاری کر دیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ اس طریقہ کو دوسرے طریقوں پر ترجیح دے رہے ہیں، اور پھر کوئی دوسرا (ماتحت افسر) اس میں ترمیم و تبدیلی کر دے یا اس کے خلاف عمل کرے تو اللہ اس کا مواخذہ انھی لوگوں سے کرے گا، آپ سے نہیں کرے گا۔ آپ کو وہ انشاء اللہ آپ کی نیت کا پورا پورا اجر عطا فرمائے گا۔

۴۷۳۔ والی کے ساتھ سپاہی

اپنے مقرر کردہ والی کے ساتھ آپ درج دیوان فوجیوں کی ایک ایسی جماعت روانہ کیجیے جو آپ سے وفاداری اور خیر خواہی کا عہد کر چکے ہوں۔ ظاہر ہے کہ آپ کے ساتھ خیر خواہی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ آپ کی رعایا پر ظلم نہ کیا جائے۔ آپ حکم دیجیے کہ ان سپاہیوں کے مشاہرے ہر ماہ ان کے دیوان سے دیے جاتے رہیں۔ اس کے علاوہ خراج کی رقم سے انھیں ایک درہم بھی نہ دیا جائے۔ اگر اہل خراج خود سے یہ درخواست کریں کہ ہم لوگ صرف اپنے والی کا مشاہرہ اپنے یہاں سے ادا کر دیا کریں گے تو ان کی یہ درخواست نہیں منظور کی جانی چاہیے اور نہ ان پر یہ بار ڈالنا چاہیے۔

۴۷۴۔ والیوں کے غلط طور طریقے

مجھے معلوم ہوا ہے کہ عامل یا والی کے بہت سے حاشیہ نشین ہوتے ہیں بعض ان کے رشتہ دار ہوتے ہیں اور بعض سفارشوں اور تعلقات کے سہارے آجاتے ہیں، یہ اچھے اور بھلے کردار کے آدمی نہیں ہوتے۔ والی ان لوگوں سے اپنے مختلف کاموں میں مدد لیتا اور ان کے ذریعہ بقایا وصول کراتا ہے۔ ان لوگوں کے سپرد جو کام کیا جاتا ہے اُسے یہ ٹھیک طرح سے انجام دیتے، نہ ہی اہل معاملہ کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرتے ہیں۔ انھیں بس اس سے غرض ہوتی ہے کہ کہیں سے کچھ حاصل کر لیں۔ خواہ مال خراج میں سے خواہ رعایا کے ذاتی اموال میں سے۔ مزید برآں، یہ مال یہ لوگ ظلم و زیادتی کر کے حاصل کرتے ہیں۔

ایک رواج یہ بھی ہے کہ والی اور اس کے حاشیہ نشینوں کی جماعت کسی بستی میں قیام کرتی ہے تو وہاں کے لوگوں سے اپنی مہمان داری کے لیے اتنا مطالبہ کرتی ہے جو ان کی بساط سے باہر ہوتا ہے، اور جس کے پورا کرنے کی ذمہ داری اُن پر کسی طرح بھی نہیں عائد ہوتی کہ اس سلسلہ میں ان پر جبر کیا جا سکے۔ یہ لوگ اسی طرح رعایا کو پامال کیا کرتے ہیں۔

۱۲۹ یہ لوگ ایسا بھی کرتے ہیں کہ اپنی حاشیہ نشینوں میں سے کسی کو بقایا خراج کی وصولی کے لیے کسی کے پاس بھیجا۔ اور ان سے یہ کہہ دیا کہ میں تمھیں اس باقی دار سے اتنی رقم اپنے لیے وصول کر لینے کا بھی حق دیتا ہوں، یہاں تک کہ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بسا اوقات یہ لوگ اس شخص کو اپنے لیے اُس رقم سے بھی زیادہ رقم وصول کر لینے کا حق دے دیتے ہیں جو باقی دار کے ذمہ بطور خراج نکلتی ہے۔ یہ گماشتہ جب باقی دار کے پاس جاتا ہے تو کہتا ہے کہ والی نے میرے لیے جو نذرانہ مقرر کیا ہے وہ بھی لاؤ، وہ اس قدر ہے۔ اب باقی دار نذرانہ کی مطلوبہ رقم نہیں ادا کر پاتا تو یہ مارتا پیٹتا ہے۔ اس کی گائے بکریاں ہنکا لاتا ہے اور جن کمزور کاشت کاروں کے پاس کچھ بس چلتا ہے انھیں بھی پکڑ لاتا ہے اور اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک ظلم و زیادتی کے ذریعہ مطلوبہ رقم نہ وصول کر لے۔

ان حرکتوں کے کارِ گناہ ہونے کے علاوہ ان سے اہل خراج کو بے جا تکلیف پہنچتی ہے اور مالیہ کی آمدنی میں بھی کمی آجاتی ہے۔ آپ والی کو حکم دیجیے کہ ان حرکتوں اور ان جیسی دوسری حرکتوں کا سلسلہ فوراً بند کر دے اور آئندہ والی کے ساتھ اس قسم کے لوگ نہ لگنے پائیں جن کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ آپ کے نام پر جو مال وصول کیا جائے حلال طریقہ سے وصول کیا جائے اور صرف مناسب جگہوں پر حق کے مطابق صرف کیا جائے۔ میں نے جن سپاہیوں کو والی کے ساتھ بھیجنے کا مشورہ دیا ہے ان کے انتخاب کا جلد اہتمام کیجیے۔ یہ لوگ فوج کے بہترین عناصر پر مشتمل ہوں، سمجھ بوجھ رکھتے ہوں۔ اور فارغ البال ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۴۷۵۔

آپ ہدایت کر دیجیے کہ غلّہ کی کٹائی اور روندائی کا کام بہترین طریقہ پر انجام پانا چاہیے فصل کٹنے کے بعد غلّہ اتنے ہی عرصہ کھیت میں روکا جائے جتنے عرصہ میں کہ دُنوائی کے انتظامات مکمل ہو جائیں۔ جب یہ ہو جائے تو غلّہ کھلیانوں میں منتقل کر دیا جائے۔ اس میں ایک دن کی بھی تاخیر نہ ہو۔ کیوں کہ جب تک غلّہ کھلیان میں نہ محفوظ کر لیا جائے اُسے کاشتکار اور راہ گیر نیز جانور اور پرندے لے اڑتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں نقصان خراج کا ہوتا ہے نہ کہ فصل کے مالک کا کیوں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ فصل کا مالک فصل کٹنے اور غلّہ کی تقسیم عمل میں آنے سے پہلے بھی جب غلہ بالیوں میں ہوتا ہے اُس میں سے لے کر کھاتے رہتے ہیں پس معلوم ہوا کہ غلہ کو میدانوں اور کھلیانوں میں پڑا رہنے دینا خراج کے لیے باعثِ نقصان ہے۔ جب غلّہ کھلیانوں میں پہنچ جائے اور اس کے الگ الگ ڈھیر لگا دیے جائیں تو اس کی دُنوائی شروع ہو جانی چاہیے کھلیان میں پہنچ جانے کے بعد غلّہ کو کئی مہینہ تک بغیر دُنوائی کے پڑا رہنے دینا غلط ہے کیوں کہ اس سے ریاست کا بھی نقصان ہوتا ہے اور خراج ادا کرنے والوں کا بھی۔ اس تاخیر کے نتیجہ میں آئندہ فصل اور گرستی کے دوسرے کاموں ۱۳۰
میں بھی تاخیر ہوتی ہے۔

۴۷۶۔

یہ طریقہ درست نہیں کہ کھلیان میں رکھے ہوئے غلّہ کی مقدار ظن و تخمین کے ذریعہ طے کی جائے اور بعد میں اگر مقدار اس سے کم نکلے تو اس کا مواخذہ کاشتکاروں سے کیا جائے۔ یہ طریقہ رعایا کو بھی تباہ کرے گا اور ملک کو بھی کسی سرکاری افسر کے لیے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ کاشتکاروں کے اوپر کچھ غلّہ ضائع کر دینے کا الزام لگا کر ان سے اس مقدار سے زیادہ غلّہ وصول کرے جو طے شدہ شرائط کی رُو سے وصول کیا جانا چاہیے۔

۴۷۷۔

غلّہ کی دُنوائی اور صفائی ہو جانے پر افسر اس کی تقسیم عمل میں لا کر اپنا اور کاشتکاروں کا

حصّہ الگ الگ کرے گا لیکن اس ناپ تول میں وہ کاشتکاروں کے ساتھ بے انصافی نہ کرے۔

یہ طریقہ بھی نہیں اختیار کیا جانا چاہیے کہ اس تقسیم اور ناپ تول کے بعد بھی غلّہ مہینہ دو مہینہ تک کھلیان ہی میں پڑا رہنے دیا جائے اور اتنے عرصہ بعد دوبارہ ناپ تول اور تقسیم عمل میں لائی جائے اور اگر اس بار غلّہ کی مقدار پہلی ناپ تول کے اعتبار سے کم نکلے تو افسر کاشتکاروں سے اس نقصان کو بھرنے کا مطالبہ کرکے بغیر کسی حق کے ان سے مزید غلّہ وصول کرلے۔ ہونا یہ چاہیے کہ جب غلّہ کی دُنوائی اور صفائی ہو جائے اور اسے قفیز سے ناپ لیا جائے تو افسر اس کی تقسیم عمل میں لا کر اپنا حق علیحدہ کرے اور اس کے بعد غلہ کو وہاں نہ پڑا رہنے دے۔ یہ بھی نہ ہو کہ ناپنے میں سلطان کے لیے تو زیادہ لیا جائے اور کاشتکاروں کے لیے بالکل ٹھیک ٹھیک ناپا جائے، بلکہ دونوں فریقوں کے لیے ٹھیک اور یکساں ناپ ہونی چاہیے۔

۴۷۸۔ ناجائز مطالبے اور ان کی ممانعت

اہلِ خراج سے کسی عامل کا روزینہ، اناج ناپنے یا اس کو اکٹھا کرنے کی اجرت، وصول کنندگان کے قیام کے اخراجات یا سرکاری غلّہ کی باربرداری کے اخراجات کا مطالبہ کیا جائے گا۔ (حمل و نقل وغیرہ میں) خراج کے غلّہ میں کمی واقع ہو جائے تو اُن لوگوں پر اس کا الزام لگا کر اسے پورا کرنے کا مطالبہ غلط ہے۔ کاغذات اور رجسٹر کی قیمت، ہرکاروں کی اجرت، یا ناپنے والوں کی اجرت ان سے نہیں لی جائے گی کسی کے لیے ان میں سے کسی چیز کی فراہمی ان کے ذمہ نہیں ریاست اور کاشتکاروں کے درمیان طے شدہ نسبتوں سے غلّہ کی تقسیم کے علاوہ، جس کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے، اہلِ خراج پر کوئی اور ذمہ داری، یا کسی قسم کا ہنگامی بار ڈالنا غلط ہے۔ ان لوگوں سے (سرکاری حصّہ کے) بھوسہ کی قیمت کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ گیہوں اور جَو کی طرح بھوسہ بھی

لہ متن میں فتوح ہے، ہم نے اُسے فیوج پڑھا ہے۔ ملاحظہ ہو نوٹ ۳ صفحہ ۲۶ ،طبعۃ فتوح پر عربی ایڈیشن مکتبہ سلفیہ، ۱۳۵۲ھ پر یہ نوٹ ہے کہ تیموری نسخہ میں "فیوج" ہے (حاشیہ محقق) اس سے ہماری تصحیح کی مزید تائید ہوتی ہے کیوں کہ فیوت بلاشبہ فیوج کی تصحیف ہے۔ (مترجم)

ناپ کر تقسیم کر لینا چاہیے، یا اُسے فروخت کر کے اس کی قیمت باہم تقسیم کر لینی چاہیے جیسا کہ میں نے مقررہ و متعینہ معاملہ میں بٹائی کے سلسلہ میں بیان کیا ہے۔

۴۷۹ ۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض لوگ خراج کی ادائیگی کے لیے درہم لے کر آتے ہیں تو اُن سے کچھ درہم پرکھ کر لے لیے جاتے ہیں کہ یہ ان درہموں کی بھنائی یا تُحفہ ہے۔ یہ طریقہ سراسر غلط ہے۔ اہلِ خراج سے بٹہ کے نام پر کوئی رقم نہیں وصول کی جانی چاہیے۔

۴۸۰ ۔ تحصیل خراج میں ظلم و زیادتی

١٣١ خراج کی رقم وصول کرنے کی خاطر کسی آدمی کو مارنا یا ایک ٹانگ پر کھڑا رکھنا بھی سراسر ظلم
ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ افسرانِ خراج لوگوں کو دھوپ میں کھڑا رکھتے ہیں انھیں سخت مار مارتے ہیں، ان کی گردنوں میں گھڑے لٹکا دیتے ہیں اور انھیں اس طرح پابہ زنجیر کر دیتے ہیں کہ وہ نماز بھی نہیں ادا کر سکتے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت ہی بری ہے اور اسلام میں (ایسی سزائیں) انتہائی ناپسندیدہ ہیں۔

۴۸۱ ۔ رفاہِ عامہ سے متعلق ذمہ داریاں

میری رائے یہ ہے کہ آپ خراج کے افسران کو ہدایت کر دیں کہ جب ان کی عملداری کے کچھ لوگ ان کے پاس آکر یہ بتائیں کہ ان کے علاقہ میں بعض قدیمی نہریں ہیں جو اب ناکارہ ہو گئی ہیں، اور بہت سی زمینیں ناکارہ ہو کر بغیر کاشت کے پڑی ہوئی ہیں، اور یہ کہ اگر ان نہروں کی کھدائی اور صفائی ہو جائے اور ان میں از سر نو پانی جاری ہو جائے تو یہ ناکارہ زمینیں پھر زیر کاشت آ جائیں گی اور اس طرح خراج کی آمدنی میں اضافہ ہو گا تو ان کی یہ عرض داشت آپ کو ارسال کر دی جائے۔ پھر آپ کسی معتمد علیہ امانت دار اور صاحبِ صلاح و تقویٰ فرد کو اس بارے میں تحقیق کرنے کے لیے بھیجیے۔ یہ شخص اس علاقہ کے ثقہ، واقف کار اور صاحبِ بصیرت لوگوں سے معلومات حاصل کرے، اور اس علاقہ کے باہر کے تجربہ کار اور صاحبِ رائے افراد سے بھی مشورہ کرے

البتہ یہ ضروری ہے کہ اس سعی و جہد سے اس آدمی کو اپنے ذاتی نفع کی ترویج یا نقصان کی تلافی نہ مقصود ہو۔

اگر سب کی رائے یہی ہو کہ اس اسکیم کو زیر عمل لانے میں ملک کا فائدہ ہے اور خراج کی آمدنی میں بھی اضافہ کی توقع ہے تو آپ ان نہروں کی کھدائی اور صفائی کا حکم جاری کر دیجیے اور اس سلسلہ کے سارے مصارف کا بار بیت المال پر ڈالیے۔ ان اخراجات کا بار اس علاقہ کے باشندوں پر نہ ڈالیے حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کا آباد و خوش حال رہنا ان کے اجڑ جانے اور مفلس ہو کر ادائگی خراج سے بھی عاجز رہ جانے سے بہتر ہے۔

۴۸۲ ۔

اپنی زمینوں اور نہروں کے سلسلہ میں اہلِ خراج کے ہر ایسے مطالبہ کو پورا کیا جانا چاہیے جس سے ان کے منافعات و مصالح کی ترویج متوقع ہو، بر شرطیکہ اس اسکیم پر عمل کرنے سے ان کے گرد و پیش کے دوسرے گاؤں اور قصبات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر ان کا مطالبہ پورا کرنے سے دوسروں کی پیداوار گھٹ جانے اور خراج کی آمدنی میں کمی ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اسے نہیں تسلیم کرنا چاہیے۔

۴۸۳ ۔

باشندگانِ سواد کو اگر اپنی ان بڑی نہروں کی کھدائی اور صفائی کی ضرورت پیش آئے جو دجلہ اور فرات سے نکالی گئی ہیں تو آپ ان کی کھدائی اور صفائی کروا دیا کیجیے اور اس کے مصارف کا بار بیت المال اور اہلِ خراج دونوں پر ڈالیے، لیکن سارا بار اہلِ خراج پر ڈال دینا صحیح نہ ہو گا۔
رہیں وہ چھوٹی چھوٹی نہریں جن کے ذریعہ لوگ اپنی زمینوں، کھیتوں، انگور کی کیاریوں، کھجوروں، باغات ١٣٢
اور ترکاری کے کھیتوں وغیرہ تک پانی لے جاتے ہیں تو ان کی کھدائی اور صفائی کے اخراجات انہی افراد کو برداشت کرنے ہوں گے، بیت المال پر اس سلسلہ میں کوئی بار نہ ڈالا جائے گا۔

ؔ تیموری نسخہ میں ہے: "اور زراعت کم قادر بنا۔"

۴۸۴۔

دجلہ و فرات اور دوسرے بڑے دریاؤں پر گھاٹ یا پانی کے نکاس کی جگہوں کی تعمیر اور مرمت پر آنے والے مصارف تمام تر بیت المال سے کیے جائیں گے۔ اہلِ خراج پر اس کا بار نہ ڈالا جائے گا، کیوں کہ یہ سارے مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے امور ہیں اور ان کے مصالح کا تحفظ تمام تر امام کے ذمہ ہے۔ چونکہ زمینوں کی بربادی وغیرہ کا تعلق مصالح عامہ سے ہے اور ان کا برا اثر خراج کی آمدنی پر پڑتا ہے لہٰذا اس سلسلہ کے جملہ مصارف بیت المال سے پورے کیے جائیں گے۔

۴۸۵۔

ان مصارف میں مال صرف کرنے کا اختیار ایسے ہی ذمہ دار کے ہاتھ میں دیجیے جو خوفِ خدا رکھتا ہو، جس کی امانت داری اور سلک پر پورا اطمینان ہو اور جو خالصۃً لوجہ اللہ کام کرے، خائن اور جائز و ناجائز میں کوئی تمیز کیے بغیر کام کرنے والوں کو یہ ذمہ داری نہ سونپیے۔ ایسا آدمی بیت المال کا روپیہ اپنے اور اپنے ساتھیوں پر اڑا دے گا۔ خطرہ کے مقامات کی مرمت نہیں کرائے گا، یا ان پر پختہ کام کرا کے انھیں بالکل درست نہیں کراوے گا، تا آنکہ وہاں سے پانی پھوٹ پڑے گا اور لوگوں کے غلے، مکانات اور پوری پوری بستیوں کو تباہ کر دے گا۔

۴۸۶۔ معائنہ و احتساب۔

ذمہ دار مقرر کرنے کے بعد آپ کسی دوسرے آدمی کو اس ذمہ دار کی کارکردگی کا جائزہ لینے پر مامور کیجیے جو معائنہ کرے کہ یہ ذمہ دار پر خطر مقامات پر کیا کام کروا رہا ہے اور کن قابلِ مرمت جگہوں پر اس نے کام نہ لگانے کا فیصلہ کیا ہے، کن کن مرمت شدہ جگہوں سے پانی پھوٹ پڑتا ہے اور ایسا ہونے کا سبب کیا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ وہاں پر کام لگا کر جو اجرت دی گئی وہ بے فائدہ ضائع گئی اور مرمت ناکارہ ثابت ہوئی۔ اس جائزہ کے بعد آپ کو جو رپورٹ ملے متعلقہ افسر کے ساتھ اسی کے مطابق سلوک کیجیے، اس کے کام کی تعریف کیجیے یا اس کی مذمت کیجیے اور اس کے خلاف تادیبی کارروائی عمل میں لائیے

۴۸۷۔

میری رائے ہے کہ آپ چند پاک باز اور صالح افراد کو، جن کی دین داری اور امانت داری پر پورا اعتماد ہو، اپنے افسران کے طرزِ عمل کی جانچ پڑتال کے لیے روانہ کیجیے۔ یہ لوگ معلوم کریں کہ اپنی اپنی عمل داری میں ان افسران کی پالیسی کیسی رہی ہے، انھوں نے تحصیلِ خراج میں کس حد تک مقررہ اصول و ضوابط کی پابندی کی اور اس شرح کو برقرار رکھا یا نہیں جو اہلِ خراج کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ جب آپ کو ان افراد سے رپورٹ مل جائے اور اس رپورٹ میں لگائے گئے الزامات کی تحقیق مکمل ہو جائے تو ان افسران نے جو کچھ فاضل وصول کیا ہے اس پر ان سے سخت

۱۲۳ جواب طلبی کی جائے اور سخت سزائیں دے کر ان سے یہ رقمیں وصول کی جائیں تاکہ آئندہ یہ لوگ مقررہ ضوابط کی خلاف ورزی اور اپنے مقررہ حدود سے تجاوز کی جرأت نہ کر سکیں۔

۴۸۸۔

والیٔ خراج جو ظلم و زیادتی کرتا ہے اس کے بارے میں رعایا یہ سمجھتی ہے کہ اُسے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ آپ اگر ان میں سے ایک کو بھی سخت سزا دے دیں تو دوسرے ڈر کر ان حرکتوں سے باز آ جائیں گے۔ لیکن اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو یہ لوگ اہلِ خراج پر دست درازیاں جاری رکھیں گے اور ان پر ظلم ڈھا کر ان سے بے جا وصولیابی کرنے پر اور زیادہ جری ہو جائیں گے۔

آپ کو جب کسی والی یا عامل کے بارے میں قطعیت کے ساتھ یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے ظلم و زیادتی کی ہے، حدود سے تجاوز کیا ہے، رعایا کے ساتھ اپنے برتاؤ میں آپ کے ساتھ خیانت کی ہے یا فئے کا کچھ مال خود ہضم کر بیٹھا ہے یا اس کی سیرت بری اور کردار گندہ ہے تو آپ پر آئندہ اس افسر سے کام لینا، یا اسے کسی طرح کی ذمہ داری سپرد کرنا، یا اسے اپنے معاملات میں ذرا بھی دخیل بنانا حرام ہے۔ اس کے برعکس آپ کو چاہیے کہ ایسے افسر کو اتنی سخت سزا دیں کہ دوسروں کو عبرت ہو اور وہ ان حرکتوں سے باز آ جائیں جس کا ارتکاب اس افسر سے ہوا ہے۔

مظلوم کی (بد) دعا سے بچ کر رہے کیوں کہ اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

۴۸۹ - رعایا پر ظلم گناہ ہے

مجھ سے مسعر نے عمرو بن مرۃ سے اور انہوں نے عبداللہ بن سلمہ سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ معاذ نے مجھ سے کہا ہے کہ:

"نماز ادا کرو، نیند لو، کھاؤ اور حلال کمائی کماؤ، لیکن گناہ نہ کرو اور اسی حال میں مرو کہ تم مسلم ہو، اور مظلوم کی دعاؤں ـــ یا دعا ـــ سے بچ کر رہو۔"

۴۹۰ -

مجھ سے منصور نے ابو وائل سے اور انہوں نے ابو بردہ سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے:

"میں تمہیں بعض امور بجا لانے کی ہدایت کرتا ہوں دریں حالیکہ میں انہیں خود نہیں کرتا، البتہ مجھے ان امور سے خیر وابستہ نظر آتا ہے۔ لوگوں میں سے جس شخص پر ظلم کرنا مجھے سب سے زیادہ ناگوار ہے وہ وہ شخص ہے جو میرے خلاف اللہ کے سوا کسی اور کی مدد نہیں طلب کرتا۔"

۴۹۱ - عدل کی برکتیں

عدل و انصاف کرنے اور ظلم و جور سے پرہیز کرنے میں جو اُخروی اجر ہے اس کے ماسوا اس سے علاقوں کی خوش حالی میں اضافہ ہوتا ہے اور خراج کی آمدنی بڑھتی ہے۔ برکت عدل سے وابستہ ہے، ظلم و جور سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ جو خراج ظلم و جور کے ذریعہ وصول کیا جاتا ہے اس سے ملک میں بدحالی اور تباہی مچتی ہے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہدِ مبارک ملاحظہ ہو کہ باوجود اس کے کہ آپ اہلِ خراج کے ساتھ کامل عدل و انصاف کا معاملہ کرتے اور ان پر سے ہر طرح کے ظلم کا ازالہ کرتے رہتے تھے آپ کے زمانہ میں سواد سے دس کروڑ درہم کی آمدنی ہوتی تھی، جب کہ اس زمانہ میں درہم کا وزن ایک مثقال ہوتا تھا۔

۴۹۲ - امیر المومنین کے لیے ایک تجویز

امیر المومنین! اگر آپ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی خاطر ہر مہینہ یا مہینہ میں دو بار ایک اجلاس خاص اس لیے کریں کہ اپنی رعایا سے مظالم کی فریادیں اور ظالموں کو متنبہ کریں تو مجھے امید ہے کہ آپ کا شمار ان حکمرانوں میں نہ ہو گا جو اپنی رعایا کی ضروریات سے بے نیاز و بے خبر رہتے ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ اس طرح کے دو ایک اجلاس کا انعقاد ہوتے ہی یہ خبر اطراف و ۱۴۲
جوانب میں عام ہو جائے گی۔ ہر ظالم کو اس بات کا ڈر لگنے لگے گا کہ اس کی خبر آپ تک پہنچ جائے گی اور وہ ظلم سے باز آ جائے گا۔ کمزور و پامال لوگوں کو یہ آس بندھ جائے گی کہ آپ اجلاس کر کے ان کے معاملے پر غور فرمائیں گے۔ اس سے ان کی ڈھارس بندھے گی اور وہ آپ کو بہت دعائیں دیں گے۔ اگر آپ ایک ہی مجلس میں ان تمام دادخواہوں کی بات نہ سن سکیں جو اس دن حاضر ہوں تو آپ پہلے اجلاس میں ان میں سے ایک گروہ کے مقدمات دیکھ لیں اور دوسرے گروہ کے مقدمات کو دوسرے اجلاس اور پھر تیسرے اجلاس ۔۔۔ میں زیرِ غور لاتے رہیں۔ اس سلسلہ میں کسی آدمی کو دوسرے پر ترجیح نہ دیں۔ جس کی روداد پہلے سامنے آ جائے اسے پہلے بلایا جائے، وعلیٰ ہذا الترتیب۔

ایسا کرنے کا دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ جب عمّال اور والیوں کو یہ معلوم ہو گا کہ آپ مہینہ میں ایک دن، بلکہ سال میں ایک دن، عام لوگوں کے معاملات و مقدمات پر غور کرنے کے لیے اجلاس کرتے ہیں تو ان شاء اللہ، وہ ظلم سے باز آئیں گے اور خود بخود انصاف کرنے لگیں گے۔ مجھے توقع ہے کہ ایسا کرنے سے آپ کو بہت بڑا ثواب ملے گا، کیوں کہ جو کوئی کسی مسلمان پر سے مصائبِ دنیا میں سے کسی مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ اس پر سے مصائبِ آخرت میں سے ایک مصیبت دور فرما دے گا۔

۴۹۳ - رعایا کی خدمت کا ثواب

ہم سے اعمش نے بروایت ابو صالح، بروایت ابوہریرہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں

نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جس نے کسی مسلمان کے سر سے کوئی مصیبت دور کی اللہ اس کے سر سے قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت دور کرے گا، اور جو دنیا میں کسی مسلمان (کے عیوب) کی پردہ پوشی کرے گا، قیامت کے دن اللہ اس کی لغزش پر پردہ ڈال دے گا۔"

۴۹۴۔

مجھے لیث نے بروایت ابن عجلان، بروایت عون ان کا یہ قول سنایا ہے کہ: "کہا جاتا تھا کہ جسے اللہ اچھی صورت عطا فرمائے اور کسی اچھے عہدہ پر سرفراز کرے اور پھر وہ اللہ کی خاطر خاکساری سے پیش آئے وہ اللہ کے مخلص بندوں میں سے ہے۔"

۴۹۵۔ خیانت کا عذاب

ہم سے اسماعیل بن ابو خالد نے قیس بن ابو حازم سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ابو حازم کہتے ہیں کہ میں نے عدی بن عدی کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ:

"جسے ہم (تحصیل مال کے) کام پر مامور کر کے بھیجیں اسے چاہیے کہ چھوٹی بڑی ہر چیز کا یکساں لحاظ رکھے[1] کیوں کہ جو آدمی ایک دھاگہ یا اس کے علاوہ کوئی چیز بھی خیانتہً لے گا وہ 'غلول' کا مرتکب ہوگا اور قیامت میں اس چیز کو اپنے ساتھ لیے ہوئے سامنے آئے گا۔"

---

[1] متن میں 'فلیجئ' ہے۔ مگر فرنچ مترجم خانگاں نے (صفحہ ۱۷۱۔ نوٹ ۳) اس کی تصحیح کر کے اسے 'فلیجیء' پڑھا ہے۔ اس تصحیح کی رو سے ترجمہ یہ ہوگا۔

"اسے چاہیے کہ چھوٹی بڑی ہر چیز لے آئے۔" یہ تصحیح قابل قبول معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مترجم)

۴۹۶۔

ہم سے ہشام[1] نے، انہوں نے قاسم[2] سے انہوں نے ابو عبد الواحد[3] انہوں نے عبد اللہ بن محمد بن عقیل انہوں نے جابر بن عبد اللہ اور انہوں نے عبد اللہ بن انیس سے روایت کرتے ہوئے حدیث بیان کی ہے

۱۳۵ کہ انہوں نے کہا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

"قیامت کے دن بندے ننگے پاؤں، غیر مختون، ہر مرض و عیب سے پاک بنا کر اٹھائے جائیں گے۔ بُہماً۔ پھر اللہ تعالیٰ انھیں ایک ایسی آواز سے پکارے گا جسے دور و نزدیک ہر جگہ سے لوگ یکساں طور پر سنیں گے۔ (فرمائے گا):

'میں ہوں بادشاہ، میں ہوں بدلہ دینے والا، کوئی جہنمی جس نے کسی جنتی پر ظلم کیا ہو، یا کوئی جنتی جس نے کسی جہنمی پر ظلم کیا ہو، اس وقت تک جہنم یا جنت میں نہ جا سکے گا، جب تک میں اس سے اس ظلم کا بدلہ نہ چکا لوں۔'"

۴۹۷۔ ذمہ داریوں کے لیے بہتر افراد کا انتخاب

مجالد بن سعید نے بروایت عامر الشعبی ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کوفہ کو لکھ بھیجا کہ وہ اپنے بہترین اور موزوں ترین افراد میں سے کسی کو آپ کے پاس بھیج دیں۔ یہی بات آپ نے بصرہ اور شام کے لوگوں کو بھی لکھ بھیجی (راوی) کہتا ہے: اہل کوفہ نے آپ کے پاس عثمان بن فرقد کو، اہل شام نے معن بن یزید کو اور اہل کوفہ نے حجاج بن علاط کو بھیجا۔ ان تینوں کا تعلق قبیلہ بنو سلیم سے تھا۔ (راوی نے) کہا: ان میں سے ہر ایک کو آپ نے اس علاقہ کے خراج کی تحصیل پر مامور کر دیا۔

۴۹۸۔

ہم سے محمد بن ابو حمید نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم سے ہمارے اساتذہ نے حدیث بیان کی ہے کہ ابو عبیدہ بن الجراح نے عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ:

---

[1] تیموری نسخہ میں 'ہمام' ہے۔ [3] تیموری نسخہ میں 'ابن عبد الواحد' ہے۔

"آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو آلودہ کر دیا۔"

اس پر عمر نے ان سے کہا:

"ابو عبیدہ! اگر میں اپنے دین کی سلامتی کے لیے دین داروں سے مدد نہ لوں تو کس سے مدد لوں؟"

انھوں نے کہا:

"اگر آپ کو ایسا کرنا ہی ہے تو ان کو اتنا معاوضہ دیجیے کہ وہ خیانت کرنے سے بے نیاز ہو جائیں۔"

آپ کا مطلب یہ تھا کہ جب آپ ان لوگوں میں سے کسی کو کسی کام پر مامور کریں تو ان کو عطایا میں سے اور مشاہرہ کے طور پر اتنا زیادہ دیں کہ پھر انھیں کوئی احتیاج نہ رہے۔

۴۹۹۔

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے، ان صاحب کی روایت سے جنھوں نے ان سے حدیث بیان کی ہے، ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ، عبداللہ بن عباس نے کہا ہے کہ: "عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے بلا بھیجا، چنانچہ میں ان کے پاس گیا۔ آپ نے فرمایا:

"ابن عباس! حمص کا عامل انتقال کر گیا، وہ بھلے آدمیوں میں سے تھا، اور اب بھلائی بہت کم یاب ہے، مجھے امید ہے کہ تم بھی بھلے آدمی ثابت ہو گے۔ لہٰذا میں نے تمھیں حمص کا عامل بنانے کے ارادہ سے بلایا ہے۔ البتہ میرے دل میں تمھاری طرف سے ایک کھٹک ہے جس کا اندیشہ ہے، یہ بات اب تک ہوتی نظر نہیں آئی ہے، صرف اندیشہ ہے کہ تم سے ایسا ہوگا۔ تو بتاؤ عامل بننے کے سلسلہ میں تمھارا کیا خیال ہے۔"

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں آپ کا کوئی کام اسی وقت اپنے ذمہ لوں گا جب آپ مجھے یہ بتا دیں کہ آپ کے دل میں کیا بات ہے؟

(حضرت عمر نے) پوچھا: یہ معلوم کر کے تم کیا کرنا چاہتے ہو۔

انھوں نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اگر میں اس بات سے بری ہوں جو آپ کے دل میں ہے تو آپ کو اطمینان ہو جائے کہ مجھ میں وہ بات نہیں ہے اور اگر میں واقعۃً ایسا آدمی ہوں جس کے بارے میں اندیشہ کیا جانا چاہیے تو پھر میں بھی اپنے نفس کی جانب سے ایسا ہی اندیشہ ناک رہوں جیسے کہ آپ ہیں کیوں کہ اکثر ایسا ہوا کہ جس بات کا آپ کو گمان ہوا اسی کے مطابق وحی بھی نازل ہوئی۔

آپ نے فرمایا: "ابن عباس! میرے خیال میں تمھارا حال یہ ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ میرا نصیبہ جاگ اٹھا ہے! مجھے تمھارے بارے میں اندیشہ یہ ہے کہ تمھارے عامل رہنے ہی کے دوران فتنے کی وہ کثیر رقمیں آنے لگیں جو آئندہ بہرحال آنے والی ہیں اور پھر تم سے یہ کہا جانے لگے کہ ادھر آؤ (ادھر لاؤ)، اور بجز تمھارے خاندان سے باہر کے لوگوں کے کسی اور سے یہ نہ کہا جائے کہ دور رہو۔ میرا مشاہدہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے لوگوں کو عامل مقرر کیا مگر تم لوگوں کو (دانستہ) چھوڑ دیا۔"

ابن عباس کہتے ہیں کہ اس پر میں نے یہ کہا کہ خدا کی قسم میرا مشاہدہ بھی وہی ہے جو آپ کا ہے، یہ بتائیے کہ آپ کے خیال میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسا کیوں کیا تھا۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ "خدا کی قسم میں قطعی رائے نہیں کر سکتا ہوں کہ آیا تم لوگوں کو اہل سمجھنے کے باوجود حضور نے تمھیں ان کاموں سے علیحدہ اور بلند رکھا، یا آپ کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ تم لوگ آپ کی قرابت داری کے سہارے ایک دوسرے کی مدد کرنے لگو گے[1] جس کے نتیجہ میں تمھیں عتاب کا ہدف بننا پڑے گا کیوں کہ (غلطی کے ارتکاب کے بعد کسی کے لیے)

[1] متن میں ہے "خَشِیَ اَن تَتَعَادَنُوا" فرنچ مترجم، فاگناں نے "خَشِیَ اَن تَتَعَادَنُوا" پڑھنے کو ترجیح دی ہے۔ (صفحہ ۴، ۱۷، نوٹ ۱) (مترجم)

ہے کوئی عذر نہیں۔ اچھا اب تم میری بات سن چکے، اب یہ بتاؤ کہ تم کس نتیجہ پر پہنچے "۔

میں نے کہا کہ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میں آپ کے کام کی ذمہ داری نہ لوں۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: "وہ کیوں؟"

میں نے کہا: "اس لیے کہ اگر آپ کے دل میں وہ بات ہو جو ابھی جو اس وقت ہے اور میں نے آپ کا کام اپنے ذمہ لے لیا تو میں برابر آپ کی نظروں میں کھٹکتا رہوں گا۔"

عمر بولے: "اچھا تو مجھے مشورہ دو کس کو عامل بناؤں۔"

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے کہا: "میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ایسے آدمی کو عامل مقرر کیجئے جو آپ کے نزدیک بھی ہر خرابی سے پاک ہو اور جسے آپ کے خلاف کوئی شکایت بھی نہ ہو۔"

۵۰۰۔

مجالد بن سعید نے عامر سے، عامر نے محرز بن ابی ہریرہ سے، اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو بلا کر ان سے یہ کہا کہ:

"جب تم لوگ ہی میری مدد نہ کرو گے تو کون میری مدد کرے گا؟"

ان حضرات نے جواب دیا: "ہم آپ کی مدد کریں گے۔"

اس پر آپ نے فرمایا: "ابو ہریرہ! تم اس سال بحرین اور ھجر (کے عامل بن کر) چلے جاؤ۔"

۵۰۱۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں وہاں گیا اور سال کے آخر میں آپ کے پاس دو تھیلیاں لے کر آیا جن میں پانچ لاکھ (درہم) تھے۔ انھیں دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

"میں نے آج تک اس سے زیادہ مال یکجا نہیں دیکھا۔ اس میں کسی مظلوم کا مارا ہوا حق، یا کسی یتیم اور بیوہ کا (غصب کیا ہوا) مال تو نہیں شامل ہے؟"

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا:

"نہیں، خدا کی قسم۔ ایسا ہو تو سب سے برا آدمی میں ہی قرار پاؤں گا کہ سارا فائدہ تو آپ کے حصہ میں آئے اور سارا وبال میرے سر چڑھے۔"

۵۰۲۔

میرے ایک استاذ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ، عمر بن عبد العزیز نے اہل شام کے باقی ماندہ صالحین میں سے کسی کو، جو شام ہی میں رہتے تھے، خط لکھا جس میں آپ نے ان گراں بار ذمہ داریوں کا ذکر کیا جو مسلمانوں کے معاملات کی سربراہی جیسی آزمائش کے سبب آپ پر آن پڑی تھیں۔ آپ نے
۱۳۸ بھلے کاموں میں ہاتھ بٹانے والوں کی کم یابی کا شکوہ بھی کیا اور ان صاحب سے ان ذمہ داریوں کی ادائگی میں تعاون کی درخواست کی۔ (راوی) کہتا ہے کہ ان صاحب نے اس خط کے جواب میں آپ کو یہ لکھا کہ،

"امیر المومنین کا خط جس میں آپ نے امور مسلمین کی نگرانی کی ذمہ داریاں اپنے سر عائد ہو جانے اور نیک کاموں میں ہاتھ بٹانے والوں کی کم یابی کا ذکر کرتے ہوئے مجھ سے معاونت طلب کی ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کو ایک ایسا زمانہ ملا ہے جو از حد خستہ حال ہے، نشانات راہ محو ہو چکے ہیں، جو جانتے ہیں وہ خوف کے مارے زبان نہیں کھولتے۔ جو نہیں جانتے وہ جہالت میں اتنا غرق ہیں کہ کچھ جاننا نہیں چاہتے۔ اللہ نے جو از رہ کرم جو عطا کیا ہے اس میں آپ مجھ سے معاونت چاہتے ہیں تو واضح رہے کہ میں مجرموں کا مددگار کبھی نہیں بنوں گا۔"

۵۰۳۔ تحصیلِ مال میں ظلم سے اجتناب

میرے ایک استاذ نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ میں نے میمون بن مہران کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عراق سے ہر سال دس کروڑ درہم (چاندی

وصول کرتے تھے۔ پھر آپ کے پاس دس آدمی کوفہ سے اور دس بصرہ سے آتے اور ہر آدمی خدا کی قسم کھا کر چار بار یہ گواہی دیتا کہ یہ رقم پاکیزہ طریقہ سے وصول کی گئی ہے۔ اس میں سے کچھ کسی مسلم یا معاہد پر ظلم کر کے نہیں وصول کی گئی ہے۔

۵۰۴۔

(راوی نے) مجھ سے بروایت میمون بن مہران یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے عمر بن عبدالعزیز کو منصب قضاء اور تحصیل مالگذاری کی گراں باری کا شکوہ لکھ بھیجا۔ اس زمانہ میں یہ الجزیرہ کے قاضی اور اس کے خراج کے محصل تھے۔ (راوی نے) کہا کہ عمر (بن عبدالعزیز) نے انھیں یہ لکھا کہ:

"میں نے تم سے یہ نہیں کہا ہے کہ اپنی قوت برداشت سے زیادہ کام کا بار اپنے سر لو؛ حلال مال وصول کرو اور جہاں تک تم پر حق بات واضح ہو سکے خود فیصلے کرو یا کرو جب کوئی معاملہ تم سے نہ سلجھ سکے تو اسے میرے پاس بھیج دو۔ اگر لوگوں کا دستور یہ ہو کہ جب انھیں کوئی کام گراں بار معلوم ہو تو اسے چھوڑ بیٹھیں تو نہ دین قائم ہو سکے گا نہ دنیا کا کام چل سکے گا۔"

۵۰۵۔ بے جا سزا سے اجتناب

ابوحصین نے مجھ سے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ "مسلمان کی ذات رحمی قرار دے دی گئی ہے۔"

۵۰۶۔

مجھ سے طارق بن عبدالرحمن نے بروایت حکم بن جابر یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ عمر نے ایک آدمی کو مارا تو اس آدمی نے ان سے کہا کہ:

"میں تو ان دو آدمیوں سے بھی زیادہ محتاط ہوں ایک وہ آدمی جو پہلے نادان

لہ متن میں جبلۃ ہے۔ فاگناں نے بحوالہ مسودہ ۲۵۳ ہ اسے جبایۃ پڑھا ہے۔ ہم نے بھی سیاق کی مناسبت سے اس تصحیح کے مطابق ترجمہ کیا ہے (ملاحظہ ہو فاگناں صفحہ ۱۰۵، نوٹ ۱) (مترجم)

تھا، پھر اسے علم حاصل ہو گیا (تو وہ محتاط ہو گیا اور پھر نادانی کے سبب غلطی کا مرتکب نہ ہوا) اور دوسرا وہ آدمی جس نے کوئی غلطی کی تو اسے معاف کر دیا گیا (اور وہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر آئندہ کے لیے محتاط ہو گیا ——— لہٰذا آپ نے ایسے محتاط آدمی کو بلا وجہ کیوں مارا؟ اس سے کس غلطی کا اندیشہ تھا؟)

(راوی کہتا) ہے کہ عمر نے اس شخص سے کہا کہ تو نے سچ کہا۔ (میں نے تجھے ناحق مارا) تو مجھ سے اس مار کا بدلہ لے لے۔

(راوی) کا بیان ہے کہ اس آدمی نے آپ کو معاف کر دیا (اور بدلہ نہیں لیا)"

۵۰۷۔

اسرائیل نے سماک بن حرب سے اور انھوں نے ابوسلامہ سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ: عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کچھ مردوں اور عورتوں کو جو ایک حوض پر بھیڑ لگائے ہوئے تھے، مارا۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد آپ کی ملاقات علی سے ہو گئی تو انہوں نے آپ سے پوچھا (کہ کیا بات ہے) آپ نے فرمایا: "میں نے ایک ایسا
۱۲۸ کام کیا ہے جس کے سبب مجھے ڈر ہے کہ میں ہلاکت کا لقمہ بن گیا۔"

اس پر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اگر آپ نے ان لوگوں کو کسی دشمنی یا کینہ و بدخواہی کے سبب مارا ہے تو بلاشبہ آپ نے اپنی ہلاکت مول لے لی، لیکن اگر آپ نے خیر خواہی اور اصلاح کے جذبہ کے تحت مارا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ کی حیثیت ہی نگراں کی ہے آپ کا تو کام ہی ادب اور سلیقہ سکھانا ہے۔"

۵۰۸۔ عمال حکومت کی حیثیت اور ان کی ذمہ داریاں

ہم سے مسعر بن کدام نے بروایت قاسم حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ: عمر جب اپنے عاملوں کو رخصت کرتے تو ان سے یہ فرماتے تھے کہ:

"میں تمھیں جابر و قاہر بنا کر نہیں بلکہ امام و رہنما بنا کر بھیجتا ہوں، مسلمانوں کو مار پیٹ کر انھیں ذلیل نہ کرنا، نہ ان کی تعریفیں کرکے انھیں آزمائش میں مبتلا کرنا۔ ان کے حقوق چھین کر ان پر ظلم نہ کرنا اور مسلمانوں کی سہولت اور خوش حالی کے لیے ہر طرح کا اہتمام کرتے رہنا۔"

۵۰۹۔

مجھ سے میرے ایک استاد نے بروایت عمرو بن میمون حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ: عمر بن الخطاب نے عوام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"خدا کی قسم میں اپنے افسروں کو تمہارے یہاں اس لیے نہیں بھیجتا کہ وہ تمھارے منہ پر چپت ماریں یا تمھارے مال چھین لیں۔ میں انھیں تمھارے پاس اس لیے بھیجتا ہوں کہ وہ تمھیں تمھارا دین اور تمھارے نبی کی سنت سکھائیں۔ جس کسی کے ساتھ دین اور سنت سے ہٹا ہوا سلوک کیا جائے اُسے چاہیے کہ اپنا معاملہ میرے سامنے پیش کرے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں متعلق افسر سے اس (مظلوم) کا بدلہ لے کر رہوں گا۔"

یہ سن کر عمرو بن العاص اچھل کر کھڑے ہو گئے اور بولے:

"امیرالمومنین! کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی رعایا پر والی مقرر کیا گیا ہوا اور وہ ان میں سے کسی کی تادیب کرے تو آپ اُس سے اس آدمی کی جانب سے قصاص لیں گے؟"

آپ نے فرمایا:

"ہاں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس سے ضرور قصاص لوں گا اور میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آپ سے قصاص دلواتے دیکھا ہے!"

سنو! تم لوگ مسلمانوں کو مار کر انھیں ذلیل و خوار نہ کرو، ان کی حق تلفیاں کرکے ان کو کفر کی طرف مت دھکیلو، اور انھیں لے کر جنگلوں اور دلدلوں میں نہ گھسو کہ وہ تباہ و برباد ہو جائیں۔"

۵۱۰۔

مجھ سے عبدالملک بن ابی سلیمان نے بروایت عطاء حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عاملوں کو لکھ بھیجا کہ حج کے موقع پر آپ سے ملیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ اس موقع پر حاضر ہوئے اور آپ نے کھڑے ہو کر ان سے یہ فرمایا:

"لوگو! میں نے اپنے ان عمال کو تم پر راست بازی کے ساتھ نگرانی کرنے کے لیے بھیجا ہے میں نے انہیں اس لیے عامل نہیں مقرر کیا ہے کہ یہ تمھارے جان و مال اور عزت و آبرو پر دست درازیاں کریں۔ لہٰذا جس کسی پر ان میں سے کسی نے کوئی ظلم کیا ہو وہ کھڑا ہو جائے۔"

راوی کہتا ہے کہ اس اعلان پر اُس دن سارے عوام میں سے بجز ایک آدمی کے اور کوئی نہیں اُٹھا۔ اُس آدمی نے کہا:

"امیرالمومنین! آپ کے عامل نے مجھے سو کوڑے مارے ہیں۔"

عمر نے دریافت کیا: "کیا تم بھی اسے سو کوڑے مارنا چاہتے ہو؟ ایسا ہو تو اٹھو اور اُس سے قصاص لے لو۔"

یہ سن کر عمرو بن العاص اُٹھے اور انھوں نے آپ سے یہ کہا:

۱۲۹ "امیرالمومنین! اگر آپ اپنے عمال کے سلسلہ میں یہ پالیسی اختیار کریں گے تو یہ ان کو بہت شاق گزرے گی اور یہ ایک مستقل طریقہ بن جائے گا جسے آپ کے بعد آنے والے (خلفاء) بھی اختیار کریں گے۔"

عمر نے جواب دیا: "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس عامل سے اس شخص کا قصاص

ہوں جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنے سے قصاص دیتے دیکھا ہے؟ اے آدمی اُٹھ اور قصاص لے۔"

پھر عمرو (بن العاص) نے کہا: "اچھا تو ہمیں اس کی اجازت دیجیے کہ ہم اسی شخص کو کسی طرح راضی کر لیں۔"

راوی کہتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دے دی اور لوگوں نے اس شخص کو فی کوڑا دو دینار کے حساب سے دو سو دینار دے کر اپنا حق قصاص فروخت کر دینے پر راضی کر لیا۔

۵۱۱۔ عمالِ حکومت پر خصوصی پابندیاں

عبداللہ بن الولید نے عاصم بن ابی النجود سے اور انھوں نے عمارہ بن خزیمہ بن ثابت سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ جب کسی شخص کو عامل مقرر کرتے تو انصار اور دوسرے لوگوں پر مشتمل ایک جماعت کو گواہ بنا کر اس شخص سے چار شرائط کی پابندی کا عہد لیتے تھے: یہ کہ وہ عمدہ خچر پر نہ سوار ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، اپنے دروازے بند کر کے لوگوں کی ضروریات سے بے نیازی نہ برتے گا، اور اپنی ڈیوڑھی پر دربان نہ رکھے گا۔

راوی کہتا ہے کہ ایک بار جب کہ آپ مدینہ کی کسی سڑک پر جا رہے تھے کسی شخص نے پکار کر آپ سے یہ کہا کہ:

"عمر! کیا خیال ہے، تمھارے عامل عیاض بن غنم کے مصر کا عامل رہتے ہوئے بھی کیا تمھاری یہ شرطیں اللہ کے حضور تمھیں بچا لیں گی؟ وہ ایسی حالت میں کہ وہ باریک کپڑے بھی پہنتا ہے اور اپنے دروازے پر دربان بھی رکھتا ہے۔"

اب عمر رضی اللہ عنہ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا، جو افسران تک آپ کے پیغامات پہنچایا کرتے تھے اور انھیں مصر روانہ کیا۔ آپ نے ان سے یہ کہا کہ "تم انہیں جس حال میں پاؤ اسی حال میں میرے پاس لاؤ۔"

راوی کہتا ہے کہ یہ وہاں پہنچے تو ان کے دروازہ پر ایک دربان کو موجود پایا، پھر اندر داخل ہوئے تو ان کے بدن پر ایک مہین قمیص نظر آئی۔ انہوں نے ان سے کہا کہ "امیر المومنین کا بلاوا ہے، چلو۔" انہوں نے کہا کہ "مجھے اپنی قبا پہن لینے دو۔" یہ بولے کہ "نہیں اسی حال میں چلو۔"

راوی کہتا ہے کہ چنانچہ وہ انھیں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ جب عمر نے انھیں دیکھا تو فرمایا کہ: "اپنی قمیص اتار دو۔" پھر آپ نے موٹے اون کا ایک کرتا منگوایا، اور پھر بکریوں کا ایک گلہ اور ایک لاٹھی بھی منگوائی اور ان سے یہ فرمایا کہ:

"یہ کرتا پہنو، یہ لاٹھی اور یہ بکریاں چراؤ۔ ان کا دودھ خود پیو اور راہ گیروں کو پلاؤ اور جو بچ رہے وہ ہمارے لیے محفوظ رکھو۔ سن لیا تم نے؟"

انھوں نے کہا: "ہاں (سن لیا) مگر موت آ جانا اس سے اچھا ہے کہ میں ایسا کروں۔"

آپ نے بار بار ان سے یہی بات کہی مگر ہر بار انھوں نے یہی جواب دیا۔ "اس سے بہتر یہی ہوگا کہ موت آ جائے۔"

عمر نے ان سے پوچھا کہ "تمھیں یہ بات اتنی ناگوار کیوں معلوم ہوتی ہے جب کہ تمھارے باپ کا نام غنم اسی لیے پڑ گیا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتے تھے؟ کیا تم آئندہ بھی روش ٹھیک کر سکو گے؟"

انہوں نے جواب دیا: "ہاں! یا امیر المومنین۔"

آپ نے فرمایا: "اچھا تم جاؤ۔" اور آپ نے ان کو ان کے منصب پر بحال کر دیا۔

راوی کہتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد یہ اتنے اچھے بن گئے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا کوئی دوسرا عامل اتنا اچھا نہ تھا۔

۵۱۲۔

ہم سے اعمش نے بروایت ابراہیم یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: عمر بن

۱۴ الخطاب رضی اللہ عنہ جب کسی عامل کے بارے میں یہ سنتے کہ وہ مریضوں کی عیادت نہیں کرتا اور کمزور لوگوں کو اپنے پاس نہیں آنے دیتا تو اسے معزول کر دیتے۔

٥١٣۔

مجھ سے عبداللہ بن ابی حمید نے بروایت ابوالملیح یہ حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری کو یہ لکھا تھا کہ سارے انسانوں کو اپنی نظر میں یکساں رکھو اور اپنی مجلس میں ان کے ساتھ یکساں سلوک کرو تاکہ کمزوروں کو تم سے انصاف کی امید باقی رہے اور معززین میں یہ خیال نہ پیدا ہو کہ تم ان کی خاطر دوسروں پر زیادتی کر سکتے ہو۔

٥١٤۔ والی کی ذمہ داریاں

مجھ سے ایک شامی عالم نے جو ان لوگوں کے معاصر رہے ہیں بروایت عروۃ بن رویم یہ حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوعبیدۃ بن الجراح کو، جو شام میں تھے، لکھا کہ

"امابعد! میں تمھیں ایک ایسا خط لکھ رہا ہوں جس میں میں نے امکانی حد تک اپنی اور تمھاری خیر خواہی کی ہے۔ پانچ باتوں پر عمل کرو تو تمھارا دین سلامت رہے گا۔ اور تمھیں بہتر سے بہتر اجر ملے گا۔ جب کسی مقدمہ کے دونوں فریق تمھارے پاس آئیں تو تمھارے لیے ضروری ہے کہ عادل گواہیوں اور قطعی[1] قسموں کا مطالبہ کرو۔ کمزور کو اپنے قریب آنے دو تاکہ اس کے دل کو تقویت ہو اور اس کی زبان کھل سکے۔ غریب الوطن پردیسیوں کی طرف جلد توجہ کیا کرو کیوں کہ اگر اسے زیادہ عرصہ رکے رہنا پڑ جائے گا تو وہ اپنا کام چھوڑ کر واپس چلا جائے گا۔ اس کا کام خراب کرنے کی ذمہ داری اس کے سر ہے جس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اور جب تک تم کسی مقدمہ میں مناسب فیصلہ تک نہ پہنچ سکو، تب تک صلح کرانے کی کوشش کرو، والسلام۔"

٥١٥۔ امیرالمومنین کی ذمہ داریاں

محمد بن اسحاق نے مجھ سے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ مجھ سے ایک ایسے شخص نے حدیث بیان کی ہے جس نے طلحہ بن سعدان العمری سے سنا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ عمر بن الخطاب

---

[1] یعنی ایسی قسمیں جو شرعاً قابلِ اعتبار اور واضح ہوں، قسم کھانے والا فرد ساقط الاعتبار نہ ہو۔ (مترجم)

رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطاب کیا۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجا اور ابوبکر کا ذکر کر کے ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔ پھر فرمایا:

"لوگو! کسی (اطاعت کے) مستحق کا حق اتنا اہم نہیں کہ اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہو تو بھی اس کی اطاعت کی جائے۔ مجھے اس مال کے سلسلہ میں تین ہی باتیں مناسب نظر آتی ہیں: اسے حق کے ساتھ وصول کیا جائے، حق کی راہ میں دیا جائے، اور باطل (مصرف) پر خرچ ہونے سے روکا جائے۔ تمھارے مال کے سلسلہ میں میری حیثیت وہی ہے جو کسی یتیم کے سرپرست کی ہوتی ہے۔ اگر میں ضرورت مند نہ رہا تو اس سے دست کش رہوں گا اور اگر ضرورت مند ہو گیا تو اس میں سے معروف کے مطابق کھاؤں گا۔

میں کسی کو کسی پر ظلم و زیادتی کرنے کا موقع نہ دوں گا۔ ایسا کرنے والے کا ایک گال زمین پر ہوگا اور دوسرا میرے قدموں کے نیچے، تاآنکہ وہ حق کے آگے سپر ڈال دے۔ (۱)

لوگو! مجھ پر تمھارے سلسلہ میں کچھ ذمہ داریاں ہیں جن کو میں تمھارے سامنے گنا تا ہوں۔ تمھیں چاہیے کہ ان کے بارے میں میرا احتساب کرتے رہو۔ میری ذمہ داری ہے کہ تمھارے خراج اور فئے کی رقمیں ان کے مقررہ طریقوں سے ہی وصول کروں، اور یہ کہ جب یہ اموال میرے ہاتھ میں آجائیں تو اپنے مناسب مصارف ہی میں صرف ہوں۔ تمھارے سلسلہ میں میری ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ ان شاء اللہ میں تمھارے عطایا اور وظائف میں اضافہ کروں اور تمھاری سرحدوں کی حفاظت کا انتظام کروں، نیز میری ذمہ داری ہے کہ تمھیں ہلاکت کے منہ میں نہ دھکیلوں اور (گھر سے دور) سرحدوں پر زیادہ طویل عرصہ نہ مامور کیے رہوں۔

وہ زمانہ قریب آگیا ہے جس میں قرآن پڑھنے والے بہت ہوں گے مگر صاحب

امانت لوگ کم ہوں گے۔ ایذا دینے والوں کی کثرت ہو گی مگر سمجھ دار لوگ بہت کم ہوں گے جس میں لوگ آخرت کا کام کر کے (اس کے عوض) دنیا کی عارضی پونجی کے طلب گار ہوں گے جو اپنے مالک کے دین کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ لکڑی کو بھسم کرتی ہے۔ سنو! تم میں سے جن کو اس زمانہ سے سابقہ پڑ جائے انھیں چاہیے کہ اپنے پروردگار، اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور (ان حالات کے مقابلہ میں) صبر کرے۔

لوگو! اللہ نے اپنے حق کو اپنی مخلوق کے حق سے اہم تر قرار دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے:

ولا یامرکم ان تتخذوا الملائکۃ والنبیین اربابا۔ ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون۔ | وہ تم سے ہرگز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں کو اپنا رب بنا لو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمھیں کفر کا حکم دے جب کہ تم مسلم ہو۔

(آل عمران: ۸۰)

سنو! میں نے تمھیں آمر و جابر بنا کر نہیں بھیجا ہے بلکہ ہادی و رہنما بنا کر بھیجا ہے تاکہ لوگ تم سے ہدایت حاصل کریں۔ تمھیں چاہیے کہ مسلمانوں کو ان کے حقوق فراخ دلی کے ساتھ عطا کرو، انھیں مار کر ذلیل و خوار نہ کرو، نہ ان کی تعریفیں کر کے انھیں آزمائش میں ڈالو۔ ان کی طرف سے غافل ہو کر دروازے بند کر کے نہ بیٹھ رہو کہ ان کے اصحاب قوت کمزوروں کو ہضم کر جائیں۔ ان پر کسی دوسرے کو ترجیح دے کر ان کے ساتھ ظلم نہ کرنا، ان کے ساتھ کوئی بے دردانہ سلوک نہ کرنا اور ان کو کٹر کر نادم سے جنگ کرنے میں ان کی قوت و استعداد کا پورا لحاظ رکھنا۔ جب تمھیں نظر آئے کہ اب جنگ ان کی طبیعتوں پر بار بن گئی ہے تو اس سے دست کش ہو جانا کیوں کہ دشمن سے جہاد کے لیے بھی ایسا کرنا بالآخر زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہو گا۔

لوگو! میں تمھیں امرائے امصار پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انھیں صرف اس لیے بھیجا ہے کہ لوگوں کو ان کا دین سمجھائیں، ان کے درمیان فے کا مال تقسیم کریں اور ان کے باہمی تنازعات کا فیصلہ کریں۔ اگر کسی معاملہ میں اشکال پیش آ جائے (اور یہ خود فیصلہ نہ کر سکیں) تو اسے میرے سامنے پیش کریں۔"

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "(امور مسلمین کی تدبیر کا) یہ کام اسی وقت خوش اسلوبی سے انجام پا سکتا ہے جب کہ جبر و ظلم سے کام لیے بغیر سختی برتی جائے اور کمزوری دکھائے بغیر نرمی کا سلوک کیا جائے۔"

۵۱۶۔ والی کی ذمہ داریاں۔

کوفہ کے ایک عالم نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل کعب بن مالک کو لکھ بھیجا کہ:

"اپنے کام کسی نائب کے سپرد کر دو اور اپنے رفقاء کی ایک جماعت ساتھ لے کر
سواد کی ایک ایک بستی کا دورہ کرو۔ وہاں کے باشندوں سے ان کے افسران کے ۱۶۲
احوال دریافت کرو اور ان کی سیرت و کردار کا مطالعہ کرو۔ اس طرح دورہ کرتے ہوئے دجلہ و فرات کے درمیانی علاقہ تک جاؤ۔ پھر بہقباذات واپس چلے آؤ اور وہاں کی ذمہ داریاں سنبھال لو۔ اللہ نے وہاں کے جو امور تمھاری نگرانی میں دیے ہیں انھیں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتے ہوئے انجام دو۔

جان رکھو کہ یہ دنیا فانی ہے، اس زندگی کے بعد آخرت کی زندگی آنے والی ہے، اور ابن آدم کے خلاف اس کے اعمال کا پورا ریکارڈ محفوظ ہے۔ تم جو کچھ کر چکے اس کا بدلہ پاؤ گے اور جو نیکیاں آگے روانہ کر چکو وہ سب تمھارے سامنے آئیں گی۔ لہٰذا بھلے کام کرو تاکہ بھلا انجام نصیب ہو۔"

۵۱۷۔

ایک صاحب نے جو عطاء بن ابی رباح سے سماعت کر چکے ہیں، مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہٗ جب کسی فوجی دستہ کو کسی مہم پر روانہ کرتے تو کسی آدمی کو اس کا امیر بنا دیتے اور اُسے یہ ہدایات دیتے کہ:

"میں تمھیں اس اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں جس سے ملاقات لابدی ہے۔ ایسے اعمال بجا لاؤ جو تمھیں اللہ سے قریب کریں کیوں کہ جو کچھ اللہ کے یہاں پہنچ جائے وہی دنیا کا حاصل ہے۔"

۵۱۸۔

داؤد بن ابو ہند نے بروایت رباح بن عبیدہ مجھ سے یہ بیان کیا ہے کہ "میں عمر بن عبدالعزیزؒ کے یہاں تھا، ایک بار میں نے ان سے کہا: امیر المومنین میرے لڑکے عراق میں ہیں اور وہاں میری کچھ جائداد بھی ہے۔ مجھے اجازت دیجیے کہ وہاں جا کر ان کی خبر گیری کر دوں۔"

آپ نے جواب دیا: "نہ تو تمھارے لڑکے پریشان ہیں نہ تمھاری جائداد تباہ ہوئے جا رہی ہے۔"

لیکن میں برابر اصرار کرتا رہا یہاں تک کہ آپ نے اجازت دے دی۔ جب آپ سے رخصت ہونے کا وقت آیا تو میں نے کہا: "امیر المومنین! میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتایئے۔"

آپ نے فرمایا: "میرا ایک کام یہ ہے کہ اہل عراق کے احوال دریافت کرنا اور یہ معلوم کرنا کہ والیوں کا برتاؤ ان کے ساتھ کیسا ہے اور وہ لوگ ان والیوں سے کس حد تک خوش ہیں۔"

چنانچہ جب میں عراق آیا تو وہاں کی رعایا سے ان کے بارے میں دریافت کیا۔ مجھے ان کے بارے بہت اچھی رپورٹیں ملیں جب میں آپ کے پاس واپس گیا تو سلام کے بعد آپ کو والیانِ عراق کی سلامت روی کی خبر دی اور بتایا کہ سارے عوام ان لوگوں کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: "خدا کا شکر ہے۔ تمھاری رپورٹ اس کے برعکس ہوتی تو میں ان لوگوں کو معزول

کر دیتا اور آئندہ ان سے کبھی کوئی کام نہ لیتا۔ حکمران اپنی رعایا کے بارے میں جواب دہ ہے لہٰذا اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ ان سارے امور کا اہتمام کرتا ہے جن کے ذریعہ اللہ رعایا کو فائدہ پہنچائے اور (ان خدمات کے طفیل) حکمراں کو اپنا قرب عطا فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسے رعایا کی سربراہ کاری جیسی آزمائش میں ڈالا گیا اُسے بہت ہی بڑی آزمائش میں ڈالا گیا۔"

۵۱۹۔ رعایا کو سخت سزائیں دینے کی ممانعت

۱۴۳ عبدالرحمن بن ثابت بن ثوبان نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے بیان کیا ہے کہ عدی بن ارطاۃ نے، جو عمر بن عبدالعزیز کے ایک عامل تھے آپ کو لکھا کہ: "ہمارے یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے ذمہ واجب الادا خراج اس وقت تک نہیں ادا کرتے جب تک انہیں تھوڑا عذاب نہ چکھا دیا جائے۔"

۵۲۰۔ عمر نے جواب میں انہیں یہ لکھا کہ:

"مجھے حیرت ہے کہ تم نے مجھ سے انسانوں کو عذاب دینے کی اجازت طلب کی ہے گویا میں تمھیں عذاب الٰہی سے بچا لوں گا، یا میری رضا مندی تمھیں غضب خداوندی سے بچا لے گی۔ میرا یہ خط پانے کے بعد یہ طریقہ اختیار کرو کہ جو شخص اپنے ذمہ واجب رقم آسانی سے ادا کر دے اس سے لے لو اور جو نہ دے اس سے حلف لے کر اُسے چھوڑ دو۔ خدا کی قسم یہ بات کہ لوگ اپنے جرائم کا بار اٹھائے خدا کے سامنے پیش ہوں مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ان کو عذاب دینے کا جرم لیے ہوئے اس کے سامنے حاضر ہوں۔ والسلام۔"

۵۲۱۔ ضرر کی تلافی

ایک آدمی نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس آ کر یہ کہا کہ: "میں نے ایک کھیت بویا تھا، پھر شام کا ایک لشکر ادھر سے گزرا اور اس نے اسے تباہ کر کے رکھ دیا۔" یہ سن کر آپ نے اس شخص کو دس ہزار (درہم) بطور معاوضہ دیئے۔

تیرھواں باب

اہلِ ذمہ اور اُن سے متعلق مسائل

فصل ۱

نصاریٰ بنو تغلب

۵۲۲۔ امیر المومنین کا سوال

امیر المومنین! آپ نے نصاریٰ بنو تغلب کے بارے میں معلومات چاہی ہیں اور یہ دریافت فرمایا ہے کہ ان کے اموال پر جو محصول عاید کیا گیا ہے اس کی شرح زکواۃ کی شرح سے دوگنی کی گئی ہے؟ ان کو جزیہ سے کیوں معاف رکھا گیا ہے؟ اور یہ کہ جزیہ و خراج، صدقات و عشور اور پوشاک کے ضمن میں سارے اہلِ ذمہ کے سلسلہ میں ہماری پالیسی کیا ہونی چاہیے۔

۵۲۳۔ بنو تغلب سے حضرت عمرؓ کا معاہدہ

ایک استاذ نے بروایت سفّاح بن داؤد بن کردوس، بروایت عبادہ بن نعمان التغلبی مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا:

"امیر المومنین! آپ کو بنو تغلب کی قوت کا بخوبی اندازہ ہے، اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ لوگ، دشمن کے علاقہ کے بالکل سامنے رہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ آپ کے خلاف دشمن کی مدد کرنے لگے تو ان کے سبب بڑی مشکلات آن پڑیں گی۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان کے ساتھ کچھ رعایت کر دیں۔"

راوی کہتا ہے کہ عمرؓ نے ان لوگوں سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ اپنی اولاد میں سے کسی کو

بپتسمہ نہ دیں گے اور ان سے زکوٰۃ کی شرح کا دوگنا (محصول) وصول کیا جائے گا۔ عبادہ کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ ایسا کرنے لگے لہٰذا اب ان سے کیا ہوا معاہدہ کالعدم ہو گیا۔

۱۴۴ ایک شرط یہ بھی طے پائی کہ ان کے سروں سے جزیہ معاف کر دیا جائے گا۔ چنانچہ بنو تغلب کے جس عیسائی کے پاس چرنے والی بھیڑ بکریاں ہوں ان میں چالیس کی تعداد تک کچھ نہیں واجب ہے۔ ان کی تعداد چالیس ہو تو ان میں سے دو بکریاں لی جائیں گی اور ایک سو بیس راسوں تک اتنا ہی لیا جائے گا۔ جب بھیڑ بکریوں کی تعداد ایک سو بیس سے زائد ہو جائے تو ان میں سے چار بھیڑیں یا بکریاں واجب ہوں گی۔ ان کے صدقات اسی حساب سے وصول کیے جائیں گے۔

یہی حال گائے بیل اور اونٹوں کا ہے کہ ان کی کس تعداد پر مسلمانوں پر جو کچھ واجب ہوتا ہے اس کا دوگنا تغلبی عیسائی پر واجب ہو گا۔

صدقہ کی تحصیل میں ان کی عورتوں کی حیثیت بھی وہی ہو گی جو ان کے مردوں کی ہے۔ البتہ بچوں پر کچھ نہیں واجب ہو گا۔

ان کی وہ زمینیں جو بوقت صلح ان کے قبضہ میں تھیں، ان پر بھی اسی طرح مسلمانوں پر واجب ہونے والے محاصل سے دوگنے محاصل وصول کیے جائیں گے۔

۵۲۴۔

بچوں اور بے عقلوں (کی املاک) کے بارے میں فقہائے عراق کی رائے یہ ہے کہ ان کی زمینوں سے صدقہ کا دوگنا وصول کیا جائے گا مگر ان کے مویشیوں پر کوئی محصول نہ لیا جائے گا۔ فقہائے حجاز کہتے ہیں کہ ان کے مویشیوں میں سے بھی صدقہ کا دوگنا وصول کیا جائے گا۔

۵۲۵۔

ان محاصل کی نوعیت خراج کی ہے کیوں کہ یہ جزیہ کے بدلے وصول کیے جاتے ہیں۔ ان کے باقی اموال اور غلاموں پر ان سے کوئی محصول نہیں لیا جائے گا۔

۵۲۶۔

ہم سے ابوحنیفہ نے، اس راوی کے واسطے سے جس نے ان سے حدیث بیان کی تھی، عمر بن الخطاب سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے بنو تغلب کے عیسائیوں پر خراج کے بدلہ دوگنا صدقہ عاید کر دیا تھا۔

۵۲۷۔

ہم سے اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر نے حدیث بیان کی ہے کہ میں نے اپنے باپ کو اس بات کا ذکر کرتے سنا ہے کہ میں نے زیاد بن حدیر کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ پہلا آدمی جسے عمر بن الخطاب نے عشور کی تحصیل پر مامور کر کے یہاں بھیجا تھا میں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آپؓ نے مجھے ہدایت کی تھی کہ کسی کی تلاشی نہ لوں اور جو کچھ میرے سامنے سے گذرے اس میں سے ہی مسلمانوں سے چالیس درہم میں سے ایک درہم، ذمیوں سے بیس درہم میں سے ایک درہم اور غیر ذمی افراد سے دس درہم میں سے ایک درہم کے حساب سے وصول کیا کروں۔

یہ کہتے ہیں کہ آپؓ نے مجھے بنو تغلب کے عیسائیوں پر سختی کرنے کی تاکید کی تھی اور فرمایا تھا کہ یہ لوگ عرب ہی کی ایک قوم ہیں (حقیقی طور پر) اہلِ کتاب میں سے نہیں لہٰذا ہو سکتا ہے کہ (اس سخت رویہ کے سبب) یہ مسلمان ہو جائیں۔

انہوں نے بتایا ہے کہ عمرؓ نے نصاریٰ بنی تغلب سے یہ شرط طے کر لی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو عیسائی نہیں بنائیں گے۔

۵۲۸۔

جس طرح ان لوگوں کے اموالِ تجارت پر دونا محصول عاید کیا گیا ہے اسی طرح جو عشری زمینیں کوئی تغلبی عیسائی خریدے اُس پر دوگنا عشر عاید کیا جائے گا (غرض یہ کہ) جس چیز میں کسی مسلمان پر ایک واجب ہے اس میں تغلبی عیسائی پر دو واجب ہوگا۔

۵۲۹۔ ذمیوں کی خریدی ہوئی عشری زمینوں کا محصول

اگر بنی تغلب کے عیسائیوں کے علاوہ کوئی اور ذمی عشری زمین خرید لے تو ابو حنیفہ یہ کہتے
۱۲۵ ہیں کہ: "میں اس پر خراج عائد کر دوں گا اور آئندہ ہمیشہ کے لیے اُسے خراجی زمین قرار دے دوں گا
خواہ وہ اسے پھر کسی مسلمان کے ہاتھ فروخت کر دے۔ کیونکہ عشر زکوٰۃ ہے اور کسی ذمی پر زکوٰۃ نہیں عاید کی جا سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ میں اس زمین کو خراجی قرار دیتا ہوں۔"

۵۳۰۔

لیکن میری رائے یہ ہے کہ ایسی زمین پر دوگنا عشر عاید کر دیا جائے اور اسی کو اس زمین کا خراج سمجھا جائے۔ پھر اگر اس زمین کو کوئی مسلمان خرید لے یا اس کا عیسائی مالک مسلمان ہو جائے تو میں اُسے حسبِ سابق پھر عشری زمین قرار دے دوں گا۔

۵۳۱۔

ہمارے ایک استاذ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ حسن اور عطار نے اس باب میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ دوگنا عشر عاید کیا جائے۔

۵۳۲۔

میرے نزدیک حسن اور عطار کی رائے ابو حنیفہ کی رائے سے بہتر ہے کیا آپ خود نہیں غور کرتے کہ جب مسلمان اپنا تجارتی مال لے کر محصلِ چنگی کے یہاں آتا ہے تو وہ اس سے چالیسواں حصہ وصول کرتا ہے، پھر جب کوئی ذمی اس مال کو خرید لے اور تجارت کے لیے محصلِ چنگی کے یہاں سے گذرے تو وہ اِس پر بیسواں حصہ یعنی مسلمان پر عاید ہونے والے محصول کا دوگنا لگاتا ہے اب اگر یہ مال پھر کسی مسلمان کے پاس لوٹ آئے تو میں اس پر چالیسواں حصہ عاید کر دوں گا۔ اس مثال سے معلوم ہوا کہ ایک ہی مال پر مالک کے مختلف ہونے کے سبب محصول کی مختلف شرحیں عاید ہوں گی۔ بالکل یہی پوزیشن عشری زمینوں میں کسی زمین کی بھی ہے۔ آپ خود نہیں دیکھتے کہ اگر ایک ذمی عرب کے کسی ایسے علاقہ میں زمین خرید لے جہاں خراج نہیں عاید ہوتا، مثلاً مکہ یا مدینہ یا ان جیسی

دوسری جگہوں پر، تو میں اس پر خراج نہیں عاید کروں گا! کیا حرم کے علاقہ میں بھی خراج عاید کیا جا سکتا ہے؟ (نہیں) بلکہ ان پر (زمین کے سلسلہ میں) اُسی طرح دوگنا صدقہ عاید کیا جائے گا جس طرح ان کے اموال تجارت پر عاید کیا گیا ہے۔ ان میں سے جو مسلمان ہو جائے اس کی زمین عشری زمین قرار پائے گی کیونکہ اُس پر خراج نہیں عاید کیا گیا ہے۔

فصل ۲

جزیہ

۵۳۳۔ جزیہ کن لوگوں پر واجب ہے

جزیہ سواد، حیرہ، اور سارے علاقوں کے اہلِ ذمہ —— یہودی، عیسائی، مجوسی، صابی اور سامری لوگوں —— پر واجب ہے۔ اس سے صرف اہلِ نجران اور نصاریٰ بنی تغلب مستثنیٰ ہیں۔

۵۳۴۔ جزیہ کی شرحیں

جزیہ صرف مردوں پر واجب ہے، عورتوں اور بچوں پر نہیں، (اس کی شرحیں یہ ہیں)

۱۴۶ خوش حال لوگوں پر اڑتالیس ۴۸ درہم،

متوسط حال کے افراد پر چوبیس ۲۴ درہم، اور غریب کاشتکاروں اور محنت کاروں پر بارہ درہم

یہ رقمیں ان سے سال بہ سال لی جایا کریں گی۔

۵۳۵۔ جزیہ میں لی جانے والی چیزیں

جزیہ کی ادائگی میں اگر یہ لوگ کوئی سامان یا جانور وغیرہ لے آئیں تو ان چیزوں کو بھی ان کی قیمت کے حساب سے لے لیا جائے گا۔

جزیہ کی ادائگی میں ان لوگوں سے مردار یا سور یا شراب نہیں لی جائے گی، کیوں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان کے جزیہ میں ان سے یہ چیزیں لینے سے منع کرتے اور یہ فرماتے تھے کہ ان

اشیاء کو ان کے مالکوں ہی کے سپرد کر دو کہ وہ انھیں فروخت کر ڈالیں، تم ان سے ان کی قیمتیں لے لیا کرو، ایسا اسی وقت کیا جائے گا، جب کہ جزیہ ادا کرنے والوں کو اس میں سہولت ہو۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے جزیہ میں سوئی، سوجا وغیرہ بھی قبول کر لیا کرتے تھے اور ان چیزوں (کی قیمت) کو ان کے جزیہ میں محسوب کر لیا کرتے تھے۔

۵۳۶۔ جزیہ سے مستثنیٰ افراد

ایسے مسکین سے جس کو خیرات دی جاتی ہو، ایسے اندھے سے جس کا نہ کوئی پیشہ ہو نہ وہ کوئی کام کرتا ہو، ایسے ذمی سے جس کو خیرات دی جاتی ہو، یا کسی معذور آدمی سے، جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ البتہ ایسے معذور، مفلوج، یا اندھے افراد سے جو خوش حال ہوں، جزیہ لیا جائے گا۔

یہی حال ان راہبوں کا ہے جو خانقاہوں[1] میں رہتے ہیں۔ اگر یہ خوش حال ہوں تو ان سے جزیہ لیا جائے گا اور اگر مسکین ہوں اور ان کے خوش حال ہم مذہب ان کو خیرات دیتے ہوں تو نہیں لیا جائے گا۔

صومعے والے اگر مال دار ہوں تو ان کے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہو گا۔ اگر انھوں نے اپنا سارا مال خانقاہوں اور ان میں رہنے والے راہبوں اور کارکنوں کے مصارف کے لیے وقف کر دیا ہو تو بھی ان سے جزیہ لیا جائے گا اور مطلوبہ رقم مہتمم خانقاہ سے وصول کی جائے گی۔ اگر خانقاہ کا مہتمم جس کے ہاتھ میں یہ چیزیں ہوں یہ کہے کہ مجھے یہ مال نہیں ملا ہے، اور اس پر خدا کو گواہ بنا کر قسم کھائے اور اس کے ہم مذہب جس طرح حلف اٹھاتے ہوں اس طرح حلف اٹھائے تو اسے چھوڑ دیا جائے اور اس سے کچھ نہ لیا جائے۔

۵۳۷۔ مسلمان سے جزیہ

کسی مسلمان سے جزیہ صرف اس شکل میں وصول کیا جا سکتا ہے جب کہ وہ سال گذر جانے کے بعد اسلام لایا ہو۔ کیوں کہ اگر وہ سال گذر جانے کے بعد مسلمان ہوا ہے تو اس سال کا جزیہ اس پر

---

[1] متن میں دیارات ہے۔ یہ دیر کی جمع ہے، یعنی راہب خانہ۔ (مترجم)

واجب ہو کر سارے مسلمانوں کے لیے خراج قرار پا چکا، لیکن اگر وہ سال پورا ہونے سے مہینہ، دو مہینہ، ایک دن، دو دن، یا اس سے کچھ کم یا زیادہ عرصہ پہلے بھی مسلمان ہو چکا ہو تو اس سے جزیہ کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ وہ سال پورا ہونے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا۔ اگر اس پر جزیہ واجب ہو گیا مگر وہ اسے ادا کرنے سے قبل وفات پا گیا، یا جزیہ کی کچھ رقم وصول کی جا چکی اور کچھ باقی رہ گئی اور وہ وفات پا گیا، تو اس کے وارثوں سے اس رقم کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، نہ اس کے ترکہ میں سے
۱۴۰ یہ رقم وصول کی جا سکے گی، کیوں کہ اس کی نوعیت اس فرد کے ذمہ قرض کی نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی فرد مسلمان ہو جائے اور اس کے ذمہ جزیہ کی کچھ رقم باقی ہو تو اس سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جائیگا۔

۵۳۸۔ جزیہ سے مستثنیٰ افراد

ایسے بوڑھے آدمی سے جو کام کرنے سے معذور اور مفلس ہو جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ اسی طرح فاتر العقل آدمی سے بھی جزیہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

۵۳۹۔

اہلِ ذمہ کے مویشیوں — اونٹ، گائے، بیل اور بھیڑ بکری — پر زکوٰۃ نہیں، خواہ یہ مویشی کسی مرد کے ہوں یا عورت کے۔

۵۴۰

سفیان نے عبد اللہ بن طاؤس سے، انہوں نے اپنے والد سے، اور انہوں نے عبد اللہ بن عباس سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے: "اہلِ ذمہ کے اموال میں سے اتنا ہی وصول کیا جا سکتا ہے جو ان کی ضروریات سے فاضل ہو۔"

۵۴۱ ذمی مردوں اور عورتوں کے کسی مال پر زکوٰۃ نہیں، بجز اس مال تجارت کے جسے لے کر یہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جائیں۔ اس میں سے ان سے بیسواں حصہ (بطورِ چنگی) وصول کیا جائے گا۔ یہ زکوٰۃ اسی مال میں سے لی جائے گی جو کم از کم دو سو درہم چاندی یا بیس مثقال سونے یا اس کے مساوی قیمت کی اشیاءِ تجارت پر مشتمل ہو۔

۵۴۲۔ جزیہ وصول کرنے میں ظلم سے پرہیز

جزیہ وصول کرنے کی خاطر کسی ذمی کو مارا نہیں جائے گا، نہ اسے دھوپ میں یا کسی اور جگہ کھڑا کیا جائے گا۔ ان کو کسی طرح کی جسمانی تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی، بلکہ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے گا۔ البتہ جب تک وہ جزیہ ادا نہ کر دیں ان کو قید رکھا جائے گا اور اس وقت رہا کیا جائے گا جب ان سے جزیہ کی پوری رقم وصول ہو جائے۔

۵۴۳۔ جزیہ میں تخفیف نہ کی جائے

والی کے لیے یہ جائز نہیں کہ کسی عیسائی، یہودی، مجوسی، صابی، یا سامری کو جزیہ وصول کیے بغیر چھوڑ دے۔ کسی والی کو جزیہ میں ذرا بھی تخفیف کی اجازت نہیں۔ اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ کسی سے وصول کرے اور کسی کو چھوڑ دے۔ ایسا کرنے کی مطلق گنجائش نہیں، کیوں کہ ان کے جان و مال کو جزیہ ادا کرنے کے عوض میں ہی محفوظ قرار دیا گیا ہے۔ جزیہ کی حیثیت خراج کے مال کی ہے۔

۵۴۴۔ تحصیل جزیہ کا طریقہ

مرکزی شہروں، مثلاً مدینۃ السلام[۱]، کوفہ، اور بصرہ وغیرہ کے سلسلہ میں میری تجویز یہ ہے کہ ان میں سے ہر شہر کے جزیہ کی تحصیل امام وہاں کے کسی نیک، دین دار، امانت دار اور معتمد علیہ فرد کے سپرد کر دے، اور اس کے لیے چند معاون مقرر کر دے۔ یہ لوگ یہودی، عیسائی، مجوسی اور سامری، ہر
۱۴۰ مذہب کے ذمیوں کو اس ذمہ دار فرد کے یہاں جمع کریں اور وہ ان میں سے مختلف طبقات کے لوگوں سے ان شرحوں کے مطابق جزیہ وصول کرے جن کی تفصیل میں اوپر بیان کر چکا ہوں، یعنی کپڑے کے تاجروں، صرافہ والوں، اصحابِ جائداد، تاجروں، معالجین و اطباء، اور ہر ایسے خوش حال فرد سے جو تجارت و صنعت کے ذریعہ روزی کماتا ہو، اس کی صنعت یا تجارت کی مالی حیثیت کے مطابق ۴۸ درہم یا ۴۸ درہم وصول کرے۔ مال دار افراد سے جن کی صنعت یا تجارت ۴۸ درہم کا بار برداشت نہ کر سکتی ہو، ۲۴ درہم لیے جائیں۔ اور متوسط الحال افراد سے جن کا پیشہ صرف ۴۸ درہم کا متحمل ہو سکتا ہو، ۲۴ درہم لیے جائیں۔ عام محنت پیشہ افراد، مثلاً درزی، رنگریز، موچی، قصاب، وغیرہ سے ۱۲ درہم لیے جائیں۔ جزیہ کی رقم

[۱] یعنی بغداد

جب والیوں کے یہاں جمع ہو جائیں تو وہ انھیں بیت المال میں بھیج دیا کریں۔

علاقۂ سواد کے سلسلہ میں یہ شکل اختیار کیجیے کہ جن افراد کو آپ نے تحصیل خراج پر مامور کیا ہے ان کو حکم دیجیے کہ دین داری اور امانت داری کے لحاظ سے قابلِ اعتماد لوگوں کو مختلف گاؤں میں بھیجیں۔ یہ لوگ جہاں پہنچیں وہاں کے سرداروں سے کہیں کہ اس بستی کے سارے یہودی، عیسائی، مجوسی، صابی اور سامری افراد کو جمع کریں۔ جب یہ لوگ جمع ہو جائیں تو ان سے طبقہ وار اسی طرح جزیہ وصول کیا جائے جس طرح کہ میں اوپر بتا چکا ہوں۔ آپ ان محصلین کو تنبیہ کر دیجیے کہ میں نے جو طریقے بیان کیے ہیں ان کی پوری پوری پابندی کریں اور خود سے نئے طریقے نہ تراش لیں۔ کسی ایسے آدمی سے جس پر آپ کے نزدیک جزیہ نہ واجب ہوتا ہو، کوئی مطالبہ نہ کریں۔ ان لوگوں کو ذرہ برابر بھی ظلم و زیادتی سے کام نہیں لینا چاہیے۔

۵۴۵۔ تحصیل جزیہ کا ٹھیکہ

اگر کسی بستی کا سردار یہ کہے کہ میں ان لوگوں کی طرف سے معاہدہ کرنے اور ان کا جزیہ ادا کرنے کے لیے تیار ہوں تو اس کی یہ بات نہیں منظور کرنی چاہیے کیوں کہ اس طرح زیادہ تر جزیہ کی آمدنی کم ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بستی کا سردار ان گماشتوں سے پانچ سو درہم پر معاملہ کرے اور اس بستی میں اہلِ ذمہ کی تعداد اتنی ہو کہ اگر ان سب سے جزیہ وصول کیا جائے تو اس کی میزان ہزار درہم یا اس سے زیادہ آئے۔ اس طرح آمدنی میں جو کمی ہوتی ہے اس سے قطع نظر، ایسا کرنا جائز بھی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ٹھیکہ لینے والا اپنی زمینداری میں کام کرنے والے ذمی افراد سے فی کس ۱۲ درہم سے کم وصول کرے حالانکہ اس سے کم جزیہ لینا کسی طرح جائز نہیں۔ بلکہ عین ممکن ہے کہ ان ذمیوں میں ایسے خوش حال افراد بھی ہوں جن سے ۴۸ درہم وصول کیا جانا چاہیے تھا۔

۵۴۶۔

تحصیلِ خراج کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ جزیہ کی آمدنی کو خراج کی آمدنی کے ساتھ بیت المال میں داخل کر دیا کریں کیوں کہ وہ سارے مسلمانوں کے لیے فئے ہے۔

۵۴۷۔ جزیہ کے مصارف

ذمیوں اور امان لے کر دارالاسلام میں داخل ہونے والوں سے مالِ تجارت کی چنگی کے طور پر جو آمدنی ہو یا ان کی خرید کردہ عشری زمینوں سے جو کچھ وصول کیا جائے اور نصاریٰ بنو تغلب کے مویشیوں میں سے جو کچھ لیا جائے ۔۔۔ جو انہی کے علاقہ میں جا کر وصول کیا جائے گا ۔۔۔ خراج کی نوعیت رکھتا ہے۔ ان کے مصارف بھی وہی ہیں جو خراج کی آمدنی کے ہیں۔ ان کی نوعیت خمس یا زکوٰۃ کے مصارف کی نہیں۔ زکوٰۃ کی تقسیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک ضابطہ مقرر فرما دیا ہے اور اسی پر عمل کیا جاتا رہے گا۔ اسی طرح خمس کی تقسیم بھی اس نے کر دی ہے جو ہمیشہ نافذ رہے گی۔ انسانوں کو ان ضابطوں کی خلاف ورزی کا حق نہیں حاصل ہے۔ ۱۲۵

۵۴۸۔ اہلِ جزیہ کے ساتھ نرمی کا سلوک

امیرالمومنین! جن لوگوں کو نبی کریم آپ کے چچا زاد بھائی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ حاصل ہے ان کے ساتھ نرمی برتنے اور ان کے احوال کا جائزہ لیتے رہنے میں ذرا بھی کوتاہی نہ برتیے۔ تاکہ ان لوگوں پر ظلم و زیادتی کا سدِ باب ہو، ان پر ان کی برداشت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے اور ان کے مال میں سے اتنا ہی لیا جائے جو حق کی رو سے ان پر واجب ہو۔

۵۴۹۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: "جو کسی معاہد پر ظلم کرے گا، یا اس پر اس کی برداشت سے زیادہ بار ڈالے گا اس سے میں (اس معاہد کی جانب سے قیامت کے دن) بحث کروں گا۔"

۵۵۰۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت جو کچھ فرمایا تھا اس میں یہ بات بھی تھی کہ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ حاصل ہے ان سے کیے ہوئے عہد کی پابندی کرے، ان کا دفاع کرے، اور ان پر ان کی برداشت

سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔"

۵۵۱۔

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے اور انہوں نے سعید بن زید سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ ان کا گذر شام کے کسی علاقہ میں کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کو دھوپ میں کھڑا کر رکھا گیا تھا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ یہ کیا معاملہ ہے تو انھیں بتایا گیا کہ یہ لوگ جزیہ نہ ادا کرنے کی بنا پر دھوپ میں کھڑے کیے گئے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ یہ بات ان کو بری معلوم ہوئی اور انہوں نے ان کے امیر کے پاس جاکر اُس سے یہ کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ:

"جو انسانوں کو عذاب دے گا اُسے اللہ عذاب دے گا۔"

۵۵۲۔

ہمارے ایک استاذ نے بروایت عروہ بروایت ہشام بن حکیم بن حزام ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ عیاض بن غنم نے کچھ ذمیوں کو جزیہ نہ دینے کی بنا پر دھوپ میں کھڑا رکھا تھا۔ انھوں نے دریافت کیا: "عیاض! کیا کر رہے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ:

"جو لوگ دنیا میں انسانوں کو عذاب دیتے ہیں ان کو اللہ آخرت میں عذاب دے گا۔"

۵۵۳۔

۱۵۰ ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ جب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام کے سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں ان کا گذر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو دھوپ میں کھڑے کر دیئے گئے تھے اور ان کے سروں پر تیل ڈالا جا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: "ان لوگوں نے کیا کیا ہے؟" لوگوں نے بتایا کہ ان کے ذمہ جزیہ ہے جسے انہوں نے ادا نہیں کیا ہے لہٰذا انہیں عذاب دیا جا رہا ہے تاکہ اُسے ادا کریں۔

عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ "یہ لوگ کیا کہتے ہیں اور جزیہ نہ دے سکنے کے سلسلہ میں کیا عذر پیش کرتے ہیں؟" جواب ملا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں، ہم جزیہ عطا کرنے کی استطاعت نہیں

رکھتے۔ آپ نے فرمایا کہ "پھر تو ان لوگوں کو چھوڑ دو اور ان پر ان کی برداشت سے زیادہ بار نہ ڈالو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ:

"لوگوں کو عذاب نہ دو، کیوں کہ جو لوگ دنیا میں انسانوں کو عذاب دیتے ہیں ان کو قیامت کے دن اللہ عذاب دے گا۔"

چنانچہ آپ کے حکم سے یہ لوگ چھوڑ دیے گئے۔

۵۵۴۔

متقدمین اساتذہ میں سے کسی نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف رفع کرتے ہوئے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے عبداللہ بن ارقم کو جزیہ وصول کرنے پر مامور کیا۔ جب وہ آپ کے حضور سے واپس آنے لگے تو آپ نے ان کو پکارا اور یہ فرمایا کہ:

"آگاہ رہو کہ جو کسی معاہد پر ظلم کرے گا، یا اس پر اس کی برداشت سے زیادہ بار ڈالے گا، یا اس سے اس کی رضامندی کے بغیر کچھ وصول کرے گا، تو قیامت کے دن میں اُس (مظلوم معاہد) کی طرف سے بحث کروں گا۔"

۵۵۵

مجھ سے حصین بن عمرو بن میمون نے بروایت عمر رضی اللہ عنہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو ذمیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ اس سے کیے ہوئے عہد کی پابندی کی جائے، ان کا دفاع کیا جائے اور ان پر ان کی برداشت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے۔"

۵۵۶۔

ورقاء الاسدی نے بروایت ابو ظبیان ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: ایک غزوہ میں ہم لوگ سلمان فارسی کے ساتھ تھے۔ ایک آدمی آیا جس نے کچھ پھل توڑے تھے۔ وہ ان پھلوں کو اپنے ساتھیوں کے درمیان تقسیم کرنے لگا۔ جب وہ سلمان کے پاس سے گذرا تو آپ نے اسے برا بھلا کہا۔ اس نے بھی ایسا ہی جواب دیا ـــــ وہ آپ کو پہچانتا نہیں تھا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر اس آدمی کو بتایا کہ

مسلمان میں تو وہ لوٹ کر آیا اور ان سے معذرت کرنے لگا۔ پھر اس نے آپ سے دریافت کیا کہ: "ابو عبیدہ! ذمیوں سے ہم جائز طور پر کیا کچھ لے سکتے ہیں؟" آپ نے جواب دیا کہ: "تین چیزیں! انھیں راستہ نہ معلوم ہو تو وہ تمھاری راہبری کرے یا تم محتاج ہو تو تمھارے خود مکتفی ہونے تک تمھاری مدد کرے اور جب ان میں سے کسی آدمی کا (سفر میں) ساتھ ہو تو تم اس کے کھانے میں سے کھاؤ اور وہ تمھارے کھانے میں سے کھائے۔ وہ تمھاری سواری استعمال کرے اور تم اس کی سواری استعمال کرو مگر اسے اپنی راہ چھوڑ کر کسی دوسری سمت میں چلنے پر نہ مجبور کرو۔"

۵۵۷۔ معذور اہلِ ذمہ کی کفالت

مجھ سے عمر بن نافع نے بروایت ابوبکر حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: عمر بن الخطاب
۱۵۱ رضی اللہ عنہ کا گذر کسی کے دروازے کے سامنے سے ہوا جہاں ایک سائل بھیک مانگ رہا تھا۔ یہ ایک بڑھا آدمی تھا جس کی بصارت زائل ہو چکی تھی۔ آپ نے پیچھے سے اس کے بازو کو ٹھوکا اور پوچھا: "تم کس مذہب کے اہلِ کتاب ہو؟" اس نے جواب دیا کہ میں یہودی ہوں۔ آپ نے پوچھا: "کس چیز نے تمھیں ایسا کرنے پر مجبور کیا؟" اس نے جواب دیا: "میں بڑھاپے، حاجت مندی اور جزیہ کے باعث بھیک مانگ رہا ہوں۔"

راوی کہتا ہے کہ عمر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور گھر میں سے لا کر اسے کچھ دیا۔ پھر آپ نے بیت المال کے خازن کو بلایا اور ان سے کہا: "اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھو۔ کیوں کہ یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ان کی جوانی میں ہم ان سے (جزیہ وصول کر کے) کھائیں اور بڑھاپا آئے تو انھیں بے سہارا چھوڑ دیں۔ "انما الصدقات للفقراء والمساکین" (اس آیت میں مذکور) فقراء سے مراد مسلمان فقراء ہیں۔ اور یہ آدمی اہل کتاب کے مسکینوں میں سے ہے۔" آپ نے اس آدمی اور اس جیسے دوسرے افراد کے سر سے جزیہ بھی ساقط کر دیا۔

راوی کہتا ہے کہ ابوبکر نے کہا ہے کہ میں نے عمر کا یہ واقعہ خود دیکھا ہے اور اس بوڑھے کو بھی دیکھا ہے۔

۵۵۸۔ جزیہ میں حرام اشیاء لینے کی ممانعت

ہم سے اسرائیل بن یونس نے بروایت ابراہیم بن عبدالاعلیٰ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے سوید بن غفلہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں عمر بن الخطاب کے پاس حاضر ہوا، آپ کے عمال آپ کے پاس جمع تھے اور آپ نے فرمایا: "لوگو! مجھے خبر ملی ہے کہ تم لوگ جزیہ میں مردار، سور اور شراب بھی لیتے ہو۔" اس پر بلال نے کہا: "ہاں یہ لوگ ایسا کرتے ہیں۔" یہ سن کر عمر نے کہا: "آئندہ ایسا نہ کرنا بلکہ ان چیزوں کے مالکوں سے کہو کہ انھیں خود ہی فروخت کر دیا کریں اور تم ان سے نقد لیا کرو۔"

فصل ۳

اہلِ ذمہ کی پوشاک

۵۵۹۔ مہر بندی

مناسب یہ ہوگا کہ جزیہ کی وصولی کے زمانہ میں ان لوگوں کی گردنوں پر مہر لگا دی جایا کرے جب سب کی پیشی ختم ہو جائے تو اگر یہ لوگ خواہش کریں تو یہ مہریں توڑ دی جائیں، جیسا کہ عثمان بن حنیف نے کیا تھا۔

۵۶۰۔ پوشاک

یہ حکم جاری کر دیا جائے کہ کوئی ذمی اپنے لباس، وضع قطع اور سواری میں مسلمانوں سے مشابہت
۱۵۲ نہ اختیار کرے۔ ان سے مطالبہ کیا جائے کہ یہ اپنی کمر پر زنار باندھیں — ایک موٹا ڈورا جسے یہ لوگ اپنی کمر کے گرد لپیٹ لیتے ہیں — اور ان کی ٹوپیاں مخروطی شکل کی ہوں۔ ان سے کہا جائے کہ گدے دار زین کی جگہ لکڑی کی کاٹھیاں استعمال کریں، اپنی چپلوں میں دوہرے تسمے لگایا کریں اور مسلمانوں جیسے جوتے نہ پہنیں۔ ان کی عورتوں کو چمڑے کی زینوں پر بیٹھنے سے روک دیا جائے۔

۵۶۱۔ عبادت گاہیں

ان لوگوں کو شہر میں کسی نئے صومعہ یا گرجا گھر کی تعمیر کی اجازت نہ دی جائے۔ صرف وہی

کلیسا باقی رہنے دیے جائیں گے جو معاہدہ صلح کرنے اور ذمی کی حیثیت اختیار کرنے کے وقت موجود تھے۔ ان کو مسمار نہیں کیا جائے گا۔ آتش کدوں پر بھی یہی اصول منطبق ہو گا۔

۵۶۲۔ رہن سہن

ان لوگوں کو مسلمانوں کے مرکزی شہروں اور بازاروں میں رہنے بسنے کی اجازت ہو گی، اور یہ وہاں خرید و فروخت کر سکیں گے، البتہ ان مرکزی شہروں میں یہ علانیہ صلیب لے کر نہیں چلیں گے نہ شراب یا سؤر کی تجارت کریں گے۔ نیز ان کی ٹوپیاں لمبی اور مخروطی ہونی چاہئیں۔

۵۶۳۔

آپ اپنے افسروں کو حکم دیجیے کہ ذمیوں سے یہی پوشاک اختیار کرنے کا مطالبہ کریں۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عمّال کو حکم دیا تھا کہ ذمیوں سے یہ پوشاک اختیار کرنے کا مطالبہ کریں۔ آپ نے فرمایا تھا: "تاکہ ان کی پوشاک مسلمانوں کی پوشاک سے ممتاز رہے۔"

۵۶۴۔

مجھ سے عبدالرحمٰن بن ثابت بن ثوبان نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ایک عامل کو یہ لکھا تھا کہ: "امّا بعد، جو صلیبیں علانیہ نصب ہوں ان کو توڑ کر ختم کر دیا جائے۔ کوئی یہودی یا عیسائی زین پر نہ بیٹھے بلکہ پالان رکھ کر سواری کرے۔ ان کی عورتیں بھی زین کسی کر نہ سوار ہوں بلکہ پالان پر بیٹھیں۔ اِس سلسلہ میں تم کافی سختی سے کام لو اور اپنی عمل داری کے لوگوں کو تاکید کر دو کہ کوئی عیسائی قبا دریا خز، یا منقش یمنی کپڑے نہ پہنے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ تمھارے یہاں کے بہت سے عیسائیوں نے پھر عمامے پہننے شروع کر دیے ہیں اور اپنی کمر پر پٹکے باندھنا چھوڑ دیا ہے۔ انھوں نے بال ترشوانا ترک کر کے پٹے رکھنا شروع کر دیا ہے۔ اپنی عمر کی قسم اگر تمھاری نظروں کے سامنے یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے تو یہ تمھاری کمزوری اور مداہنت کی علامت ہے۔ وہ لوگ ان باتوں ۱۵۲
کو دوبارہ اختیار کر کے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اب تم کیا ہو۔ میں نے جن چیزوں کی ممانعت کی ہے ان کا لحاظ رکھو اور لوگوں کو ایسا کرنے سے بالکل روک دو۔ والسلام۔"

۵۶۵۔ مہربندی اور جزیہ

مجھ سے عبیداللہ نے بروایت نافع، بروایت اسلم مولیٰ عمرؓ یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے اپنے عمّال کو یہ لکھا تھا کہ ذمیوں کی گردنوں پر مہر لگوا دیا کریں۔

۵۶۶۔

کامل بن علاء نے بروایت حبیب بن ابی ثابت مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عثمان بن حنیف کو سواد کی زمینوں کی پیمائش پر مامور کیا تھا تو انہوں نے کاشتہ و ناکاشتہ ہر طرح کی زمین پر فی جریب ایک درہم اور ایک قفیز محصول عاید کیا اور سواد کے غیر مسلم کاشتکاروں پر مہریں لگائیں۔ انھوں نے پانچ لاکھ کاشتکاروں پر مہریں لگا کر ان کو ۴۸ درہم، ۲۴ درہم، اور ۱۲ درہم سالانہ ادا کرنے والے تین مختلف طبقوں میں تقسیم کر دیا۔ جب ان سب کی پیشی ہو چکی تو انھوں نے ان کاشتکاروں کو ان کے زمینداروں کے حوالہ کر دیا اور مہریں توڑ دیں۔

۵۶۷۔

عبیداللہ نے بروایت نافع، بروایت اسلم مولیٰ عمر رضی اللہ عنہ ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب نے کفار کے بارے میں یہ لکھا تھا کہ، صرف بالغ افراد کو قتل کرو۔ عورتوں اور بچوں سے (جزیہ) نہ لو، اور جزیہ میں چار دینار یا چالیس درہم سے کم رقم نہ لو۔ نیز آپ نے ہر فرد سے ایک مُدی گیہوں لینے کی ہدایت کی تھی، اور یہ حکم دیا تھا کہ ان کی گردنوں پر مہریں لگا دی جائیں۔

۵۶۸۔

ہم سے اعمش نے عمارہ بن عمیر یا مسلم بن ابی الضحیٰ سے، انہوں نے مسروق سے، اور انہوں نے معاذ بن جبل سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے کہا،

"جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن پر مامور کیا تو یہ ہدایت کی کہ میں ہر بالغ سے ایک دینار وصول کروں۔"

فصل ۴۸

مجوسی، مشرکین اور مرتدین

۵۶۹۔ جزیہ

مجوسی، بت پرست، آتش پرست، صابی، اور سامری، ہر طرح کے مشرکوں سے جزیہ لیا جائے گا۔
۱۵۲ البتہ مسلمانوں میں سے مرتد ہو جانے والے لوگوں اور عرب کے بت پرستوں سے جزیہ نہیں لیا جا سکتا۔ ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ان کے سامنے اسلام پیش کیا جائے، اگر یہ اسلام لے آئیں تو خیر ورنہ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔

۵۷۰۔ مناکحت اور ذبیحہ۔

ذبیحہ اور مناکحت کے سلسلہ میں بت پرست یا آتش پرست مشرکین اور مجوسیوں کی حیثیت وہ نہیں جو اہلِ کتاب کی ہے۔ اس تفریق کی بنیاد وہ بات ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے یہی مسلک امت نے اختیار کیا ہے اور یہی زیرِ عمل رہا ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

۵۷۱۔

قیس بن ربیع اسدی نے بروایت قیس بن مسلم الجدلی، بروایت حسن بن محمد ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے اس شرط پر صلح کا معاہدہ کیا تھا کہ ان سے جزیہ وصول کریں گے لیکن آپ نے ان کی عورتوں سے نکاح کرنے یا ان کا ذبیحہ کھانے کو حلال نہیں قرار دیا تھا۔

۵۷۲۔ مجوسی سے جزیہ

محمد بن سائب کلبی نے بروایت ابو صالح، بروایت ابن عباس ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔

۵۷۳۔

ہمارے ایک استاذ نے جابر الجعفی سے اور انھوں نے عامر الشعبی سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے: سب سے پہلے خراج عائد کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ نے ہجر کے ہر بالغ مرد اور عورت پر (خراج) عائد کیا تھا، پھر جب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا تو انھوں نے اہلِ سواد پر بھی (خراج) عائد کیا۔

۵۷۴۔

حجاج بن ارطاۃ نے بروایت عمرو بن دینار، بروایت بجالۃ بن عبدۃ العنبری ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ یہ جزء بن معاویہ کے کاتب تھے جو کہ مناذرؓ اور دستمیسانؓ کے والی تھے۔ کہتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھ بھیجا کہ یہاں کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کر دکیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔

۵۷۵۔

ہم سے سفیان بن عیینہ نے بروایت نصر بن عاصم اللیثی، بروایت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ
۱۵۵ یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکرؓ اور عمرؓ نے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا ہے علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: ان کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والا شخص میں ہوں۔ ان لوگوں کے پاس بھی ایک آسمانی کتاب تھی جسے یہ پڑھا کرتے تھے پھر وہ انھیں بھلا دی گئی۔

۵۷۶۔

ہم سے ایک استاذ نے جعفر بن محمد سے انھوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک ایسی قوم کا معاملہ پیش کیا گیا جو آتش پرست تھی یہ لوگ نہ یہودی تھے نہ عیسائی نہ کسی اور کتاب الٰہی کے حامل، عمرؓ نے کہا:

---

[1] مناذر خوزستان کے نواح میں واقع دو بستیوں کا نام ہے۔ ایک کا مناذر کبریٰ اور دوسرے کا مناذر صغریٰ۔

[2] بصرہ اور واسط کے درمیان ایک علاقہ کا نام ہے جس میں بکثرت گاؤں اور نخلستان ہیں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ان کے ساتھ کیا برتاؤ کروں۔ پھر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر یہ کہا کہ "میں گواہ ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے کہ "اُن کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو اہلِ کتاب کے ساتھ کرتے ہو"۔

۵۷۷۔

قطن بن خلیفہ نے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ فروہ بن نوفل الاشجعی نے کہا کہ "یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ مجوس سے جزیہ لیا جاتا ہے حالانکہ وہ اہلِ کتاب نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ مستورد بن الاحنف نے اٹھ کر اُن سے یہ کہا کہ "تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کر دیا، توبہ کرو ورنہ خدا کی قسم میں تمھیں قتل کر دوں گا۔ پھر انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ[1] لیا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر ان دونوں نے یہ بات علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے پیش کی۔ آپ نے فرمایا: "میں تمھیں مجوس کے بارے میں ایک ایسی بات بتاتا ہوں جس کو سن کر تم دونوں کو مجوس کے بارے میں اطمینان ہو جائے گا۔ مجوسیوں کے پاس پہلے ایک (آسمانی) کتاب تھی جس کو یہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ان کا بادشاہ شراب پی کر مست ہو گیا تو اس نے اپنی بہن کا ہاتھ پکڑا اور اسے آبادی سے باہر لے گیا، اور وہاں جا کر اس سے مباشرت کی۔ چار آدمی اس کے پیچھے ہو لیے تھے وہ یہ سب دیکھ رہے تھے۔ جب نشہ اترا اور اس کو ہوش آیا تو اس کی بہن نے اس سے کہا کہ تو نے ایسا ایسا کیا ہے اور فلاں، فلاں اور فلاں تجھ کو دیکھ رہے تھے۔ اس نے کہا: مجھے یہ بالکل نہیں معلوم (کہ میں نے کیا کر ڈالا) وہ بولی کہ اب تو تم بچ نہ سکو گے اور قتل کر دیے جاؤ گے، الا یہ کہ میری بات مان لو۔ اس نے کہا: میں تمھاری بات مانوں گا۔ بہن نے کہا کہ تم اس طریقہ کو دینی طریقہ قرار دے دو، اور لوگوں سے کہو کہ آدم کا دین یہی تھا اور حوا، آدم کی پسلی سے تھیں۔ تمام لوگوں سے بزور شمشیر یہ بات منواؤ، جو تمھاری مان لے[2] اُسے چھوڑ دو اور جو نہ مانے اُسے قتل کر دو۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ مگر کسی آدمی نے بھی اس کی بات نہ مانی[3] اور وہ اُس دن رات تک لوگوں کو قتل کرتا رہا۔ پھر اس

[1] تیموری نسخہ میں ہے "خراج"۔ [2] تیموری نسخہ میں ہے "تم سے بیعت کرے"۔

[3] تیموری نسخہ میں ہے "اس سے بیعت نہ کی"۔

کی بہن نے کہا کہ "میرا خیال ہے کہ لوگ تلوار کے مقابلہ پر ڈھیٹ ہو گئے ہیں مگر آگ سے ڈریں گے،
۱۵۶ اب تم آگ جلوا کر لوگوں کو اس کے پاس لاؤ۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا، لوگ آگ سے ڈر گئے، اور اس کے پیرو ہو گئے[1]۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے اہلِ کتاب ہونے کے پیشِ نظر ان سے خراج لیا اور ان کے شرک کے سبب ان سے مناکحت کرنے اور ان کا ذبیحہ کھانے کو حرام قرار دیا۔"

۵۷۸۔ مجوس سے مناکحت

علماء بصرہ میں سے ایک استاد نے بروایت عوف بن ابی جمیلہ مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا، عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن ارطاۃ کو ایک تحریر بھیجی کہ وہ اسے بصرہ میں منبر پر کھڑے ہو کر پڑھیں: "امابعد تم حسن بن ابی الحسن سے دریافت کرو کہ ہم سے پہلے کے حکمرانوں کو اس بات میں کیا رکاوٹ پیش آئی کہ وہ مجوسیوں کو اپنے نکاح میں ایسی عورتوں کو جمع کرنے سے روک دیں جن کو جمع کرنا دوسرے تمام مذاہب کے لوگ غلط سمجھتے رہے ہیں۔" چنانچہ عدی نے حسن سے دریافت کیا تو انھوں نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے مجوسیوں سے جزیہ قبول کر کے ان کو اپنی مجوسیت پر قائم رہنے دیا تھا۔ اس وقت (بحرین میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل العلاء بن الحضرمی تھے۔ پھر ابوبکر نے ان کے بعد عمر نے اور عمر کے بعد عثمان نے بھی ان لوگوں کو اپنے دین پر قائم رہنے دیا تھا۔

۵۷۹۔ اہلِ قبلہ کا حکم

عبدالرحمٰن بن عبداللہ نے بروایت قتادہ، بروایت ابی مجلز، بروایت ابو عبیدہ ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر بن ساوی کو لکھا:

"جو شخص بھی ہماری نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ مسلمان ہے، اُسے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ حاصل ہے۔ مجوس میں سے

[1] تیموری نسخہ میں ہے "اس سے بیعت کر لی"۔

جو بھی ایسا کرنا پسند کرے اسے امان دی جاتی ہے اور جو ایسا کرنے سے انکار کر دے اس پر جزیہ عائد ہوگا۔"

۵۸۰۔

مدینہ کے ایک استاذ نے بروایتِ عمرو بن دینار مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر بن ساوی کو لکھا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد کی جانب سے منذر بن ساوی کے نام سلام اللہ علیک میں تیرے سامنے اس اللہ کی تعریف بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں۔ اما بعد جو شخص بھی ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے اسے بھی وہی حقوق ملیں گے جو ہمیں حاصل ہیں اور اس پر بھی وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو ہم پر عائد ہیں۔ جو ایسا نہ کرے اس پر یمنی چادروں کی قیمت کے طور پر ایک دینار عائد ہوگا۔ والسلام و رحمۃ اللہ۔ یغفر اللہ لک۔"

۵۸۱۔

۱۵۷ ہم سے ابان بن ابی عیاش نے بروایت حسن البصری بروایت ابوہریرہؓ بروایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

"جو ہماری نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے جسے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ حاصل ہے۔ اُسے وہ سارے حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اور مسلمانوں پر جو ذمہ داریاں عاید ہیں وہی اس پر بھی عائد ہوں گی۔"

۵۸۲۔ اسلام لانے والے اہلِ ذمّہ پر جزیہ نہیں

علمائے اہلِ کوفہ میں سے ایک استاذ نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کے پاس عمر بن عبدالعزیز کے یہاں سے ایک خط آیا تھا (جس کا مضمون یہ تھا) "تم نے مجھ سے دریافت کیا ہے کہ حیرہ کے کچھ یہودی، عیسائی، اور مجوسی اسلام لا رہے ہیں جن پر بہت کافی جزیہ عاید ہوتا رہا ہے اب

ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے تم نے ان سے (حسبِ سابق) جزیہ وصول کرنے کی اجازت چاہی ہے۔ اللہ جل شانہٗ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ محصّل بنا کر۔ ان مذاہب کے پیروؤں میں سے جو لوگ اسلام لے آئیں ان کے ذمہ اپنے مال کی زکوٰۃ ہوگی۔ ان پر جزیہ نہیں عاید ہوگا۔ ان کی میراث ان کے (غیر مسلم) رشتہ داروں کو ملے گی۔ ان کے درمیان وراثت کی تقسیم اسی طرح ہوگی جس طرح مسلمانوں کے درمیان ہوتی ہے۔ اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا ترکہ مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا جس کا مال سارے مسلمانوں کے درمیان تقسیم ہوتا ہے۔ اس شخص سے اگر کوئی جنایت سرزد ہو جائے تو اس کی دیت بھی اللہ کے اس مال میں سے ادا کی جائے گی جو سارے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے۔ والسلام۔"

۵۸۳۔ مسلمان مالک کے آزاد کردہ غیر مسلم غلام سے جزیہ

ہم سے اسماعیل بن ابو خالد نے بروایتِ شعبی یہ بیان کیا ہے کہ ان سے اس عیسائی غلام کی بابتہ دریافت کیا گیا جس کو اس کے مسلمان مالک نے آزاد کر دیا ہو شعبی نے جواب دیا کہ اس پر خراج نہیں عاید ہوگا۔ اس کے آزاد کرنے والے کو جو ذمّہ حاصل ہے وہی اس آزاد کردہ غلام کو بھی حاصل ہوگا۔

۵۸۴۔

مصنف کہتا ہے کہ میں نے یہی مسئلہ ابوحنیفہ سے بھی دریافت کیا تو انہوں نے کہا: اس پر خراج عاید ہوگا۔ دارالاسلام میں کسی ذمی کو خراجِ ذات عاید کیے بغیر نہ چھوڑا جائے گا۔ میں نے غور و فکر کے بعد ابوحنیفہ کے قول کو بہتر سمجھا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۸۵۔ اہلِ ذمہ کے ساتھ انصاف

مجھ سے عبدالرحمٰن بن ثابت بن ثوبان نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز سے پوچھا: امیرالمومنین! کیا بات ہے کہ آپ کے زمانہ میں نرخ گراں ہیں اور آپ سے پہلے کے حکمرانوں کے زمانہ میں ارزاں تھے؟ آپ نے فرمایا

کہ مجھ سے پہلے جو لوگ حکمراں تھے وہ ذمیوں پر ان کی برداشت سے زیادہ بار ڈال دیتے تھے، یہاں تک کہ ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہتا کہ اپنا اثاثہ فروخت کریں۔ نتیجۃً ان کے مال کی قیمتیں
۱۵۸ گر جاتی تھیں (اس کے برعکس) میں ہر ایک پر صرف اس کی برداشت کے بقدر بار ڈالتا ہوں، اور جس شخص کو اپنا مال فروخت کرنا ہوتا ہے وہ حسب مرضی فروخت کر سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس پر میں نے یہ کہا: "آپ ہمارے لیے نرخ متعین کر دیتے تو بہتر ہوتا۔" آپ نے فرمایا: "اس سلسلہ میں ہمارا کوئی اختیار نہیں، نرخ اللہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔"

فصل ۵

محاصلِ چنگی (عشور)

۵۸۶۔ محصّلین کا تقرر

عشور کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ آپ کچھ دین دار اور صالح افراد کو ان کی تحصیل پر مامور کر دیجیے، اور ان کو ہدایت کر دیجیے کہ لوگوں پر ظلم و زیادتی نہ کریں۔ ان سے مطالبۂ واجب زیادہ محصول نہ لیں، اور ہم نے جو ضابطے ان کے لیے مقرر کر دیئے ہیں ان کی پوری پوری پابندی کریں۔

اس کے بعد آپ ان کے طرزِ عمل اور (چنگی) سے گذرنے والوں کے ساتھ ان کے برتاؤ کے بارے میں تفتیش کیجیے، اور یہ معلوم کیجیے کہ ان کو جو احکام دیے گئے ہیں ان سے وہ تجاوز تو نہیں کر رہے ہیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا ہو تو آپ ان کو معزول کر دیجیے اور سزا دیجیے۔ اور جن لوگوں نے ان سے جتنا زیادہ وصول کیا ہو، یا جن پر ظلم کیا ہو، ان سب کا تاوان آپ ضروری ثبوت فراہم ہو جانے کے بعد ان محصّلین سے وصول کیجیے۔

اگر یہ افراد اپنے حدود کے اندر رہے ہوں اور مسلمانوں اور معاہد لوگوں کے ساتھ ظلم سے پرہیز کرتے رہے ہوں تو آپ انھیں ان کی خدمات کا صلہ دیجیے، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیجیے

اگر آپ امانت داری اور اچھے طرزِ عمل پر انعام و اکرام کرنے اور رعایا سے حسین برتاؤ کا آپ نے حکم دیا ہے اس کی خلاف ورزی اور ظلم کرنے پر سزا دینے کی پالیسی اختیار کریں تو اچھے لوگوں کی خیر خواہی اور اچھائی میں اضافہ ہوگا، اور ظالم افراد ظلم و زیادتی کی عادت ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

۵۸۷۔ عشور کے لئے مالِ نصاب

ان کو ہدایت کیجیے کہ مختلف قسم کے اموالِ تجارت کی قیمت کے اعتبار سے ایک جگہ میزان بنا لیا کریں۔ ہر اس مالِ تجارت پر جسے کہ لوگ محصّلِ چنگی کے پاس سے گذریں، اور جس کی مجموعی قیمت ۲۰۰ درہم یا اس سے زیادہ ہو، چنگی لی جانی چاہیے۔ مسلمانوں سے چالیسواں، ذمیوں سے بیسواں اور حربی افراد سے دسواں حصہ وصول کیا جائے۔ اگر مالِ تجارت کی قیمت ۲۰۰ درہم سے کم ہو تو چنگی نہ لی جائے۔ اسی طرح اگر مال کی قیمت ۲۰ مثقال سونے کے مساوی ہو تو اس میں سے چنگی لی جائے اور اس سے کم ہو تو نہ لی جائے۔

۵۸۸۔

تاجر اگر بار بار محصّلِ چنگی کے سامنے سے گذرے مگر ہر بار اس کے پاس ۲۰۰ درہم سے کم کا مال ہو تو اس سے کچھ نہیں وصول کیا جائے گا۔ مختلف دفعات کا مال باہم جمع کر دینے سے اگر مجموعی قیمت ایک ہزار درہم ہو جاتی ہو تو بھی اس پر کوئی محصول نہ عائد ہوگا۔ چنگی کا حساب لگانے میں مختلف دفعات کے مال کو باہم جمع نہیں کیا جائے گا۔

جب کوئی شخص سکوں کی شکل میں ۲۰۰ درہم چاندی یا ۲۰ مثقال سونا، یا قرضوں کی شکل
۱۵۹ میں ۲۰۰ درہم کے مساوی چاندی یا ۲۰ مثقال کے مساوی سونا لے کر گذرے تو مسلمانوں سے چالیسواں حصہ، ذمی سے بیسواں حصہ اور حربی سے دسواں حصہ لیا جائے گا۔ پھر دوسرے سال کی اسی تاریخ تک اس کے اس مال سے کوئی محصول نہ لیا جائے گا، خواہ وہ اس دوران میں اسے لے کر کئی بار گذرے۔

جو تاجر تجارتی اشیاء لے کر گذریں ان کا سامانِ تجارت اگر ۲۰۰ درہم یا ۲۰ مثقال کے مساوی قیمت کا ہو تو ان سے محصول لیا جائے گا، اور اگر اس سے کم قیمت کا ہو تو نہیں لیا جائے گا۔

۵۸۹۔ حربی کا حکم

حربی کے بارے میں یہ خصوصی حکم ہے کہ اگر ایک بار چُنگی وصول کیے جانے کے بعد وہ دوبارہ دار الحرب میں واپس چلا جائے اور ایک مہینہ بعد پھر اس کا گذر محصّل چنگی کے پاس سے ہو تو اگر اس کے پاس ۲۰۰ درہم یا ۲۰ مشقال کے بقدر مال ہے تو اس سے پھر چنگی لی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دار الحرب میں داخل ہوتے ہی دار الاسلام کے قوانین اس پر سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ البتہ اگر اس کا مال ۲۰۰ درہم یا ۲۰ مشقال سے کم قیمت کا ہو تو اس سے کچھ نہ لیا جائے گا۔

۵۹۰۔ چنگی کی شرحیں

مستند اور معمول بہ طریقہ یہی ہے کہ چنگی کم از کم ۲۰۰ درہم یا ۲۰ مشقال پر لی جائے مسلمانوں پر ۲۰۰ درہم میں پانچ درہم، ذمی پر دس درہم، اور حربی پر بیس درہم واجب ہوتے ہیں۔ جب سونے پر چنگی واجب ہو تو اس میں سے بھی اسی حساب سے لیا جائے گا۔ مسلمانوں سے (۲۰ مشقال سونے میں سے) نصف مشقال، ذمی سے ایک مشقال، اور حربی سے دو مشقال۔

۵۹۱۔ مالِ تجارت ہونے کی شرط

محصّل چنگی کے یہاں سے گذرنے والے کا مال اگر تجارت کے لیے نہ ہو تو اس پر کوئی محصول نہیں عاید ہوگا۔

۵۹۲۔

جب ذمی لوگ محصّل چنگی کے یہاں شراب یا سور لے کر آئیں تو ان کی قیمت لگائی جائے گی۔ قیمت کا حساب ذمی لوگ خود لگائیں گے۔ اسی قیمت کے حساب سے ان سے بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر حربی لوگ شراب یا سور لے کر گذریں تو ان کی قیمت کا حساب لگا کر اسی حساب سے دسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔

۵۹۳۔ چُنگی سے استثناء

اگر کوئی مسلمان بھیڑ بکری، گائے بیل، یا اونٹ لے کر گذرے اور محصّل چنگی سے یہ کہے کہ یہ چرنے والے (سائمہ) مویشی نہیں ہیں، تو اس سے حلف اٹھوائی جائے گی۔ اور حلف اٹھا لینے پر اُسے چھوڑ دیا جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی آدمی غلہ لے کر گذرے اور کہے کہ یہ میرے ذاتی کھیت کا ہے، یا کھجورے کر گذرے اور کہے کہ یہ میرے اپنے درختوں کی کھجور ہے، تو اس سے چنگی نہیں لی جائے گی۔ چنگی صرف اس مال پر لی جائے گی جس کو تجارت کے لیے خریدا گیا ہو۔

یہی معاملہ ذمی کے ساتھ بھی روا رکھا جائے گا، البتہ حربی اس قسم کے دعوے کرے تو اس کی بات نہیں تسلیم کی جائے گی۔

۵۹۴۔

بنو تغلب یا نجران کے ذمیوں سے بھی اسی طرح جیسا ان سے حصہ بطور چنگی وصول کیا جائے گا جس ۱۴۰
طرح سارے اہلِ کتاب ذمیوں سے۔ اس معاملہ میں مجوسی اور مشرک (ہر طرح کے ذمی) برابر ہیں۔

۵۹۵۔

اگر تاجر محصّل چنگی سے حلف اٹھا کر یہ کہے کہ میں نے اس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی ہے تو اس کی یہ بات مان لی جائے گی اور اسے محصول سے بری رکھا جائے گا۔ لیکن کوئی ذمی یا حربی یہ بات کہے تو اسے نہیں تسلیم کیا جائے گا، کیونکہ ان پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہوتی کہ وہ اسے ادا کرنے کا دعویٰ کر سکیں۔

۵۹۶۔

مال لے کر گذرنے والا اگر یہ کہے کہ یہ مال مضاربت کا ہے، یا اس کے پاس بطور امانت ہے تو اس سے حلف لی جائے گی اور محصول سے بری کر دیا جائے گا۔

۵۹۷۔

یہی حال اس غلام کا ہے جو اپنے آقا کا مال یا اپنا ذاتی مال لے کر گذرے — دونوں طرح کے مال کی حیثیت یکساں ہے — اس سے اس وقت تک چنگی نہیں لی جائے گی جب تک اس کا آقا بھی نہ موجود ہو۔

۵۹۸۔

یہی حیثیت مکاتب کی بھی ہے۔ اس کے مال پر چنگی نہیں عائد ہوگی۔

۵۹۹۔

جو تاجر تجارت کے لیے خریدے ہوئے انگور، تازہ کھجور یا تازہ پھل لے کر گذریں اور ان کی قیمت ۲۰۰ درہم یا اس سے زیادہ ہو، ان سے چنگی لی جائے گی۔ مسلمانوں سے چالیسواں حصہ، ذمی سے بیسواں حصہ اور حربی سے دسواں حصہ۔ البتہ اگر ان اشیاء کی قیمت ۲۰۰ درہم سے کم ہو تو چنگی نہ لی جائے گی، خواہ وہ تاجر کتنی بار مال لے کر گذرے اور ہر بار کا مال ۲۰۰ درہم سے کم ہونے کے باوجود مختلف دفعات کا مال ملا کر ہزار درہم سے بھی زیادہ قیمت کا ہو جاتا ہو۔ مختلف دفعات کے مال کو ایک ساتھ ملا کر حساب کرنا درست نہیں۔

۶۰۰۔ چنگی لینے کا جواز

چنگی وصول کرنے کا طریقہ عمرؓ بن الخطاب نے شروع کیا ہے، لہٰذا اگر اس کی تحصیل میں لوگوں پر زیادتی نہ کی جائے تو اس کے وصول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۶۰۱۔ عشور کی آمدنی کی نوعیت

مسلمانوں سے چنگی کے طور پر جو کچھ لیا جائے گا اس کی حیثیت زکوٰۃ کی ہوگی۔ مختلف طرح کے ذمیوں اور حربی افراد سے جو چنگی وصول کی جائے گی اس کی نوعیت خراج کی ہوگی۔ یہی نوعیت ان محاصل کی بھی ہے جو ذمیوں سے جزیے کے طور پر یا بنو تغلب کے مویشیوں میں سے وصول کیے جاتے ہیں۔ ان سب کی نوعیت خراج کی ہے اور ان کو ان مصارف پر لگایا جائے گا جن پر خراج کا مال لگایا جاتا ہے۔ ان کی نوعیت زکوٰۃ کی نہیں۔ زکوٰۃ کے مصارف اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کے ذریعہ متعین کر دیے ہیں، اور انہی پر عمل ہوتا ہے۔ اسی طرح خُمس کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک حکم دے

۱۴۱ دیا ہے اور وہی زیرِ عمل ہے۔ مویشیوں اور دوسرے اموال کی زکوٰۃ کے مصارف یہی ہیں اور ہمارے نزدیک انہی پر عمل ہوتا رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۰۲۔ عشور کی ابتداء

مجھ سے اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر نے حدیث بیان کی ہے کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں نے زیاد بن حدیر کو یہ کہتے سنا ہے کہ "میں وہ پہلا شخص ہوں جسے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے چنگی کی تحصیل پر مامور کیا۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ میں کسی کی تلاشی نہ لوں اور یہ کہ جو اموال میرے پاس سے گذریں ان پر میں اس حساب سے چنگی لوں کہ مسلمان سے چالیس درہم میں سے ایک درہم، ذمی سے بیس میں سے ایک اور جو غیر مسلم ذمّی نہ ہوں ان سے دسواں حصہ"۔ انہوں نے کہا: "آپ نے مجھے نصاریٰ بنو تغلب پر سختی کرنے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا:

"ان لوگوں کا قومی تعلق اہلِ عرب سے ہے، اہلِ کتاب سے نہیں، شاید یہ مسلمان ہو جائیں"۔

(راوی) کہتا ہے کہ "عمرؓ نے نصاریٰ بنو تغلب سے یہ شرط کرائی تھی کہ وہ اپنے لڑکوں کو عیسائی نہ بنائیں گے"۔

۶۰۳۔

ہم سے ابو حنیفہ نے بروایت قاسم، بروایت انس بن سیرین، بروایت انس بن مالک حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: "مجھے عمر بن الخطاب نے چنگی کی تحصیل پر مامور کیا اور میرے لیے یہ ہدایت نامہ لکھ دیا کہ مسلمان جو اموالِ تجارت لے کر گذریں ان پر میں ان سے چالیسواں حصہ وصول کروں، ذمّی (تاجروں) سے بیسواں حصہ اور حربی (تاجروں) سے دسواں حصہ"۔

۶۰۴۔

عاصم بن سلیمان نے بروایت حسن ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ ابو موسیٰ الاشعری نے عمر بن الخطاب کو لکھا کہ:

"ہمارے ملک کے مسلمان تاجر جب حربی علاقوں میں جاتے ہیں تو وہ لوگ ان سے دسواں حصہ وصول کرتے ہیں"۔

راوی کہتا ہے کہ عمرؓ نے اس کے جواب میں انھیں یہ لکھا کہ:

"تم بھی ان سے اُسی طرح (عشر) وصول کرو جس طرح وہ مسلمان تاجروں سے وصول کرتے ہیں۔ ذمیوں سے بیسواں حصہ لیا کرو، اور مسلمانوں سے ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم وصول کرو۔ ۲۰۰ درہم سے ——————— کم پر کچھ نہ لو، مال دو سو کا ہو تو اس میں سے پانچ درہم لو، اس سے زیادہ ہو تو اسی حساب سے وصول کرو۔"

۶۰۵۔

ہم سے عبدالملک بن جریج نے بروایت عمرو بن شعیب یہ حدیث بیان کی ہے کہ باشندگان منبج نے، جو سمندر پار کی ایک حربی قوم تھے، عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ ہمیں اپنے ملک میں تجارت کے لیے آنے کی اجازت دیجیے، آپ ہم سے عشر وصول کر لیا کیجیے۔ عمر نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مشورہ کیا تو ان حضرات نے اس کے حق میں
١٦٢ مشورہ دیا، چنانچہ یہ پہلی حربی قوم تھی جس سے عشر وصول کیا گیا۔

۶۰۶۔ سال میں صرف ایک بار وصولی

ہم سے سری بن اسماعیل نے بروایت عامر شعبی، بروایت زیاد بن حدیر الاسدی یہ حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں عراق و شام کے عشور کی تحصیل پر مامور کیا اور یہ ہدایت کی کہ مسلمانوں سے چالیسواں حصہ، ذمیوں سے بیسواں اور حربی لوگوں سے دسواں حصہ وصول کریں۔ ایک بار بنو تغلب کا ایک عیسائی عرب ان کے پاس سے گزرا جس کے پاس ایک گھوڑا تھا، لوگوں نے اس گھوڑے کی قیمت بیس ہزار (درہم) لگائی۔ انہوں نے اس شخص سے کہا: "یا تو تم مجھے گھوڑا دے دو اور انیس ہزار مجھ سے لے لو، یا گھوڑا اپنے پاس رکھو اور مجھے ایک ہزار دے دو۔" راوی کہتا ہے کہ اس شخص نے گھوڑا خود رکھا اور انھیں ایک ہزار دے دیا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر وہ آدمی اُسی سال واپسی میں دوبارہ ان کے پاس سے گزرا تو انھوں نے اس سے کہا کہ ایک ہزار ادا کرو۔ اس پر اس تغلبی نے ان سے کہا کہ کیا جتنی بار میں تمھارے یہاں سے گزروں گا،

تم مجھ سے ایک ہزار وصول کرو گے؟ انھوں نے کہا: "ہاں۔" راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر وہ تغلبی واپس عمر بن الخطاب کے پاس گیا اور مکہ جا کر ان سے ملاقات کی۔ وہ ایک گھر کے اندر تھے، اس نے حاضر ہونے کی اجازت حاصل کی، آپ نے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے بتایا کہ میں ایک عرب عیسائی ہوں اور ان سے اپنا قصہ کہہ سنایا۔ عمر نے اس سے صرف اتنا کہا کہ "بہت اچھا" بات صاف ہو گئی۔ وہ تغلبی لوٹ کر پھر زیاد بن حدیر کے پاس آیا۔ اس کا خیال تھا کہ اب انھیں ایک ہزار اور دینا ہی پڑے گا، لیکن وہاں اس نے دیکھا کہ عمر کا خط اس سے پہلے پہنچ چکا تھا جس میں لکھا تھا کہ: "جس گزرنے والے سے تم ایک بار صدقہ لے چکے ہو اس سے آئندہ سال کی اسی تاریخ تک دوبارہ نہ وصول کرو، الا یہ کہ وہ مزید مال لے کر آئے۔"

راوی کہتا ہے کہ یہ دیکھ کر وہ آدمی بول اٹھا: خدا کی قسم میں تو یہ سوچ چکا تھا کہ تم کو ایک ہزار اور دے دوں، میں خدا کو گواہ بناتا ہوں کہ اب میرا عیسائیت سے کوئی تعلق نہیں اور میں اس شخص کے دین پر ہوں جس نے تم کو یہ خط لکھا ہے۔

۶۰۷۔

ہم سے عبدالرحمٰن بن عبداللہ المسعودی نے بروایت جامع بن شداد، بروایت زیاد بن حدیر یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے فرات کے ایک کنارے سے دوسرے کنارہ تک ایک رسی تان دی۔ ایک عیسائی وہاں سے گزرا تو انھوں نے اس سے چنگی وصول کی۔ پھر یہ آدمی چلا گیا اور اپنا مال فروخت کر کے واپسی میں دوبارہ وہاں سے گزرا تو انھوں نے دوبارہ اس سے چنگی لینی چاہی۔ اس نے پوچھا: کیا جتنی بار میں یہاں سے گزروں گا اتنی بار تم مجھ سے چنگی وصول کرو گے؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔ یہ سن کر اس آدمی نے عمر بن الخطاب کا قصد کیا۔ اس نے آپ کو مکہ میں لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے پایا۔ آپ فرما رہے تھے:

"سنو! اللہ نے اپنے گھر کو پناہ گاہ قرار دیا ہے [یعنی حرم الٰہی میں سے
١٦٢ کوئی شخص کسی پر ظلم کر کے کوئی چیز نہیں لے سکتا، یا وہاں سے کوئی ایسی چیز نہیں

لے جا سکتا ہے (جائز کرنے کے لیے) حرم کے باہر اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے]
لہٰذا مجھے اس طرح کی کوئی اطلاع نہیں ملنی چاہیے کہ کسی نے اللہ کی بنائی ہوئی
پناہ گاہ میں کسی فرد کو کچھ نقصان پہنچا کر اپنا گھر بھرا ہو۔"

یہ شخص کہتا ہے کہ میں نے آپ سے کہا کہ امیر المومنین میں ایک عیسائی ہوں، میں زیاد بن حدیر کے پاس سے گزرا تو انہوں نے مجھ سے (چنگی) وصول کی، پھر میں آگے آیا اور اپنا مال فروخت کیا۔ (دوبارہ وہاں سے گزرا) تو انھوں نے مجھ سے پھر وصول کرنا چاہا۔ عمر نے کہا اسے ایسا کرنے کا حق نہیں۔ اسے تمھارے مال میں سے سال میں صرف ایک بار (چنگی) لینے کا حق ہے۔ پھر آپ منبر سے اترے اور ان کو میرے بارے میں خط لکھا۔ میں چند دن رکا رہا اس کے بعد پھر آپ کی خدمت میں گیا اور کہا کہ میں ہی وہ عیسائی شیخ ہوں جس نے آپ سے زیاد بن حدیر کے بارے میں گفتگو کی تھی۔ آپ نے جواب دیا کہ میں وہ حنیفی شیخ ہوں جس نے تمھارا کام کر دیا ہے۔

۶۰۸۔

یہ روایت مجھ سے یحییٰ بن سعید نے بروایت زریق بن حیان بیان کی ہے جو مصر کی چنگی پر مامور تھے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو لکھا کہ تمھارے پاس سے جو مسلمان گزریں ان کے نقد اموال اور ظاہر سامان تجارت میں سے ہر چالیس دینار پر ایک دینار وصول کرو۔ اس سے کم پر بیس دینار تک اسی حساب سے لو۔ اگر مال بیس دینار سے کم ہو تو اس میں سے کچھ نہ لو۔ ذمیوں سے ان کے مال تجارت پر بیس دینار میں سے ایک دینار وصول کرو۔ مالیت بیس دینار سے کم ہو تو دس دینار تک اس حساب سے وصول کرو لیکن مال دس دینار سے کم کا ہو تو کچھ نہ لو۔ جس سے جو کچھ وصول کرو اسے اس کی رسید لکھ کر دے دیا کرو تاکہ وہ مال اگلے سال کی اسی تاریخ تک محصول سے بری رہے۔

لہ قوسین کے درمیان کی عبارت تیموری نسخہ میں ہے مطبوعہ نسخہ میں نہیں۔ (بولاق کے) طبع شدہ نسخہ میں حاشیہ پر درج ہے کہ یہ عبارت بعض نسخوں میں پائی جاتی ہے اور شاید یہ بعد میں آنے والے جملہ کی تشریح کے لیے ہے۔

۶۰۹۔ مکاتب تاجر پر چنگی نہیں

ہم سے عمرو بن میمون بن مہران نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کی دادی سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں سلسلہ میں مسروق کے پاس سے بہت سا تجارتی مال لے کر گذری۔ یہ ایک مکاتب لونڈی تھیں۔ انھوں نے ان سے کہا ٹیکس کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا "مکاتب"۔ یہ خود عجمی تھیں، ان سے ترجمان نے گفتگو کی تھی اس سے انھوں نے فارسی میں کہا کہ میں مکاتب ہوں۔ ترجمان نے مسروق کو یہ بات بتائی تو انھوں نے کہا کہ مملوک کے مال پر کوئی زکوٰۃ نہیں عائد ہوتی۔ چنانچہ انھوں نے انھیں محصول سے بری رکھا۔

۶۱۰۔ حرام مال پر چنگی

ہم سے ابو حنیفہ نے بروایت حماد بروایت ابراہیم یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ
جب ذمی لوگ تجارت کے لیے شراب لے کر گزریں تو اس کی قیمت کا بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔ ۱۶۲
قیمت کے تخمینہ میں خود اس ذمی کا اعتبار نہ کیا جائے گا بلکہ اسے دو ذمی افراد لانے ہوں گے جو اس کی قیمت لگائیں گے اور اسی قیمت کے حساب سے محصل بیسواں حصہ وصول کرے گا۔

۶۱۱۔ چنگی لینے کا جواز

ہم سے قیس بن الربیع نے بروایت فزارہ بروایت یزید بن الاصم بروایت ابی الزبیر یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: ان کٹ گھروں اور پلوں پر جو محاصل وصول کیے جاتے ہیں وہ مال حرام ہیں جن کی تحصیل جائز نہیں۔ آپ نے چند عامل میں روانہ کیے اور ان کو کسی راستہ، پل یا گھیرے پر کوئی محصول لینے سے منع کر دیا۔ جب یہ عمال واپس آئے تو وصول شدہ رقم آپ کو کم معلوم ہوئی۔ ان لوگوں نے یہ عذر پیش کیا کہ آپ نے ہمیں (چنگی وصول کرنے سے) منع کر دیا تھا، تو آپ نے کہا کہ اچھا جیسے پہلے وصول کرتے تھے، اسی طرح وصول کرتے رہو۔

۶۱۲۔

ہم سے محمد بن عبداللہ نے بروایت انس بن سیرین یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ لوگوں

نے مجھے ابلہ کی چنگی وصول کرنے پر مامور کرنا چاہا تو میں نے انکار کر دیا۔ پھر میری ملاقات انس بن مالک سے ہوئی تو انہوں نے دریافت کیا کہ تم کیوں انکار کر رہے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ سب سے برا منصب چنگی کی تحصیل کا منصب ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ اس پر آپ نے مجھ سے کہا کہ ایسی بات نہ کرو، یہ کام عمر نے کیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں پر چالیسواں حصہ، ذمیوں پر بیسواں حصہ اور غیر ذمی مشرکوں پر دسواں حصہ عاید کیا تھا۔

فصل ۶

اہلِ ذمّہ سے صلح کی تفصیلات

۶۱۳ - اہلِ ذمہ کی عبادت گاہیں

امیرالمومنین! آپ نے دریافت کیا ہے کہ جب مسلمانوں نے مختلف ممالک فتح کیے تو شہروں اور مرکزی مقامات پر ذمیوں کے گرجا گھر اور بیعے کیوں باقی رہنے دیے گئے۔ انھیں منہدم کیوں نہیں کر دیا گیا۔ اور یہ کہ ان کو اپنے تیوہار کے مواقع پر صلیب لے کر چلنے کی اجازت کیوں کر حاصل رہی۔

واقعہ یوں ہے کہ مسلمانوں اور ذمیوں کے درمیان جزیہ ادا کرنے کی شرط پر صلح ہوئی تھی۔ یہ ۱۶۵
ممالک اس شرط پر مسلمانوں کے حوالے کیے گئے تھے کہ ان لوگوں کے گرجا اور بیعے باقی رہیں گے۔ خواہ وہ شہروں کے اندر واقع ہوں یا باہر۔ نیز یہ بھی طے ہوا تھا کہ ان کی جان محفوظ رہے گی اور اگر کوئی دشمن ان پر حملہ کرے تو اس سے جنگ کر کے ان کا دفاع کیا جائے گا[1]۔ دونوں فریق کے درمیان انہی شرائط پر صلح ہوئی اور ان لوگوں نے مسلمانوں کو جزیہ ادا کیا۔ مسلمانوں نے ان کے لیے ان شرائط پر مشتمل ایک دستاویز لکھ کر دے دی تھی جس میں یہ بھی تھا کہ یہ لوگ کوئی نیا گرجا گھر

[1] مطبوعہ نسخہ کے حاشیہ پر ہے کہ بعض نسخوں میں یہاں یہ اضافہ ہے کہ: ان کو تیوہار کے مواقع پر اپنی صلیبیں باہر لانے کی اجازت دی گئی۔

یا بیعہ[1] نہیں تعمیر کریں گے۔ سارا شام اور تھوڑے علاقہ کو چھوڑ کر پورا حیرہ اسی شرط پر فتح ہوا تھا یہی وجہ ہے کہ ان کے گرجا اور بیعے منہدم نہیں کیے گئے اور باقی رہ گئے۔

۶۱۴ - صلح کی تفصیلات

ایک صاحب علم نے بروایت مکحول شامی مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ ابوعبیدہ بن الجراح نے باشندگان شام سے صلح کر لی اور وہاں فاتحانہ داخل ہوتے وقت یہ شرط طے کر لی کہ موجودہ گرجا اور بیعے باقی رہنے دیے جائیں گے اور یہ لوگ کوئی نیا گرجا یا بیعہ نہ تعمیر کریں گے۔ جو لوگ راستہ بھول جائیں ان کی رہنمائی کرنا اور اپنے دریاؤں اور نہروں پر اپنے صرفہ سے پُل تعمیر کرنا ان لوگوں کی ذمہ داری قرار پائی۔ یہ بھی طے ہوا کہ جو مسلمان ان کے یہاں آئیں اُن کی یہ تین دن میزبانی کریں گے۔ کسی مسلمان کو نہ گالی دیں گے نہ ماریں گے۔ مسلمانوں کی بستیوں میں صلیب نہیں بلند کریں گے۔ سؤروں کو اپنے گھروں سے ہنکا کر مسلمانوں کے صحن یا میدان میں نہیں چھوڑیں گے۔ راہ خدا میں جنگ کرنے والوں کے لیے آگ روشن کریں گے۔ مسلمانوں کی کسی کمزوری کی خبر دوسروں کو نہیں پہنچائیں گے۔ مسلمانوں کی اذان سے پہلے یا ان کی اذان کے وقت اپنے ناقوس نہیں بجائیں گے۔ اور اپنے تیوہاروں میں اپنے جھنڈے نہیں بلند کریں گے۔ اور تیوہاروں میں ہتھیار بند ہو کر نہیں نکلیں گے نہ گھروں میں ہتھیار رکھیں گے۔ طے پایا کہ اگر وہ ان میں سے کسی شرط کی بھی خلاف ورزی کریں گے تو ان کو سزا دی جائے گی۔ انہیں شرائط پر صلح ہو گئی۔

پھر ان لوگوں نے ابوعبیدہ سے درخواست کی کہ سال میں صرف ایک دن یعنی ہماری بڑی عید کے دن ہمیں صلیبوں کو بغیر جھنڈوں کے علانیہ لے کر چلنے کی اجازت دیجیے! انہوں نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی اور اس کی اجازت دے دی۔ اب مسلمانوں کے لیے اس سے کوئی مفر نہ تھا کہ جو شرائط طے پائی تھیں ان کی تکمیل کریں، کیونکہ یہ ممالک انہی شرائط پر فتح ہوئے تھے۔

[1] متن میں بیع جمع بیعہ (synagogue) ہے۔ بیعہ یہودیوں کی عبادت گاہ کو کہتے ہیں۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے اس کا ترجمہ مدرسہ کیا ہے (ترجمہ قرآن کریم، سورۂ حج، آیت ۴۰) کوئی اردو لفظ نہ میسر آ سکنے کی وجہ سے ہم نے ترجمہ میں اصل لفظ کو باقی رکھا ہے۔ (مترجم)

۶۱۵

جب حمصیوں نے یہ دیکھا کہ مسلمان ان کے ساتھ کی ہوئی شرائط کے پوری طرح پابند ہیں اور
ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کر رہے ہیں تو وہ دشمنوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے بڑے مددگار اور دشمنوں
کے خلاف بہت سخت ہو گئے۔ جن شہروں سے مسلمانوں کی صلح ہوئی تھی وہاں کے باشندوں نے اپنی
جانب سے کچھ افراد کو رومیوں اور مملکت روم کے حالات کا پتہ لگانے کے لیے جاسوس بنا کر بھیجا تاکہ
وہ یہ معلوم کریں کہ وہ لوگ کیا اقدام کرنے والے ہیں۔ چنانچہ ہر شہر کے بھیجے ہوئے افراد یہی خبر لے کر ۱۶۶
واپس آئے کہ رومیوں نے اتنا زبردست لشکر جمع کر لیا ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ یہ معلوم کر کے
ہر شہر کے رؤسا ان امراء سے ملے جن کو ابو عبیدہ نے ان پر مقرر کیا تھا اور یہ خبر ان تک پہنچائی۔
ابو عبیدہ کے مقرر کردہ ان والیوں نے اُن کو اس کی اطلاع لکھ بھیجی۔ ابو عبیدہ کے پاس مختلف مقامات
سے پے درپے یہی اطلاع آنے لگی۔ یہ بات ابو عبیدہ اور عام مسلمانوں پر بڑا بار بن گئی۔ ابو عبیدہ نے
ان تمام والیوں کو جنھیں آپ نے صلح کے ذریعہ فتح کیے ہوئے شہروں پر مامور کیا تھا یہ لکھا کہ وہاں
کے باشندوں سے جزیہ اور خراج کی جو رقمیں وصول کی گئی ہوں وہ انھیں واپس دے دی جائیں اور یہ
بات واضح کر دی جائے کہ ہم نے یہ رقوم اس لیے واپس کی ہیں کہ تم نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم تمھارا
دفاع کریں گے لیکن ہمارے خلاف جتنے زبردست لشکر جمع کر لیے گئے ہیں ان کی خبر ہمیں مل گئی ہے
اور ہم اتنے طاقت ور نہیں کہ ان کا مقابلہ کر کے تمھارا دفاع کر سکیں۔ اس لیے ہم نے (از راہ احتیاط)
تم سے وصول کردہ رقوم تمھیں واپس دے دی ہیں۔ اگر اللہ نے ہمیں ان پر فتح عطا کی تو ہم ان شرائط کی
پوری پابندی کریں گے جو ہمارے تمھارے درمیان طے پا چکی ہیں۔

جب ان والیوں نے ان لوگوں سے یہ بات کہی اور ان سے وصول کیا ہوا مال انھیں واپس دے
دیا تو وہ لوگ کہنے لگے: خدا تمھیں فتح عطا کرے اور دوبارہ ہم پر (حکمران بنا کر) واپس لائے آج اگر
تمھاری جگہ یہ رومی ہوتے تو ہمیں کچھ بھی نہ واپس دیتے بلکہ اُلٹے ہر وہ چیز چھین لیتے جو ہمارے پاس
باقی رہ گئی ہے۔ اور ہمارے پاس کچھ بھی نہ باقی رہتا۔

۶۱۶

ابو عبیدہ نے ان لوگوں سے ان شرائط پر صلح کرنا اس لیے منظور کیا اور جو وہ خراج لیتے وہ لوگ کہتے
تھے انھیں اس لیے مان لیتے تھے تاکہ ان کی تالیف قلب ہو اور دوسرے شہروں کے لوگ بھی جنھوں
نے ابھی صلح کی پیش کش نہیں کی تھی، یہ باتیں سن کر صلح پر آمادہ ہو جائیں۔

۶۱۷

شہروں کے اردگرد جو دیہی علاقے تھے ان سے ابو عبیدہ نے جو اموال، لونڈی غلام یا سامان
حاصل کیا تھا انھیں آپ نے نہیں واپس کیا بلکہ خمس نکالنے کے بعد باقی ۴/۵ حصہ مسلمانوں کے
درمیان تقسیم کر دیا تھا۔

۶۱۸

مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان مڈبھیڑ ہوئی اور بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی۔ دونوں جانب
کے بکثرت لوگ مارے گئے۔ پھر اللہ نے مشرکوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد کی اور ان کو مشرکین پر
قابو یافتہ بنایا اور انھیں شکست دی۔ مسلمانوں نے دشمنوں میں سے اتنے زیادہ لوگوں کو قتل کیا کہ
مشرکین نے اس سے پہلے کبھی اتنا نقصان نہ اٹھایا تھا۔

جن شہروں کے باشندوں نے ابھی ابو عبیدہ سے صلح نہیں کی تھی انہوں نے جب یہ دیکھا کہ ان
کے یہ مشرک ساتھی کس بری طرح قتل ہوئے تو انھوں نے ابو عبیدہ کو صلح کے پیغام بھیجے۔ آپ نے ان
سے بھی انہی شرائط پر صلح منظور کر لی جن پر پہلے دوسرے شہروں سے صلح کی جا چکی تھی۔ البتہ ان لوگوں
نے یہ شرط بھی پیش کی کہ جو رومی مسلمانوں سے جنگ کے لیے آئے تھے اور اب ان لوگوں سے آملے ۱۶۷
تھے ان کو امان دی جائے اور یہ حق دیا جائے کہ وہ اپنے ساز و سامان، مال اور اہل و عیال سمیت
بلا روک ٹوک روم چلے جائیں۔ ابو عبیدہ نے یہ شرط بھی منظور کر لی۔ پھر ان لوگوں نے شہروں کے
دروازے آپ کے لیے کھول دیے اور جزیہ ادا کیا۔

۶۱۹۔

اس کے بعد ابوعبیدہ واپس روانہ ہوئے۔ جب بھی ان کا گذر کسی ایسے شہر سے ہوتا جہاں کے باشندوں نے ابھی صلح نہیں کی تھی تو وہاں کے رؤسا آپ کے پاس صلح کی درخواست بھیجتے۔ آپ ان کی درخواست منظور کر لیتے اور ان کے لیے بھی وہی شرائط مقرر کرتے جو دوسرے شہروں کے لیے پہلے طے پا چکی تھیں۔ آپ کے اور ان کے درمیان ایک صلح نامہ تحریر میں آجاتا تھا۔

۶۲۰۔

جب بھی آپ کسی ایسے شہر سے گذرتے جس کے باشندوں سے پہلے صلح ہو چکی تھی اور اس کے والی نے (جزیہ اور خراج کی) وصول کردہ رقمیں ان لوگوں کو واپس کر دی تھیں تو وہ لوگ یہ رقمیں یعنی وہ جزیہ اور خراج جس کی ادائگی کی شرط پر ان سے صلح کی گئی تھی اور جسے والی نے ان کو واپس دے دیا تھا، لے کر آپ سے ملاقات کرتے۔ یہ لوگ آپ سے دوکانوں اور بازاروں میں ملاقات کرتے تھے۔ آپ نے ان لوگوں کو انہی شرائط پر بحال رکھا جو ان سے پہلے طے پا چکے تھے اور ان میں کوئی ترمیم نہیں کی۔

۶۲۱

ابوعبیدہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو مشرکین کی شکست، مسلمانوں کو مال فئے نصیب ہونے اور ذمیوں سے صلح کا حال لکھ بھیجا۔ آپ نے ان کو لکھا کہ مسلمانوں نے مطالبہ کیا ہے کہ سارے شہر ان کے باشندے، زمینیں، درخت، اور کھیت وغیرہ ان کے درمیان تقسیم کر دیے جائیں۔ لیکن میں نے آپ کو مطلع کر کے آپ کی رائے حاصل کر لینے سے پہلے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

۶۲۲۔ فئے کے بارے میں حضرت عمر کا فیصلہ

اس کے جواب میں عمرؓ نے ان کو یہ لکھا کہ : اللہ نے جو کچھ تم کو (بطور فئے) عطا کیا ہے اور چھوٹے بڑے شہروں کے باشندوں سے تم نے جو صلحیں کی ہیں، ان کی بابت تم نے جو کچھ لکھا ہے اس پر میں نے غور کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے ان امور کی بابت مشورہ کیا۔ ہر ایک نے اس سلسلہ میں اپنی رائے دی ہے۔ خود میری رائے اللہ کی کتاب کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری [فللہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔ وما آتاکم الرسول فخذوہ، وما نھاکم عنہ فانتھوا۔ واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ[1]] اولئک ھم الصادقون۔ (الحشر: ۷،۸)

اور اللہ بستیوں والوں سے اپنے رسول کو جو کچھ ہاتھ لگائے وہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے تاکہ (مال) تمہارے مال داروں ہی کے درمیان نہ گردش کرتا رہے۔ اور رسول جو کچھ تمھیں دے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کرے اُس سے باز رہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سزا دینے میں بڑا سخت ہے (یہ مال) ان مفلس مہاجرین کے لیے ہے جن کو ان کے گھروں اور دوسرے اموال سے زبردستی بے دخل کر کے نکال دیا گیا ہے۔ یہ لوگ اللہ کی رضامندی اور اس کے فضل کے طلب گار بن کر اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرنے آئے ہیں۔ یہی لوگ صحیح معنیٰ میں سچے لوگ ہیں۔

یہ مہاجرین اوّلین کا ذکر ہے :

والذین تبوؤا الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ۔ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون۔ (الحشر ۹)

اور (یہ مال ان لوگوں کے لیے ہے) جنھوں نے ایمان لا کر ان مہاجرین سے پہلے سے اس گھر (دارالہجرت) کو آباد کر رکھا ہے۔ جو لوگ ہجرت کر کے ان کے یہاں آتے ہیں انھیں یہ محبوب رکھتے ہیں اور انھیں جو کچھ دیا جائے اس کے لیے اپنے دل میں کوئی غرض نہیں محسوس کرتے۔ یہ لوگ

---

[1] قوسین کے درمیان کی آیات تیموری نسخہ میں ہیں مگر مطبوعہ نسخہ میں نہیں۔

اگر خود فاقہ مست ہوں تو بھی ان مہاجرین کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنی طبیعت کے لالچ سے محفوظ رکھے گئے وہی درحقیقت فلاح یافتہ ہوں گے۔"

یہ انصار کا ذکر ہے:

والّذین جاءو امن بعدھم۔	اور (ان لوگوں کے لیے) جو ان کے بعد آئیں۔ (الحشر: ۱۰)

یہ ساری اولادِ آدم سُرخ و سیاہ تمام نسلوں کا ذکر ہے۔ اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالٰے نے ان (مہاجرین و انصار) کے بعد قیامت تک کے آنے والوں کو اِس فئے میں شریک قرار دے دیا ہے۔ لہٰذا جو چیزیں اللہ نے تمھیں بطورِ فئے عطا کی ہیں انھیں انکے مالکوں ہی کے قبضہ میں رہنے دو۔ اور ان پر ان کی برداشت کے مطابق جزیہ عاید کر دو۔ اس کی آمدنی کو تم مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ وہاں کے باشندے بدستور وہاں کی زمین کاشت میں لاتے رہیں گے کیونکہ وہ اِس کام سے زیادہ واقف اور اس کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں تمھیں اور تمھارے ساتھ جو مسلمان ہیں۔ ان کو یہ حق کسی طرح نہیں پہنچتا کہ تم ان لوگوں کو فئے قرار دے کر باہم تقسیم کر لو کیوں کہ تمھارے درمیان صلح ہو چکی ہے اور تم ان سے ان کی برداشت کے مطابق جزیہ وصول کر رہے ہو۔ اللہ تعالٰے نے اِس مسئلہ کو ہمارے اور تمھارے لیے صاف کر دیا ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

قاتلوا الّذین لا یؤمنون باللّٰہ و لا بالیوم الاٰخر ولا یحرّمون ما حرّم اللّٰہ ورسولہٗ ولا یدینون دین الحقّ من الّذین اوتوا الکتاب حتّٰی یعطوا الجزیۃ عن ید وّھم صاغرون۔ (توبہ: ۲۹)	جنگ کرو اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان نہیں لاتے اور جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

لہٰذا ان سے جزیہ وصول کر لینے کے بعد ان پر تمھارا کوئی اور حق نہیں رہ جاتا، اور کسی

تعرض کی گنجائش نہیں باقی رہتی۔ تم غور نہیں کرتے کہ اگر ہم وہاں کے باشندوں کو قبضہ میں لے کر باہم تقسیم کر لیں تو ہمارے بعد آنے والے مسلمانوں کے لیے کیا باقی بچے گا۔ خدا کی قسم پھر تو ان کو ایک آدمی بھی نہ ملے گا جس سے بات کر سکیں یا جس کی محنت سے انھیں کچھ فائدہ پہنچ سکے (جو صورت ہم اختیار کر رہے ہیں اس کے تحت) جب تک موجودہ نسل کے لوگ ہیں، مسلمان ان سے فائدہ اٹھائیں گے اور جب ہم لوگ اِن کی موجودہ نسل دونوں گزر جائیں گے تو ہماری آئندہ نسلیں ان کی آئندہ نسلوں سے فائدہ اٹھائیں گی، یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک یہ قوم باقی رہے گی۔ جب تک دینِ اسلام غالب رہے گا، یہ لوگ اہلِ اسلام کے غلام رہیں گے۔ تم ان پر جزیہ عائد کر دو اور انھیں غلام نہ بناؤ، مسلمانوں کو ان پر ظلم کرنے، ان کو کسی طرح کا نقصان پہنچانے اور حلال طریقے کے علاوہ کسی طریقہ سے[1] ان کا مال کھانے سے روک دو اور تم نے جن شرائط پر ان سے صلح کی ہے ان کو پورا کرو۔ رہا تیوہاروں میں صلیب لے کر نکلنے کا حق تو جیسا کہ انھوں نے تم سے درخواست کی ہے، سال میں ایک دن بغیر جھنڈوں اور پھریروں کے شہر سے باہر ایسا کرنے کی اجازت دے دو۔ لیکن شہر کے اندر مسلمانوں کی آبادی اور مسجدوں کے درمیان صلیب نہیں بلند کی جائیگی۔

۶۲۳۔

۱۷۹ چنانچہ ابو عبیدہ نے سال میں ایک دن "جو ان کی اس عید کا دن ہے جو ان کے روزے میں پڑتی ہے" انہیں ایسا کرنے کی اجازت دے دی۔ اس کے علاوہ کسی اور دن یہ لوگ اپنی صلیبیں نہیں نکالتے تھے۔

۶۲۴۔

جو صلح مسلمانوں نے ان جگہوں کے باشندوں سے کی تھی۔ اس کی رو سے ان کے گرجا اور بیعے بدستور باقی رہنے دیے گئے تھے، اور اس کے سلسلہ میں ان لوگوں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔

شام میں مسلمانوں اور اہلِ ذمّہ کے درمیان جو کچھ ہوا اس کی تفصیلات یہی ہیں۔

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے، حق کے علاوہ

۶۲۵۔ فتوحات اور صلحوں کی تفصیل۔

محمد بن اسحاق اور فتوحات و سیر کا علم رکھنے والے دوسرے علماء نے، جن میں سے بعض کا ۱۰
بیان بعض سے زیادہ تفصیلی ہے، مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ جب خالد بن ولید یمامہ سے واپس آئے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملنے گئے۔ آپ سے ملاقات کے بعد چند دن مدینہ میں قیام کیا۔ پھر ابوبکر نے ان سے کہا: ضروری تیاری کر کے عراق کی طرف کوچ کرو۔ چنانچہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہدایت کے مطابق وہ دو ہزار افراد پر مشتمل لشکر اور اسی قدر خدمت گاروں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب فائد[1] سے گذرے تو قبیلۂ طے سے پانچ سو افراد آپ کے ساتھ ہو لیے۔ ان کے ہمراہ اتنے ہی خدمت گار بھی تھے۔ جب یہ شراف[2] پہنچے تو ان کے ساتھ کم و بیش پانچ ہزار افراد تھے۔

شراف والوں کو خالد کے اتنے زبردست لشکر کے ساتھ سرزمین عجم میں اتنی لمبی مہم پر روانگی پر تعجب ہوا۔ پھر یہ لوگ مغیثہ[3] پہنچے۔ وہاں انھیں عجمی گھوڑ سواروں کا ہراول دستہ نظر آیا۔ وہ لوگ انھیں دیکھتے ہی لوٹ گئے اور جا کر اپنے قلعہ میں بیٹھ رہے۔ خالد اور ان کے ساتھیوں نے جا کر قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اور اسے فتح کر لیا۔ قلعہ میں جو مرد لڑائی کے قابل تھے ان کو قتل کر دیا اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا۔ وہاں جو کچھ ساز و سامان، اسلحے اور مویشی تھے، انھیں اپنے قبضہ میں لے لیا اور قلعہ کو مسمار کر دیا۔

پھر خالد آگے بڑھے اور عذیب[4] پہنچے، وہاں ایک قلعہ تھا جس میں کسریٰ کا اسلحہ خانہ بھی تھا۔ خالد نے اس پر حملہ کر کے وہاں کے لوگوں کو بھی قتل کیا۔ قلعہ میں جو ساز و سامان، اسلحے اور جانور تھے ان پر قبضہ کر لیا اور قلعہ کو مسمار کر دیا۔ انھوں نے مردوں کو قتل کر دیا اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جو مال اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا کیا تھا۔ اس میں سے خمس علیحدہ کر دیا اور باقی ⅘ اپنے ان ساتھیوں

---

[1] مکہ کی راہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔

[2] احسار سے آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع اور زرعا کے درمیان واقع ایک مقام کا نام۔

[3] ازہری لکھتے ہیں کہ مغیثہ قادسیہ اور عذیب کے درمیان ایک کنویں کا نام ہے۔ نیز اجا کے ایک گاؤں کا نام بھی مغیثہ ہے۔

[4] قادسیہ سے چار میل کے فاصلہ پر واقع ایک چشمہ کا نام ہے۔

کے درمیان تقسیم کر دیا جنھوں نے قلعہ کو فتح کیا تھا۔

قادسیہ والوں نے جب یہ حال دیکھا تو صلح کی درخواست کی اور آپ کو جزیہ ادا کیا۔ خالد قادسیہ سے آگے بڑھ کر نجف میں ٹھہرے۔ یہاں کسریٰ کا ایک بہت مضبوط قلعہ تھا جس میں کچھ جنگ جو ایرانی قلعہ بند تھے۔ آپ نے ان کا محاصرہ کیا اور قلعہ فتح کر لیا اور اس کے باشندوں کو ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کر دیا۔ ان کا سردار ایک ایرانی تھا جس کا نام ہزار مرد تھا۔ خالد نے اس کی گردن اڑا دی اور اس پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور اپنا کھانا منگوایا۔ دوسرے ایرانیوں کی مشکلیں کسی ہوئی تھیں۔ یہ دیکھ کر وہ ایرانی ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ "یہ تو دیو ہے"[1]۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد خالد نے ان کی گردنیں بھی اڑا دیں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا۔ قلعہ میں جو ساز و سامان، اسلحے اور مویشی تھے ان پر انہوں نے قبضہ کر لیا۔ جتنے قلعے اب تک فتح ہوئے تھے ان میں نجف کے قلعہ سے زیادہ مضبوط کوئی قلعہ نہ تھا۔ یہاں دوسرے تمام قلعوں سے زیادہ سامان اور اسلحے تھے اور یہاں کے لوگ بھی دوسرے قلعہ والوں سے زیادہ طاقت ور اور جنگ جو تھے۔ آپ نے قلعہ کو تباہ کر کے اس میں آگ لگا دی۔

پھر آپ نے ایک فوجی دستہ باشندگان الّیس کی طرف بھیجا جہاں ایک قلعہ تھا جس میں کسریٰ کے ایک اسلحہ خانہ کے آدمی تھے۔ اس دستہ نے اس کا محاصرہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اس میں جو مرد تھے انھیں باہر لا کر ان کی گردنیں اڑا دیں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا۔ قلعہ میں جو سامان اور اسلحے تھے ان پر قبضہ کر کے قلعہ کو مسمار کر دیا۔ اور اس میں آگ لگا دی۔ جب باشندگان الّیس نے یہ ماجرا اور قلعہ والوں کے ساتھ خالد کا یہ سلوک دیکھا تو انھوں نے جزیہ دینے پر رضامندی ظاہر کرتے ہوئے اس کے عوض صلح کی درخواست کی۔ آپ نے ان کی درخواست منظور کر لی اور ان لوگوں نے آپ کو جزیہ دیا۔

---

[1] متن میں ہے: "امرادو" لیکن یہ تصحیف ہے۔ "ایں دیو است" (فارسی یعنی یہ دیو ہے) کی۔ ملاحظہ ہو فانگاں صفحہ ۲۲۰۔ نوٹ نمبر ۲۔ (مترجم)

پھر آپ حیرہ تشریف لے گئے۔ وہاں کے باشندے وہاں کے تینوں قلعوں، قصر ابیض، قصر عدلیس اور قصر ابن بقیلہ میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ اس دن دوپہر کے وقت خالد کے ساتھیوں نے قلعہ کے چاروں طرف گھوڑے دوڑائے اور اس خیال سے ان کے سامنے رہے کہ وہ لوگ لڑائی پر آمادہ ہو جائیں۔ یا قلعہ میں سے کوئی باہر نکلے لیکن کوئی باہر آتا نظر نہیں آیا، نہ وہ لوگ جنگ پر آمادہ ہوئے۔ پھر دو لڑکے قلعہ پر نمودار ہوئے۔ خالد نے اپنے اکابر رفقاء میں سے ایک کو قصر ابیض کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اس کے نیچے کھڑے ہو کر اوپر آنے والوں سے کہا کہ تم میں سے ایک باہر نکل کر میرے پاس آئے تاکہ میں اس سے گفتگو کروں۔ ایک آدمی نے سامنے آکر ان سے دریافت کیا کہ جو آدمی باہر بھیجا جائے گا اسے واپس آنے تک امان حاصل رہے گی؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ چنانچہ عبدالمسیح بن حیان بن بقیلہ، جو اتنا ضعیف تھا کہ اس کی ابرو کے بال جھک کر اس کی آنکھوں پر آ پڑے تھے۔ ۱۸۱
قلعہ سے اتر کر ان کے پاس آیا۔ ایاس بن قبیصہ الطائی بھی باہر آیا۔ جسے کسریٰ نے نعمان بن المنذر کے بعد حیرہ کا والی مقرر کیا تھا۔ یہ دونوں خالد کے پاس آئے تو آپ نے اُن سے فرمایا:

"میں تمھیں اللہ اور اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم اسے قبول کر لو تو تمھیں بھی وہ سارے حقوق حاصل ہو جائیں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اور تم پر بھی وہی ذمہ داریاں عاید ہوں گی جو تمام مسلمانوں پر عاید ہیں۔ اگر تمھیں ایسا کرنا منظور نہیں تو جزیہ ادا کرو۔ اگر یہ بھی نہ منظور ہو تو اچھی طرح جان لو کہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ تمھارے یہاں آیا ہوں جن کو موت اس سے کہیں زیادہ محبوب ہے جتنی تمھیں زندگی محبوب ہے۔"

راوی کہتا ہے کہ ابن بقیلہ کے ہاتھ میں زہر تھا۔ راوی کہتا ہے کہ خالد نے اس سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے۔ اس نے بتایا کہ یہ زہر ہے۔ اگر آپ میری شرط مان لیں گے تو خیر ورنہ میں اسے پی لوں گا کیوں کہ میں اپنی قوم کے پاس ایسی بات لے کر نہیں واپس جاؤں گا۔ جو انھیں پسند نہ ہو۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر خالد نے زہر اس کے ہاتھ سے لیا اور یہ کہتے ہوئے اسے پی گئے کہ "اس خدا

کے نام سے جس کے نام کے ساتھ زمین یا آسمان کی کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔"

ابن بقیلہ اپنی قوم کے پاس واپس گیا اور ان سے کہا کہ میں ایسے لوگوں کے پاس سے تمھارے یہاں آ رہا ہوں جن پر زہر نہیں اثر کرتا۔ راوی کہتا ہے کہ ایاس بن قبیصہ نے خالد سے کہا کہ ہم آپ سے جنگ نہیں کرنا چاہتے۔ نہ آپ کے ساتھ آپ کے دین میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے دین پر قائم رہیں گے اور آپ کو جزیہ ادا کریں گے۔ چنانچہ آپ نے اس سے ساٹھ[1] ہزار پر صلح کر لی اور یہ شرائط طے کر کے آگے روانہ ہوئے کہ ان کے کسی گرجا یا بیعہ کو منہدم نہیں کیا جائے گا۔ نہ ان کے ان قلعوں کو مسمار کیا جائے گا جس میں محصور ہو کر وہ دشمنوں سے اپنا بچاؤ کرتے تھے۔ ان کو ناقوس بجانے یا اپنے تیوہار کے دن صلیب بلند کرنے سے نہیں روکا جائے گا۔ ان پر یہ ذمہ داری ہوگی کہ کسی سازش یا فتنہ و فساد میں شریک نہ ہوں اور ادھر سے گذرنے والے مسلمانوں کی ضیافت کریں، اور ان کے سامنے کھانے پینے کی ایسی چیزیں پیش کریں جو ان کے یہاں حلال ہوں۔ آپ نے ان کو یہ دستاویز لکھ دی:

۶۲۶۔ اہلِ حیرہ سے صلح

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ باشندگان حیرہ کے لیے خالد بن ولید کی تحریر ہے۔ خلیفۂ رسول اللہ، ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے حکم دیا کہ میں یمامہ سے واپسی پر عراق کے عربی اور عجمی باشندوں کے یہاں جاؤں اور ان کو جنت کی بشارت دیتے ہوئے اور دوزخ سے ڈراتے ہوئے اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول علیہ السلام کی طرف بلاؤں۔ اگر یہ لوگ میری دعوت قبول کر لیں تو ان کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اور ان پر بھی وہی ذمہ داریاں عاید ہوں گی جو سارے مسلمانوں پر عائد ہیں۔ جب میں حیرہ پہنچا تو ایاس بن قبیصہ الطائی نے حیرہ کے
۱۸۲ رؤوساء کی ایک جماعت کے ساتھ مجھ سے ملاقات کی۔ میں نے ان لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی تو انھوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار

[1] تیموری نسخہ میں ہے۔ نوّے ہزار

کر دیا۔ میں نے ان کے سامنے جزیہ ادا کرنے، ورنہ جنگ کرنے کی شکل رکھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم جنگ نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ آپ ہم سے بھی جزیہ کے عوض انہی شرائط پر صلح کر لیجیے جن پر آپ نے دوسرے اہلِ کتاب سے صلح کی ہے۔ میں نے ان کی تعداد پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ مردوں کی تعداد سات ہزار ہے۔ جائزہ لینے پر معلوم ہوا کہ معذور و مفلوج افراد کی تعداد ایک ہزار ہے۔ ان افراد کو شمار سے منہا کر دیا گیا اور اس طور پر جزیہ ادا کرنے کے لائق افراد کی تعداد چھ ہزار ہوئی۔ چنانچہ ان لوگوں نے مجھ سے ساٹھ ہزار پر صلح کر لی۔

میں نے ان پر واضح کر دیا کہ مندرجہ ذیل شرائط کے سلسلے میں ان پر اللہ سے کیے ہوئے عہد کو وفا کرنے اور اس میثاق کی پابندی کرنے کی ذمہ داری ہے جو اس نے اہلِ تورات و انجیل سے لیا ہے، یہ کہ یہ لوگ مسلمانوں کی دشمنی نہ کریں۔ نہ عرب یا عجم کے کسی مسلمان کے خلاف کسی کافر کی مدد کریں۔ دشمنوں کو مسلمانوں کی کمزوریوں پر مطلع کریں۔ یہ بات اللہ سے کیے ہوئے عہد اور اس پختہ میثاق کی رُو سے ان کے لیے ضروری ہے جو ان تمام میثاقوں سے زیادہ پختہ ہے جو اللہ نے کسی نبی سے لیا ہے۔ اگر یہ لوگ ان شرائط کی خلاف ورزی کریں گے تو ان کا ذمہ ساقط ہو جائے گا اور ان کو دی ہوئی امان ختم ہو جائے گی۔ اگر یہ لوگ ان شرائط کی پوری پابندی کریں گے تو ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو کسی معاہد کو حاصل ہوتے ہیں اور ان کا دفاع کرنا ہمارے ذمہ ہو گا۔ اگر اللہ ہم کو فتح عطا کرتا ہے تو ان کو حقوق ذمہ بدستور حاصل رہیں گے۔ اس کی ضمانت ہم اللہ سے کیے ہوئے عہد اور اس پختہ ترین میثاق کے حوالے سے دیتے ہیں جو اس نے اپنے کسی نبی سے لیا ہو۔ اس کا حوالہ دے کر ہم ان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان شرائط کی خلاف ورزی نہ کریں [اگر ان پر کوئی اور طاقت غالب آ جائے تو انھیں اس بات کی آزادی ہو گی کہ اہلِ ذمہ جو

کچھ کر سکتے ہیں وہ کریں۔ البتہ جن باتوں کا انھیں حکم دیا جائے ان کی خلاف ورزی درست نہ ہو گی۔]

میں نے انھیں یہ حق دیا ہے کہ ایسا بوڑھا آدمی جو کام سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی مرض یا مصیبت آن پڑے یا جو پہلے مالدار رہا ہو اور پھر ایسا غریب ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس کے سر سے جزیہ ساقط کر دیا جائے اور جب تک وہ دارالہجرت اور دارالاسلام میں رہے گا، اس کے اور اس کے اہل و عیال کے مصارف مسلمانوں کے بیت المال سے پورے کیے جائیں گے۔ البتہ اگر ایسے لوگ دارالہجرت اور دارالاسلام کو چھوڑ کر باہر چلے جائیں تو ان کے اہل و عیال کی کفالت مسلمانوں کے ذمہ نہ ہو گی۔ ان کا جو غلام مسلمان ہو جائے اسے مسلمانوں کے بازار میں کھڑا کر کے اس زیادہ سے زیادہ قیمت پر فروخت کر دیا جائے گا جو کسی طرح کی عجلت اور تخفیف کے بغیر لگ سکتی ہو۔ پھر یہ قیمت اس غلام کے مالک کو دے دی جائے گی۔ فوجی لباس کے علاوہ انھیں ہر طرح کا لباس پہننے کی اجازت ہو گی بہ شرطیکہ وہ مسلمانوں سے مشابہت پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اگر ان لوگوں میں سے کوئی فوجی لباس میں پایا گیا تو اس سے اس کی بابت پوچھ گچھ کی جائے گی۔ اگر اس نے کوئی معقول عذر پیش کیا تو خیر ورنہ جتنا فوجی لباس اس نے پہن رکھا ہو گا اسی کی مناسبت سے اسے سزا دی جائے گی۔

میں نے ان سے طے کر لیا ہے کہ جس رقم پر ان سے صلح ہوئی ہے وصول کر کے مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کرنا ان کے اپنے عمال کی ذمہ داری ہو گی۔ البتہ اگر انھوں نے مسلمانوں سے اس کام کے لیے معاون طلب کیے تو معاون ۱۶۴
فراہم کیے جائیں گے اور ان معاونین کے اخراجات مسلمانوں کے بیت المال کے ذمہ ہوں گے۔"

یہ عبارت تیموری نسخہ سے کیا گیا ہے۔

۶۲۷۔

معائنت کرنے والے کہتے ہیں کہ خالد بن ولید نے ایاس بن قبیصہ اور عبد المسیح بن حبان بن بقیلہ سے دریافت کیا کہ تم لوگوں نے یہ قلعے کیوں تعمیر کیے ہیں جب کسی ایسے ملک میں نہیں پہنچیں جہاں اپنے دفاع میں کامیاب ہو سکو۔ انہوں نے جواب دیا کہ احمقوں کو ہم اس کے (رعب کے) ذریعہ واپس کر دیتے ہیں، تا آنکہ کوئی دانش مند آجائے (تو صورتِ حال مختلف ہو جاتی ہے۔ آپ نے کہا، تم لوگ عرب ہو جنگ کرنا کیوں نہیں سیکھتے۔ وہ بولے کہ ہم نے ستور اور شراب کو (جنگ پر) ترجیح دی ہے اور ہمارے پڑوسی۔ یعنی ایرانی — بھی ہم سے اس پر راضی ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان سے ساٹھ ہزار پر صلح کر لی اور آگے روانہ ہوئے۔

۶۲۸۔

یہ پہلا جزیہ تھا جو مشرق کی سرزمین سے وصول ہوا۔[۱] اور وہ پہلا مال تھا جو مشرق سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لایا گیا۔

۶۲۹۔

راوی کہتا ہے کہ خالد نے ایرانی سرداروں کے نام ایک خط لکھ کر بنی بقیلہ کے حوالہ کیا تھا (جس کا مضمون یہ ہے):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خالد بن ولید کی جانب سے رستم، مہران، اور فارس کے دوسرے سرداروں کے نام۔ ہدایت کی پیروی کرنے والوں پر سلامتی ہو۔ میں تمھارے سامنے اس خدا کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں [اور یہ کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں][۲] امّا بعد۔ اس خدا کا شکر ہے جس نے دانشوروں کے سرے، تمھاری چاکری ختم کی، تمھاری جمعیت پراگندہ کر دی، تمھارے اندر

---

[۱] یعنی خراج

[۲] قوسین کے درمیان کی عبارت صرف تیموری نسخہ میں ہے۔

اختلاف و افتراق پیدا کر دیا، تمھاری فوجی قوت کمزور کر دی اور تمھاری حکومت سلب کر لی۔ جب تمھیں میرا یہ خط ملے تو میرے پاس رہن[۱] روانہ کرو، میرے ماتحت میں آنے کا عہد کرو، اور جزیہ وصول کر کے میرے پاس لاؤ۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، میں ایک ایسی قوم کو لے کر تم پر حملہ آور ہوں گا جس کو موت اسی طرح محبوب ہے جس طرح تمھیں زندگی محبوب ہے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔"

۶۳۰

پھر خالد دریائے فرات کے زیریں حصہ میں واقع ایک گاؤں "بانقیا" کی طرف گئے۔ وہاں ان لوگوں کے ایک قلعہ میں کسریٰ کا ایک اسلحہ خانہ تھا۔ آپ نے ان لوگوں کو محاصرہ میں لے لیا اور قلعہ فتح ہو گیا۔ اس میں جو مرد تھے انھیں آپ نے قتل کر دیا، اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا۔ اس قلعہ میں جو ساز و سامان اور اسلحے تھے ان پر قبضہ کر کے آپ نے قلعہ میں آگ لگا دی اور اسے مسمار کر دیا۔ جب دیہات والوں نے یہ دیکھا تو جزیہ ادا کرنے کے عوض صلح کی درخواست کی۔ ان لوگوں کی طرف سے صلح کرنے کے لیے ہانی بن جابر طائی ذمہ دار بن کر آیا تھا اور آپ نے اسی ہزار درہم پر اس سے ان لوگوں کے نمائندہ کی حیثیت سے صلح کر لی۔

پھر آپ وہاں سے آگے روانہ ہوئے اور ساحلِ فرات پر واقع بانقیا میں جا کر پڑاؤ کیا وہاں والوں نے ساری رات، صبح ہونے تک آپ سے جنگ کی۔ آپ نے محاصرہ ڈال دیا۔ اور ان لوگوں سے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اللہ کی مدد سے اور اس کی قوت کے سہارے آپ نے اس قلعہ کو فتح کر لیا۔ اس قلعہ میں چند سردار تھے جنھیں کسریٰ نے یہاں ٹھہرا رکھا تھا۔ آپ نے ان سب
۱۸۴ کو قتل کر دیا، اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر قلعہ کو آگ لگا دی اور اسے مسمار کر دیا۔ جب باشندگان بانقیا نے یہ حال دیکھا تو انھوں نے آپ سے صلح کی درخواست کی جسے آپ نے منظور کر لیا۔ اس کے بعد آپ نے جریر بن عبد اللہ کو علاقۂ سواد کے ایک گاؤں کی طرف روانہ کیا۔

---

[۱] یعنی یرغمال

جب جریر نے دریا پار کر کے اس گاؤں تک پہنچنے کے ارادے سے فرات میں گھوڑے اتارے تو اس پار سے اس کے سردار صلوبا نے پکار کر کہا کہ تم ادھر نہ آؤ میں دریا پار کر کے تمہارے پاس آ رہا ہوں۔ چنانچہ وہ اس پار آیا اور آپ سے انہی شرائط پر صلح کر لی جن پر اہلِ بانقیا نے آپ سے صلح کی تھی اور آپ کو جزیہ ادا کیا۔

ماروسیما اور اس کے مضافات کی بستیوں نے آپ سے ان شرائط پر صلح کر لی جن پر باشندگان حیرہ نے آپ سے صلح کی تھی۔

اس کے بعد خالد کبث کی طرف واپس ہوئے اور کبث کی وادی قطع کرتے ہوئے اہلِ حیرہ کے کچھ راستہ دکھلانے والوں کی مدد سے عین التمر پہنچے اور وہاں قیام کیا۔ یہاں ایک قلعہ میں کسریٰ کا ایک فوجی رسالہ رہتا تھا۔ آپ نے اس کا محاصرہ کر لیا اور ان لوگوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ آپ نے مردوں کو قتل کر دیا، اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا۔ قلعہ میں جو ساز و سامان اسلحے اور جانور تھے ان کو قبضہ میں لے کر اسے آگ لگا کر تباہ کر دیا۔ عین التمر کے سردار کو جو عربی النسل تھا قتل کر کے اس کے اہل و عیال کو بھی آپ نے غلام بنا لیا۔ حیرہ اور دوسری بستیوں کے باشندوں کی طرح باشندگان عین التمر نے بھی آپ کو جزیہ ادا کیا اور آپ نے ان کے لیے بھی اسی مضمون کی ایک تحریر لکھ دی جو اہلِ حیرہ کے لیے طے پایا تھا۔ اس مضمون کی ایک تحریر آپ نے باشندگان الیس کے لیے بھی لکھی جو ان کے پاس موجود ہے۔

پھر آپ نے مسلمانوں کی ایک فوج کے ساتھ سعد بن عمرو الانصاری کو آگے روانہ کیا۔ یہ مندودیا پہنچے جہاں قبیلہ کندہ و ایاد سے تعلق رکھنے والے عیسائی رہتے تھے۔ انہوں نے بہت سخت محاصرہ ڈالا اور بالآخر ان لوگوں سے ادائیگی جزیہ کے عوض صلح ہو گئی۔ ان میں سے کچھ لوگ مسلمان بھی ہو گئے۔ سعد بن عمرو ابوبکر، عمر، اور عثمان، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، کے دورِ خلافت میں اپنی وفات تک یہیں مقیم رہے اور ان کی اولاد اب بھی وہاں رہتی ہے۔

خالد کا ارادہ تھا کہ حیرہ کو اپنا مستقل مستقر بنا لیں مگر ان کے پاس ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

کا خط آیا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، اور مسلمانوں کو کمک پہنچانے کی خاطر شام کی طرف روانہ ہو جائیں۔

۶۳۱-

ابو عبیدہ نے اللہ کے عطا کیے ہوئے اموال (دے لیے) کا خمس نکال کر غلاموں اور جزیہ کی ان رقوم کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا جو آپ نے وصول کی تھیں۔ باقی ۵/۴ حصہ آپ نے اپنے ساتھیوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔

۶۳۲-

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ ابو عبیدہ سے جا ملیں، کیوں کہ ابو عبیدہ نے خط لکھ کر

۱۲ھ ان سے مدد طلب کی تھی۔ چنانچہ خالد نے عین التمر اور حیرہ سے کچھ راستہ دکھلانے والے ساتھ لیے اور حیرہ سے کوچ کر گئے۔ میدانی علاقوں کو قطع کرنے کے بعد آپ کے راستہ میں بنو تغلب کا ملک آیا۔ وہاں بھی آپ نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا اور بہتوں کو غلام بنا لیا۔ پھر آپ بنی تغلب کے ملک سے آگے بڑھے اور وہاں سے بھی کچھ راستہ دکھلانے والے آپ کے ساتھ ہو لیے۔ جب آپ نقیب اور کواثل[1] پہنچے تو ایک ایسے لشکر جرار سے مقابلہ ہوا کہ بجز اہلِ یمامہ کے لشکر کے آپ نے اب تک اتنا بڑا لشکر نہ دیکھا تھا۔ بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی اور متعدد افراد کو خالد نے خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ پھر آپ نے مضافات کی بستیوں پر بھی حملے کیے، ان کے مال و املاک چھین لیے اور ان کو محاصرہ میں لے لیا۔ جب ان لوگوں کو محاصرہ شاق گزرنے لگا تو انھوں نے بھی انہی شرائط پر صلح کی درخواست کی جن پر باشندگان عانات نے صلح کی تھی۔ اس سے قبل خالد عانات کے علاقوں سے گزر چکے تھے۔ وہاں کے بڑے پادری نے آپ سے ملاقات کر کے صلح کی درخواست کی تھی اور آپ نے اسے منظور کرتے ہوئے اس کے ساتھ اس کے پیش کردہ شرائط پر صلح کر لی تھی۔ یہ طے پایا تھا کہ ان کے گرجا گھروں اور بیعوں کو منہدم نہ کیا جائے گا۔ اوقاتِ نماز کے علاوہ رات اور دن کے سارے اوقات میں ان کو ناقوس بجانے کی اجازت ہو گی، اور وہ اپنی عید کے دن صلیبیں لے کر نکل سکیں گے۔ آپ نے

---

[1] کواثل شام کے سرحدی علاقوں میں ایک مقام کا نام ہے اور نقیب تجرب اور عماوں کے درمیان حاجیوں کے راستہ پر پڑتا ہے۔

ان سے یہ شرائط بھی طے کر لیے کہ مسلمانوں کی تین دن ضیافت کیا کریں گے اور ان کی حفاظت کا پورا اہتمام کریں گے۔ آپ نے اپنے اور ان کے درمیان ایک صلح نامہ تحریر کر دیا تھا۔ ان کے یہاں سے بھی کئی راستہ دکھانے والے ساتھ ہو لیے اور وہاں کے بعد آپ نے لقیب اور کوائل کا رخ کیا تھا ان لوگوں نے بھی آپ سے انہی شرائط پر صلح کر لی جن پر عانات والوں نے کی تھی۔ آپ نے اپنے اور ان کے درمیان اسی مضمون کا ایک صلح نامہ تحریر کر دیا۔

یہاں کے بعد آپ قرقیسیا گئے[1] اور اس کے مضافات کی بستیوں پر حملہ کیا، مردوں کو قتل کر دیا عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا اور بہت سا مال و دولت لوٹا۔ کئی دن تک آپ قرقیسیا والوں کا محاصرہ کیے رہے۔ پھر ان لوگوں نے صلح کا پیغام بھیجا جسے آپ نے منظور کر لیا اور ان کے ساتھ بھی وہی شرائط طے کیے جو باشندگانِ عانات کے ساتھ طے کر چکے تھے۔ طے پایا کہ ان کے کسی گرجا گھر یا بیعہ کو مسمار نہیں کیا جائے گا، اوقاتِ نماز کے علاوہ ان کو ہر وقت ناقوس بجانے کی اجازت ہوگی، اور وہ لوگ اپنی عید کے دن صلیب لے کر باہر نکل سکیں گے۔ آپ نے ان کے یہ شرائط منظور کر لیے اور اپنے اور ان کے درمیان صلح نامہ تحریر کر دیا۔ آپ نے ان سے یہ طے کر لیا کہ مسلمانوں کی ضیافت کریں گے اور ان کی حفاظت کا اہتمام کریں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے آپ کو جزیہ ادا کیا اور مسلمانوں اور اہل ذمہ کے درمیان جو صلح ہوئی تھی اس کے بموجب ان کے گرجا گھر اور بیعے باقی رہنے دیے گئے، منہدم نہیں کیے گئے۔ ابوبکر نے خالد کی ہوئی اس صلح کو مسترد نہیں کیا، نہ آپ کے بعد عمر، عثمان یا علی رضی اللہ عنہم اجمعین نے اسے مسترد کیا۔

۶۳۳- اہل ذمہ کی موجودہ عبادت گاہوں کا حکم

میری رائے ہے ذمیوں کی جو عمارتیں ان صلحوں کے تحت آتی ہیں ان کو منہدم نہیں کرنا چاہیے ۱۴۶
ان کے سلسلہ میں اسی پالیسی پر عمل درآمد ہونا چاہیے جس پر ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عمل کیا ہے۔ ان حضرات نے کسی ایسی عمارت کو منہدم نہیں کرایا جو صلح کے تحت

[1] وادیٔ خابور پر رحبہ مالک بن طوق کے پاس ایک علاقہ کا نام ہے۔

آتی تھی۔ رہے وہ گرجا گھر اور بیعے جن کی تعمیر صلح کے بعد عمل میں آئی ہے تو ان کو منہدم کر دیا جائے۔ ماضی میں متعدد خلفاء نے ان بیعوں اور گرجا گھروں کو مسمار کرنے کا ارادہ کیا جو مرکزی شہروں اور دوسرے قصبات میں پائے جاتے ہیں لیکن ان شہروں کے باشندوں نے وہ دستاویزیں نکال کر پیش کیں جو ان کے اور مسلمانوں کے مابین صلح کی شرائط پر مشتمل ہیں۔ تابعین اور فقہاء نے بھی اس ارادہ کی مذمت اور مخالفت کی چنانچہ یہ خلفاء ایسا کرنے سے باز رہے۔

واضح رہے کہ جو صلحیں عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نافذ کی ہیں وہ انہی شرائط کے ساتھ قیامت تک نافذ رہیں گی اور اس میں آپ اپنی رائے کو دخل نہیں دے سکتے ہیں۔ نے آپ پر یہ واضح کر دیا ہے کہ ان لوگوں کے گرجا گھر اور بیعے کیوں باقی رہنے دیے گئے۔

۶۳۴-

حیرہ سے روانگی اور دمشق پہنچنے کے درمیان خالد نے ایک ہزار افراد کو غلام بنایا تھا۔ ہم سے روایت کرنے والے ایک راوی کا کہنا ہے کہ حیرہ سے روانگی اور دمشق پہنچنے کے درمیان خالد نے پانچ ہزار افراد کو غلام بنایا تھا۔ حیرہ سے آپ نے عمیر بن سعد کے ذریعہ جو کچھ بھیجا تھا وہ غلام اور جزیہ کی وہ رقوم تھیں جو اللہ نے آپ کو (بطور فے) عطا کیا تھا۔ بحرین کے مال کو مستثنیٰ کرتے ہوئے خالد کے ارسال کردہ غلام اور جزیہ وہ پہلے اموال تھے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔

۶۳۵- خالد بن ولید کی معزولی

پھر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد کو شام سے معزول کر کے ابوعبیدہ بن الجراح کو وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ خالد کھڑے ہوئے اور انھوں نے عوام کو خطاب کیا۔ پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر کہا:

"امیر المومنین[1] نے مجھے شام کا گورنر بنایا، پھر جب شام کے معاملات انتہائی سہل

[1] بولاق میں مطبوعہ نسخہ پر یہ حاشیہ ہے: "بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد سیدنا عمرؓ ہیں لیکن یہاں اس سے ابوبکر مراد ہیں، لہٰذا صحیح عبارت یہ ہوگی کہ امیر المومنین ابوبکر نے مجھے شام کا گورنر بنایا، پھر جب شام کے معاملات ایسے ہوگئے تو امیر المومنین عمر نے مجھے اس منصب سے معزول کر دیا۔"

ہو گئے اور اس کے محاصل بلا کسی زحمت کے وصول ہونے لگے تو مجھے معزول کر دیا اور دوسرے کو اس سلسلہ میں مجھ پر ترجیح دے دی۔"

(یہ بات سن کر) ایک آدمی نے اٹھ کر یہ کہا کہ جناب امیر صبر کیجیے اب فتنہ کا (وجود) ہو گیا ہے خالد نے جواب دیا کہ: جب تک ابن خطاب زندہ ہیں فتنہ کا وجود نہیں آسکتا۔

۱۸۷ راوی کہتا ہے کہ جب خالد کا یہ قول عمر کو سنایا گیا تو آپ نے فرمایا:

"میں خالد کو ضرور معزول کروں گا تاکہ (سب پر) یہ واضح ہو جائے کہ اپنے دین کی مدد اللہ خود کرتا ہے نہ کہ خالد۔"

۶۳۶۔

راوی کہتا ہے کہ شام والوں نے ابو عبیدہ اور ان کے ساتھیوں کا محاصرہ کر لیا تھا جس کے نتیجہ میں ان حضرات کو خاصی تکلیف اٹھانی پڑی۔ عمر نے اس سلسلہ میں انھیں لکھا:

"سلام! اما بعد۔ اللہ ہر مشکل کے بعد آسانی کی راہ نکالتا ہے اور کوئی تنگی دوہری آسانی پر غالب نہیں آسکتی۔ یا ایہا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔ (اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو صبر کرو، مقابلہ میں مضبوط رہو، کمربستہ رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ)"

ابو عبیدہ نے جواب میں ان کو یہ لکھا:

"سلام علیک! اما بعد۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

انما الحیاۃ الدنیا لعب ولہو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یہیج فتراہ مصفرا ثم یکون حطاما۔ وفی الآخرۃ عذاب شدید ومغفرۃ من اللہ ورضوان، وما الحیاۃ الدنیا الا متاع الغرور۔ سابقوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضہا کعرض السماء والارض

اعدت للذین آمنوا باللہ ورسلہ۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ واللہ ذو الفضل العظیم۔ [الحدید: ۲۰-۲۱]

"دنیا کی زندگی نام ہے صرف کھیل تماشا اور بناؤ سنگار کا، اور ایک دوسرے پر بڑائی جتانے اور مال و دولت کی فراوانی اور اولاد کی کثرت چاہنے کا۔ اس کا حال ایسا ہے جیسے کہ بارش ہو جس سے پیدا ہونے والا سبزہ کسانوں کو بہت پسند آئے، پھر وہ سبزہ لہلہا اٹھے، پھر تمھیں نظر آئے کہ وہ پک کر زرد ہو گیا ہے، پھر وہ روندی ہوئی گھاس کی طرح ہو جائے۔ اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور اللہ کی طرف سے معافی اور دنیا کی پونجی بس (ناقابل اعتبار) دغا کی پونجی ہے۔ دوڑو اپنے رب کی معافی کی طرف اور جنت کی طرف جس کا پھیلاؤ آسمان و زمین کے پھیلاؤ کی طرح ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے تیار رکھی ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ اسے جس کو چاہے دے۔ اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔"

راوی کہتا ہے کہ عمر بن الخطاب ابو عبیدہ کا خط لے کر آئے اور عوام کے سامنے اسے پڑھ کر سنایا۔ آپ نے فرمایا: "اے اہل مدینہ! یہ ابو عبیدہ کا خط ہے[1] جو تمھیں جہاد پر ابھار رہے ہیں اور تم سے اپیل کر رہے ہیں۔" راوی کہتا ہے کہ تھوڑی ہی دیر میں عمر کو یہ بشارت ملی کہ اللہ نے ابو عبیدہ کو فتح عطا کی اور مشرکین کو شکست دی اور آپ نے مشرکین کو قتل کیا۔ حضرت عمر پکار اٹھے [illegible] کہنے والے کہتے ہی رہ گئے کہ کاش خالد (اس موقع پر کمانڈر) ہوتے [حالانکہ مدد صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے[2]]

۶۳۷۔ نئی عبادت گاہوں کی تعمیر کا حق

سلیمان نے ہم سے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم سے حنش نے بروایت عکرمہ

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے: "یہ ابو عبیدہ ہیں۔"

[2] قوسین کے درمیان کی عبارت تیموری نسخہ میں ہے مگر مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے۔

بروایت ابنِ عباس یہ حدیث بیان کی ہے کہ ان سے دریافت کیا کہ کیا اہلِ عجم کو مسلمانوں کے مرکزی شہروں میں کسی نئے گرجا گھر یا بیعہ کی تعمیر کا حق حاصل ہے؟ آپ نے فرمایا: "جو بڑے شہر اہلِ عرب
۱۶۸ نے خود بسائے ہیں اس میں ان کو کسی گرجا یا بیعہ کی تعمیر عمل میں لانے، ناقوس بجانے، علانیہ شراب پینے، یا سور رکھنے کا حق نہیں۔ البتہ جو شہر عجمیوں نے آباد کیے تھے اور بعد میں اہلِ عرب نے انھیں فتح کر لیا اور عجمیوں نے انھیں حاکم مان کر ہتھیار ڈال دیئے ان میں انھیں وہ حقوق حاصل ہیں جو ان کے صلح نامہ میں درج ہیں اور اہلِ عرب کی یہ ذمہ داری ہے کہ صلح نامہ میں مذکورہ شرائط کی پوری پابندی کریں۔"

چودھواں باب

شرعی حدود اور تعزیرات

فصل ۱

قیدیوں کے ساتھ سلوک

۶۳۸۔ امیر المومنین کے سوالات

امیرالمومنین! اب میں آپ کے ان سوالات کا جواب دوں گا جو آپ نے شر پسندوں فاسقوں اور چوروں کے بارے میں کیے ہیں یعنی یہ کہ: اگر یہ کسی جرم میں ماخوذ ہوں اور قید کیے جائیں تو کیا انھیں قید کی حالت میں روزینہ صدقہ کی مد سے دیا جائے گا یا دوسری مدات سے؟ اور یہ کہ ایسے لوگوں کے بارے میں ہماری پالیسی کیا ہونی چاہیے؟

۶۳۹۔ محتاج قیدیوں کا حکم

جو افراد اس حال میں ہوں ان کے پاس کھانے کے لیے اور اپنی زندگی کی دوسری ناگزیر ضروریات کی تکمیل کے لیے نہ کچھ مال ہو نہ کوئی اور ذریعہ میسّر ہو ان کے لیے صدقہ یا بیت المال کی دوسری مدات سے کچھ انتظام کرنا بہرحال ضروری ہے۔ آپ یہ انتظام صدقہ کی مد سے کریں یا بیت المال کی دوسری مدات سے، دونوں کی گنجائش ہے۔ میرے نزدیک زیادہ بہتر یہ ہے کہ آپ ہر ایسے فرد کے لیے بیت المال سے بقدرِ ضرورت روزینہ مقرر کر دیں۔ اس کے علاوہ کوئی سلوک نہ جائز ہو گا نہ اس کی گنجائش ہے۔

(غور فرمایئے) جو مشرک ہمارے یہاں قید میں ہوں ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے وقت تک ناگزیر ہوتا ہے کہ ان کو خوراک بہم پہنچائی جائے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ پھر

اگر کوئی مسلمان کوئی غلطی یا گناہ کر بیٹھے تو اس کے ساتھ کوئی دوسرا سلوک کیسے مناسب ہو سکتا ہے؟ کیا اسے بھوکوں مرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے، حالانکہ اسے اس حال میں مبتلا کرنے کی ذمہ داری یا تو زمانی پر ہے یا تقدیر پر۔ امیر المومنین! سارے خلفاء، قیدیوں کے لیے اتنا روزینہ جاری
۱۷۹ کرتے رہے ہیں جس سے روٹی، سالن اور جاڑے گرمی کی پوشاک فراہم کرنے کے کام چل سکیں۔ اس طرح کا انتظام سب سے پہلے علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے عراق میں کیا تھا پھر معاویہ نے شام میں ایسا ہی کیا۔ پھر ان کے بعد سارے خلفاء، ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔

۶۴۰۔

مجھ سے اسماعیل بن ابراہیم بن المہاجر نے بروایت عبدالملک بن عمیر یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: علی ابن طالب کا طریقہ یہ تھا کسی قبیلہ یا آبادی میں اگر کوئی بدمعاش آدمی ہوتا تو اسے قید کر دیتے۔ اگر وہ آدمی صاحب مال ہوتا تو اس پر اسی کے مال میں سے صرف کیا جاتا بصورت دیگر آپ اس کے اخراجات کا بار مسلمانوں کے بیت المال پر ڈال دیتے۔ انھوں نے کہا ہے: "ان لوگوں کو اس آدمی کے شر سے محفوظ رکھا جائے گا اور اس کے مصارف ان کے بیت المال سے ادا کیے جائیں گے۔"

۶۴۱

ہمارے ایک استاذ نے بروایت جعفر بن برقان ہم سے یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ہمیں لکھا کہ:

"تمھارے قید خانوں میں جو مسلمان قیدی ہوں انھیں اس طرح باندھ کر نہ رکھو کہ وہ کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکیں۔ قتل کے مجرموں کے علاوہ کسی قیدی کو رات بھر بیڑیوں میں نہ رکھا جائے۔ صدقہ کی مد سے ان کے لیے اتنا روزینہ مقرر کر دو کہ روٹی سالن کے لیے کافی ہو۔ والسلام

۶۴۲۔ قیدیوں کا روزینہ

آپ ان کے روٹی اور سالن پر آنے والے مصارف کا تخمینہ طلب کیجیے اور اس حساب سے

ان کو ہر ماہ ایک مقررہ نقد رقم دینے کا حکم جاری کر دیجیے۔ اگر آپ ان کے لیے روٹیاں بھجوانے کا اہتمام کریں گے تو قید خانہ کے نگراں ملازم اور سپاہی اسے اڑا لیں گے۔

کسی معقول اور نیک آدمی کے ذمہ یہ کام کیجیے کہ وہ قید خانہ کے ان قیدیوں کی فہرست مرتب کرے جن کو صدقہ جاری کرنا ہوگا۔ یہ فہرست اس آدمی کے پاس رہے گی اور وہ ماہ بماہ ان لوگوں کی رقمیں ان تک پہنچا دے گا۔ وہ فہرست لے کر بیٹھے گا اور ایک ایک آدمی کا نام پکارے گا۔ اور اس کی رقم اس کے حوالے کرتا جائے گا۔ ان میں سے جو لوگ رہا کیے جا چکے ہوں ان کی رقم واپس آ جائے گی۔

میری رائے میں فی کس دس درہم ماہانہ کا وظیفہ کافی ہوگا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر قیدی روزینہ کا محتاج نہیں ہوتا۔ پوشاک کے لیے ان لوگوں کو جاڑے میں ایک قمیص اور ایک لبادہ اور گرمی میں ایک قمیص اور ایک تہہ بند دیا جائے۔ عورتوں کا وظیفہ بھی اتنا ہی رکھا جائے البتہ ان کی پوشاک جاڑے میں ایک قمیص، ایک اوڑھنی اور ایک لبادہ، اور گرمی میں ایک قمیص، ایک تہہ بند اور ایک اوڑھنی ہوگی۔

۶۴۳۔ قیدیوں کو گداگری سے بے نیاز کر دیا جائے

آپ ان قیدیوں کو اس سے بالکل بے نیاز کر دیجیے کہ وہ زنجیروں میں بندھے بندھے باہر نکلیں تاکہ لوگ انھیں خیرات دیں۔ یہ بڑی معیوب بات ہے کہ قضاء الٰہی کے سبب جن مسلمانوں سے غلطی یا گناہ سرزد ہو جائے اور وہ قید میں ڈال دیے جائیں وہ پابہ زنجیر خیرات مانگنے کے لیے
۱۸۰ نکلیں۔ میرا خیال ہے کہ ایسا سلوک تو مشرکین ان مسلمان قیدیوں کے ساتھ بھی نہ کرتے ہوں گے جو ان کے یہاں ہیں، پھر ہمارے لیے اہل اسلام کے ساتھ ایسا کرنا کس طرح مناسب ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ لوگ بھوک سے پریشان ہو کر ہی پابہ زنجیر بھیک مانگنے کے لیے نکلتے ہیں کبھی انھیں کھانے کے لیے کچھ مل جاتا ہے کبھی نہیں ملتا۔ ابن آدم گناہوں سے پاک نہیں۔ لہٰذا آپ کو ان کے مسئلہ میں خصوصی توجہ کرنی چاہیے اور میں نے آپ کے سامنے جو تجاویز رکھی ہیں ان کے مطابق

ان کے لیے روزینہ جاری کرنے کے احکام صادر کر دینے چاہئیں۔

۶۴۴۔ قیدیوں کی میت کی تجہیز و تکفین

اگر کوئی قیدی مرجائے اور اس کا کوئی سرپرست نہ ہو تو اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام بیت المال سے کیا جائے اور اس کی نماز جنازہ ادا کر کے اسے دفن کر دیا جائے۔ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ کبھی کبھی کوئی پردیسی قیدی مرجاتا ہے تو اس کی لاش ایک دو دن قید خانہ میں پڑی رہتی ہے۔ اس بات کا انتظار رہتا ہے کہ مہتمم قید خانہ سے اس کے دفن کرنے کی اجازت حاصل کر لی جائے اور قید خانہ کے لوگ اپنے پاس سے خیرات جمع کر کے اس کا انتظام کریں کہ کچھ مزدور میت کو قبرستان لے جا کر غسل، کفن اور نماز جنازہ کے بغیر اُسے دفن کر آئیں۔ اسلام اور اہل اسلام کے اندر ایسا ہوتا ہے!

فصل ۲

شرعی سزاؤں کا نفاذ

۶۴۵۔ قیدیوں کی کثرت کا سبب

اگر آپ یہ فرمان جاری کر دیں کہ حدودِ شرعیہ پوری طرح نافذ کی جائیں تو قیدیوں کی تعداد کم ہو جائے گی اور بدمعاش اور شرارت پسند عناصر ان سزاؤں کے ڈر سے جرائم سے باز رہیں گے۔

قیدیوں کی تعداد میں اضافہ کا بڑا سبب یہ ہے کہ ان کے معاملہ پر پوری طرح غور نہیں کیا جاتا، صرف قید کر لیا جاتا ہے، پھر اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔ آپ اپنے والیوں کو حکم دیجیے کہ قیدیوں کے معاملات برابر زیرِ غور لاتے رہیں جس کے لیے معمولی تادیب کافی ہو اس کے خلاف تادیبی کارروائی کر کے اسے رہا کر دیا جائے اور جس کے خلاف کوئی مقدمہ نہ ہو اسے بھی چھوڑ دیا جائے۔

۶۴۶۔ تعزیرات میں اعتدال

آپ انھیں ہدایت کر دیجیے کہ تادیبی سزاؤں میں زیادہ سختی سے کام نہ لیں اور اس سلسلہ میں جائز اور معقول حدود سے تجاوز نہ کریں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ فوجداری جرائم میں اور صرف تہمت کی بنا پر بھی یہ لوگ دو سو، تین سو، یا اس سے کچھ زیادہ کوڑے مارتے ہیں۔ ایسا کرنا نہ تو جائز ہے نہ اس کی کسی طرح گنجائش نکل سکتی ہے۔ مسلمان کی ذات محفوظ و محترم ہے الّا یہ کہ کسی فحش کام، تہمت، نشہ بازی، یا کسی ایسے قابلِ تعزیر جرم کی بنا پر سزا دی جائے جس کی حد شرعی طور پر مقرر ہو۔ ان میں سے کسی جرم پر بھی اتنے کوڑے نہیں مارے جا سکتے جتنے میری اطلاع کے مطابق آپ کے والی مارتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیوں کو مارنے سے منع کیا ہے۔

۶۴۷۔

ہمارے ایک استاد نے بروایتِ ہودہ بن عطار بروایت انس ہم سے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیوں کو مارنے سے منع کیا ہے۔"

ہمارے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ان میں سے کسی پر کوئی حد نہ واجب
181 ہو جس کی رو سے انھیں مارنا ضروری ہو آپ نے انھیں مارنے سے منع فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۴۸۔

میری اطلاعات کے مطابق آپ کے والیوں کا موجودہ طرزِ عمل شریعت کے احکام اور حدود سے بالکل بے نیاز ہے۔ جرم چھوٹا ہو یا بڑا، کسی مجرم کو بھی اتنی زیادہ سزا نہیں دی جا سکتی جس مجرم نے کوئی ایسا جرم کیا ہو جس کے باعث اس پر کوئی حد نافذ کی جا سکتی ہو، یا تعزیر کی جا سکتی ہو، یا اس سے قصاص لیا جا سکتا ہو، اس کو متعلقہ سزا دینی چاہیے۔ اس طرح جس نے کسی کو ایسا زخم لگایا ہو جس پر قصاص واجب ہو جاتا ہے اور اس کے جرم پر گواہ فراہم ہو جائیں۔ اس کے زخم کا اندازہ لگا کر اسی کے مطابق مجرم سے قصاص لیا جانا چاہیے۔ الّا یہ کہ مجروح اسے معاف کر دے۔ اگر زخم

ایسا ہو جس کا قصاص نہ لیا جا سکتا ہو تو مجرم پر تاوان عاید کیا جائے۔ اُسے سزا دی جائے اور اس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک وہ توبہ نہ کرے اُسی طرح جس نے ایسی چوری کی ہو جس پر ہاتھ کاٹنا واجب ہو جاتا ہے اس کا ہاتھ کاٹ دینا چاہیے حقیقت یہ ہے کہ حدود شرعی کے نفاذ کا اُخروی اجر بہت بڑا ہے اور دنیا والوں کے لیے بھی بہت مفید ہے۔

۶۴۹۔ شرعی حدود کے نفاذ کی برکت

مجھ سے حسن بن عمارہ نے بروایت جریر بن یزید حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں نے ابو زرعہ بن عمرو بن جریر کو یہ حدیث بیان کرتے سنا ہے کہ انھوں نے ابوہریرہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"دنیا میں کسی شرعی حد کا نفاذ دنیا والوں کے لیے تیس دن بارش ہونے سے زیادہ مفید ہے۔"

۶۵۰۔ حدود میں سفارش

امام کے لیے جائز نہیں کہ حدِ شرعی کے نفاذ میں کسی کے ساتھ مروّت برتے یا اُسے کسی سفارش کی بنا پر ٹال دے۔ اس سلسلہ میں اُسے کسی ملامت کی پروا نہیں کرنی چاہیے، البتہ اگر خود اس بات میں شبہ ہو کہ مجرم حد کا سزاوار ہے یا نہیں تو حد نہیں نافذ کرنی چاہیے کیوں کہ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور تابعین سے متعدد آثار منقول ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ "جہاں تک تم سے ہو سکے شبہ کی بنا پر حدود کو ٹال دو کیوں کہ غلطی سے کسی کو معاف کر دینا اس سے بہتر ہے کہ غلطی سے کسی کو سزا دے دی جائے۔"

۶۵۱۔

جس طرح کسی پر حد واجب ہو جائے تو اُسے بغیر کسی شبہ کے ساقط کر دینا جائز نہیں اسی طرح کسی ایسے آدمی پر حد جاری کرنا بھی جائز نہیں جس پر حد نہ واجب ہوتی ہو۔ جب کسی پر حد واجب ہو جائے اور ضروری ثبوت فراہم ہو جائے، تو کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ امام سے اس مجرم کے حق میں سفارش کرے۔ البتہ معاملہ کے امام کے سامنے پیش کیے جانے سے قبل اکثر فقہاء کے نزدیک

سفارش کی گنجائش ہے۔ لیکن معاملہ کے امام کے سامنے پیش کر دیئے جانے کے بعد حد شرعی کے سلسلہ میں سفارش ہمارے علم کی حد تک ہر فقیہ کے نزدیک قابلِ اجتناب ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۵۲۔

ہم سے ہشام بن عروہ نے بروایت فرافصۃ الحنفی یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ "لوگ ایک چور کو لیے جا رہے تھے، راستہ میں زبیر مل گئے، انہوں مجرم کے حق میں سفارش کی۔ لوگوں نے آپ سے کہا: کیا آپ حد شرعی کے سلسلہ میں سفارش کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں جب تک کہ مجرم کو امام کے سامنے نہ پیش کر دیا جائے، البتہ جب اسے امام کے سامنے پیش کر دیا جائے تو ۱۰۲
اس کے بعد اگر وہ اُسے معاف کرتا ہے تو اللہ اسے (امام کو) نہ معاف کرے۔

۶۵۳۔

ہم سے ہشام بن سعید نے بروایت ابو حازم حدیث بیان کی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ایک چور کے حق میں سفارش کی تو آپ سے کہا گیا: کیا آپ ایک چور کے معاملہ میں سفارش کرتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: ہاں۔ اس وقت تک جب تک کہ اُسے امام کے سامنے نہ پیش کر دیا جائے۔ جب اُسے امام کے سامنے پیش کر دیا جائے تو اگر امام اسے معاف کر دے تو اللہ امام کو نہ معاف کرے!

۶۵۴۔

ہم سے اعمش نے بروایت ابراہیم یہ بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا ہے، لوگ کہا کرتے تھے کہ، "جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ کے بندوں پر سے حدود کو ٹال دو۔"

۶۵۵۔

میں نے اپنے فقہاء میں سے متعدد حضرات کو حد کے سلسلہ میں سفارش سے کلیۃً اجتناب کرتے دیکھا ہے۔ یہ حضرات اسے ہر حال میں ناجائز قرار دیتے تھے۔ یہ اس باب میں ابن عمر کے اس قول سے استدلال کرتے تھے کہ "جس آدمی کی سفارش اللہ کی کسی حد کے قیام میں رکاوٹ بنی اس نے مخلوق کے سلسلہ میں اللہ کی مخالفت کی۔

۶۵۶-

مجھ سے محمد بن اسحاق نے محمد بن طلحہ سے' انہوں نے اپنے باپ سے' انہوں نے عائشہ بنت مسعود سے' اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ: "قریش کی ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے ایک شال چرالی۔ لوگوں میں سرگوشی ہونے لگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ان کو یہ بات بہت گراں گزری' چنانچہ ہم لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ عرض کیا کہ ہم چالیس اوقیہ (چاندی) فدیہ میں دے کر اس عورت کو چھڑانا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، "اس کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ (سزا پاکر) پاک ہو جائے"۔ جب ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز کلام میں یہ نرمی دیکھی تو ہم نے اسامہ سے ملاقات کی اور ان سے یہ کہا کہ تم اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرو۔ چنانچہ انہوں نے گفتگو کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو مخاطب کر کے یہ تقریر کی:

"یہ کیا ہو رہا ہے کہ تم لوگ حدود اللہ میں سے ایک حد کے بارے میں جو اللہ کی بندیوں میں سے ایک بندی پر واجب ہوئی ہے' میرے سر ہو گئے ہو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر محمد کی بیٹی فاطمہ سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہوتی جو اس عورت نے کی ہے تو محمد اس کا ہاتھ بھی یقیناً کاٹ دیتا۔

راوی کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ "اے اسامہ کسی حد کے معاملہ میں سفارش نہ کیا کرو۔"

۶۵۷۔ شبہ کی بنا پر حد ساقط کرنا

ہم سے منصور نے بروایت ابراہیم یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ: عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: "شبہات کی بنا پر حدود کو معطل کر دینا میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں شبہات کے باوجود انھیں قائم کر دوں۔"

۶۵۸-

مجھ سے یزید بن ابو زیاد نے بروایت زہری بروایت عروہ' بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا
۱۸۳ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: "جہاں تک تم سے ہو سکے [شبہات کی بنا پر] مسلمانوں کے سر سے حدود کو ٹالنے کی کوشش کرو۔ جب بھی کسی مسلمان کی رہائی کی کوئی گنجائش نظر آئے اُسے رہا کر دو' کیوں کہ غلطی سے کسی کو معاف کر دینا امام کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ غلطی سے کسی کو سزا دے دے۔

۶۵۹۔ سزائے موت دینے میں خصوصی احتیاط

حسن بن عبد الملک بن میسرہ نے نزال بن سبرہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ایک بار ہم عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ منیٰ میں تھے کہ اسی دوران ایک بھاری جسم والی عورت ایک گدھے پر بیٹھی روتی ہوئی آئی۔ اس کے گرد لوگوں کے ازدحام کا یہ عالم تھا کہ قریب تھا کہ وہ بھیڑ میں کچل کر مر جائے۔ لوگ اس سے یہ کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا ہے' تو نے زنا کیا ہے۔ جب وہ عمر رضی اللہ عنہ کے قریب پہنچی تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ عورت کبھی (زنا پر) مجبور بھی کر دی جاتی ہے؟ اس نے جواب دیا: "مجھے بہت گہری نیند آتی ہے' اور اللہ نے مجھے رات کی نماز ادا کرنے کی بھی توفیق دی ہے۔

ایک رات ایسا ہوا کہ میں نماز ادا کر کے سو گئی' پھر خدا کی قسم اس وقت آنکھ کھلی جب ایک آدمی مجھ پر سوار ہو چکا تھا۔ پھر میں نے اُسے آگے کو جھکا ہوا بیٹھا دیکھا لیکن میں نہیں جانتی کہ وہ کون آدمی تھا۔ یہ سُن کر عمر نے کہا کہ "اگر یہ عورت (زنا کی سزا میں) قتل کر دی جاتی تو مجھے اس بات کا اندیشہ لاحق ہو جاتا کہ جہنم کی آگ ان دونوں پہاڑوں[2] پر نہ اتر آئے"۔ پھر آپ نے تمام مرکزی شہروں کے امراء کو یہ لکھ بھیجا کہ جا کر آپ کے سامنے پیش کیے بغیر کسی فرد کو قتل کی سزا نہ دی جائے۔

۶۶۰۔ سزا نافذ کرنا سلطان کا کام ہے۔

ہم سے منیرہ نے بروایت عطاء یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ ہم سے محمد بن عمر نے

---

[1] یہ اضافہ تیموری نسخہ میں ہے
[2] مکہ کے دو پہاڑ – ابو قبیس اور احمر مراد ہیں۔

بروایت عمر بن عبدالعزیز یہ بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: "جو کوئی بھی دین کے خلاف جنگ کرے گا۔ اس سے سلطان خود عہدہ برا ہوگا خواہ اس نے کسی شخص کے بھائی یا باپ کو کیوں نہ قتل کیا ہو: (وہ شخص خود مجرم کو سزا دینے کا مجاز نہیں)

فصل ۳

قصاص، دیت اور تاوان

۶۶۱۔ قصاص: قتل عمد

اگر قتل عمد کا کوئی ایسا مجرم امام کے سامنے پیش کیا جائے جس کے سر کسی مرد یا عورت کو قتل کرنے کا الزام ہو، یہ قتل کھلے عام کیا گیا ہو، اور اس پر گواہ موجود ہوں، تو بھی امام گواہوں کی جانچ کرے گا۔ اگر گواہ ٹھیک ثابت ہوں، یا ان میں سے ایک آدمی بھی ٹھیک ثابت ہو، تو ملزم کو مقتول کے ولی کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اسے اختیار ہوگا کہ چاہے تو اسے قتل کر دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ گواہی کی نوبت آئے بغیر اگر قاتل بغیر کسی دباؤ کے خود قتل کا اعتراف کرے تو بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے گا۔

۶۶۲۔ قصاص: جنایات

اگر کسی ایسے ملزم کا معاملہ پیش ہو جس نے کسی آدمی کے ہاتھ کو عمداً کسی دھار دار ہتھیار کے ذریعہ کلائی کے پاس سے کاٹ دیا ہو، یا اس کے دائیں یا بائیں ہاتھ کی کوئی انگلی کاٹ لی ہو، یا اس کے پاؤں کو ٹخنے کے پاس سے کاٹ لیا ہو، یا پاؤں کی کوئی انگلی کاٹ دی ہو، یا کسی انگلی کی ایک پور یا دو پوریں کاٹ لی ہوں، تو ان تمام شکلوں میں قصاص کا حق دیا جائے گا۔ ۱۰۴

اگر مجرم نے پورا کان یا کان کا کوئی حصہ کاٹ لیا ہو تو اس میں قصاص ہوگا [اس طرح اگر ناک کاٹ لی ہو تو اس میں بھی قصاص ہوگا[1]] یہی حال دانتوں کا ہے۔ پورے دانت یا ان کے

[1] یہ اضافہ تیموری نسخہ کا ہے، مطبوعہ نسخہ میں یہ ٹکڑا موجود نہیں ہے۔

کچھ حصے توڑے یا اکھیڑ دیے گئے ہوں تو قصاص دلوایا جائے گا۔ دانت توڑنے کی شکل میں اگر پورا دانت صاف طور پر توڑ کر الگ کر دیا گیا ہو تو قصاص کا حکم دیا جائے گا۔ لیکن اگر پوری طرح نہ توڑا گیا ہو اور دانت کا کچھ حصہ قائم ہو تو تاوان عائد ہوگا۔

ہاتھ کو اگر ہاتھ سمیت کہنی کے جوڑ سے کاٹ لیا گیا ہو، یا پاؤں کو پنڈلی سمیت گھٹنے سے کاٹ دیا گیا ہو تو قصاص ہوگا۔

اس طرح اگر آنکھ پر عمداً ضرب لگائی گئی ہو جس کے نتیجہ میں آنکھ جاتی رہی ہو، تو قصاص دلوایا جائے گا۔

بدن کے کسی اور حصہ میں لگائے جانے والے زخموں میں اگر قصاص لینا ممکن ہو تو قصاص کا حکم لگایا جائے گا، اور اگر اس کا امکان نہ ہو تو تاوان دلوایا جائے گا۔ اگر کسی ہڈی، مثلاً پنڈلی، بازو یا ران کی ہڈی پر ایسی ضرب لگائی گئی ہو کہ ہڈی چور ہو گئی ہو، یا پسلی کی کوئی ہڈی توڑ دی گئی ہو تو ان شکلوں میں قصاص نہیں بلکہ تاوان کا حکم دیا جائے گا۔ کیوں کہ ان زخموں کی ٹھیک ٹھیک حد نہیں مقرر کی جا سکتی کہ برابر کا بدلہ لینا ممکن ہو۔ قصاص کا حکم صرف (کسی عضو کو) جوڑ سے کاٹ دینے کی شکل میں لگایا جاتا ہے۔

موضحہ[1] کے علاوہ سر پر لگائے جانے والے کسی اور زخم کے لیے قصاص نہیں رکھا گیا ہے۔ مجرم نے اگر عمداً اتنا کاری زخم لگایا ہو کہ ہڈی کی سپیدی نظر آنے لگے تو اس سے قصاص لیا جا سکتا ہے۔ اس سے ہلکے یا زیادہ گہرے زخم خواہ عمداً ہی کیوں نہ لگائے گئے ہوں قابل قصاص نہیں۔ ان پر تاوان عائد کیا جائے گا۔

۶۶۳۔ دیت اور تاوان

دانستہ زخمی کیا جانے والا شخص اگر اس زخم کے اثر سے فوراً، یا ایک مدت تک مسلسل صاحب فراش رہنے کے بعد مر جائے تو زخم لگانے والے سے اس کا قصاص لیا جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اگر یہ بات نادانستہ طور پر پیش آ جائے تو اس کے خطأً قتل کیے جانے کے ثبوت

[1] موضحہ وہ زخم ہے جو ہڈی کی سپیدی ظاہر کر دے۔

گواہیاں طلب کی جائیں گی اور گواہوں کی جانچ کی جائے گی۔ اگر یہ گواہ ٹھیک ثابت ہوئے تو (قتلِ خطاء کی) دیت مجرم کے عاقلہ[1] کے ذمہ ہوگی جسے ان لوگوں کو تین سالوں میں ایک تہائی دیت سالانہ ادا کرنا ہوگا۔ قتلِ عمد، اعتراف بالقتل اور صلح کی شکل میں دیت عاقلہ کے ذمہ نہیں ہوگی۔

۶۶۴۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے فقہائے صحابہ سے مروی آثار کی رو سے دیت کی مقدار سو اونٹ، یا ہزار دینار، یا دس ہزار درہم، یا دو ہزار بکریاں یا دو سو جوڑے (کپڑے) یا دو سو گائیں ہے۔ ۱۸۵

۶۶۵۔

محمد بن اسحاق نے بروایت عطار مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر دیت انہی اموال کی شکل میں عائد کی ہے جو ان کے پاس ہوتے ہیں۔ اونٹ والوں پر ۱۰۰ اونٹ، بکری والوں پر ۲۰۰۰ بکریاں، گائے والوں پر ۲۰۰ گائیں اور کپڑے والوں پر ۲۰۰ جوڑے۔

۶۶۶۔

ابن ابی لیلیٰ نے بروایت شعبی، بروایت عبیدۃ السلمانی، ہم سے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سونا رکھنے والوں کے لیے دیت کی مقدار ہزار دینار، چاندی والوں کے لیے دس ہزار درہم، اونٹ والوں کے لیے سو اونٹ، گائے والوں کے لیے دو سو گائیں، بکری والوں کے دو ہزار بکریاں اور کپڑے والوں کے لیے دو سو جوڑے مقرر کی ہے۔

۶۶۷۔

اشعث نے بروایت حسن ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما نے دیت کی نقد قیمت مقرر کر دی تھی اور ادا کنندہ کو اس کا مجاز قرار دے دیا تھا کہ چاہے اونٹ دے چاہے مقررہ نقد قیمت ادا کر دے۔

---

[1] عاقلہ سے مراد پدری رشتہ کے وہ اعزا ہیں جو نادانستہ قتل ہو جانے کی دیت ادا کرتے ہیں۔

۶۶۸۔

میں عراق میں اپنے جن علماء سے ربط پیدا کر سکا ہوں ان کی بھی یہی رائے ہے۔ البتہ مدینہ کے لوگ چاندی میں دیت کی مقدار بارہ ہزار (درہم) قرار دیتے ہیں۔

۶۶۹۔ قتلِ خطاء

اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اس بارے میں اختلاف رہا ہے کہ قتلِ خطاء کی دیت میں دیئے جانے والے اونٹوں کی عمریں کیا ہونی چاہئیں۔ عبد اللہ ابن مسعود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ (قتلِ) خطاء کی دیت پانچ (اقسام کے برابر) حصوں پر مشتمل ہوگی۔ یہ حدیث مجھ سے حجاج نے بروایت زید بن جبیر، بروایت خشف بن مالک، بروایت عبد اللہ، بروایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: (قتلِ) خطاء کی دیت پانچ (اقسام کے برابر) حصوں پر مشتمل ہوگی۔

۶۷۰۔

مجھ سے منصور نے بروایت ابراہیم اور ابو حنیفہ نے بروایت حماد، بروایت ابراہیم حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: عبد اللہ (بن مسعود) کہا کرتے تھے کہ: (قتلِ) خطاء کی دیت پانچ برابر قسموں پر مشتمل ہوگی۔

ایک سال سے زائد عمر کی اونٹنیاں	۲۰ عدد
دو سال سے زائد عمر کے اونٹ	۲۰ عدد
دو سال سے زائد عمر کی اونٹنیاں	۲۰ عدد
تین سال سے زائد عمر کے اونٹ	۲۰ عدد
چار سال سے زائد عمر کے اونٹ۔	۲۰ عدد

۶۷۱۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی قتلِ خطاء کے سلسلہ میں یہی فرماتے تھے۔ مجھ سے ابو حنیفہ

نے بروایت حماد بروایت ابراہیم یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ عبداللہ نے کہا ہے، "قتلِ خطار کی دیت پانچ برابر حصّوں پر مشتمل ہوگی۔

۶۷۲۔

۱۸۶ لیکن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی رائے یہ تھی کہ خطار کی دیت چار برابر حصّوں پر مشتمل ہوگی۔

ایک سال سے زائد عمر کی اونٹنیاں	۲۵ عدد
دو سال سے زائد عمر کی اونٹنیاں	۲۵ عدد
تین سال سے زائد عمر کے اونٹ	۲۵ عدد
چار سال سے زائد عمر کے اونٹ	۲۵ عدد

۶۷۳۔

عثمان اور زید بن ثابت خطار کی دیت کے سلسلہ میں یہ کہتے تھے کہ،

ایک سال سے زائد عمر کی اونٹنیاں	۲۰ عدد
دو سال سے زائد عمر کے اونٹ	۲۰ عدد
دو سال سے زائد عمر کی اونٹنیاں	۳۰ عدد
چار سال سے زائد عمر کے اونٹ	۳۰ عدد

یہ حدیث مجھ سے شعبہ نے بروایت قتادہ بروایت سعید بن المسیب بیان کی ہے:

۶۷۴۔ شِبہ عَمد

شبہ عمد کی دیت میں دیے جانے والے اونٹوں کی عمروں کے بارے میں بھی ان حضرات کے درمیان اختلاف رہا ہے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: شبہ عمد کی دیت میں چار سال سے زاید عمر کے تیس اونٹ، تین سال سے زاید عمر کے تیس اونٹ اور چالیس ایسی اونٹنیاں دی جائیں گی جو عمر کے چھٹے تا نویں سال میں ہوں اور ہر اونٹنی گابھن ہو

۶۷۵۔

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ: شبہ عمد میں ۳۳ تین سال سے زائد عمر کے اونٹ، ۳۳ چار سال سے زائد عمر کے اونٹ اور ۳۴ ایسی اونٹنیاں دینی ہوں گی جو عمر کے چھٹے تا نویں سال میں ہوں اور ہر اونٹنی گابھن ہو۔

۶۷۶۔

عبداللہ ابن مسعود نے کہا ہے کہ: شبہ عمد میں ۲۵ چار سال سے زیادہ عمر کے اونٹ، ۲۵ تین سال سے زیادہ عمر کے اونٹ، ۲۵ دو سال سے زیادہ عمر کی اونٹنیاں اور ۲۵ ایک سال سے زیادہ عمر کی اونٹنیاں دی جائیں گی۔ آپ نے دیت کو چار اقسام پر مساوی تقسیم کر دیا ہے۔

۶۷۷۔ عثمان بن عفان اور زید ابن ثابت رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ دیت مغلظہ ہوگی۔ اس میں چالیس چار سال سے زائد عمر کے اونٹ، تیس ۳۰ تین سال سے زائد عمر کے اونٹ اور تیس ۳۰ دو سال سے زائد عمر کی اونٹنیاں دینی ہوں گی۔

۶۷۸۔

ابوموسیٰ اور مغیرہ ابن شعبہ نے کہا ہے کہ: تیس ۳۰ تین سال سے زائد عمر کے، اور تیس ۳۰ چار سال سے زائد عمر کے اونٹ اور چالیس ایسی اونٹنیاں جو عمر کے چھٹے یا نویں سال میں ہوں اور ہر اونٹنی گابھن ہو۔

۶۷۹۔

شبہ عمد اور خطار (کی دیت) میں دیے جانے والے اونٹوں کی عمروں کے بارے میں ان حضرات کے بنیادی اقوال یہی ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ ان رایوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لینے میں آپ کو انشاء اللہ کوئی دشواری نہ پیش آئے گی۔

۶۸۰۔ خطار کی تعریف

خطار کی تعریف یہ ہے کہ انسان ارادہ کسی چیز کا کرے اور ہو کچھ اور جائے۔ مجھے

مغیرہ نے بروایت ابراہیم یہ بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا ہے: خطا اسے کہتے ہیں کہ انسان سے کوئی چیز نشانہ بن جائے، دریں حالیکہ اس نے اُسے نشانہ بنانے کا ارادہ نہ کیا ہو۔ یہی خطا ہے اور اس کی (دیت کی) ذمہ داری عاقلہ کے سر آتی ہے۔

۶۸۱۔ شبہ عمد کی تعریف

شبہ عمد کے سلسلہ میں حجاج بن ارطاۃ نے بروایت قتادہ بروایت حسن بن ابی الحسن

۱۸۷ مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ "کوڑے اور لاٹھی کا مارا ہوا شبہ عمد (کی تعریف میں آتا) ہے"۔

۶۸۲۔

ہم سے ابوحنیفہ نے بروایت ابراہیم یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ: دھار دار ہتھیار کے علاوہ کسی چیز سے دانستہ مارنا شبہ عمد ہے۔ بغیر ہتھیار کے کیا ہوا ہر قتل شبہ عمد ہے اور ایسی شکل میں دیت عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔

۶۸۳۔

مجھ سے شیبانی نے شعبی، حکم اور حماد سے روایت کرتے ہوئے یہ بیان کیا ہے کہ ان لوگوں نے کہا ہے کہ: جسے پتھر، کوڑے یا لاٹھی سے مارا گیا اور وہ مر گیا تو یہ (قتل) شبہ عمد قرار پائے گا اور اس میں دیت مغلظہ ہوگی۔

لے ۱۳۵۵ھ کے ایڈیشن کے متن میں صورت (وَلَدا) ہے لیکن یہ طباعت کی غلطی ہے جیسا کہ اسی مکتبہ کے ۱۳۵۵ھ کے ایڈیشن صفحہ ۱۵۶ سطر ۱۲ سے ظاہر ہے صحیح لفظ سوط (کوڑا) ہے۔ اس کی تائید عبداللہ بن عمرو بن العاص کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، احمد، دارقطنی اور دارمی نے نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو بلوغ المرام باب الدیات) (مترجم)

لے متن میں صورت ہے۔ ہم نے ۱۳۵۵ھ کے ایڈیشن (مکتبہ سلفیہ، قاہرہ) صفحہ ۱۵۶ سطر ۱۲ کے مطابق اس کی تصحیح کر لی ہے۔ (مترجم)

۶۸۴۔ تاوان

جن زخموں سے خون جاری ہو جائے ان میں تاوان کا منصفانہ فیصلہ کیا جائے گا۔ ان زخموں سے زیادہ کاری زخم باضعہ میں، جس میں گوشت کٹ جاتا ہے اس سے زیادہ تاوان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ مثلاً حمہ یعنی ان زخموں میں جو باضعہ سے زیادہ کاری ہوں اس سے بھی زیادہ تاوان کا فیصلہ ہوگا۔ زخم سمحاق ہو۔۔۔ جو مثلاً حمہ سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔۔۔ تو اس میں مثلاً حمہ سے زیادہ تاوان عائد کیا جائے گا۔

موضحہ زخم میں پانچ اونٹ یا پانچ سو درہم (بطور تاوان) عائد ہوگا۔ موضحہ کے تاوان سے کم کسی تاوان کی ادائیگی عاقلہ کے ذمہ نہیں ہوتی بلکہ خود مجرم کے سر ہوتی ہے اور تاوان اس کے مال میں سے لیا جاتا ہے۔ موضحہ کا تاوان اور اس سے بڑے تاوان عاقلہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ ہاشمہ یعنی ایسے زخم میں جس نے ہڈی چور کر دی ہو دس اونٹ یا ہزار درہم یعنی دیت کا دسواں حصہ لیا جائے گا۔ منقلہ یعنی ایسے زخموں میں جن میں ہڈی باہر نکل آئی ہو دیت کا پندرہ فی صد لیا جائے گا۔ آمّہ یعنی وہ زخم جس کا اثر دماغ تک جا پہنچا ہو، تہائی دیت لازم کر دیتا ہے۔ اگر اس زخم کے اثر سے مجروح کی عقل جاتی رہے تو پوری دیت وصول کی جائے گی۔ اگر عقل سلامت ہو لیکن بال نکلنے بند ہو جائیں تو بھی پوری دیت لی جائے گی۔ اور اس کا تاوان بھی اسی میں داخل سمجھا جائے گا۔ ان زخموں میں سے بجز موضحہ کے کسی اور میں قصاص نہیں لیا جا سکتا خواہ مارنے والے نے یہ زخم عمداً لگائے ہوں۔ قصاص صرف دانستہ لگائے ہوئے موضحہ زخم کا لیا جا سکتا ہے کیوں کہ دوسرے زخموں کی شکل میں برابر کا بدلہ لینا ممکن نہیں۔

۶۸۵۔

۱۸۸ مجھ سے حجاج نے بروایت عطاء حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: "ہم ہڈیوں میں قصاص نہیں دلواتے"۔

۶۸۶-

مغیرہ نے ابراہیم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ آمّہ، منقلہ اور جائفہ زخموں میں قصاص نہیں۔ ایسے زخم اگر عمداً لگائے گئے ہوں تو زخم لگانے والے کے مال میں سے اس کی دیت لی جائے گی۔

۶۸۷-

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہی رائے علی رضی اللہ عنہ بھی رکھتے تھے

۶۸۸-

ہاتھ اگر کلائی کے جوڑ سے کاٹ لیا گیا ہو تو نصف دیت واجب ہو گی۔ ہاتھ کی ساری انگلیوں (کے کاٹ لینے) پر نصف دیت لازم آئے گی اور ایک انگلی (یا چند انگلیاں کاٹنے کی شکل میں ہر انگلی) پر ۱/۱۰ دیت واجب ہو گی۔ (انگلی کی) ہر پور کی دیت انگلی کی دیت کی تہائی ہو گی۔ اگر انگوٹھے میں دو ہی پور ہوں تو ہر پور کی دیت انگلی کی دیت کی آدھی ہو گی۔ پاؤں اور اس کی انگلیوں کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ (باقی اعضاء کی دیت حسب ذیل ہو گی)

دونوں آنکھیں	پوری دیت
ایک آنکھ	آدھی دیت
دونوں آنکھوں کی پلکیں	پوری دیت
ایک آنکھ کی دونوں پلکیں	آدھی دیت
ایک پلک	چوتھائی دیت
دونوں ابرو جب کہ زخم ایسا ہو کہ پھر بال نہ نکلیں	پوری دیت
ایک ابرو جب کہ زخم ایسا ہو کہ پھر بال نہ نکلیں	آدھی دیت
ایک کان	آدھی دیت

— اگر کان کا ایک حصہ کاٹا گیا ہو تو دیت کا حساب اسی حصہ کے بقدر لگایا جائے گا اور سماعت

زائل ہو جائے تو پوری دیت واجب ہو گی۔

پوری ناک کاٹ لی گئی ہو تو	پوری دیت
ناک کے کنارہ کا نرم حصہ بانسہ کی ہڈی چھوڑتے ہوئے	پوری دیت
سونگھنے کی قوت بالکل زائل ہو جانے کی شکل میں	پوری دیت
دونوں ہونٹ	پوری دیت
ایک ہونٹ	آدھی دیت
زبان جب کہ بات کرنے پر قدرت نہ باقی رہے	پوری دیت

— زبان کو اس سے کم نقصان پہنچا ہو تو دیت کا حساب اسی نقصان کی نسبت سے ہو گا۔

حشفہ اگر عمداً کاٹ لیا گیا ہو تو قصاص دلوایا جائے گا، اور خطاً کاٹا گیا ہو تو پوری دیت واجب ہو گی۔ دونوں خصیے کاٹے گئے ہوں تو پوری دیت لازم ہو گی، اگر مجرم نے پہلے آلۂ تناسل کاٹا ہو اور اس کے بعد دونوں خصیے کاٹ لیے ہوں تو دو دیتیں دلوائی جائیں گی، اور اگر پہلے خصیتین کاٹے ہوں پھر آلۂ تناسل کاٹا ہو تو خصیتین کے عوض پوری دیت لی جائے گی اور آلۂ تناسل کے تاوان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر ایک طرف سے ان دونوں کو کاٹ لیا ہو تو دو دیتیں واجب ہوں گی۔

مرد کے دونوں پستانوں کا تاوان بذریعہ حکم طے پائے گا، اور عورت کے دونوں پستانوں کے عوض اس کی پوری دیت لازم آئے گی۔ اس کے دونوں سرپستان کے عوض نصف دیت لازم ہو گی اور ایک سرپستان کے عوض بھی نصف دیت ہو گی۔

ہاتھ اگر کہنی سے کاٹ لیا گیا ہو تو نصف دیت لازم آئے گی۔ اس سے زیادہ کاٹا گیا ہو تو اس زیادہ کے تاوان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور میرے نزدیک نصف دیت لازم ہو گی۔ یہی رائے ابن ابی لیلیٰ کی بھی ہے۔

ہر دانت کے عوض دیت کا بیسواں حصہ لیا جائے گا، خواہ کوئی سا دانت ہو۔ کسی دانت کا صرف ایک حصہ توڑا گیا ہو تو اس کے تاوان کا حساب اسی حصہ کی مناسبت سے لگایا جائے گا۔

اگر دانت پر ایسی ضرب لگائی گئی ہو کہ وہ کالا پڑ گیا ہو، یا سُرخ ہو گیا ہو یا سبز ہو گیا ہو تو اس کی پوری دیت ادا کرنی ہو گی۔ اگر دانت پیلا پڑ گیا ہو تو اس کے تاوان کا فیصلہ کیا جائے گا۔

پہنچہ، بازو، پنڈلی، ران، سینہ کی ہڈی (ہنسلی) اور پسلی کی کسی ایک ہڈی پر ضرب کی شکل ۱۸۹
میں تاوان کی تعیین اُس (کو پہنچے والے نقصان) کی مناسبت سے کی جائے گی۔

پیٹھ پر اگر ایسی چوٹ لگائی گئی ہو کہ وہ خم ہو جائے تو پوری دیت ادا کرنی ہو گی۔ اگر ضرب ایسی ہو کہ آدمی جماع کے قابل نہ رہ جائے تو بھی پوری دیت ادا کرنی ہو گی۔

داڑھ پر ایسی ضرب جس کے نتیجہ میں داڑھی کے بال نہ نکل سکیں [یا اسی طرح مونچھوں کی جگہ پر یا سر پر، ایسی ضرب جس کے نتیجہ میں بال بالکل نہ نکل سکیں][ا] پوری دیت واجب کر دیتی ہے۔

پیٹ میں زخم لگایا گیا ہو تو تہائی (⅓) دیت دینی ہو گی، اگر زخم سے گہرا شگاف ہو گیا ہو تو دو تہائی دیت ادا کرنی ہو گی۔

مفلوج ہاتھ، لنگڑے پاؤں، بے نور آنکھ، خراب دانت، گونگی زبان، خصی کے آلہ تناسل، عنین کے آلہ تناسل ـــ ان میں سے ہر چیز کے سلسلہ میں تاوان کا فیصلہ نقصان کی مناسبت سے کیا جائے گا۔

دونوں سُرین قطع کر دینے کی شکل میں پوری دیت ادا کرنی ہو گی۔

بچے کے دودھ کے دانت کے عوض تاوان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اِس بارے میں ابو حنیفہ یہ کہتے تھے کہ، اگر اس دانت کی جگہ دوسرا دانت نکل آئے تو کوئی تاوان نہیں لازم آئے گا۔

زائد انگلی (چھنگلی) یا زائد دانت کے لیے تاوان کا فیصلہ کیا جائے گا۔

عورت کی شرم گاہ میں لگائے جانے والے زخم کا معاملہ پیٹ کے زخم کا سا ہے۔ اگر پیشاب پاخانہ (حسب معمول) اندر ٹھہرا رہتا ہو تو تہائی دیت لازم ہو گی۔ اور اگر پیشاب پاخانہ یا ان میں سے کوئی ایک بھی نہ ٹھہرتا ہو تو پوری دیت دینی ہو گی۔

[ا] قوسین کے درمیان کی عبارت تیموری نسخہ میں ہے اور تیموری نسخہ کے حاشیہ پر بھی ہے۔

۶۸۹۔ غلام پر جنایت کا تاوان

ہر ایسی جنایت جو اگر کسی آزاد مرد پر کی جائے تو پوری دیت لازم آتی ہے وہ اگر کسی غلام پر کی جائے تو اس غلام کی پوری قیمت دینی ہو گی۔ آزاد آدمی کے خلاف جن جنایات میں آدھی دیت واجب ہوتی ہے وہ غلام کے خلاف ہوں تو اس غلام کی آدھی قیمت ادا کرنی ہو گی۔ تمام زخموں کا تاوان اسی حساب سے عاید کیا جائے گا۔

۶۹۰۔ مردوں اور عورتوں کے مابین قصاص

جان سے مار دینے کے علاوہ مردوں اور عورتوں کے مابین عمداً کی جانے والی جنایات میں قصاص نہیں جاری ہوتا۔ کوئی مرد کسی عورت کو قتل کر دے تو اُسے اُس عورت کے قصاص میں قتل کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر مرد کو کوئی عورت قتل کر دے تو وہ اس کے بدلہ میں قتل کر دی جائے گی۔ لیکن جان لینے سے کم، دوسری جنایات میں مردوں اور عورتوں کے مابین قصاص نہیں جاری ہو گا بلکہ تاوان عاید کیا جائے گا۔ کوئی مرد کسی عورت کا، یا کوئی عورت کسی مرد کا، ہاتھ، پاؤں، یا کوئی انگلی عمداً کاٹ دے، یا اس کو موضحہ زخم لگا دے، تو ان شکلوں میں بھی قصاص نہیں دلوایا جائے گا۔ بلکہ تاوان عائد کیا جائے گا۔ عورتوں اور مردوں کے درمیان قصاص کا حکم صرف قتل نفس کے لیے ہے۔

۶۹۱۔ عورت پر جنایت کا تاوان۔

چونکہ عورت کی دیت مرد کی دیت کی آدھی ہے لہٰذا عورت کو لگائے جانے والے زخموں کا تاوان مرد کے زخم کا آدھا ہو گا۔ مثلاً اگر کوئی مرد کسی عورت کا ہاتھ کاٹ دے تو اُسے اس عورت کی دیت کا نصف دینا ہو گا۔ عورت کی دیت پانچ ہزار (۵۰۰۰) (درہم) ہے۔ لہٰذا مرد کو ڈھائی ہزار (۲۵۰۰) نقد یا پچیس (۲۵) اونٹ دینے ہوں گے۔

۶۹۲۔

۱۹۰ ہم سے ابن ابی لیلیٰ نے بروایتِ شعبی حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ، علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: "چھوٹی بڑی ہر جنایت میں جو خطاً کی گئی ہو، عورت کی دیت مرد کی آدھی ہو گی۔"

۶۹۳- آزاد اور غلام کے مابین قصاص

یہی حال آزاد اور غلام کا ہے، کہ بجز جان سے مار دینے کے کسی اور شکل میں ان کے مابین قصاص نہیں جاری کیا جائے گا۔ کوئی آزاد کسی غلام کو کسی دھار دار ہتھیار سے عمداً قتل کر دے تو ان کے درمیان قصاص جاری کیا جائے گا۔ اگر جنایت دانستہ نہ رہی ہو، بلکہ خطأً واقع ہو گئی ہو، یا آزاد نے غلام کی ایک آنکھ یا دونوں آنکھیں پھوڑ دی ہوں، یا ایک کان یا دونوں کان کاٹ دیے ہوں، تو ان تمام شکلوں میں مجرم پر تاوان عاید کیا جائے گا۔ تاوان کی تعداد مقرر کرنے میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس جنایت کے نتیجہ میں غلام کی قیمت میں کتنی کمی آگئی ہے۔ یہ تاوان مجرم سے وصول کیا جائے گا اور غلام کے مالک کا حق ہو گا۔

اگر آزاد آدمی نے کسی غلام کو خطأً قتل کر دیا ہو تو اسے اس کے مالک کو اس کی پوری قیمت ادا کرنی ہو گی، خواہ اس کی مقدار کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ البتہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اتنی قیمت نہیں لگائی جا سکتی جو آزاد مرد کی دیت کے مساوی ہو جائے۔

۶۹۴-

سعید نے قتادہ سے اور قتادہ نے سعید بن المسیب اور حسن سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ آزاد مرد کے کسی غلام کو خطأً قتل کر دینے کی شکل میں یہ دونوں حضرات یہ کہتے ہیں کہ قاتل کو مقتول غلام کی وہ قیمت ادا کرنی ہو گی جو قتل کے دن رہی ہو، خواہ یہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔

۶۹۵- دو زخم لگانے کی شکل میں دیت یا تاوان

کوئی آدمی کسی کو ایک ہی مقام پر یا دو مختلف جگہوں پر غیر ارادی طور پر دو زخم لگا دے جن میں سے ایک اچھا ہو جائے اور دوسرے کے نتیجہ میں زخمی مر جائے، تو زخم لگانے والے کے عاقلہ کو جان کی دیت ادا کرنی ہو گی جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ جو زخم اچھا ہو گیا اس کا کوئی تاوان نہ عائد ہو گا۔ اگر یہ زخم عمداً لگائے گئے ہوں تو جان لینے کا قصاص دلوایا جائے گا۔ اچھے ہو جانے

والے زخم کا کوئی تاوان نہ عائد ہو گا۔

ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہ فرماتے تھے کہ "اگر اچھا ہو جانے والا زخم ایسی جگہ رہا ہو کہ اس کا قصاص لینا ممکن ہو تو معاملہ امام کی صواب دید پر موقوف ہو گا۔ وہ چاہے تو جان لینے اور اس سے کم تر جنایت، دونوں کا قصاص دلوائے، یا صرف جان کے معاملہ میں قصاص جاری کرے اور اس سے کم تر کو نظر انداز کر دے۔

ان دونوں زخموں میں سے اگر ایک عمداً لگایا گیا ہو اور دوسرا خطأً لگ گیا ہو اور دونوں کے مجموعی اثر سے زخمی کی جان جاتی رہی ہے تو آدھی دیت مجرم کے عاقلہ کو ادا کرنی ہو گی اور بقیہ نصف دیت مجرم پر اس کے مال میں واجب ہو گی۔

اگر قصداً لگایا ہوا زخم اچھا ہو جائے لیکن خطأً لگائے جانے والے زخم سے زخمی کی جان جاتی رہے تو قتل خطا کی پوری دیت عاقلہ کے ذمہ ہو گی اور مجرم سے دانستہ زخم کا قصاص لیا جائے گا۔

اگر زخمی کی موت قصداً لگائے جانے والے زخم سے واقع ہوئی ہو اور غیر ارادی طور پر لگایا جانے والا زخم اچھا ہو گیا ہو تو مجرم سے جان لینے کا قصاص لیا جائے گا اور نادانستہ زخم کا تاوان عاقلہ کے ذمہ ہو گا۔

اگر خطأً لگائے جانے والے زخم سے زخمی مر جائے اور قصداً لگائے جانے والا زخم اچھا ہو چکا ہو۔ اور یہ زخم ایسا رہا ہو جس میں قصاص نہیں لیا جاتا (بلکہ تاوان عائد کیا جاتا ہے) تو اس شکل میں صرف ایک پوری دیت لازم ہو گی جو مجرم کے عاقلہ کے ذمہ ہو گی۔ قصداً لگائے ہوئے زخم کا تاوان نہیں لیا جائے گا۔ جیسا کہ (مذکورہ بالا) اس شکل میں ہوتا ہے جب دانستہ اور نادانستہ دونوں طرح کے زخم لگائے گئے ہوں، ایک سے مجروح اچھا ہو جائے، لیکن دوسرے سے مر جائے۔

191 ## ۶۹۶- قصاص کے نتیجہ میں موت

ایک آدمی دوسرے آدمی کا ہاتھ کسی دھار دار ہتھیار سے کاٹ دے، پھر یہ زخم اچھا ہو جائے۔

اور امام زخمی کو مجرم سے قصاص لینے کی اجازت دے اور یہ شخص اُس سے قصاص لے جس کے نتیجہ میں وہ (مجرم) مر جائے تو اس شکل میں ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے کہ: قصاص لینے والے کے عاقلہ پر اس شخص کی دیت واجب ہوگی جس سے قصاص لیا گیا ہے۔ ابن ابی لیلیٰ بھی تقریباً یہی رائے رکھتے تھے۔ لیکن اس باب میں منقول آثار کی روشنی میں میری رائے یہ ہے کہ قصاص لینے والے پر کچھ نہیں عاید ہوگا۔ اس شخص نے اپنا ایک حق حاصل کیا ہے اور حق کی بنا پر مرنے والے سے بدلہ لیا ہے اور (بدلہ لینے میں) اس پر کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ دراصل اُسے کتاب وسنت نے قتل کیا ہے۔ البتہ اگر اس شخص نے امام کی اجازت اور مجرم کی مرضی کے بغیر اس سے قصاص لیا ہے اور اس کے نتیجہ میں وہ مر گیا تو اس کی دیت اس شخص کے مال میں سے لی جائے گی جس نے بطور خود قصاص لے ڈالا۔

ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ (اپنی رائے کے بارے میں) فرماتے تھے کہ: یہ حکم اس شکل پر منطبق ہوگا جب زخم کی نوعیت ایسی ہو کہ اس کا قصاص لینا ممکن ہو۔

۶۹۷۔ نابالغ وارث کی طرف سے قصاص

اگر کوئی آدمی قتل کر دیا جائے اور اس کے صرف دو ولی ہوں، دو بیٹے، ایک چھوٹا اور ایک بڑا، اور ان کے علاوہ اس کا کوئی اور وارث نہ ہو تو فقیہ ابو حنیفہ یہ فرماتے تھے کہ: میں بڑے کی گواہی قبول کروں گا اور چھوٹے کے بڑے ہونے تک ملتوی نہ رکھوں گا۔ وہ کہتے تھے: غور کرو، اگر یہ (بچہ) بڑا ہو کر فاتر العقل ثابت ہوا تو کیا میں مجرم کو قید میں ڈالے رکھوں گا؟ ابن ابی لیلیٰ یہ کہتے تھے کہ: جب تک چھوٹا لڑکا بڑا نہ ہو جائے میں (گواہی نہیں قبول کروں گا۔ ابن ابی لیلیٰ چھوٹے لڑکے کو غیر حاضر (ولی) کی حیثیت میں رکھتے تھے، کہ اس شکل میں جب تک غیر حاضر (ولی) نہ آ جائے مجرم کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ابو حنیفہ یہ کہتے تھے کہ غیر حاضر اور چھوٹے (بچے) کا معاملہ یکساں نہیں کیوں کہ ولی چھوٹے (بچے) کی طرف سے (قصاص) لے سکتا ہے لیکن غیر حاضر بڑے فرد کی طرف سے اُسی وقت (قصاص) لے سکتا ہے جب کہ اس نے اُسے اپنا وکیل کر دیا ہو۔

ابن ابی لیلیٰ قتل عمد کے سلسلہ میں وکالت تسلیم کرنے اور قصاص دلوا دینے کے قائل تھے اور ہمارے فقیہ، ابو حنیفہ، قتل عمد کے باب میں وکالت نہیں تسلیم کرتے تھے، اور یہی رائے بہتر ہے۔

حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے (حضرت علی کے قصاص میں) ابن ملجم کو قتل کر دیا تھا حالانکہ علی نے کئی چھوٹے بچے بھی چھوڑے تھے۔

۶۹۸۔ گر کر مر جانے والے کی دیت

بازاروں، احاطوں اور سرائے خانوں کے تاجروں میں سے کوئی اپنے کسی مزدور کو حکم دے اور وہ مسلمانوں کے صحن کے راستہ میں[1] پانی کا چھڑکاؤ کرے جس کے نتیجہ میں کوئی (آدمی یا جانور) پھسل کر گر پڑے اور مر جائے تو اس کی ضمان اس شخص پر ہوگی جس نے (چھڑکاؤ کا) حکم دیا تھا۔ البتہ اگر حکم دینے والے نے راستہ میں وضو کرنے کا حکم دیا ہو اور اس شخص نے وضو کیا (جس کا پانی گرنے کے نتیجہ میں یہ سانحہ پیش آیا) تو اس کی ضمان وضو کرنے والے کے سر ہوگی (دونوں حالتوں میں حکم مختلف ہونے کی) وجہ یہ ہے کہ وضو کا فائدہ وضو کرنے والے کو ہوتا ہے اور چھڑکاؤ کا فائدہ حکم دینے والے کو ہوتا ہے۔

۶۹۹۔

کوئی شخص کسی مزدور کے ذریعہ مسلمانوں کی راہ گذر میں سلطان کے حکم کے بغیر کنواں کھدوائے اور کوئی آدمی اس میں گر کر مر جائے تو قیاس کی رو سے اس کی ضمان مزدور کے سر ہونی چاہیے۔ لیکن ہم نے اس مسئلہ میں قیاس کو نہیں اختیار کیا ہے۔ کیونکہ جب اس (کنوئیں کی تعمیر) پر زیادہ عرصہ گذر جاتا ہے تو مزدوروں کا پتہ نہیں ملتا۔ چنانچہ مرنے والے کی ضمان مستاجر کے عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔

اگر کوئی آدمی کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر اس کنوئیں میں گر پڑے اور مر جائے تو اس کی ضمان پتھر رکھنے والے کے سر ہوگی، گویا کہ اُس نے اس آدمی کو اپنے ہاتھوں سے کوئیں میں دھکیل دیا ہو۔ اگر یہ نہ معلوم ہو سکے کہ پتھر کس نے رکھا تو ضمان کنوئیں کے مالک کے ذمہ ہوگی۔

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے: مسلمانوں کے راستہ میں واقع اپنے صحن میں۔

اگر مرنے والے کو کسی بھاگتے ہوئے جانور نے دھکا دے کر (کوئیں میں) گرا دیا ہو تو اس کی ضمان نہ تو جانور کے مالک کے ذمہ ہوگی نہ کوئیں کے مالک کے ذمّہ۔ اگر کوئی آدمی اس جانور کو ہانک رہا ہو یا اس کی رسی تھامے آگے آگے چل رہا ہو، یا اس پر سوار ہو تو مرنے والے کی ضمان اس آدمی کے ذمہ ہوگی۔

اگر کوئی دیوار اس طرح گر پڑے کہ کسی آدمی کو کوئیں میں گرا کر ہلاک کر دے تو، اگر اس واقعہ سے قبل دیوار کے مالک کو اس (مخدوش) دیوار کو منہدم کر دینے کی ہدایت کی جا چکی تھی اور اس نے ویسا نہیں کیا تو اس سے اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔ ایسی شکل میں دیوار گرنے کے نتیجہ میں گر کر مر جانے والے ہر شخص کی ضمان دیوار کے مالک کے سر ہوگی۔ لیکن اگر اس واقعہ سے پہلے اس طرح کی ہدایت نہیں کی گئی تھی تو ان شکلوں میں اس پر ضمان نہیں عائد ہوگی۔ اس صورت میں دیوار گرنے کے نتیجہ میں کوئیں میں گر کر مر جانے والے کی ضمان کوئیں کے مالک کے ذمّہ ہوگی۔

اگر کسی آدمی نے راستہ میں پانی بہایا ہو، یا وضو کیا ہو اور اس کا فاضل پانی گرا ہو، یا راستہ میں پانی چھڑکا ہو اور اس پانی سے پھسل کر کوئی آدمی اس کوئیں میں جا گرے اور مر جائے، یا کوئیں میں گرنے سے پہلے ہی پھسل کر گرے اور مر جائے، تو اس کی ضمان پانی گرانے والے پر ہوگی۔

یہی حکم اس آدمی کا ہے جو پھسل کر، یا پاؤں میں کپڑے پھنس جانے کے سبب مکان کی چھت سے گر کر اس کوئیں میں جا پڑے اور مر جائے، اس کی ضمان بھی کوئیں کے مالک کے ذمّہ ہوگی۔

یہی حکم اس راہ گیر کا ہے جو اپنے کپڑوں میں الجھ کر اس کوئیں میں جا گرے۔ اس کی ضمان بھی کوئیں کے مالک کے ذمہ ہوگی۔

اگر یہ گرنے والا کسی دوسرے آدمی کے اوپر گرے اور وہ آدمی بھی مر جائے تو دونوں (مرنے والوں) کی ضمان کوئیں کے مالک کے سر ہوگی۔

اگر کوئی آدمی کنوئیں میں گرے لیکن اس کی جان سلامت رہے اور وہ اس میں سے نکلنے کی کوشش میں کسی چیز کے سہارے لٹک کر اوپر آ رہا ہو، لیکن درمیان ہی سے گر کر مر جائے تو کوئیں

کے مالک پر کوئی ضمان نہیں عائد ہوگی۔ اس شکل میں کوئیں کے مالک کو اسے دھکیلنے والے کی
حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ غور کیجئے، اگر گرنے والا کوئیں کی تہ میں پہلے پتھر سے اور وہاں ٹھوکر
کھا کر گرے اور مر جائے تو کیا کوئیں کے مالک کو اس کا ضامن قرار دیا جائے گا؟ (ظاہر ہے کہ) اس ۱۹۲
شکل میں اس پر کوئی ضمان نہیں عائد ہوگی۔

اگر کوئیں کی تہ میں کوئی بڑا سا پتھر تھا اور جب گرنے والا وہاں چلا پھرا تو اس پتھر سے ٹھوکر کھا کر گرا اور مر گیا تو، اگر یہ پتھر زمین میں اپنی قدرتی جگہ پر تھا تو کوئیں کے مالک پر ضمان نہیں عائد ہوگی، لیکن اگر کوئیں کے مالک نے اس پتھر کو اس کی سابق جگہ سے اکھاڑ کر کوئیں میں ایک کنارے رکھ دیا تھا تو اس پر ضمان عائد ہوگی۔

اگر کوئی آدمی کوئیں میں گر جائے اور اسی قید میں اس کی جان چلی جائے تو اس کی ضمان کوئیں کے مالک کے سر ہوگی۔

فصل ۴
زنا کی سزا

۷۰۰۔ زنا کی گواہی

زنا کرنے والے کا معاملہ جب امام کے سامنے پیش کیا جائے اور چار آزاد مسلمان مرد واضح اور صریح الفاظ میں اس کے فعل زنا کے مرتکب ہونے پر گواہی دیں تو پہلے ان گواہوں کی جانچ کی جائے گی۔ اگر یہ ٹھیک ثابت ہوں اور جن دو افراد کے خلاف گواہیاں دی گئی ہیں وہ دونوں بچے نہ ہوں تو، مرد اور عورت دونوں کو سَو سَو کوڑے مارے جائیں گے

۷۰۱۔ کوڑے مارنے کا طریقہ۔

مرد کو کوڑے مارتے وقت کھڑا رکھا جائے گا اور اس کے بدن پر صرف ایک تہ بند ہوگا۔

کوڑے چہرہ اور شرم گاہ کے علاوہ سارے اعضاءِ بدن پر لگائے جائیں گے (نہ یہ کہ سارے کوڑے ایک ہی عضو یا چند اعضاء پر لگا دیئے جائیں) بعض فقہاء سر کو بھی مستثنیٰ قرار دیتے ہیں لیکن زیادہ تر فقہاء کی رائے یہی ہے کہ سر پر بھی کوڑے مارے جائیں گے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اثر کی بنا پر ہمارے نزدیک بہتر رائے یہی ہے کہ سر پر بھی کوڑے لگائے جا سکتے ہیں۔

۷۰۲۔

ابن ابی لیلیٰ نے بروایت عدی بن ثابت بروایت مہاجر بن عمیرہ بروایت علی رضی اللہ عنہ ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس پر حد قائم کرنی تھی۔ آپ نے کوڑے مارنے والے سے فرمایا: "(کوڑے) مارو اور ہر عضو کو مار میں سے اس کا حصہ دو" اور چہرہ اور شرم گاہ پر نہ مارو۔

۷۰۳۔ عورت کو کوڑے مارنے کا طریقہ

عورت کو بٹھا کر کوڑے مارے جائیں گے اور اس کے کپڑے اس پر اس طرح لپیٹ دیئے جائیں گے کہ (کوڑے مارنے کے دوران) اس کی ستر نہ ظاہر ہو سکے۔

۷۰۴۔ اوسط درجہ کی چوٹ لگانے کا حکم

عورت اور مرد دونوں کو اوسط درجہ کی چوٹ لگائی جائے گی، نہ تو بہت سخت نہ بہت ہلکی۔

مجھ سے اشعث نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے اسی مفہوم کی حدیث بیان کی ہے کہ وہ کہتے ہیں، میں نے ابو برزہ کو ایک عورت پر حد جاری کرتے دیکھا۔ آپ کے پاس بہت سے دوسرے لوگ بھی تھے۔ آپ نے فرمایا: "اسے اوسط درجہ کی مار مارو، نہ زیادہ سخت، نہ زیادہ ہلکی" اور اسے کوئی لبادہ اوڑھا کر تب مارنا۔

۷۰۵۔

جس کوڑے سے مارا جائے وہ بھی درمیانی قسم کا ہونا چاہیے، نہ بہت سخت ہو اور نہ بہت نرم۔

سلہ تیموری نسخہ میں ہے: لنذلی۔

ہم سے محمد بن عجلان نے بروایت زید بن اسلم یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی لایا گیا جو حد کا مستحق قرار پا چکا تھا۔ آپ کے پاس ایک بہت سخت کوڑا لایا گیا تو آپ نے فرمایا: "اس سے ہلکا لاؤ" پھر ایک ڈھیلا ڈھالا کوڑا لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ "زیادہ سخت لاؤ" پھر ایک سوکھا ہوا کوڑا لایا گیا تو آپ نے فرمایا "یہ ٹھیک ہے"۔

۷۰۶۔

۱۹۲ ہم سے عاصم نے بروایت ابو عثمان حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک آدمی کو حد قائم کرنے کے لیے پیش کیا گیا۔ آپ نے کوڑا طلب کیا۔ جو کوڑا لایا گیا وہ قدرے نرم تھا۔ آپ نے فرمایا، "اس سے سخت لاؤ۔" پھر آپ کے پاس ایک درمیانی درجہ کا کوڑا لایا گیا تو آپ نے کہا کہ "مارو۔ (مارنے میں ہاتھ کو اتنا ہی اوپر اٹھاؤ کہ) تمہاری بغل نہ دکھائی دے اور ہر عضوِ بدن کو اس کا حق دو۔"

۷۰۷۔ رجم

اگر (چار آزاد مسلمان مرد) کسی محصن مرد یا محصنہ عورت کے خلاف زنا کی گواہی دیں اور واضح اور صریح الفاظ میں فعل زنا کو اس کی طرف منسوب کریں تو امام مجرم کے رجم کا حکم صادر کرے گا۔

ہم سے مغیرہ نے بروایت شعبی یہ حدیث بیان کی ہے کہ یہودیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "رجم کب کیا جائے گا؟" آپ نے فرمایا: "جب چار افراد یہ گواہی دیں کہ انہوں نے مجرم کو (اپنا آلۂ تناسل زانیہ کی شرم گاہ میں) اس طرح داخل کرتے دیکھا ہے جس طرح سُرمہ دانی میں سلائی داخل کی جاتی ہے تو رجم واجب ہو جاتا ہے۔"

۷۰۸۔

سنگساری کی ابتداء گواہوں کو کرنی چاہیے۔ ان کے بعد امام کو اور پھر عام لوگوں کو پتھر مارنے چاہئیں۔

۷۰۹۔

عورت (کو سنگسار کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ اس) کے لیے کمر تک گہرا ایک گڑھا کھودا

جائے گا۔ مرد کے لیے گڑھا نہیں کھودا جائے گا۔

۷۱۰۔

ہم سے یحییٰ بن سعید نے بروایت مجالد بروایت عامر حدیث بیان کی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو سنگسار کیا تھا تو اس کے لیے ناف تک گہرا ایک گڑھا کھدوا گیا تھا۔ عامر نے کہا ہے کہ میں نے اس واقعہ کو خود دیکھا ہے۔

۷۱۱۔

نیز ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبیلہ غامد کی ایک عورت نے آکر زنا کا اقرار کیا تھا تو آپ نے اس کے لیے سینہ تک گہرا ایک گڑھا کھدوایا تھا، اور پھر لوگوں کو پتھر مارنے کا حکم دیا تھا چنانچہ انھوں نے اسے پتھر مار کر ہلاک کر دیا۔ پھر آپ کے حکم سے اس کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور اسے دفن کر دیا گیا

۷۱۲۔ زنا کا اقرار

اگر کوئی شخص امام کے پاس آکر یہ اقرار کرے کہ اس نے زنا کیا ہے تو امام کو چاہیے کہ اس کی بات اس وقت تک نہ مانے جب تک وہ اسے بار بار نہ کہے۔ اگر وہ چار بار ارتکاب زنا کا اقرار کرے جب کہ امام ہر بار اس کا بیان نہ تسلیم کرتے ہوئے اس کو اپنی بات دوبارہ کہنے کا موقع دے رہا ہو تو امام کو اس کے بارہ میں یہ معلوم کرنا چاہیے کہ وہ خبط الحواس یا پاگل تو نہیں۔ اس کی عقل میں کچھ فتور تو نہیں آگیا ہے؟ اگر معلوم ہو کہ وہ ان میں سے کسی چیز میں بھی نہیں مبتلا ہے تو اس پر حد واجب ہو جائے گی۔

اگر وہ محصن ہے تو اسے رجم کیا جائے گا۔ زنا کے اقرار کی بنا پر رجم کیا جا رہا ہو تو سنگساری کی ابتدا امام کرے گا۔ پھر دوسرے لوگ پتھر مارنا شروع کریں گے۔

اگر اقرار کرنے والا کنوارا ہو تو امام حکم دے گا کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جب ماعز بن مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر زنا کا اعتراف کیا تھا تو

آپ نے اس کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔

۷۱۳۔

محمد ابن عمرو نے ابو سلمہ سے اور ابو سلمہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ماعز بن مالک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر یہ کہا کہ میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے منہ پھیر لیا، تا آنکہ اس نے چار بار سامنے آکر یہی بات کہی پھر آپ نے حکم صادر فرمایا اور اسے سنگسار کیا گیا جب اسے پتھر کی چوٹ لگی تو وہ منہ پھیر کر بھاگا۔ راستہ میں اس کی مڈبھیڑ ایک ایسے شخص سے ہوئی جس کے ہاتھ میں اونٹ کے جبڑے کی ہڈی تھی۔ اس نے ماعز کو اس سے مار گرایا۔ جب ماعز کے پتھر کی چوٹ کھا کر بھاگنے کا یہ ماجرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا گیا تو آپ نے فرمایا: تم نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا؟

۷۱۴۔

195 ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کی عقل کے بارے میں بھی پوچھ گچھ کی تھی۔ آپ نے لوگوں سے دریافت کیا تھا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس کی عقل میں کچھ فتور آگیا ہے؟ اس سے عجیب قسم کی حرکتیں تو نہیں سرزد ہوتیں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے وہ پختہ عقل کا ہے اور ہمارے سمجھدار لوگوں میں سے ہے۔

۷۱۵ احصان کی تعریف

احصان کیا ہے؟ اس باب میں ہمارے رفقاء[1] کے درمیان اختلاف ہے بعض نے یہ کہا ہے کہ آزاد مسلمان مرد اس وقت تک محصن نہیں قرار پائے گا جب تک وہ کسی آزاد مسلمان عورت سے نکاح کر کے اس کے ساتھ خلوت صحیحہ نہ کر چکا ہو۔ اہل کتاب یا دوسرے مذاہب کی کسی ذمی عورت سے ہم بستری اُسے محصن نہیں قرار دے سکتی۔

ان کے علاوہ دوسرے حضرات یہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب کے ساتھ (نکاح اور خلوت صحیحہ) سے بھی احصان کی شرط پوری ہو جاتی ہے۔ مسلمان مرد اپنی کتابیہ بیوی کو اور کتابیہ عورت اپنے مسلمان

---

[1] [illegible] صحابہ کے درمیان

شوہر کو محصن بنا دینے کے لیے کافی ہے، اور اسی طرح (کا) طلاق تمام اہلِ ذمہ پر ہوگا۔

آزاد مسلمان مرد کے تحت اگر اس کی لونڈی ہو (جس کے ساتھ وہ جنسی تعلقات رکھتا ہو) تو بعض فقہاء کے نزدیک وہ لونڈی اس مرد کو محصن نہیں بنا (تی) اور اگر وہ مرد زنا کا مرتکب ہو تو اسے کوڑے مارنے کی سزا دی جائے گی۔ البتہ اگر اس کے نکاح (میں کوئی) کتابیہ عورت ہو تو وہ محصن قرار پائے گا۔ لیکن بعض دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ یہ (کتابیہ عورت بھی) مرد کو محصن بنانے کے لیے کافی نہیں۔ بعض دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ اس (آزاد مسلمان) مرد (کے) سبب وہ (کتابیہ بیوی) محصن قرار پا جائے گی مگر اس (کتابیہ بیوی) کے سبب اس مرد کو محصن نہیں (قرار د)یا جائے گا۔

ہم نے اس باب میں جو موزوں ترین رائے سنی ہے وہ یہ (ہے کہ کوئی) آزاد مسلمان مرد کسی آزاد مسلمان عورت کے بغیر محصن نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اگر اس کے نکاح (میں کوئی) کتابیہ عورت ہو تو وہ عورت اس کے سبب محصنہ قرار پا جائے گی مگر اس عورت کے سبب (وہ محصن) نہیں قرار پائے گا۔ واللہ اعلم۔

۷۱۶۔

اس مسلمان آزاد مرد کے بارے میں جو کسی یہودی یا نصرانی عو(رت) سے (نکاح) کرنے کے بعد کسی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کرتا ہے۔ ہم سے مغیرہ نے ابراہیم اور شعب(ی کا یہ) قول بیان کیا ہے کہ اُسے کوڑے مارے جائیں گے، سنگسار نہیں کیا جائے گا۔

۷۱۷۔

ہم سے عبداللہ نے بروایت نافع بروایت ابن عمر یہ حدیث بیان کی (ہے) کہ ان (کے) نزدیک کوئی مشرک عورت کسی مرد کو محصن نہیں بناتی۔

۷۱۸۔

ابو حنیفہ نے بروایت حماد بروایت ابراہیم ہم سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے (کہا) ہے کہ کوئی یہودی یا نصرانی عورت کسی مرد کو محصن نہیں بناتی، اور نہ اس شخص کی لونڈی اُسے (محص)ن قرار دینے کے لیے کافی ہے۔

۷۱۹۔ سزائے رجم کا التواء

اگر چار گواہیوں کے نتیجے میں، یا خود عورت کے چار بار اقرار کرنے کے سبب کسی محصنہ عورت کے خلاف ارتکاب زنا کا جرم ثابت ہو جائے لیکن وہ حاملہ ہو تو اسے اس وقت تک سنگسار نہیں کرنا چاہیے جب تک وضع حمل نہ ہو جائے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔

۷۲۰۔

ہم سے ابان نے بروایت یحییٰ ابن کثیر بروایت ابو قلابہ بروایت ابو المھلب، بروایت عمران بن حصین یہ حدیث بیان کی ہے کہ قبیلہ جُہینہ کی ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر یہ کہا کہ: میں حد کی مستحق ہو گئی ہوں لہٰذا مجھ پر حد جاری کیجیے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ عورت حاملہ تھی۔ آپ نے وضع حمل تک اس عورت کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔ جب وہ بچہ جن چکی تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر پھر اسی جرم کا اقرار کیا جس کا اقرار پہلے کر چکی تھی۔ آپ کے حکم سے اس کو اس کے کپڑے اچھی طرح اوڑھا دیے گئے، پھر آپ نے اُسے رجم کیا، اور اس کی نماز جنازہ ادا کی۔ اس پر آپ سے کہا گیا: اللہ کے رسول! اس نے زنا کیا تھا پھر بھی ۱۹۲
آپ اس کی نماز جنازہ ادا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: اس نے ایسی توبہ کی ہے جو اگر مدینہ کے ستّر آدمیوں کے درمیان تقسیم کر دی جائے تو ان سب کے لیے کافی ہو۔ کیا تم نے اس سے بڑا کارنامہ دیکھا ہے کہ اس نے اپنی جان خود قربان کر دی۔"

۷۲۱۔ زنا کی گواہی

اگر کسی مرد یا عورت کے خلاف ارتکاب زنا کی گواہی دینے والے چاروں گواہ اندھے ہوں تو امام کو چاہیے کہ اس مرد یا عورت کو کوئی سزا نہ دے جس کے خلاف گواہی دی گئی ہے بلکہ ان گواہوں پر (قذف کی) حد جاری کرے۔ یہی سلوک ان گواہوں کے ساتھ بھی کیا جائے گا جو غلام یا ذمّی ہوں، یا جن پر قذف کے جرم میں حد جاری کی جا چکی ہو۔

زنا کے سلسلہ میں صرف وہی گواہیاں معتبر ہیں جو چار آزاد مسلمان مرد دیں جو راستباز بھی ہوں۔ اگر چار فاسق افراد گواہی دیں، یا گواہ راستبازی کی جانچ میں ٹھیک نہ ثابت ہوں، تو جس کے خلاف گواہی دی گئی ہو اس پر حد نہیں جاری کی جائے گی۔ ان گواہوں پر بھی کوئی حد نہیں جاری کی جائے گی کیوں کہ وہ تعداد میں چار ہیں۔

۷۲۲۔

ہم سے اشعث نے شعبی کی یہ روایت بیان کی ہے کہ اگر چار افراد ایک مرد کے خلاف زنا کی گواہی دیں لیکن ان گواہوں میں سے ایک یا چاروں، راستباز نہ ثابت ہو سکیں تو ان کا قول یہ ہے کہ: میں ان میں سے کسی کو بھی (قذف کی سزا کے طور پر) کوڑے نہیں ماروں گا۔

۷۲۳۔ عورتوں کی گواہی

ہم سے حجاج نے زہری سے روایت کرتے ہوئے ان کا یہ قول بیان کیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں، اور آپ کے بعد کے دونوں خلفاء کے زمانہ سے یہی طریقہ قائم رہا ہے کہ شرعی سزاؤں کے سلسلہ میں عورتوں کی گواہی نہیں تسلیم کی جاتی۔

فصل ۵
شراب خوری کی سزا

۷۲۴۔ تعیینِ جرم

جس شخص نے انگوری شراب پی ہو اور اسے امام کے سامنے پیش کیا جائے، تو اس پر حد جاری کی جائے گی، خواہ اس نے تھوڑی شراب پی ہو یا زیادہ۔ انگوری شراب کم ہو یا زیادہ ہر حال حرام ہے اور اس (کے پینے) سے حد واجب ہو جاتی ہے۔ نشہ، خواہ کسی مشروب سے پیدا ہو، حد واجب کر دیتا ہے۔

۷۲۵۔

ہم سے حجاج نے بروایت حصین، بروایت شعبی، بروایت حارث بروایت علی کرم اللہ وجہہ یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے، انگوری شراب کم پی جائے یا زیادہ اس کی سزا اسّی (کوڑے) ہے۔

۷۲۶

حجاج نے عطا سے روایت کرتے ہوئے ہم سے ان کا یہ قول بیان کیا ہے کہ: انگور کی شراب کے علاوہ کسی اور مشروب (کے پینے) پر اسی وقت حد واجب ہوگی جب اس سے نشہ پیدا ہو جائے۔

۷۲۷۔ شراب خوری کی سزا

ہم سے ابن ابی عروبہ نے بروایت عبداللہ الداناج، بروایت حصین، بروایت علی کرم اللہ وجہہ یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (شراب پینے پر) چالیس کوڑوں کی سزا دی، اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی چالیس کوڑوں کی سزا دی پھر عمر بن الخطاب نے اس کی تعداد پوری کر کے اسّی کر دی۔ دونوں ہی تعدادیں سنت ہیں۔ آپ کی مراد انگور کی شراب پینے کی سزا سے تھی۔

۷۲۸۔

اس بات پر ہمارے رفقاء کا اجماع ہے کہ جس شخص نے انگور کی شراب کم یا زیادہ پی ہو اسے اسّی کوڑے مارے جائیں گے۔ جو شخص انگوری شراب کے علاوہ کوئی اور شراب پی کر نشہ میں
۱۹۷ مبتلا ہو جائے، اس کی عقل معطل ہو جائے، اور بھلے برے کی تمیز جاتی رہے اس پر بھی اسّی کوڑوں کی حد جاری کی جائے گی۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نبیذ پی کر نشہ میں مبتلا ہو جانے والے کو اسّی کوڑے لگوائے ہیں۔

۷۲۹۔ ہر نشہ آور چیز پر سزا

ہم سے شیبانی نے بروایت حسان بن المخارق حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: ایک

شخص ایک سفر میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ یہ شخص روزہ سے تھا۔ جب اُس نے روزہ افطار کر لیا تو عمر بن الخطاب کا ایک نبیذ کا گھڑا، جو اوپر لٹکایا ہوا تھا، اتارا اور اس میں سے پیا اسے نشہ آ گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر حد جاری کی۔ اس آدمی نے آپ سے کہا: میں نے تو آپ ہی کے برتن سے پیا تھا! عمر رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیا کہ: میں نے تمہیں نشہ آنے کی بنا پر کوڑے مارے ہیں؛ (نبیذ) پینے کی بنا پر نہیں مارے ہیں۔

۷۳۰۔

مسعر نے حدیث بیان کرتے ہوئے مجھ سے کہا ہے: مجھ سے ابوبکر بن عمرو بن عتبہ نے ایک حدیث بیان کی ہے جس کو وہ عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے: "حد صرف اس چیز (کے پینے) پر جاری کی جائے گی جو عقل معطل کر دے۔"

۷۳۱۔ سزا دینے کا وقت

نشہ میں مبتلا آدمی پر حد اُسی وقت جاری کرنی چاہیے جب اس کا نشہ اتر جائے (ہمیں معلوم ہوا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔

۷۳۲۔

مغیرہ نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: جب کسی آدمی کو نشہ آ جائے تو اُسے نشہ اترنے تک چھوڑ دیا جائے گا، پھر کوڑے لگائے جائیں گے۔

۷۳۳۔ رمضان میں شراب پینے پر تعزیر

رمضان میں انگوری شراب پینے یا انگور کے علاوہ کسی اور چیز کی شراب پی کر نشہ میں مبتلا ہو جانے والے کا معاملہ پیش کیا جائے تو اسے حد کے بقدر کوڑے لگانے کے بعد تعزیر کے طور پر چند کوڑے اور مارے جائیں گے۔ یہ بات یا اس سے ملتی جلتی بات ہمیں علی اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے بارے میں معلوم ہوئی ہے۔

۷۳۴

ہم سے حجاج نے بروایت ابوسنان حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے رمضان میں انگور کی شراب پی تھی۔ آپ نے اسے اسّی کوڑے مارے پھر بطور تعزیر بیس کوڑے اور مارے۔

۷۳۵۔

حجاج نے عطاء بن مروان سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے ہم سے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث بیان کی ہے کہ آپ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے رمضان میں انگور کی شراب پی تھی، تو آپ نے ایسا ہی کیا (جیسا کہ اوپر حضرت عمر کے بارے میں منقول ہوا ہے)

فصل ۶
قذف کی سزا

۷۳۶۔ اتہامِ زنا

جب کسی ایسے شخص کا معاملہ پیش کیا جائے جس نے کسی آزاد مسلمان مرد پر زنا کی تہمت لگائی ہو، اور دو گواہ اس بات کی گواہی دیں، اور یہ دونوں راستباز ثابت ہو جائیں، تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ اسی طرح اگر ملزم نے کسی شخص کی ماں یا باپ پر، جو مسلمان ہوں، زنا کی تہمت لگائی ہو تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔

۷۳۷۔

اگر جرمِ قذف کا ارتکاب کرنے والا اپنے جرم کی سزا پانے سے پہلے کسی دوسرے آدمی پر بھی زنا کی تہمت لگا دے تو اس پر ان دونوں جرموں کی سزا میں صرف ایک ہی حد جاری کی جائے گی۔

۷۳۸۔

زنا کی تہمت لگانے والا اگر غلام ہو تو اس پر وہ حد نافذ کی جائے گی جو غلام کے لیے مقرر ہے یعنی چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔ اگر ارتکاب قذف کے بعد سزا پانے سے پہلے یہ غلام آزاد کر دیا جائے اور پھر اسے حاکم کے سامنے لایا جائے تو بھی اُسے صرف چالیس ہی کوڑے
مارے جائیں گے کیوں کہ ارتکاب جرم کے وقت اس پر اتنی ہی سزا واجب ہوئی تھی۔ اگر آزاد ہونے ۱۹۸
کے بعد سزا پانے سے پہلے یہ ملزم کسی دوسرے آدمی پر زنا کی تہمت لگا دے تو اسے ان دونوں جرموں کی سزا میں اسّی کوڑے لگائے جائیں گے۔ اسی طرح اگر ملزم سزا شروع ہونے اور چند کوڑے کھانے کے بعد کسی دوسرے پر زنا کی تہمت لگا دے تو مجموعی طور پر صرف اسّی کوڑے مارے جائیں گے، اور اس نئی تہمت کی سزا بھی اسی میں شامل سمجھی جائے گی۔ اسّی کوڑے پورے ہونے میں ایک کوڑے کی بھی کمی ہو اور مجرم از سرِ نو قذف کا ارتکاب کرے تو بھی اُسے از سرِ نو اسّی کوڑے نہیں مارے جائیں گے۔ یہاں تک کہ اگر ایک کوڑا باقی ہو اور مجرم چوتھی بار قذف کا ارتکاب کرے تو بھی (ایک کوڑا اور مار کر) اسّی کوڑوں کی تعداد پوری کی جائے گی اور چوتھی بار قذف کی سزا میں ان کوڑوں کے علاوہ مزید سزا نہیں دی جائے گی جو مارے جا چکے ہیں۔ البتہ اگر اسّی کوڑے پورے ہو چکے ہوں اور اس کے بعد یہ مجرم کسی دوسرے فرد پر زنا کی تہمت لگا دے تو اسے کچھ عرصہ قید میں رکھنے کے بعد، تاکہ چوٹ نا قابلِ برداشت نہ بن جائے، اسّی کوڑے مزید مارے جائیں گے۔

۷۳۹۔ غلام مجرم کی سزا

ہم سے سعید نے قتادہ بروایت علی کرم اللہ وجہہٗ اس غلام کے بارے میں جو کسی آزاد پر تہمتِ زنا لگائے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: اسے چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔

قتادہ نے کہا ہے کہ یہی رائے سعید بن المسیّب اور حسن کی بھی ہے۔

۷۴۰۔

ہم سے ابن جریج نے بروایت عمرو بن عطاء بروایت عکرمہ بروایت عبداللہ بن عباس اس

غلام کے بارے میں جو آزاد پر تہمتِ زنا لگائے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے کہا ہے: اسے چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔

۷۴۱۔ مجرم قذف کی گواہی کبھی نہ قبول کی جائے گی

ہمارے رفقاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جرم قذف کے مرتکب سے کبھی گواہی نہیں تسلیم کی جائے گی۔ اگر وہ توبہ کرے تو یہ توبہ صرف اس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین کام آسکے گی۔

۷۴۲۔ ذمّی پر اتہام زنا

جس شخص نے کسی یہودی یا عیسائی پر زنا کی تہمت لگائی ہو اس کے بارے میں ہم سے مغیرہ نے ابراہیم کا یہ قول روایت کیا ہے کہ اس پر حد نہیں واجب ہو گی۔

۷۴۳۔ کوڑے مارنے کا طریقہ

زانی اور شراب پینے والے کو اس حال میں کوڑے لگائے جائیں گے کہ وہ (صرف) تہمد بند پہنے ہوئے ہو۔ قذف کے مجرم کو اس کے پورے لباس میں کوڑے لگائے جائیں گے۔ البتہ اگر وہ اونی شال اوڑھے ہوئے ہو تو اسے اتار لیا جائے گا۔

۷۴۴۔

ہم سے لیث نے مجاہد کا، اور مغیرہ نے ابراہیم کا، یہ قول بیان کیا ہے کہ قذف کے مجرم کو اس حال میں کوڑے لگائے جائیں گے کہ وہ اپنا پورا لباس پہنے ہوئے ہو۔

۷۴۵۔

ہم سے مطرف نے شعبی کا یہ قول روایت کیا ہے کہ: قذف کے مجرم کو اس میں کوڑے مارے جائیں گے کہ وہ اپنا پورا لباس پہنے ہوئے ہو۔ البتہ اگر وہ کوئی اونی شال یا روئی دار عبا پہنے ہوئے ہو تو اسے اتار لیا جائے گا۔ تاکہ اُسے کوڑوں کی چوٹ لگ سکے۔

۷۴۶۔

ہم سے ابو حنیفہ نے بروایت حماد بروایت ابراہیم یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے:

کوڑے لگاتے وقت زانی کے سارے کپڑے اتار لیے جائیں گے، صرف تہبند پہنے رہے گا۔ انہوں نے یہ آیت پڑھی: "ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ" (اور تمھیں ان پر اللہ کا حکم نافذ کرنے میں ترس نہ آئے) اسی طرح شراب خور کو بھی صرف ایک تہبند میں کوڑے لگائے جائیں گے۔

۷۴۷۔

میری رائے میں زانی کو شرابی سے اور شرابی کو قذف کے مجرم سے زیادہ کڑی مار ماری جائے
گی۔ تعزیری سزاؤں میں ان تینوں سے زیادہ سخت مار ماری جائے گی۔ ۱۹۹

فصل ۷

تعزیری سزائیں

۷۴۸۔ تعزیری سزا کی مقدار

تعزیر میں (کوڑوں کی تعداد میں) ہمارے رفقاء کے درمیان اختلاف ہے بعض کی رائے یہ ہے کہ اس کی تعداد حد کے طور پر لگائے جانے والے کوڑوں کی سب سے کم تعداد یعنی چالیس سے کم ہونی چاہیے بعض دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ میں تعزیر میں پچھتر کوڑوں تک کی سزا دوں گا، میں اسے آزاد مرد کی شرعی حد سے کچھ کم رکھتا ہوں۔ کچھ دوسرے فقہاء اس سے بھی زیادہ کی گنجائش سمجھتے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس باب میں بہترین رائے یہ ہے کہ تعزیری سزاؤں کی مقدار کا تعین امام کی صواب دید پر منحصر ہے۔ وہ جرم کے بڑے یا چھوٹے ہونے کے لحاظ سے سزا پانے والے کی قوتِ برداشت کو سامنے رکھتے ہوئے اسّی کوڑوں سے کم کی سزا دے گا۔ واللہ اعلم۔

۷۴۹۔ غلام اور لونڈی کا زنا

غلام اور لونڈی باہم زنا میں ملوّث ہوں تو ہمارے رفقاء کا اجماع ہے کہ ان دونوں کو پچاس پچاس کوڑے مارے جائیں گے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور عبداللہ سے یہی مسلک مروی ہے۔

۷۵۰۔

ہم سے یحییٰ ابن سعید نے بروایت سلیمان بن لیسار بروایت ابن ابی ربیعہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: عمر نے ہمیں قریش کے چند اور نوجوانوں کے ساتھ سرکاری لونڈی غلاموں میں سے چند ایسی لونڈیوں [کو کوڑے مارنے][1] کے لیے بلایا جنھوں نے زنا کیا تھا۔ چنانچہ ہم نے انھیں پچاس پچاس کوڑے مارے۔

۷۵۱۔

ہم سے اعمش نے بروایت ابراہیم بروایت ھمام بروایت عمرو بن شرحبیل حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے معقل نے عبداللہ کے پاس آکر ان سے یہ کہا کہ میری لونڈی نے زنا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے پچاس کوڑے مارو۔

۷۵۲۔ زنا پر مجبور کی جانے والی کو سزا نہ دی جائے

ہم سے اشعث نے زہری، حسن اور شعبی سے روایت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک جس عورت کو زنا پر مجبور کر دیا گیا ہو اس پر حد نہیں عائد ہوتی۔ ہمارے نزدیک بھی اس باب میں بہترین رائے یہی ہے۔ واللہ اعلم

فصل ۸

چوری کی سزا

۷۵۳۔ چوری کی سزا

جس شخص کو، کم از کم دس درہم نقد، اور سامان چرانے کی شکل میں دس درہم قیمت کا سامان، چرانے کے جرم میں پیش کیا جائے، اور اس کے خلاف چوری کرنے کی گواہیاں گذر جائیں اس کا

[1] تیموری نسخہ میں ہے، مدینہ کے   [2] یہ اضافہ تیموری نسخہ میں ہے۔

ہاتھ کلائی کے جوڑ سے کاٹ دینا چاہیے۔ اگر وہ دوبارہ چوری کرے اور دس درہم نقد یا اتنی قیمت کا مال چرائے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔ پاؤں کس جگہ سے کاٹا جائے گا، اس بارے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے: ٹخنے کے جوڑ سے کاٹا جائے گا۔ دوسرے حضرات نے کہا ہے: پنجے سے کاٹا جائے گا۔ آپ ان اقوال میں سے جسے چاہیں اختیار کرلیں کیوں کہ میرا خیال ہے کہ اس بارے میں آپ کے لیے گنجائش ہے

۲۰۰ البتہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہاتھ کو کلائی کے جوڑ سے کاٹا جائے گا۔ کاٹنے کے بعد زخم کو داغ دے کر بند کر دینا چاہیے۔

۷۵۴۔ قطع کی کیفیت

ہم سے عیسرہ بن معبد نے حدیث بیان کی ہے کہ میں نے عدی بن عدی کو رجاء بن حیوہ سے یہ کہتے سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پاؤں کو ٹخنے کے جوڑ سے کاٹا تھا

۷۵۵۔

ہم سے محمد بن اسحاق نے بروایت حکیم بن حکیم بن العلاء، بروایت عباد بروایت نعمان بن مرۃ یہ حدیث بیان کی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے ایک چور کا پاؤں پنجل سے پہلے والے جوڑ سے کاٹا تھا۔

۷۵۶۔

ہم سے اسماعیل نے بروایت ام رزین حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے: میں نے عبداللہ بن عباس کو یہ کہتے سنا ہے: کیا تمھارے[1] ان امراء کو اس طرح کاٹنا نہیں آتا جس طرح اس دیہاتی نے کاٹا ہے ——— آپ کی مراد نجدۃ (نامی اعرابی) سے تھی ——— اس نے کاٹا ہے اور کاٹنے میں ذرا بھی غلطی نہیں کی ہے۔ پاؤں اس طرح کاٹتا ہے کہ ایڑی بالکل سلامت رہے۔

۷۵۷۔

ابن جریج نے عمرو بن دینار اور عکرمہ[2] سے روایت کرتے ہوئے ہم سے حدیث بیان کی

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے: ہمارے امرا۔ [2] تیموری نسخہ میں ہے: عمرو بن یسار اور عکرمہ سے

ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کو کلائی کے جوڑ سے اور پاؤں کے صرف آگے کے حصے کو کاٹا تھا اور عمر نے پاؤں کے آدھے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

۷۵۸۔

ہم سے عبدالملک یعنی ابن ابی سلیمان نے بروایت سلمہ بن کہیل بروایت حجیہ بن ابن عدی حدیث بیان کی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ چوروں کا ہاتھ کاٹتے اور اس کے بعد داغ کر زخم بند کر دیتے۔

۷۵۹۔ چوری کی وہ مقدار جس پر سزا واجب ہے

ہمارے فقہاء کے درمیان اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ کاٹنے کی سزا کم از کم کتنی مقدار کی چوری میں واجب ہوتی ہے۔ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ صرف اس شکل میں قطع کیا جائے گا جب مالِ مسروقہ کی قیمت دس درہم یا اس سے زیادہ ہو۔ دوسرے فقہاء کہتے ہیں کہ مال مسروقہ کی قیمت پانچ درہم یا اس سے زیادہ ہو تو قطع کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ حجاز کے بعض حضرات نے تین درہم کی حد مقرر کی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے مروی متعدد آثار کی روشنی میں ہمارے نزدیک بہتر رائے یہ ہے کہ کاٹنے کی سزا اسی وقت دی جائے گی جب مالِ مسروقہ کی قیمت دس درہم یا اس سے زیادہ ہو۔ واللہ اعلم۔

۷۶۰۔ مجھ سے ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ڈھال کی قیمت کا مال چرانے پر چور (کا ہاتھ یا پاؤں) کاٹا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں ڈھال ایک قیمتی چیز تھی۔ بہت معمولی چیزوں کی چوری پر قطع نہیں کیا جاتا تھا۔

۷۶۱۔

مجھ سے محمد بن اسحاق نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم سے ایوب بن موسیٰ نے بروایت عطاء بروایت ابن عباس حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ ڈھال کی قیمت سے

۲۰۱ کم مال کی چوری پر چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور ڈھال کی قیمت دس درہم ہے۔

۷۶۲-

ہم سے مسعودی نے بروایت قاسم بن عبدالرحمٰن بروایت عبداللہ بن مسعود حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: ایک دینار یا دس درہم سے کم (مال کی چوری) پر نہیں قطع کیا جائے گا۔ تقریباً یہی بات علی رضی اللہ عنہ سے بھی ہے۔

۷۶۳-

ہم سے ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے اور انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: رسول اللہ کے زمانہ میں معمولی چیزوں کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔

فصل ۹

گواہی، اور اقرارِ جرم کے مسائل

۷۶۴۔ مشتبہ گواہی

جب چار گواہ کسی آدمی کے خلاف ارتکاب زنا کی گواہی دیں لیکن ارتکاب جرم کا جو وقت بتائیں اس پر بہت طویل عرصہ گذر چکا ہو اور افراد باوجود امام (کی جائے عدالت) سے دور دراز علاقہ میں رہنے کے گواہی دینے آئے ہوں تو ان کی گواہی نہیں قبول کی جائے گی اور اس شکل میں ملزم پر حد نہیں جاری کی جائے گی۔

اسی طرح اگر گواہوں نے کسی آدمی کے خلاف دس درہم یا زیادہ مالیت کی چیز چرانے کی گواہی دی ہو لیکن ارتکابِ جرم کا جو وقت بتائیں اس پر بہت عرصہ گذر چکا ہو تو اس شکل میں بھی ملزم پر حد نہیں جاری کی جائے گی لیکن وہ مالِ مسروقہ کی ادائگی کا ذمہ دار قرار پائے گا۔

اگر گواہوں نے کسی آدمی کے خلاف کسی مسلمان پر زنا کی تہمت لگانے کے الزام میں گواہی

دی ہو اور ارتکابِ جرم کا جو وقت بتائیں اس پر کافی عرصہ گذر چکا ہو لیکن وہ آدمی جس پر تہمت لگائی گئی ہے حاضر ہو کر اپنے حق کا مطالبہ کرے، تو قذف کرنے والے پر حد جاری کی جائے گی، اور جرم کا قدیم ہونا اسے ساقط نہ کر سکے گا، کیوں کہ اس کا شمار حقوق الناس میں ہے۔ یہی نوعیت عمداً لگائے جانے والے قابلِ قصاص زخموں اور غیر ارادی طور پر لگ جانے والے موجب تاوان زخموں کی بھی ہے۔

۷۶۵۔ متعدد بار جرم کرنے کی صورت میں سزا

اگر کوئی آدمی متعدد افراد پر زنا کی تہمت لگائے جو (مثلاً) بصرہ، مدینۃ السلام اور کوفہ میں ہوں اور اس کو کسی ایک آدمی پر تہمت لگانے کی سزا میں کوڑے لگائے جائیں تو یہی ایک سزا ان سب افراد پر تہمت کے لیے کافی ہو گی۔ اسی طرح اگر مجرم نے کئی بار چوری کی ہو تو ان تمام چوریوں کی سزا میں اس کا ایک ہی بار ہاتھ کاٹا جائے گا۔

۷۶۶-

ہم سے ابو حنیفہ نے بروایت حماد بروایت ابراہیم اور مغیرہ نے بروایت ابراہیم یہ بیان کیا ہے کہ: اگر چور نے کئی بار چوری کی ہو تو بھی اس کا ہاتھ (جو کاٹا جا سکتا ہے) ایک ہی ہے۔ اگر مجرم نے کئی بار شراب پی ہو یا کئی بار زنا کی تہمت لگائی ہو تو اس پر صرف ایک بار حد جاری کی جائے گی۔

۷۶۷۔ اقرارِ جرم

اگر کوئی آدمی اتنے مال کی چوری کا اقرار کرے جس پر قطعِ ید واجب ہو جاتا ہے تو اس بارے میں ہمارے رفقاء کے درمیان اختلاف ہے بعض نے کہا ہے: ایک ہی بار اقرار کر لینے پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ جب تک وہ دوبارہ اقرار کرے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ہمارے نزدیک اس مسئلہ میں موزوں ترین رائے یہ ہے کہ جب تک وہ آدمی دو مختلف مجلسوں

میں دوبارہ اقرار نہ کرے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس مفہوم کا ایک اثر علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے بھی مروی ہے۔

انگور کی شراب پینے کے اقرار کا بھی یہی حال ہے۔ اگر اس کے منہ سے شراب کی بو آرہی
۲۰۲ ہو تب بھی جب تک وہ دوبارہ اقرار نہ کرے اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے۔

البتہ قذف کے معاملہ میں ملزم کا ایک بار اقرار کر لینا سزا دینے کے لیے کافی ہے۔ جملہ حقوق الناس کے بارے میں یہی طریقہ اختیار کیا جائے گا قتل یا اس سے کم تر جنایات اور زخموں کا اقرار ہو یا مالی ذمہ داریوں کا اقرار ہو ان تمام حالتوں میں ایک بار اقرار کر لینے سے وہ بات قابلِ نفاذ ہو جاتی ہے جس کا اقرار کیا گیا ہے۔

۷۶۸۔ اقرارِ جرم سے رجوع

حد جاری کرنے کے قابل چوری، یا انگوری شراب پینے یا زنا کا اقرار کرنے والا اگر امام کے حد جاری کرنے کا حکم دینے کے بعد اور عملاً سزا پانے سے پہلے، اپنے اقرار سے رجوع کرے تو اس پر حد نہیں جاری کی جائے گی۔ لیکن جو آدمی حقوق الناس میں سے کسی حق مثلاً جان لینے یا اس سے کم تر جنایت کا، قذف کا، یا کسی مالی ذمہ داری کا اقرار کرے اور پھر (سزا پانے سے پہلے) اس سے رجوع کرے تو اس پر اس کے اقرار کے بموجب حکم عملاً نافذ کیا جائے گا اور اس رجوع سے اس حکم میں کوئی فرق نہیں واقع ہو گا۔

۷۶۹۔

ہم سے اعمش نے قاسم بن عبدالرحمٰن سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ میں ایک بار علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی نے آ کر یہ کہا: امیر المومنین! میں نے چوری کی ہے۔ آپ نے اُسے جھڑک دیا، پھر وہ دوبارہ آیا اور اُس نے کہا: میں نے چوری کی ہے تو علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اب تو نے اپنے خلاف مکمل گواہی دے دی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر آپ نے حکم دیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا

راوی کہتا ہے کہ میں نے اس کے کٹے ہوئے ہاتھ کو اس کی گردن میں لٹکا ہوا دیکھا ہے۔

۷۷۰۔

ہم سے حجاج نے بروایت حسن بن سعد بروایت عبداللہ بن شداد حدیث بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک عورت لائی گئی جو چار بار زنا کا اقرار کر چکی تھی۔ عمر نے اُس سے کہا: اگر تو رجوع کرے تو ہم تجھ پر حد نہیں جاری کریں گے۔

۷۷۱۔

ہم سے ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ مجھے اسماعیل نے بروایت ابن شہاب ان کا یہ قول بیان کیا ہے کہ جو آدمی چوری یا کسی قابلِ حد جرم کا متعدد بار اقرار کر کے پھر اس سے انکار کر دے اس پر کوئی سزا نہیں واجب ہو گی۔

شعبی سے بھی یہی بات مروی ہے۔

۷۷۲۔ غلام کا اقرارِ جرم

کوئی ایسا غلام جس کو تجارتی معاملات کی اجازت نہ ہو یا جس کے جملہ تصرفات پر پابندی عاید ہو، اگر کسی شخص کو عمداً قتل کرنے یا زنا کی تہمت لگانے یا قابلِ حد مقدار مال کی چوری کرنے یا زنا کے ارتکاب کا اقرار کرے تو اس کا اقرار تسلیم کر لیا جائے گا، کیوں کہ اس اقرار کے نتائج[1] اس کی اپنی ذات پر مرتب ہوتے ہیں۔ قذف، چوری، اور زنا کے عواقب اس کے اپنے بدن پر مرتب ہوں گے لہٰذا ان امور کے سلسلہ میں اس کے اقرار کو مشتبہ نہیں سمجھا جائے گا۔ اس کے اقرار کو اس حال میں مشتبہ سمجھا جائے گا جب وہ مالی ذمہ داریوں یا کسی ایسی جنایت کا اقرار کرے جس میں قصاص نہیں لیا جاتا (بلکہ تاوان عاید کیا جاتا ہے) اس (تفریق) کی وجہ یہ ہے کہ ایسے اقرار کی شکل میں اگر اس غلام کا مالک اس کے بیان کی تصدیق کرے تو اس سے کہا جائے گا کہ اس غلام ۲۰۳
کو حوالہ کر دو یا اسے فدیہ دے کر چھڑاؤ، یا اس پر جو قرض (اس اقرار کے نتیجہ میں) عائد ہو گیا ہے

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے: کیوں کہ اس اقرار کے نتائج اس کی اپنی ذات اور بدن پر مرتب ہوتے ہیں لہٰذا۔۔۔

اُسے اس کی طرف سے ادا کرو۔ بصورت دیگر اس قرض کی ادائگی کی خاطر اس غلام کو فروخت کر دیا جائے گا۔

غلام اگر قتل خطا، یا قتل سے کم تر زخم لگانے، غصب کرنے یا قرض دار ہونے کا اقرار کرے تو اس کا اقرار نہیں تسلیم کیا جائے گا۔ البتہ اگر اس غلام کو تجارتی معاملات انجام دینے کی اجازت ہو تو قرض اور غصب مال کے سلسلہ میں اس کا اقرار قابل تسلیم ہو گا۔

۷۷۳۔

اگر غلام نے خود اقرار نہ کیا ہو بلکہ گواہی کے ذریعہ اس کے خلاف قتل خطا یا قتل سے کم تر زخم لگانے کا الزام ثابت ہو جائے تو اس کے مالک سے کہا جائے گا کہ یا تو اس غلام کو اس جرم کے عوض حوالہ کر دو یا دیت یا زخم کا تاوان ادا کر کے اسے چھڑا لو۔ اسی طرح اگر گواہی کے ذریعہ یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے کسی کا مال غصب کر لیا ہے تو اس کے مالک سے کہا جائے گا کہ مطلوبہ مال ادا کر کے اسے چھڑا لو ورنہ اس کی ادائگی کی خاطر اس غلام کو فروخت کر دو۔ ان تمام حالتوں میں لونڈی اور مکاتب غلام پر بھی وہی احکام منطبق ہوں گے جو غلام کے لیے ہیں۔

۷۷۴۔

ہم سے مغیرہ نے بروایت ابراہیم ان کا یہ قول بیان کیا ہے کہ جب تک مکاتب کے ذمہ طے شدہ رقم کا کوئی حصہ باقی ہو اس کے لیے بھی وہی حدیں ہیں جو غلام کے لیے ہیں۔

۷۷۵

ہم سے ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے بروایت ابراہیم ان کا یہ قول بیان کیا ہے کہ: غلام کا ہر وہ اقرار قابل تسلیم ہے جس کے نتیجہ میں اس کی ذات پر کوئی حد جاری ہونے والی ہو، لیکن وہ اقرار ناقابل تسلیم ہیں جن کے نتیجہ میں (مالک کے ہاتھ سے) اس کی ملکیت جاتی ہے

فصل ۱۰

چوری اور دوسرے جرائم کی سزا سے متعلق بعض احکام

۷۷۶۔ قطع ید سے مستثنیٰ چوریاں

کسی شخص کو اپنے باپ، ماں، بیٹے، بہن، بھائی، بیوی، یا کسی بھی خونی قرابت رکھنے والے رشتہ دار کا مال چرانے پر قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی۔ اسی طرح اِن حالات میں بھی چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا جب کہ:

بیوی نے اپنے شوہر کا مال چرایا ہو،

غلام نے اپنے آقا کا مال چرایا ہو،

مکاتب غلام نے اپنے آقا کا مال چرایا ہو،

آقا نے اپنے مکاتب غلام کا مال چرایا ہو،

کسی شخص نے سفنے کا مال چرایا ہو،

کسی شخص نے خمس کا مال چرایا ہو،

کسی شخص نے حمام میں چوری کی ہو،

کسی شخص نے کسی ایسی دوکان میں چوری کی ہو جس میں وہ خود مقیم ہو،

کسی حصہ دار نے مشترکہ مال میں سے اپنے شریک کا حصہ چرایا ہو،

کسی شخص نے اپنے پاس امانۃً، عاریۃً، یا بطور رہن رکھے ہوئے مال میں سے چوری کی ہو۔

۷۷۷۔ کفن چور کی سزا

قبر کھود کر کفن چرانے والے کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیوں کہ مال مسروقہ محفوظ جگہ پر نہیں تھا۔ ہماری رائے میں بہتر مسلک یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا

جائے گا۔ واللہ اعلم۔

۷۷۸۔ جیب کترے کی سزا

جیب کترے نے اگر جیب سے دس درہم یا زیادہ نکالا ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اگر جیب سے نکالا ہوا مال دس درہم سے کم ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ کچھ سزا دے دی جائے گی۔ اور اس وقت تک کے لیے قید میں ڈال دیا جائے گا جب تک وہ توبہ نہ کرے۔

۷۷۹۔ اٹھائی گیرے کی سزا

۲۰۳ اچکے اور اٹھائی گیرے اور وہ افراد جو ہاتھوں کی صفائی سے کام لے کر کچھ چراتے ہیں تادیب اور قید کی سزا پائیں گے اور اسی وقت رہا کیے جائیں گے جب توبہ کریں۔

۷۸۰۔

دروازوں پر تاک لگائے رہنے والے جو چور گھروں یا دوکانوں کے اندر سے سامان اڑا لے جاتے ہیں وہ اگر سامان لے کر باہر نکل آنے کے بعد سامان سمیت پکڑ لیے جائیں تو ان کو قطع ید کی سزا دی جائے گی۔ اسی طرح جو عورتیں لوگوں کے گھروں میں جا کر کپڑے وغیرہ کی قسم کا سامان اٹھا لاتی ہیں ان کو بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی، بشرطیکہ یہ سامان کم و بیش دس درہم کا ہو اور وہ اسے لے کر گھر سے باہر آ چکی ہوں۔

جس خیمہ میں اندر آنے کی عام اجازت نہ ہو اس میں سے چوری کرنے والے کو بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔

دبیز بوریوں یا تھیلوں کو پھاڑ کر سامان چرانے والے کے لیے اور اسی طرح گھر میں نقب لگا کر خود اس میں داخل ہوئے بغیر ہاتھ ڈال کر سامان نکال لینے والے کیلئے بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے۔

۷۸۱۔

ہمارے بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جیب کترے کو جس نے کسی آدمی کی آستین میں رکھی ہوئی تھیلی میں سے دس درہم یا زائد نکال لیا ہو، قطع ید کی سزا اسی شکل میں دی جائے گی جب تھیلی آستین کے

اندر بندھی ہوئی ہو۔ اگر تھیلی آستین سے باہر نکلی ہوئی ہو تو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔

۷۸۲۔ نقب لگانے والا۔

جو چور اس حال میں پکڑا جائے کہ وہ کسی گھر یا دوکان میں نقب لگا کر اندر آ گیا ہو اور باہر لانے کے لیے سامان کو ایک جا کر لیا ہو لیکن ابھی اسے لے کر باہر نہ نکلا ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسے سخت تعزیری سزا دی جائے گی اور اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک وہ توبہ نہ کرے۔

۷۸۳۔

ہم سے حجاج نے بروایت حصین، بروایت شعبی، بروایت حراث، بروایت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حدیث بیان کی ہے کہ آپ کے سامنے ایک ایسا شخص پیش کیا گیا جو نقب لگا کر اندر گھس گیا تھا اور وہیں پکڑ لیا گیا۔ آپ نے اُس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔

۷۸۴۔

ہم سے عاصم نے شعبی کا یہ قول روایت کیا ہے کہ ایسے آدمی کو قطع ید کی سزا اسی شکل میں دی جائے گی جب وہ سامان لے کر گھر سے باہر نکل آیا ہو۔

۷۸۵۔ بیت المال سے چوری کرنے والا

مسعودی نے قاسم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ایک آدمی نے بیت المال سے چوری کی تو سعد نے عمرؓ کو لکھ کر اس کے بارے میں دریافت کیا۔ عمرؓ نے ان کو لکھا کہ اسے قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی۔

۷۸۶۔ مال غنیمت کی چوری

ہم سے سعید نے بروایت قتادہ بروایت حسن یہ بیان کیا ہے کہ، جب کوئی آدمی مال غنیمت میں سے چوری کرے، اور وہ خود بھی اس مال میں سے کسی حصہ کا مستحق ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ البتہ اگر اُس میں اس کا کوئی حصہ نہ ہو تو چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

۷۸۷

ہم سے سعید نے بروایت قتادہ، بروایت سعید بن المسیب ان کی یہ رائے بیان کی ہے کہ اگر کوئی آدمی سنیے کے مال میں سے کسی لونڈی سے مباشرت کرے تو اگر وہ اس لونڈی میں کسی حصہ کا مستحق ہو تو اس پر حد نہیں واجب ہوگی۔

۷۸۸۔ آقا کے مال کی چوری

ہم سے ابو معاویہ نے بروایت اعمش، بروایت ابراہیم، بروایت ہشام، بروایت عمرو بن شرحبیل

۲۰۵ حدیث بیان کی ہے کہ معقل المزنی نے عبد اللہ کے پاس آکر یہ کہا کہ میرے غلام نے میری لونڈی چرا
لی ہے کیا میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں؟ عبد اللہ نے کہا کہ: نہیں، مال تیرا ہی ہے صرف ادھر سے ادھر ہوا ہے۔

۷۸۹۔

عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کی گئی ہے کہ آپ کے پاس ایک غلام کو لایا گیا جس نے اپنے آقا کا مال چرایا تھا تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔

۷۹۰۔

علی رضی اللہ عنہ سے یہ قول مروی ہے کہ "میرا غلام میرے مال میں چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ نہ کاٹوں گا۔"

۷۹۱۔ کفن چور

حجاج نے حکم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے ابراہیم اور شعبی کا یہ قول بیان کیا ہے کہ، ہمارے مردوں کے یہاں چوری کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے کہ اس نے ہمارے زندہ افراد کے یہاں چوری کی ہو۔

لہ مطبوعہ نسخہ میں (سلسلہ رواۃ کا پہلا نام) ابو معاویۃ الاعمش ہے۔ تیموری نسخہ میں سلسلہ رواۃ یوں ہے ابو ابراہیم بروایت ہمام بروایت عروہ ابن شرحبیل۔

حجاج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے کفن چور کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

۷۹۲۔ خائن کی سزا

ہم سے ابن جریج نے بروایت ابی الزبیر بروایت جابر یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: اچکنے، اٹھائی گیرے اور امانت میں خیانت کرنے والے کو قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی۔

۷۹۳۔

ہم سے اشعث نے بروایت ابی الزبیر بروایت جابر حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خیانت کرنے پر قطع ید کی سزا نہیں۔

۷۹۴۔

جیسا کہ اس حدیث میں آیا ہے خیانت میں قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی۔ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے، "جسے تم نے خیانت کا مجرم پایا ہو اس کا سارا سامان جلا دو" نیز ابوبکر و عمر کے بارے میں یہ روایت ہے کہ یہ دونوں حضرات خیانت کے جرم میں سخت سزا دیتے تھے ہم نے اپنے فقہاء کو جس مسلک پر پایا ہے وہ یہ ہے کہ خیانت کے مجرم کو سخت سزا دی جائے اور اس کے پاس سے (خیانت کیا ہوا) جو مال برآمد ہو وہ لے لیا جائے

۷۹۵۔ حرام اشیاء کی چوری

انگور کی شراب، ستور، اور آلات غنا کی چوری پر قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی۔ اسی طرح نبیذ، پرندہ، شکار، جنگلی جانور، کھجور کی گٹھلی، مٹی، کنکر، چونا، اور پانی کی چوری پر بھی قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ، اشیاء خوراک، مثلاً روٹی کی چوری پر، اور تازہ پھل، ایندھن، گھاس، اور مختلف قسم کے پتھروں، کنکر، چونا، ہڑتال، ٹھیکری، مٹی،
۲۰۶ گیرو، مٹی کی ہانڈیوں، سرمہ اور شیشہ کی چوری پر بھی قطع ید کی سزا نہیں، مچھلی خواہ تازہ ہو یا نمک

نگاکر محفوظ کر لی گئی ہو، ہر طرح کی ترکاری، پھول کلیاں، بھوسہ، لکڑی کے تختے، قرآن کریم کی جلدیں، اشعار کے مجموعے۔ ان اشیاء کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں۔ البتہ قت اور سرکہ کی چوری پر ان کے نزدیک قطع ید کی سزا واجب ہوتی ہے۔

٧٩٦۔ دوسری اشیاء کی چوری کے احکام

مندرجہ ذیل اشیاء کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹا جائے گا بشرطیکہ ان کی اتنی مقدار چرائی گئی ہو جس کی قیمت دس درہم یا اس سے زیادہ ہو: مازو، اہلیلج یا کوئی خشک دوا (جڑی بوٹی وغیرہ) جو، گیہوں، آٹا، دیگر غلہ جات، خشک میوہ جات، مرتی اور جواہرات، تیل اور خوشبودار اشیاء مثلاً عود، مسک، عنبر وغیرہ۔ اس باب میں ہمیں جو رائیں معلوم ہیں ان میں یہی رائے بہتر ہے واللہ اعلم۔

درختوں پر سے پھل چرانے والے کے لیے قطع ید کی سزا نہیں۔ البتہ اگر پھلوں کے کھلیانوں یا گھروں میں محفوظ کر لینے کے بعد چوری کی گئی ہو تو قطع ید کی سزا دی جائے گی بشرطیکہ چرائے ہوئے پھلوں کی قیمت دس درہم یا اس سے زیادہ ہو۔ اسی طرح چراگاہوں سے مویشی چرانے والے کے لیے بھی قطع ید کی سزا نہیں۔ لیکن اگر مویشی کسی ایسی جگہ سے چرائے گئے ہوں جہاں ان کو بند کر کے محفوظ کر دیا جاتا ہو تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

بانس یا سال کی لکڑی یا عام لکڑی کی چوری پر قطع ید کی سزا نہیں۔ البتہ اگر لکڑی سے دروازے یا برتن وغیرہ بنا لیے گئے ہوں اور ان میں سے کوئی ایسی چیز چرائی گئی ہو جس کی قیمت دس درہم یا زائد ہو تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

بتوں کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا خواہ یہ بت لکڑی کے ہوں یا سونے یا چاندی کے۔ ان مسائل میں ہم نے جو رائیں نقل کی ہیں ان میں یہی رائے بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

٧٩٧۔

مجھ سے یحییٰ بن سعید نے بروایت محمد بن یحییٰ بن حبان، بروایت رافع بن خدیج یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: پھل یا کھجور کے گچھے چرانے

پر قطع ید کی سزا نہیں؛

٧٩٨۔

ہم سے اشعث نے بروایت حسن یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے کھانا چرایا تھا تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔

٧٩٩۔

ہم سے حجاج بن ارطاۃ نے اپنے والد سے اور انہوں نے ان کے دادا سے روایت ٢٠٨
کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ، جانوروں کی چوری پر قطع ید کی سزا اسی وقت دی جائے گی جب انھیں ان کے باڑے سے چرایا گیا ہو، اور پھلوں کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا اسی وقت دی جائے گی جب وہ کھلیان میں محفوظ کر لیے گئے ہوں۔

ابن عمر سے بھی تقریباً یہی قول مروی ہے۔

٨٠٠۔

میں نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ: میں نے حماد کو یہ کہتے سنا ہے کہ ابراہیم نے کہا ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پرندوں کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹتے تھے۔

٨٠١۔

ابن ابی لیلیٰ کی رائے یہ تھی کہ کعبہ کے پردوں میں سے کوئی حصہ چرانے والے کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ میری رائے بھی یہی ہے۔

٨٠٢۔ قطع کی کیفیت

اگر کسی آدمی نے چوری کی ہو اور اس کا داہنا ہاتھ مفلوج ہو تو اس کا یہی مفلوج ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر چور کا بایاں ہاتھ مفلوج ہو (اور داہنا ٹھیک ہو) تو میری رائے میں اس کا داہنا ہاتھ نہیں کاٹنا چاہیے کیوں کہ اگر اسے کاٹ دیا گیا تو وہ آدمی عملاً بغیر ہاتھ کے رہ جائے گا لہٰذا اس کا ہاتھ کاٹنا مناسب نہیں۔ اسی طرح اگر چور کا داہنا پاؤں مفلوج ہو تو بھی اس کا داہنا ہاتھ نہیں

کاٹنا چاہیے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس کے جسم کا ایک پہلو بغیر ہاتھ پاؤں کے رہ جائے۔ اگر اس کا داہنا پاؤں صحیح سالم ہو اور بایاں پاؤں مفلوج ہو تو اس کا داہنا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ فالج کا اثر بدن کے دوسرے جانب میں ہے۔ ایسا چور اگر دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں جو مفلوج ہے، کاٹ دیا جائے گا۔ اگر وہ اس کے بعد تیسری بار چوری کا ارتکاب کرے تو اس کا کوئی عضو نہ کاٹا جائے گا بلکہ اسے سارے مسلمانوں سے علیحدہ "قید" میں بند کر دیا جائے گا اور سخت سزائیں دی جائیں گی تا آنکہ وہ توبہ کرے۔ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے یہی مسلک مروی ہے

۸۰۳۔

ہم سے حجاج بن ارطاۃ نے بروایت عمرو بن مرۃ بروایت عبداللہ بن سلمہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے: علی رضی اللہ عنہ چور کے بارے میں یہ فرماتے تھے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اگر وہ دوبارہ چوری کرے تو اس کا پاؤں کاٹا جائے گا۔ اس کے بعد اگر وہ چوری کرے تو اسے قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا۔

۸۰۴۔

ہم سے حجاج نے سماک سے اور انہوں نے اس راوی سے جس نے ان سے حدیث بیان کی تھی، روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے چور کی سزا کے بارے میں
۲۰۰ مشورہ کیا تو لوگ اس بات پر متفق ہو گئے کہ اگر چور چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، دوبارہ چوری کرے تو اس کا پاؤں کاٹا جائے گا، اس کے بعد پھر چوری کرے تو اسے قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا۔

۸۰۵۔

ہم سے حجاج نے بروایت عمرو بن دینار یہ حدیث بیان کی ہے کہ نجدۃ نے عبداللہ بن عباس کو لکھ کر ان سے چور (کی سزا) کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے ان کو وہی بات لکھ بھیجی جو (اوپر) علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک چور کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔

۸۰۶۔

اگر کسی چور نے کسی ایسی چوری کا ارتکاب کیا ہو جس پر قطع ید واجب ہو جاتا ہے لیکن قبل اس کے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے، جنگ، قصاص یا کسی اور سلسلہ میں اس کا دایاں ہاتھ کٹ جائے تو چوری کی سزا میں اس کا بایاں پاؤں نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اُسے سخت سزا دی جائے گی، مال مسروقہ کی ادائگی کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا، اور اس وقت تک کے لئے قید خانہ میں بند کر دیا جائے گا جب تک وہ توبہ نہ کرے۔

۸۰۷۔ نابالغ مجرم کی سزا

نابالغ لڑکے پر کوئی حد نہیں جاری کی جائے گی۔ مجرم کے بلوغ میں شُبہ ہو تو اس پر اس وقت تک حد نہیں جاری کی جائے گی جب تک اس کی عمر پندرہ سال نہ ہو جائے بعض فقہاء نے اس سے زیادہ عمر تجویز کی ہے۔ اس طرح لڑکیوں پر بھی اس وقت تک کوئی حد نہیں جاری کی جائے گی جب تک ان کو حیض نہ آنے لگے یا ان کی عمر پندرہ سال نہ ہو جائے۔

۸۰۸۔

ہم سے عبیداللہ نے بروایت نافع بروایت ابن عمر یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: جنگ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی پر بھیجنے کے لیے میرا معائنہ کیا تو مجھے چھوٹا قرار دے کر واپس کر دیا۔ اس وقت میری عمر چودہ سال تھی۔ پھر آپ نے جنگ خندق کے موقع پر میرا معائنہ کیا جب کہ میری عمر پندرہ سال تھی تو مجھے (لڑائی میں شرکت کی) اجازت دے دی۔

۸۰۹۔

نافع نے کہا ہے کہ میں نے یہ حدیث عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کے زمانہ میں ان کو سنائی تو آپ نے فرمایا کہ بڑے اور چھوٹے کے درمیان فرق (کرنے والی عمر) یہی ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ پھر آپ نے اپنے سارے عمال کو لکھ بھیجا کہ جس کی عمر پندرہ سال ہو جائے اس

کے لیے وہ وظیفہ جاری کر دو جو جنگ کے قابل افراد کے لیے مقرر ہے اور جس کی عمر اس سے کم ہو اس کے لیے وہ وظیفہ جاری کر دو جو بچوں کے لیے ہے۔

اس باب میں ہم نے جو کچھ سنا ہے اس میں بہترین مسلک یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۱۰۔

ہم سے آبان نے بروایت انس یہ حدیث بیان کی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک لڑکا لایا گیا جس نے چوری کی تھی لیکن ابھی اس لڑکے کو احتلام نہیں ہوا تھا، تو آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔

۸۱۱۔

ایک استاذ نے مجھ سے مکحول کا یہ قول بیان کیا ہے کہ جب لڑکے کی عمر پندرہ سال ہو جائے تو اس کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے اور اس پر حدیں واجب ہو سکتی ہیں۔

۸۱۲۔

مغیرہ نے ابراہیم سے روایت کرتے ہم سے بیان کیا ہے کہ ایسی نابالغ لڑکی جس کا نکاح ہوا اور اس کا شوہر اس سے خلوت صحیحہ کر چکا ہو اگر زنا کی مرتکب ہو تو اس کے بارے میں انہوں نے کہا ہے: جب تک اسے حیض نہ آنے لگے اس پر کوئی حد نہیں واجب ہوگی۔

۸۱۳۔ اقرار جرم پر مجبور کرنا

۱۰۹ جس شخص پر چوری یا کسی دوسرے جرم کے ارتکاب کا شبہ ہو اُسے مارنا پیٹنا یا ڈرانا دھمکانا نہیں چاہیے۔ جس شخص کے ساتھ ایسا کیا گیا ہو وہ اگر چوری، قتل، یا کسی قابل حد جرم کا اقرار کرے تو اس کا یہ اقرار ناقابل لحاظ ہوگا۔ کسی طرح یہ جائز نہ ہوگا کہ ایسے اقرار کی بنا پر اس کا ہاتھ کاٹا جائے یا جس چیز کا اقرار کیا ہو اس کا مواخذہ کیا جائے۔

۸۱۴۔

شیبانی نے علی بن حنظلہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے

حدیث بیان کی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: جس شخص کو بھوکا رکھا جائے، یا ڈرایا جائے یا قید میں بند رکھا جائے اس سے بعید نہیں کہ اپنے خلاف کسی جرم کا اقرار کرے۔

۸۱۵۔

مجھ سے محمد بن اسحاق نے بروایت زہری یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: طارق کے پاس شام میں ایک آدمی لایا گیا جس کو چوری کی تہمت لگا کر پکڑ لیا گیا تھا۔ انہوں نے اسے مارا تو اس نے چوری کا اقرار کر لیا۔ انہوں نے اسے عبدالعزیز ابن عمر رضی اللہ عنہما کے یہاں بھیج کر اس کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا: "اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اس نے یہ اقرار اس وقت کیا ہے جب انہوں نے اسے مارا۔"

۸۱۶۔ صرف شبہ کی بنا پر سزا دینے سے پرہیز

امیرالمومنین! آپ اپنے والیوں کو ہدایت کیجیے کہ صرف تہمت کی بنا پر لوگوں سے کوئی مواخذہ نہ کریں۔ ایک آدمی دوسرے آدمی [یعنی والی] کے پاس آکر یہ کہتا ہے کہ فلاں شخص نے مجھ پر ایک چوری کی تہمت لگائی ہے جو اس کے یہاں سے کی گئی ہے، تو لوگ اس چوری کے الزام میں اس آدمی کو پکڑ لیتے ہیں اور دوسرے آدمیوں کو بھی۔ اس طریقہ پر عمل جائز نہیں۔ قتل یا چوری کے سلسلہ میں کسی آدمی کے خلاف کسی شخص کا دعویٰ تسلیم کر لینا درست نہیں۔ اس پر کوئی حد اس وقت نہیں جاری کی جانی چاہیے جب تک ٹھیک گواہیاں نہ موجود ہوں یا اس نے والی کے ڈرانے دھمکانے کے بغیر خود ہی اس جرم کا اقرار نہ کر لیا ہو، جب کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ یہ بات جائز نہیں، نہ اس کی کوئی گنجائش ہے کہ کسی شخص کو صرف اس لیے قید میں ڈال دیا جائے کہ دوسرے نے اس پر تہمت لگا دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہمت کی بنا پر لوگوں سے مواخذہ نہیں کرتے تھے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ کو ایک جگہ حاضر کیا جائے، اگر مدعی اپنے دعوی کے حق میں گواہ پیش کر سکے تو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے ورنہ مدعیٰ علیہ سے ایک

ؔ یہ اضافہ تیموری نسخہ میں ہے۔

آدمی کی ضمانت لے کر اسے چھوڑ دیا جائے۔ اگر مدعی اس کے خلاف کوئی ثبوت پیش کرتا ہے (تو دوسری بات ہے) ورنہ اس شخص سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ آج کل جتنے آدمی کسی تہمت کے نتیجہ میں محبوس ان کے اور ان کے اوپر مقدمہ دائر کرنے والوں کے درمیان اسی طرح فیصلہ کر دینا چاہیئے۔ صحابہ کرام بے جا حدود جاری کرنے سے اتنا بچتے اور شبہات کی بنا پر حدود ٹال دینے کو اتنا بہتر سمجھتے تھے کہ جو آدمی چوری میں پکڑ کر ان کے پاس لایا جاتا اس سے کہتے کہ "کیا تم نے چوری کی ہے؟ کہو: نہیں"۔ اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کو لایا گیا اور کہا گیا کہ اس نے ایک شملہ چرا لیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "مجھے تو یہ چور نہیں معلوم ہوتا۔"

۸۱۷۔

مجھ سے سفیان بن عیینہ نے بروایت یزید بن خصیفہ بروایت محمد بن عبد الرحمٰن بن ثوبان
۲۱۰ یہ حدیث بیان کی ہے کہ ایک آدمی نے ایک شملہ چرایا۔ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ نے فرمایا: "میرا خیال نہیں کہ اس نے چوری کی ہے، کیا تو نے چوری کی ہے؟"

۸۱۸۔

مجھ سے سعید بن ابی عروبہ نے بروایت علیم ناجی بروایت ابی المتوکل حدیث بیان کی ہے کہ ابو ہریرہ کے پاس ایک چور لایا گیا۔ آپ اس زمانہ میں امیر تھے۔ آپ نے کہا: "کیا تو نے چوری کی ہے؟ کہہ دے کہ نہیں۔ کیا تو نے چوری کی ہے؟ کہہ دے کہ نہیں۔"

۸۱۹۔

مجھ سے ابن جریج نے بروایت عطا یہ حدیث بیان کی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک آدمی لایا گیا جس کے خلاف دو افراد نے یہ گواہی پیش کی کہ اس نے چوری کی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے لوگوں کے احوال پر کچھ اظہارِ خیال کیا پھر جھوٹی گواہی دینے والوں کو دھمکی دی اور فرمایا: کوئی جھوٹی گواہی دینے والا میرے پاس لایا جائے گا تو میں اس کو فلاں فلاں سزائیں دوں گا۔ پھر آپ نے ان دونوں گواہوں کو طلب کیا تو ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ آپ نے اس آدمی کو چھوڑ دیا۔

۸۲۰۔ سزا دینے میں غلطی

اگر امام چوری کی سزا کے طور پر کسی آدمی کا ہاتھ ــــ داہنا ہاتھ ــــ کاٹنے کا حکم دے اور وہ شخص اپنا بایاں ہاتھ کاٹنے کے لیے آگے بڑھا دے اور یہی ہاتھ کاٹ دیا جائے تو اب اس کا داہنا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ شعبی یہ رائے رکھتے تھے اور یہی رائے ہمارے نزدیک بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۲۱۔ ذمّی کے مال کی چوری

کوئی مسلمان کسی ذمّی کا مال چرائے تو اس کی سزا وہی ہوگی جو مسلمان کا مال چرانے والے کی ہوتی ہے۔

۸۲۲۔

ہم سے اشعث نے حسن کا یہ قول روایت کیا ہے کہ "جو آدمی کسی یہودی، عیسائی یا کسی اور مذہب کے ذمّی کا مال چرائے اسے قطع ید کی سزا دی جائے گی۔"

۸۲۳۔ ڈاکہ اور رہزنی

جس نے رہزنی اور مسلح جنگ کی ہو اور پکڑا جائے تو ابو حنیفہ فرماتے ہیں: "اس (باغی یا ڈاکو) نے جنگ کر کے مال چھین لیا ہو تو اس کا ایک ہاتھ اور دوسری جانب کا پاؤں کاٹ دیا جائے گا لیکن (اس کے ساتھ) قتل یا پھانسی کی سزا نہ دی جائے گی۔ اگر مال لوٹنے کے ساتھ اس نے قتل بھی کیا ہو تو امام کو اختیار ہے کہ بغیر ہاتھ پاؤں کاٹے اسے قتل کر دے۔ یا سولی چڑھا دے، اور چاہے تو ہاتھ پاؤں کاٹ کر قتل کر دے یا سولی چڑھا دے۔ اگر اس نے صرف قتل کیا ہو، مال نہ لوٹا ہو تو اسے صرف قتل کی سزا دی جائے گی۔ ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ اس کا زمین سے ہٹا دینا[1] سولی چڑھا دینا ہے۔ یہ قول وہ حماد کے واسطے سے ابراہیم سے روایت کرتے تھے۔

---

[1] متن میں ہے نَفْيُهُ من الارض: امام ابو حنیفہ یہاں سورہ مائدہ آیت ۳۳ کے حکم "او ینفوا من الارض" کی تفسیر کر رہے ہیں۔

۲۱ مجرم نے قتل کیا ہو مگر مال نہ لوٹا ہو تو اسے قتل کیا جائے گا، اور صرف مال چھینا ہو قتل نہ کیا ہو تو اس کا ایک ہاتھ اور دوسری جانب کا پاؤں کاٹا جائے گا۔ ہم سے حجاج بن ارطاۃ نے بروایت عطیۃ العوفی بروایت ابن عباس اس مضمون کی حدیث بیان کی ہے اور ہم سے لیث نے مجاہد کا یہ قول بیان کیا ہے کہ محارب کی سزا کا انتخاب امام کے اختیار میں ہے۔

۸۲۴۔ عدت میں نکاح کرنے پر حد نہیں واجب ہوتی

جس شخص کو آپ کے سامنے اس جرم میں پیش کیا جائے کہ اس نے کسی عورت سے اس کی عدت کے زمانہ میں نکاح کیا ہو اس پر حد نہیں جاری ہو گی۔ البتہ ان دونوں کے درمیان جدائی کرا دی جائے گی۔ کیونکہ عمر اور علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک اس شکل میں کوئی حد نہیں واجب ہوتی۔

۸۲۵۔ لونڈی سے زنا

اسی طرح جو شخص کسی ایسی لونڈی سے زنا میں ماخوذ ہو جس میں وہ بھی ایک حصہ کا مالک ہو، یا جو شخص اپنی مکاتب لونڈی سے مباشرت کرے، اس پر بھی حد نہیں۔ جو شخص اپنی بیوی کی لونڈی سے، یا اپنے باپ یا ماں کی لونڈی سے مباشرت کرے اور یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے تو اس پر بھی حد نہیں جاری ہو گی۔ اگر وہ یہ کہے کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے اس پر حد جاری کی جائے گی۔ اپنے بیٹے یا پوتے کی لونڈی سے مباشرت کرنے والے پر حد نہیں جاری کی جائے گی، خواہ وہ یہ کہے کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ، "تو اور تیرا مال تیرے باپ کے لیے ہے۔"

اپنے بھائی یا بہن یا مذکورہ بالا رشتہ داروں کے علاوہ کسی خونی رشتہ رکھنے والے عزیز کی لونڈی سے مباشرت کرنے والا حد کا مستحق قرار پائے گا۔

۸۲۶۔

ہم سے اسماعیل بن ابو خالد نے بروایت عمیر بن نمیر حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے

کہا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ ایک لونڈی دو افراد کی مشترکہ ملکیت تھی اور ان میں سے ایک نے اس کے ساتھ مباشرت کر لی (تو اس پر حد ہے کہ نہیں؟) آپ نے فرمایا، "اس آدمی پر حد نہیں عائد ہو گی"۔

۸۲۷۔

ہم سے مغیرہ نے بروایت ہیثم بن بدر بروایت حرقوص بروایت علی رضی اللہ عنہ حدیث بیان کی ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کی لونڈی سے مباشرت کر لی تو آپ نے اس پر حد نہیں جاری کی۔

۸۲۸۔

ہم سے اسماعیل نے بروایت شعبی حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ ایک آدمی نے عبداللہ کے پاس آکر کہا کہ میں نے اپنی بیوی کی لونڈی سے مباشرت کر لی ہے تو آپ نے فرمایا، "اللہ سے ڈرو اور دوبارہ ایسا نہ کرنا"۔

۸۲۹۔

ہم سے اشعث نے حسن کے بارے میں روایت بیان کی ہے کہ جو آدمی اپنی ماں کی لونڈی سے مباشرت کرے اس پر حد نہیں عائد ہوتی۔

دادا اور دادی کی لونڈی بھی وہی حیثیت رکھتی ہے جو ماں اور باپ کی لونڈی کی ہے۔

۸۳۰۔

جو آدمی کسی آزاد عورت سے زنا کرے اور وہ اس فعل کے نتیجہ میں مر جائے تو اس آدمی سے دیت وصول کی جائے گی اور اس پر حد بھی جاری کی جائے گی۔

۸۳۱۔

جو آدمی کسی عورت سے زنا کرے اور پھر اس کے ساتھ نکاح کرے تو اس پر بھی حد جاری کی جائے گی۔ اسی طرح جو آدمی کسی لونڈی سے زنا کرے اور پھر اسے خرید لے اس پر بھی حد جاری کی جائے گی۔

۸۳۲-

۲۱۲ اگر کوئی آدمی کسی لونڈی سے زنا کرے اور (اسی فعل کے نتیجہ میں) اسے مار ڈالے تو میں استحسان کے طور پر اس پر اس لونڈی کی قیمت دینا لازم کر دوں گا اور اس پر حد نہیں جاری کروں گا۔

۸۳۳- امام کا مشاہدۂ جرم سزا دینے کے لیے کافی نہیں

اگر امام یا اس کا ماتحت حاکم، اپنی آنکھوں سے کسی آدمی کو چوری کرتے، انگور کی شراب پیتے، یا زنا کرتے دیکھ لے تو صرف اپنے مشاہدہ کی بنا پر اس کے لیے اس آدمی پر حد جاری کرنا مناسب نہیں ہوگا، تاآنکہ یہ جرم اس کے سامنے گواہی کے ذریعہ ثابت ہو جائے۔ یہ رائے ایک استحسان ہے جس کا سبب وہ اثر ہے جو اس مسئلہ میں ہمیں معلوم ہوا ہے۔ قیاس کی رو سے تو (امام یا حاکم کا) ایسا کرنا جائز ہے لیکن ہمیں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ سے تقریباً اسی مسلک کی روایت بیان کی گئی ہے (جو ہم نے اختیار کیا ہے) البتہ اگر حاکم یا امام کسی فرد کو حقوق الناس میں سے کسی حق کا اقرار کرتے ہوئے سن لے تو وہ بغیر اس بات پر گواہی طلب کیے اس کو اس ذمہ داری کا مکلف قرار دے گا جس کا اس نے اقرار کیا ہو۔

۸۳۴- مسجد یا میدانِ جنگ میں سزا نہ دی جائے

مسجدوں میں، یا دشمن کی سرزمین میں، حدود نہیں قائم کی جانی چاہئیں۔

۸۳۵-

ہم سے اعمش نے بروایت ابراہیم بروایت علقمہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم نے حذیفہ کے ہمراہ سرزمین روم پر حملہ کیا، قریش کا ایک شخص ہمارا امیر تھا۔ اس نے انگور کی شراب پی۔ ہم نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا تو حذیفہ نے کہا: تم دشمن سے اتنے قریب ہوتے ہوئے اپنے امیر پر حد جاری کر رہے ہو تاکہ انھیں تمہارے اندر (انتشار یا) بھی کی آگ پیدا ہو جائے؟

۸۳۶-

ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف لشکروں اور فوجی دستوں کے امراء کو حکم دے دیا تھا کہ جب تک لوگ حملہ سے فارغ ہو کر واپس نہ آ جائیں کسی شخص کو کوڑے نہ ماریں۔ آپ نے یہ نہیں پسند کیا کہ سزا یافتہ فرد کو شیطانی غیرت کفار سے جا ملنے پر آمادہ کر دے۔

۸۳۷-

ہم سے اشعث نے بروایت فضیل بن عمرو الفقیمی، بروایت معقل حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: ایک آدمی نے علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر ان سے رازدارانہ طریقہ سے کوئی بات کہی، پھر آپ نے فرمایا: قنبر! اس آدمی کو مسجد سے باہر لے جا کر اس پر حد جاری کرو۔

۸۳۸-

ہم سے لیث نے مجاہد کا یہ قول روایت کیا ہے کہ: لوگ مساجد میں حدود جاری کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔

۸۳۹- بدعہدی کی سزا

کوئی ذمی کسی مسلمان عورت سے بالجبر زنا کرے تو ہمارے فقہاء کے نزدیک اس پر وہی حد واجب ہو گی جو مسلمان (زانی) کے لیے مقرر ہے۔ اس باب میں متعدد احادیث بھی مروی ہیں ان میں سے ایک وہ ہے جو ہم سے داؤد بن ابی ہند نے بروایت زیاد بن عثمان بیان کی ہے کہ ایک عیسائی نے ایک مسلمان عورت کو اس کی مرضی کے خلاف (زنا پر) مجبور کر دیا۔ اس کا معاملہ ابو عبیدہ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ہم نے تم سے اس طرز عمل کی شرط پر نہیں صلح کی ہے! پھر آپ نے اس کی گردن اڑا دی۔

۸۴۰-

ہم سے مجالد نے بروایت شعبی بروایت سوید بن غفلہ حدیث بیان کی ہے کہ شام کی نبطی قوم کے ایک ذمی نے ایک عورت کو جو کسی جانور پر سوار تھی لاٹھی سے کونچ کر دھکا دیا۔

لیکن وہ نہیں گری تو اس نے اسے دھکیل کر گرا دیا۔ اس کے کپڑے بدن پر سے ہٹ گئے۔

۲۱۳ اور اس آدمی نے اس سے جماع کیا۔ یہ معاملہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ کے حکم سے اس آدمی کو پھانسی دے دی گئی۔ آپ نے فرمایا: "ہم نے تم سے اس طرزِ عمل کی شرط پر نہیں معاہدہ کیا ہے"۔

۸۴۱ - آزاد کی فروخت

ہم سے سعید[1] نے بروایت قتادہ، بروایت عبد اللہ بن عباس ایک آزاد آدمی کے کسی آزاد آدمی کو فروخت کرنے کے بارے میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے "دونوں[2] کو سزا دی جائے گی لیکن دونوں میں سے کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا"۔

فصل ۱۱

اسلام سے مرتد ہو جانے والے کا حکم

۸۴۲ - مرتد سے توبہ کا مطالبہ

اسلام سے کفر کی طرف لوٹ جانے والے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک (سزا سے) پہلے ان سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا اور بعض کے نزدیک نہیں۔ یہی حکم ان زندیقوں کا ہے جو اگرچہ اسلام کا اظہار کرتے تھے لیکن اب الحاد کرنے لگے۔ اس یہودی، عیسائی، یا مجوسی کا بھی یہی حکم ہے جو اسلام لایا ہو اور پھر (اللہ ہمیں اس سے بچائے) اپنے اس دین کی طرف لوٹ جائے جس سے نکل کر ادھر آیا تھا۔

۸۴۳ -

ان دونوں رایوں کے حامل فقہاء نے اس باب میں متعدد آثار روایت کیے ہیں اور ان سے

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے: "شعبہ"۔
[2] یعنی فروخت کرنے والے اور خریدنے والے دونوں کو۔

استدلال کیا ہے۔ جن لوگوں کی رائے ہے کہ مرتد سے توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جو اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو"۔ جن حضرات کی رائے یہ ہے کہ مرتد سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اس قول کو دلیل بناتے ہیں کہ: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہہ دیں۔ جب وہ یہ کلمہ ادا کر دیں تو ان کے خون اور اموال میری طرف سے بالکل محفوظ ہو جائیں گے۔ الا یہ کہ کسی حق کی بنا پر کوئی مواخذہ کیا جائے اور ان کی نیتوں کا حساب اللہ کے سپرد ہے"۔ نیز یہ لوگ ان آثار سے استدلال کرتے ہیں جو عمر، عثمان، علی اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مروی ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "جو اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کرو"۔ اور یہ مرتد جو (توبہ کے مطالبہ پر) اسلام کی طرف لوٹ آئے اپنی تبدیلیٔ دین پر قائم نہیں رہتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے معنی یہ ہیں کہ "جو اپنی تبدیلیِ (دین) پر قائم رہے"۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اس شخص کی جان اور مال کو حرام قرار دیا ہے جو لا الٰہ الا اللہ کہہ دے۔ اور یہ (مرتد جو اسلام کی طرف واپس آ جائے) لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے پھر اسے کس طرح قتل کیا جا سکتا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل سے منع کر دیا ہے۔ نیز نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے اسامہ سے فرمایا تھا: "اسامہ! کیا تم نے اس کے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی اسے قتل کر دیا؟" اسامہ نے جواب دیا تھا: "اس نے تو صرف ہتھیار سے ڈر کر یہ کہا تھا"۔ اس پر آپ نے فرمایا تھا،

۲۱۴ "تم نے اس کا دل چیر کر نہیں دیکھ لیا؟" اس طرح آپ نے انھیں یہ بتایا کہ وہ اس شخص کے دل کی بات نہیں جانتے اور یہ کہ ان کو صرف اس وہم کی بنا پر کہ اس نے یہ کلمہ ہتھیار کے خوف سے ادا کر دیا ہو گا انھیں اس آدمی کے قتل کا حق نہیں حاصل ہو جاتا۔

۸۴۴ -

ہم سے اعمش نے بروایت ابی ظبیان، بروایت اسامہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوجی مہم پر بھیجا۔ ہم نے صبح سویرے جہینہ کے

حرقات (نامی مقام) پر حملہ کیا۔ میں ایک آدمی کے پاس پہنچا تو اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ میں نے اُسے نیزہ مار دیا لیکن میرے دل میں خلش پیدا ہو گئی چنانچہ میں نے اس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور پھر بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! اس نے صرف ہتھیار کے ڈر سے یہ کلمہ ادا کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا: "جب اس نے یہ کہا تو تم نے اس کا دل چیر کر نہیں دیکھ لیا تاکہ تمھیں معلوم ہو جاتا کہ اس نے یہ کلمہ ہتھیار کے ڈر سے کہا تھا یا نہیں؟" آپ اسی بات کو بار بار دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش میں آج ہی ایمان لایا ہوتا۔

۸۴۵۔

ہم سے اعمش نے بروایت ابوسفیان بروایت جابر حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہہ دیں۔ جب وہ یہ کلمہ ادا کر دیں تو ان کے خون اور مال میری طرف سے محفوظ ہو جائیں گے۔ الا یہ کہ کسی حق کی بنا پر مواخذہ کیا جائے، اور ان کی نیتوں کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔"

۸۴۶۔

اسی مضمون کی ایک حدیث ہم سے اعمش نے بروایت ابوصالح، بروایت ابوہریرہ، بروایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم، بیان کی ہے۔

۸۴۷۔

ہم سے سفیان بن عیینہ نے محمد بن عبدالرحمٰن سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے: جب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تُستر کی فتح کی اطلاع آئی تو آپ نے دریافت کیا: کیا کوئی نئی انوکھی خبر ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں مسلمانوں میں سے ایک آدمی مشرکین سے جا ملا تھا پھر ہم نے اسے پکڑ لیا۔ آپ نے پوچھا: پھر تم نے اس

کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے اُسے قتل کر دیا۔ آپ نے فرمایا: تم نے ایسا کیوں نہ کیا کہ اسے ایک گھر میں ڈال کر دروازہ بند کر دیتے اور اسے روزانہ ایک روٹی کھلاتے اور تین بار اس سے توبہ کرنے کو کہتے۔ اگر وہ توبہ کر لیتا تو خیر ورنہ قتل کر دیتے۔ اے اللہ! میں اس وقت موجود نہ تھا، نہ میں نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا اور جب اس کی خبر مجھے ملی تو میں اس پر راضی بھی نہ تھا۔"

۸۴۸

ہم سے ابن جریج نے بروایت سلیمان بن موسیٰ بروایت عثمان حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: مرتد سے تین بار یہ کہا جائے گا کہ وہ توبہ کرے۔

۸۴۹۔

ہم سے اشعث نے بروایت شعبی حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "مرتد سے تین بار توبہ کرنے کو کہا جائے گا، اگر وہ توبہ کر لے تو خیر ورنہ اُسے قتل کر دیا جائے گا۔"

۸۵۰۔

ہم سے سعید نے بروایت قتادہ، بروایت حمید حدیث بیان کی ہے کہ معاذ ابوموسیٰ کے پاس گئے، ان کے پاس ایک یہودی بھی تھا۔ انھوں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ ایک یہودی ہے جو اسلام لایا پھر مرتد ہو گیا۔ ہم دو مہینے سے اس سے توبہ کرنے کو کہہ رہے
15 ہیں لیکن اس نے توبہ نہیں کی۔ معاذ نے یہ سن کر کہا: میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اس کی گردن نہ مار دوں۔ یہ فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کا کیا ہوا ہے۔

۸۵۱۔

ہم سے مغیرہ نے روایت کی ہے کہ ابراہیم نے کہا ہے: مرتد سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا۔ اگر وہ توبہ کر لے تو چھوڑ دیا جائے گا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔[1]

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے، اور اگر انکار کر دے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

۸۵۲۔

جن فقہاء کے نزدیک توبہ کا مطالبہ کرنا ضروری ہے، اور ان فقہاء کی تعداد بہت زیادہ ہے، وہ انہی احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ہم نے اس سلسلہ میں جو بہترین رائے سنی ہے وہ یہی ہے کہ ان لوگوں سے توبہ کرنے کو کہا جائے گا، یہ توبہ کر لیں تو خیر ورنہ ان کی گردن ماری جائے گی، جیسا کہ مشہور احادیث میں آیا ہے، اور جیسا کہ ان فقہاء کی رائے ہے جن سے ہمارا رابطہ ہو سکا ہے۔

۸۵۳۔ مرتد عورت کا حکم

عورت اگر اسلام سے مرتد ہو جائے تو اس کا معاملہ مرد کے معاملہ سے مختلف ہے، مرتد ہو جانے والی عورت کے سلسلہ میں ہم عبداللہ بن عباس کے قول پر عمل کرتے ہیں، کیوں کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے مجھ سے بروایت عاصم بن ابی رزینؒ[1] بروایت ابن عباس یہ حدیث بیان کی ہے کہ: عورتیں اگر اسلام سے مرتد ہو جائیں تو انھیں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کو قید کر دیا جائے گا، اسلام کی طرف بلایا جائے گا، اور اس پر مجبور کیا جائے گا۔

۸۵۴۔ مرتد ہو کر دار الحرب چلے جانے والے کا حکم

جب کوئی آدمی اور اس کی بیوی مرتد ہو کر دار الحرب میں چلے جائیں اور یہ معاملہ امام کے سامنے پیش ہو تو اسے چاہیے کہ ان دونوں نے جو مال و املاک چھوڑا ہو اسے ان کے ورثاء کے درمیان تقسیم کر دے۔ اگر ان کے پاس مدبّر غلام رہے ہوں تو وہ آزاد کر دیے جائیں گے۔ اگر مرد کے پاس ایسی لونڈیاں رہی ہوں جن سے اس کی اولاد ہو چکی ہو تو وہ بھی آزاد ہو جائیں گی کیوں کہ اس شخص کا دار الحرب چلا جانا اس کی موت کے بمنزلہ ہے۔

اگر وہ آدمی دار الاسلام میں کچھ غلام چھوڑ گیا ہو اور دار الحرب میں رہتے ہوئے ان کو آزاد کرنے کا اعلان کر دے تو یہ آزاد کرنا ناقابل تسلیم ہوگا۔ اس طرح اگر وہ وہاں سے کسی آدمی

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے: بروایت عاصم، بروایت ابی رزین

کے حق میں وصیت کرے یا اسے کوئی چیز بطور ہبہ منتقل کرنا چاہے تو یہ انتقالات بھی ناقابل تسلیم ہوں گے۔ البتہ اگر مرتد دار الحرب جانے سے پہلے ہبہ کرے یا غلام آزاد کرے تو اس کا نفاذ ہو گا، دار الحرب میں چلے جاتے ہی وہ اپنے مال کی ملکیت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور یہ مال اس کے ورثاء کے لیے میراث بن جاتا ہے۔

دار الحرب میں چلے جانے والے مرتد کی بیوی (اگر دار الاسلام میں موجود ہو تو اس) سے اس کا تعلق منقطع کر دیا جائے گا اور اس عورت سے کہا جائے گا کہ جس دن اس کا شوہر اسلام سے مرتد ہوا تھا اس دن سے تین حیض کی مدت تک اس کی عدت پوری کرے۔ اگر وہ حاملہ ہو تو اس وقت تک عدت پوری کرے جب تک وضع حمل نہ ہو جائے۔ اس کے بعد وہ چاہے تو نیا نکاح کر سکتی ہے۔ اس مرتد کا مال اس کے مسلمان ورثاء کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔

اگر امام نے مرتد کے دار الحرب چلے جانے کے بعد اس کے مال کو اس کے ورثاء کے درمیان تقسیم کر دینے کا حکم دیا اور جب یہ حکم دیا گیا تو اس کی بیوی اس کے مرتد ہونے کے دن سے
۲۱۶ تین حیض کی مدت پوری کر چکی تھی تو وہ عورت میراث نہیں پائے گی کیوں کہ اب اس کے لیے دوسرا شوہر کر لینا حلال ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ عورت اسی اثناء دوسرے مرد سے نکاح کر لیتی اور وہ مرد وفات پا جاتا تو ہم اسے ان دونوں مردوں کی میراث میں تو نہیں شریک کرتے۔ اس عورت کی قانونی حیثیت وہی ہے جو اس عورت کی ہے جسے مرد نے مرض (موت) کی حالت میں تین طلاقیں دے دی ہوں یا حالتِ صحت میں ایک طلاق بائن دے دی ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مرد کا انتقال اس عورت کی عدت کے دوران ہو جائے تو یہ اس کی وارث ہوتی ہے اور اگر عدت گذرنے کے بعد ہو تو یہ وارث نہیں ہوتی۔

۸۵۵۔

مرتد اپنا جو مال دار الحرب میں لیتا گیا ہو وہ اگر بعد میں مسلمانوں کے ہاتھ لگ جائے تو اس کی نوعیت اس مال غنیمت کی ہو گی جو اہل حرب سے حاصل ہوتے ہیں۔

۸۵۶

اشعث نے عامر اور حکم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ بیان کیا ہے کہ جس مسلمان عورت کا شوہر مرتد ہو کر دشمن کی سرزمین میں چلا جائے اس کو اگر حیض آتے ہوں تو اس کی عدت تین قُرء ہو گی اور حیض نہ آتے ہوں تو تین مہینہ ہو گی۔ اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل پر عدت پوری ہو جائے گی۔ اس کے بعد وہ چاہے تو دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ اس شخص کی میراث اس کے مسلمان ورثاء کے درمیان تقسیم کر دی جائے گی۔

۸۵۷۔

ہم سے اعمش نے بروایت ابو عمرو بروایت علی رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کی ہے کہ مستورد عجلی مرتد ہو گیا اور اسے آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا۔ مگر اس نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے اسے قتل کر دیا۔ اس کی میراث آپ نے اس کے مسلمان وارثوں کے درمیان تقسیم کر دی۔

۸۵۸۔

الیسا مرتد (جس کی میراث تقسیم کی جا چکی ہو) اگر توبہ کر کے (دار الحرب سے دار الاسلام) لوٹ آئے تو اس کے جو مال واملاک بعینہٖ موجود پائے جائیں گے وہ اس کو واپس دے دیے جائیں گے لیکن جن اشیاء کو اس کے ورثاء نے صرف کر دیا ہو ان کے وہ ذمہ دار نہ ہوں گے۔ اس کے مدبر غلاموں اور ام ولد لونڈیوں کو اگر امام آزاد کر چکا ہو تو ان کی آزادی بدستور قائم رہے گی۔ اور ان میں سے کوئی چیز اسے واپس نہ ملے گی۔ البتہ اگر امام نے انھیں آزاد نہ کیا ہو تو ان کی حیثیت وہی رہے گی جو مالک کے ارتداد سے پہلے تھی۔

۸۵۹۔

عورت مرتد ہو کر دار الحرب چلی جائے اور امام اس کی میراث کو اس کے ورثاء کے درمیان تقسیم کر دینے کا حکم دے دے اور عورت کا شوہر موجود ہو تو وہ وراثت میں سے حصہ نہیں پائے گا۔

یہ عورت مرتد ہوتے ہی اس مرد کے لیے حرام ہو گئی تھی اور یہ اس کا شوہر نہیں رہ گیا تھا۔

مرتد ہونے والی عورت اگر ارتداد کرتے وقت بیمار رہی ہو اور اسی بیماری میں انتقال کر جائے یا بیماری کی حالت میں دار الحرب چلی جائے اور امام (قانون کی نظر میں) اس کے مر جانے کا فیصلہ کر دے تو میں بطور استحسان یہ رائے رکھتا ہوں کہ اس کا شوہر اس کی میراث میں سے حصہ پائے گا۔ میں اس عورت کے حالتِ صحت میں مرتد ہونے اور حالت مرض میں مرتد ہونے کے درمیان فرق کرتا
۲۱۷ ہوں۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی یہی رائے رکھتے تھے۔ یہ رائے قیاس کے مطابق نہیں۔ قیاس کا تقاضا ہے کہ شوہر کو میراث نہ ملے خواہ اس کی بیوی حالتِ صحت میں مرتد ہوئی ہو یا حالتِ مرض میں۔

مرد حالت مرض میں مرتد ہو اور توبہ نہ کرے تا آنکہ اسی مرض میں انتقال کر جائے تو اس کی بیوی کو اس کا ورثہ صرف اس حال میں ملے گا جب کہ مرد کے مرنے تک اس کے تین حیض نہ پورے ہوئے ہوں۔ اگر مرد کے مرنے سے پہلے اس کے تین حیض پورے ہو جائیں تو وہ میراث نہیں پائے گی۔ اس عورت کی قانونی حیثیت وہی ہے جو مطلقہ کی ہوتی ہے۔ نیز اس مرد کے اس مرض میں (جس میں وہ مرتد ہوا تھا) انتقال کر جانے کی قانونی حیثیت وہی ہے جو اس صورت میں ہوتی جب کہ وہ حالتِ صحت میں (مرتد ہو کر) دار الحرب چلا جاتا اور امام اسے (قانون کی نظر میں) مردہ قرار دے کر دار الاسلام میں اس کے ترکہ کی تقسیم کا حکم دے دیتا۔

۸۶۰۔ توہینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا

جو مسلمان مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا آپ کو جھوٹا قرار دے یا آپ میں کوئی عیب نکالے یا کسی طرح کی بھی تنقیص کرے اس نے اللہ سے کفر کر دیا اور اس کی بیوی اس سے جدا ہو گئی۔ اگر وہ توبہ کرے تو خیر ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ یہی حکم عورت کے سلسلہ میں بھی ہے۔ مگر ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے کہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا [اور اسے اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا۔]

ف یہ اضافہ تیموری نسخہ سے لیا گیا ہے۔

۸۶۱۔ مرتد سے توبہ کرانے کی کوشش

ہم سے عبدالرحمٰن بن ثابت بن ثوبان نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: میں عمر بن عبدالعزیز کا مقرر کردہ ایک عامل تھا۔ ایک بار میں نے انہیں یہ لکھا کہ ایک آدمی پہلے یہودی تھا، پھر اسلام لے آیا۔ اس کے بعد پھر یہودی ہو گیا اور اسلام سے پلٹ گیا۔ عمر نے جواب میں مجھے یہ لکھا کہ اسے اسلام لانے کی دعوت دو، اگر وہ اسلام لے آئے تو اسے چھوڑ دو۔ اگر انکار کرے تو ایک لکڑی منگا کر اس کو اس پر لٹا دو اور پھر اسلام لانے کی دعوت دو۔ اگر وہ پھر انکار کرے تو اسے اسی لکڑی میں باندھ دو اور اس کے دل پر نیزہ رکھ کر اس کو پھر اسلام لانے کی دعوت دو، اگر وہ رجوع کرے تو اسے چھوڑ دو، اور اگر اب بھی انکار کرے تو قتل کر دو۔ راوی کہتا ہے کہ انہوں نے اس کے ساتھ ایسا ہی کیا۔ جب اس کے دل پر نیزہ رکھا گیا تو وہ اسلام لے آیا۔ تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔

فصل ۱۲

بازیافتہ اموالِ مسروقہ اور لاوارث مال کا حکم

۸۶۲۔ بازیافتہ اموال کا حکم

مرکزی شہروں کے والیوں کو اپنے علاقوں میں پکڑے جانے والے چوروں سے جو مال [سونا]، ساز و سامان، اسلحہ وغیرہ برآمد ہو کر ملتا ہے ان کے بارے میں امیر المومنین کے استفسار کا جواب درج ذیل ہے:

آپ اپنے والیوں کو ہدایت کر دیجیے کہ ان چوروں کے پاس سے آپ کو جو کچھ ملا ہو ان اموال کو کسی صالح اور امانت دار آدمی کی تحویل میں دے دیں۔ یہ آدمی ان اموال کو کسی محفوظ جگہ پر رکھ دے۔ اگر کوئی آدمی کسی چیز کا مطالبہ کرے اور (اپنے دعوئے ملکیت پر) ایسے گواہ پیش

ؔ یہ اضافہ یزدی نسخہ میں ہے

کرے جن میں کوئی خرابی نہ ہو، مثلاً چند معروف تاجروں کی گواہی پیش کرے تو اس کا سامان اسے واپس دے دیا جائے گا۔ اس واپسی پر گواہ کر لیے جائیں گے اور جو مال واپس دیا جا رہا ہو اس پر یا اس کی قیمت پر اس آدمی سے یہ ضمانت لے لی جائے گی کہ بعد میں کوئی دوسرا آدمی اس کا حقدار ثابت ہو جائے تو یہ اس کا دین دار ہو گا۔ اگر کوئی مطالبہ کرنے والا نہ آئے تو ان سامانوں اور اسلحہ جات کو فروخت کر دیا جائے اور ان کی قیمت اور جو (نقد) مال چوروں کے پاس سے برآمد ہوئے تھے ان کو بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔

۲۱۸ آج کل اس طرح کے اموال کو والی کھا جاتے ہیں حالانکہ ان کے لیے واحد جائز طریقہ یہ ہے کہ آپ کو ان کی خبر کریں۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر آپ کو چاہیے کہ ہر ملک اور ہر مرکزی شہر کے والی کے نام یہ فرمان جاری کر دیں کہ جب ان کے پاس اس قسم کا کوئی مال لایا جائے تو اس کا باقاعدہ اندراج عمل میں لائیں اور اسے اس فرد کے حوالہ کر دیں جس کو خاص طور پر اس قسم کے اموال کا محافظ مقرر کیا گیا ہے۔ ان محافظین کو آپ وہ طریقہ اختیار کرنے کی ہدایت کیجیے جس کی تفصیل میں نے اوپر بیان کی ہے۔

ان محافظین کو ہدایت کیجیے کہ اگر کوئی منصف مزاج، امانت دار اور معتمد علیہ شخص جس پر یہ شبہ نہ کیا جا سکتا ہو کہ وہ دوسرے کے مال کا مالک ہونے کا جھوٹا دعویٰ لے کر کھڑا ہو گا، ان کے پاس آ کر چوروں کے پاس سے برآمد ہونے والے ان اموال میں سے کسی چیز کا مالک ہونے کا دعویٰ کرے لیکن ثبوت کے مطالبہ پر گواہی نہ پیش کر سکے تو اس سے اس کے دعویٰ پر حلف لی جائے اور مطلوبہ مال اس کے حوالہ کر دیا جائے۔ البتہ اس سے اس بات کی ضمانت لے لی جائے کہ اگر بعد میں اس کے حوالہ کیے جانے والے اموال پر کسی دوسرے کا حق ثابت ہو جائے تو وہ دین دار ہو گا۔ یہ حکم بطور استحسان تجویز کیا جا رہا ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کے لیے اپنے کسی سامان یا رقم کے سلسلہ میں اس بات کا ثبوت پیش کرنا ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اس کی ملکیت ہے۔ لیکن بذات خود وہ قابلِ اعتماد ہوتا ہے اور ان لوگوں میں سے نہیں ہوتا جو ملکیت

کا جھوٹا دعویٰ لے کر کھڑے ہوں۔

۸۶۳۔

چور اگر سامان کے ساتھ پکڑے گئے ہوں اور سامان کا مالک بھی ان کے ساتھ ہو اور یہ ایک کھلی ہوئی معروف بات ہو (کہ سامان اس مالک کا ہے) تو سامان اسی وقت مالک کو واپس دے دیا جائے گا۔ والی کو یہ اختیار نہیں کہ ایسے مالک کو مال واپس کرنے میں کسی طرح کی تاخیر کرے۔ اس تاخیر سے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس آدمی کو پریشان کر کے اسے اپنے مال سے دستبردار ہو جانے پر مجبور کرے اور پھر خود اس پر قابض ہو جائے۔

۸۶۴۔

کمند بازوں اور جنگ پلا کر لوٹ لینے والوں کے پاس سے جو مال برآمد ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر کوئی آدمی آکر اس مال کا مطالبہ کرے اور اپنے دعوئے ملکیت پر دو مستبار اور قابلِ اعتماد گواہ پیش کر دے تو مال اس کے حوالہ کر دیا جائے گا اور اگر کوئی دعویٰ دار نہ آئے تو سامان کو فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے گی۔

۸۶۵۔

کمند باز کی شناخت مکمل ہو جائے، یا وہ خود جرم کا اقرار کرے، یا اس کے پاس سے وہ آلات برآمد ہوں جن سے کمند باز گلا گھونٹتے ہیں اور ساتھ ہی لوٹا ہوا مال بھی برآمد ہو تو اگر وہ اپنے جرم کا اعتراف کرے تو اس کو قتل کرنے اور پھانسی چڑھانے کا حکم دے دیجیے۔

۸۶۶۔

جنگ پلا کر لوٹنے والا گرفتار ہو اور اپنے جرم کا اقرار کرے یا اس کے پاس سے ایسی اشیاء خوردنی برآمد ہوں جن میں جنگ ملی ہوتی ہو اور ساتھ ہی اس کے پاس سے لوٹا ہوا مال بھی برآمد ہو یا گلا گھونٹنے کے آلات برآمد ہوں تو ایسی شکل میں جب کہ ان کا معاملہ بالکل واضح ہو کر سامنے آ جائے اور کوئی شبہ نہ باقی رہے فیصلہ کا انحصار آپ کی صوابدید پر ہے۔

۸۶۷۔ لاوارث مال کا حکم

قصبات اور مرکزی شہروں کے قاضیوں کے یہاں غریب الوطن اجنبی افراد کا جو مال و متاع جمع ہو جائے جس کا کوئی وارث ہو نہ دعویٰ دار، تو اسے آپ کے علم میں لایا جانا چاہیے۔ اندیشہ ہے کہ اگر یہ مال زیادہ عرصہ ان قاضیوں کے پاس رہ گیا تو یہ اسے ایسے لوگوں کے سپرد کر دیں گے جو اسے کھا جائیں۔ یہ اموال چوروں کے یہاں سے برآمد ہونے والے اموال اور وہ سارے مال جن کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہ ہو مسلمانوں کے بیت المال کے لیے ہیں۔ آپ اس طرح کے اموال کا جائزہ
۲۱۹ لیتے رہیے۔ مختلف علاقوں میں ڈاک اور خبر رسانی پر مامور افسران کو حکم دیجیے کہ اس طرح کے جو مال حاصل ہوں ان کی آپ کو خبر کرتے رہیں۔ اس کے بعد ان کے سلسلہ میں جو مناسب سمجھیے کیجیے۔

۸۶۸۔ بازیافتہ مفرور غلاموں کا حکم

ہر ملک میں بہت سے مفرور غلام اور لونڈیاں والی کے یہاں پہنچائے جاتے رہتے ہیں۔ امیر المومنین نے یہ مسئلہ سامنے رکھا ہے کہ مختلف چھوٹے اور بڑے شہروں میں ایسے غلاموں کی ایک بڑی تعداد قید خانوں میں جمع ہو گئی ہے، جن کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں۔ اب ان کے سلسلہ میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔

میری رائے یہ ہے کہ آپ کسی معتمد علیہ فرد کو جس کی دین داری اور امانت داری پر آپ کو پورا بھروسہ ہو یہ ذمہ داری سونپ دیں کہ خود آپ کے پاس "مدینۃ السلام" میں اس قسم کے جو افراد قید میں ہیں ان کو فروخت کر دے۔ شہروں اور مرکزی مقامات کے قاضیوں کو لکھ دیجیے کہ وہ بھی یہی طریقہ اختیار کریں، جس کی تفصیل یہ ہے: ہر غلام یا لونڈی کی پیشی ہو اور اس سے اس کا نام، اس کے مالک کا نام، اس کا وطن، اس کے مالک کی جائے سکونت، اور اس کے قبیلہ کا نام دریافت کر کے ایک رجسٹر میں لکھ لیا جائے۔ غلام کا نام، حلیہ، قسم، وہ مہینہ اور سال جس میں وہ پکڑا گیا۔ یہ ساری تفصیلات غلام کے بیان کے مطابق درج کر لی جائیں اور پھر اسے چھ ماہ مزید قید میں رکھا جائے۔ اس عرصہ میں بھی اگر کوئی اس کا مطالبہ کرنے نہ آئے تو جس آدمی کے سپرد یہ ذمہ داری کی گئی ہے وہ ایسے غلاموں کو قید سے نکال کر نیلام کرے اور ان کی قیمت بیت المال میں داخل

کر دے۔ اس رقم کے سامنے (بیت المال کے رجسٹر میں) یہ درج کر دیا جائے کہ یہ رقم مفرور غلاموں کی فروخت سے حاصل ہوئی ہے۔

۸۶۹۔

اگر کسی غلام یا لونڈی کے فروخت کیے جانے سے قبل، اس کے قید میں رہنے کے دوران اس کا مالک آکر ذمہ دار سے اس کا مطالبہ کرے تو اسے چاہیے کہ اس سے غلام یا لونڈی کا نام، خود اس کا نام، اس کا وطن، غلام یا لونڈی کی قسم، اور حلیہ دریافت کرے۔ اس کے جوابات کا مقابلہ رجسٹر کے اندراجات سے کرے۔ اس سے یہ بھی دریافت کرے کہ غلام اس کے پاس سے کس مہینہ میں فرار ہوا تھا۔ اگر اس کا بتایا ہوا نام، ملک، حلیہ، اور قسم رجسٹر میں مندرجہ تفصیلات کے مطابق نکلے تو اسے چاہیے کہ مطلوبہ لونڈی یا غلام کو حاضر کر کے اس سے دریافت کرے کہ کیا وہ مطالبہ کرنے والے کو پہچانتا ہے اور اگر وہ اقرار کرے کہ یہ شخص اس کا مالک ہے تو اُسے اس کے حوالہ کر دے۔

اگر مالک غلام یا لونڈی کے فروخت کر دیے جانے کے بعد آئے تو ذمہ دار کو چاہیے کہ اُس سے اُس کا نام، اُس کے باپ کا نام، قبیلہ کا نام، وطن، اور غلام کا نام اور حلیہ دریافت کرکے اس کے جوابات کا مقابلہ رجسٹر کے اندراجات سے کرے۔ اگر اس کا بیان غلام کے اس بیان کے مطابق نکلے جو رجسٹر میں درج ہے تو اسے غلام کی وہ قیمت دے دے جو اس کی فروخت سے حاصل ہوئی تھی۔ ضروری ہے کہ ہر غلام اور لونڈی کے نام اور اس کے مالک کے نام کے ساتھ ہی رجسٹر میں یہ بھی درج ہو کہ اسے کتنی قیمت پر فروخت کیا گیا ہے۔

۸۷۰۔

اگر ایک طویل عرصہ تک کوئی مطالبہ کرنے والا نہ آئے تو اس طرح کی رقوم کو بیت المال میں داخل کر دیا جائے اور امام ان رقوم کو اپنی صواب دید کے مطابق ایسے کاموں پر صرف کرے جن کو مسلمانوں کے لیے مفید سمجھتا ہو۔ ۲۲۰

۸۷۱۔

آپ ہدایت کر دیجیے کہ قیدیوں کی طرح ان مفرور غلاموں کے لیے بھی روزینہ مقرر کر دیا جائے، جب تک یہ فروخت نہ کر دیے جائیں روزینہ جاری رہے۔ اس کی مقدار وہی ہوگی جو آپ نے قیدیوں کے لیے مقرر کی ہے۔ یہ روزینہ بھی مسلمانوں کے بیت المال سے جاری کیا جائے گا۔ روزینہ کی رقمیں اس شخص کے حوالہ کر دی جائیں گی جس کو ان کی نگرانی اور فروخت کا ذمہ دار بنایا گیا ہو۔ اس سلسلہ میں آپ اپنی صواب دید کے مطابق مناسب طریقے اختیار فرما سکتے ہیں۔

فصل ۱۳

ڈاک اور خبر رسانی کا محکمہ

۸۷۲۔ عمّالِ حکومت کے طرزِ عمل سے متعلق اطلاعات

امیر المومنین! آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ کو یہ بات معلوم ہوئی ہے، اور پوری طرح ثابت ہو چکی ہے اور آپ کے خبر رسانی کے ذمہ دار عہدہ دار نے بھی آپ کو تحریری طور پر اس سے مطلع کیا ہے کہ بصرہ کے قاضی کے پاس بہت سی اراضی ہیں جن میں باغات، کھجور کے درخت، اور کھیت شامل ہیں۔ ان کی سالانہ آمدنی بہت زیادہ ہے۔ قاضی نے اسے اپنے مقرر کردہ ایجنٹوں کے سپرد کر رکھا ہے جن کو وہ فی کس ہزار، دو ہزار یا اس سے زیادہ یا کم تنخواہیں دیتا ہے۔ ان زمینوں کا کوئی دعویٰ دار نہیں۔ قاضی اور اس کے یہ ایجنٹ مل کر اسے کھا رہے ہیں۔ یہ اور اس جیسی دوسری باتیں جب ثابت ہو جائیں تو آپ کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ ان کو زیرِ غور لائیں۔ قاضی کے قبضہ میں جو چیزیں ہیں ان کا کوئی دعویٰ دار نہیں ہے اور قاضی اور اس کے ایجنٹ ان چیزوں سے نفع حاصل کرتے اور اس نفع کو خود رکھ لیتے ہیں۔ عرصہ دراز سے یہی صورتِ حال ہے اور کوئی آدمی ان چیزوں سے متعلق کوئی مطالبہ لے کر سامنے نہیں آیا۔ نوبت

یہاں تک پہنچی ہے کہ قاضی نے اس کے متعلق آپ کو کچھ لکھا بھی نہیں تاکہ آپ اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرتے۔ ظاہر ہے کہ یہ انتہائی برا قاضی ہے جس نے ان اموال کو اپنے اور اپنے ساتھیوں کے کھانے کمانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ اس کا یہ فعل سراسر فعلِ گناہ ہے۔ آپ اپنے والیوں کو ہدایت کیجیے کہ اس قاضی اور اس کے ایجنٹوں سے جو حرکتیں صادر ہوئی ہیں ان کا اس سے محاسبہ کرے تاکہ یہ لوگ اس سے دست کش ہو جائیں اور ان اموال سے جو مدتی بجوہ مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دی جائے۔ بشرطیکہ یہ کسی وارث کا حق نہ ہوں اور نہ کوئی آدمی اس میں سے کسی حق کا مطالبہ کرے۔

اگر قاضی کے خلاف یہ الزامات ثابت ہو جائیں اور یہ بات بھی ثابت ہو جائے کہ اس نے امام کمان کے بارے میں نہیں لکھا ہے تو اس قاضی کا بُرا ہونا اور اپنی ذات، امام اور مسلمانوں کے خلاف خیانت و بدخواہی کا مرتکب ہونا شبہ سے بالا ہے۔ پھر یہ مناسب نہیں کہ اسے مسلمانوں سے متعلق کسی بھی خدمت پر مامور کیا جائے۔

۸۷۳۔

میری رائے یہ ہے کہ آپ ان زمینوں کو ایسے قاضیوں کے قبضے سے نکال لینے کا حکم جاری کر دیں جو انھیں خود کھانے اور دوسروں کو کھلانے کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں کسی منصف مزاج امانت دار اور معتمد علیہ فرد کو ان زمینوں کا نگراں مقرر کر دیجیے۔ اس نگراں کو حکم دیجیے کہ ان زمینوں سے متعلق امور کی انجام دہی کے لیے قابلِ اعتماد افراد کا تقرر عمل میں لائے حکم دے دیجیے کہ ان کی ساری آمدنی مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دی جایا کرے تا آنکہ کوئی شخص اس میں سے کسی چیز کا حق دار ہونے کا دعویٰ لے کر کھڑا ہو۔ کیوں کہ جو مسلمان کوئی وارث چھوڑے بغیر وفات پا جائے اس کا مال بیت المال کے لیے ہے۔ البتہ کوئی مدعی اگر کسی مرنے والے کا وارث ہونے کی بنا پر کسی چیز کا مطالبہ کرے اور اس دعویٰ کے حق میں ثبوت اور گواہ فراہم کرے تو اسے اس کا حق واجب دے دیا جائے گا۔ اس بارے میں آپ

اپنی صواب دید کے مطابق مناسب طریقے اختیار کیجیے۔

۸۷۴۔

بصرہ کے محکمۂ ڈاک اور خبر رسانی کو ہدایت کر دیجیے کہ یہاں اس قسم کی جو نئی باتیں پیش آئیں ان کی تفصیلات سے آپ کو تحریری طور پر مطلع کرتا رہے۔ اسے تنبیہ کر دیجیے کہ اس سلسلہ میں کسی بات کو چھپائے نہیں۔

۸۷۵۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ اطراف و جوانب میں جو افراد آپ کی طرف سے ڈاک اور خبر رسانی[1] پر مامور ہیں نگرانی کو وہ ترک کر دیتے ہیں۔ والیوں اور رعایا کے بہت سے معاملات کے سلسلہ میں جن سے باخبر رہنا ضروری ہے یہ بے جا طرف داری سے کام لیتے اور باتوں کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ لوگ رعایا کے خلاف افسرانِ حکومت سے مل جاتے ہیں اور عوام کے ساتھ ان کے ساتھ برے سلوک اور غلط رویّہ کی پردہ پوشی کرتے ہوئے ان سے متعلق خبروں کو دبا دیتے ہیں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہ کسی والی یا افسر سے خفا ہو کر اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دیتے ہیں جو اس سے کبھی نہیں سرزد ہوئیں۔ آپ کو تحقیق و تفتیش کے ذریعہ صحیح صورتِ حال کا پتہ لگانا چاہیے اور ہر بڑے شہر یا علاقہ کے راستباز اور قابلِ اعتماد افراد کو منتخب کر کے ڈاک اور خبر رسانی کا محکمہ ان کے سپرد کرنا چاہیے۔ کس طرح مناسب ہو سکتا ہے کہ راستباز اور قابلِ اعتماد لوگوں کے سوا کسی اور کی دی ہوئی خبر مان لی جائے؟ ان افراد کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کیا جائے اور ان کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جائیں۔ ان کو ہدایت کر دیجیے کہ والیوں یا رعایا سے متعلق کسی خبر کو آپ سے نہ چھپائیں اور اپنی طرف سے کسی خبر میں کوئی اضافہ نہ کریں۔ جو لوگ اس ہدایت کی پابندی نہ کریں ان کو تادیبی سزائیں دیجیے۔

جب اطراف و جوانب میں ڈاک اور خبر رسانی کے ذمہ دار راستباز اور قابلِ اعتماد افراد

[1] تیموری نسخہ میں یہ بھی ہے: اور فوجوں

نہ ہوں تو کسی قاضی یا والی کے بارے میں ان کی دی ہوئی کسی خبر کو نہیں تسلیم کرنا چاہیے۔ قاضی اور والی وغیرہ افسران کے خلاف خبروں کے سلسلہ میں کافی محتاط رہنا چاہیے۔ اگر خبر رساں مستند نہ ہو تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ اس کی خبر مان لی جائے اور اس کو بنیاد بنا کر کوئی اقدام کیا جائے۔

۸۷۶۔ محکمہ ڈاک کی سواریوں کا استعمال

ان لوگوں کو ہدایت کر دیجئے کہ ڈاک کے لیے بار برداری کے جو جانور ان کے پاس ہوں ان پر صرف ان آدمیوں کو سوار کیا کریں جن کو آپ نے مسلمانوں کے کاموں کے سلسلہ میں سواری فراہم کرنے کا حکم دیا ہو کیوں کہ یہ جانور سارے مسلمانوں کی ملکیت ہیں۔

۸۷۷۔

ہم سے عبیداللہ بن عمر نے بیان کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ ڈاکیہ ڈاک کے جانور کو مارنے کے لیے اپنی چابک میں لوہا لگائے۔ نیز آپ نے ان جانوروں کے منہ میں بھاری لگام لگانے سے بھی منع کیا ہے۔

۸۷۸۔

ہم سے طلحہ بن یحییٰ نے روایت بیان کی ہے کہ ایک بار عمر بن عبدالعزیزؒ ڈاک روانہ کر رہے تھے ان کے ایک آزاد کردہ غلام نے ان کی اجازت کے بغیر ایک آدمی کو ڈاک کے جانور پر سوار کر دیا۔ آپ نے اُسے بلا کر اس سے کہا اس سواری کے کرایہ کا اندازہ کر کے اسے بیت المال میں داخل کرو تب یہاں سے جاؤ۔

فصل ۱۴
قاضیوں اور عمّال کے مشاہرے

۸۷۹۔ مشاہرے کس مد سے دیئے جائیں

آپ نے دریافت کیا ہے کہ قاضیوں اور عمّال حکومت کو مشاہرے کس مد سے دیئے جائیں؟

اللہ امیر المومنین کو اپنی اطاعت کے ذریعہ عزت بخشے! قاضیوں اور والیوں کے مشاہرے مسلمانوں کے بیت المال سے دیجئے، یعنی زمین کے محاصل یا خراج اور جزیہ میں سے، چونکہ یہ لوگ مسلمانوں کی خدمت میں مشغول ہیں لہٰذا ان کو جو کچھ دینا ہو مسلمانوں کے خزانہ سے دیا جائے گا۔ ہر شہر کے والی اور قاضی کو اس کی ذمہ داریوں کی مناسبت سے مشاہرہ دیا جائے گا۔ جس آدمی کو بھی آپ مسلمانوں کے کسی کام پر مامور کریں اس کا مشاہرہ مسلمانوں کے خزانہ سے دیجئے۔ تحصیل صدقات پر مامور والیوں کے علاوہ دوسرے والیوں اور قاضیوں کے مشاہرے صدقات کی مد سے نہیں دیئے جائیں گے البتہ صدقہ کے والی کا مشاہرہ اس مد سے دیا جائے گا جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے (مصارف زکوٰۃ کی آیت میں) "والعاملین علیہا" فرما کر صراحت کر دی۔

۸۸۰۔ مشاہروں میں کمی بیشی کا اختیار

قاضیوں، والیوں اور دوسرے عمالِ حکومت کے مشاہروں میں کمی بیشی کرنا تمام تر آپ کی صوابدید پر منحصر ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو اس بارے میں پورا اختیار ہے کہ جس مشاہرہ میں اضافہ کرنا مناسب سمجھیں اضافہ کیجیے اور جس کے مشاہرہ میں کمی کرنا مناسب سمجھیں کمی کیجیے۔ جس اقدام سے بھی آپ کو یہ توقع ہو کہ اللہ اس سے رعایا کا بھلا کرے گا اسے ضرور کیجیے اور بلا تاخیر کیجیے، توقع ہے کہ اللہ آپ کو ان کاموں کی انجام دہی پر بڑا اجر اور بہت ثواب عطا فرمائے گا۔

۸۸۱۔ معاوضہ دینے کے غلط طریقے

آپ کی یہ رائے درست نہیں کہ اگر قاضی کے سپرد خلفاء یا بنی ہاشم وغیرہ کی کوئی میراث ہو تو اس کا مشاہرہ اس میراث میں سے دیا جائے اور وہ اپنی جانب سے ان ورثاء کے مال و املاک کی نگرانی کے لیے کسی کو ذمہ دار مقرر کر دے۔ قاضی کا مشاہرہ بہر حال بیت المال سے دیا جانا چاہیے تاکہ وہ غریب اور امیر، چھوٹے اور بڑے سب کا نگراں اور کارندہ بن کر رہے۔ معزز یا ادنیٰ، جس کی میراث بھی اس کی نگرانی میں دی جائے اسے اپنا مشاہرہ اس کے مال میں سے نہیں لینا چاہیے۔ سارے خلفاء قاضیوں کا مشاہرہ مسلمانوں کے بیت المال سے دیتے چلے

۲۲۳ گئے ہیں، البتہ جن لوگوں کے سپرد ان میراثوں کی حفاظت اور ان سے متعلق امور کی انجام دہی کی خدمت کی جائے گی ان کے لیے ان کے زیر نگرانی جائداد کی قوت برداشت کی مناسبت سے معاوضہ مقرر کر دیا جائے گا۔ ایسا نہ ہو کہ اصل وارث کے مال پر اتنا بار ڈال دیا جائے کہ سب ختم ہو جائے۔ امین اور مہتمم ہی سارا مال کھا جائیں اور وارث تباہ ہونے کے لیے رہ جائے۔

۸۸۲۔

حقیقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے مگر میرا خیال ہے کہ اکثر قاضی اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کس طریقہ سے کر رہے ہیں۔ ان کے اکثر رفقاء کو — بجز ان چند افراد کے جنھیں اللہ نے دیانت داری کی توفیق عطا کی ہے — اس میں کوئی باک نہیں محسوس ہوتا کہ یتیموں کو مفلس بنا دیں اور وارثوں کو تباہ کر دیں۔

فصل ۱۵

جاسوسوں، مشتبہ افراد، اور مستامن سے متعلق احکام

۸۸۳۔ مشتبہ افراد

ایک حربی اپنے ملک سے نکل کر دارالاسلام میں داخل ہونا چاہتا ہے اور راستہ میں اس کا گذر مسلمانوں کی کسی فوجی چھاؤنی سے ہوتا ہے، خواہ یہ چھاؤنی عام راستہ میں واقع ہو یا کسی اور جگہ۔ یہ حربی پکڑا جاتا ہے اور یہ بیان دیتا ہے کہ میں اپنے اور اپنی بیوی بچوں کے لیے امان طلب کرنے کی خاطر اسلامی علاقوں میں جا رہا ہوں، یا کہتا ہے کہ میں قاصد ہوں۔ اپنے یہ صورت سامنے رکھتے ہوئے یہ سوال کیا ہے کہ اس آدمی کا بیان تسلیم کیا جائے یا نہ کیا جائے؟ اور یہ کہ اس کے سلسلہ میں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا مناسب ہو گا؟

۸۸۴۔

اگر یہ حربی شخص چھاؤنی سے گذرتے وقت وہاں کے لوگوں سے بچ کر نکل جانا چاہتا ہو تو اس کی بات نہیں تسلیم کی جائے گی۔ اور اگر اس نے بچ کر نکل جانے کی کوئی کوشش نہیں کی تو اس کی بات سچی سمجھی جائے گی اور تسلیم کر لی جائے گی۔

۸۸۵۔

اگر وہ یہ کہے کہ میں اپنے بادشاہ کا قاصد ہوں اور اس نے مجھے عرب کے بادشاہ کے پاس بھیجا ہے اور یہ اس کا خط میرے پاس موجود ہے اور میرے ہمراہ جو جانور یا غلام اور ساز و سامان ہیں وہ بادشاہِ عرب کے لیے ہدیۃً بھیجے گئے ہیں، تو اس کی بات سچی سمجھی جائے گی اور تسلیم کر لی جائے گی، کیوں کہ یہ ایک معروف بات ہے اور اس کے ساتھ جو ساز و سامان ہے اس کی نوعیت وہی ہو سکتی ہے جو اس نے بتائی ہے یعنی اس کے بادشاہ کی طرف سے بادشاہِ عرب کے لیے ایک ہدیہ اس سے کوئی تعرض نہیں کرنا چاہیے اور اس کے ہمراہ جو اسلحے، ساز و سامان، غلام اور دوسرے اموال ہوں ان کو بھی ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔ البتہ اگر اس کے پاس کچھ ذاتی سامان بھی ہو جسے وہ تجارت کے لیے ساتھ لایا ہو تو اسے جب وہ محصّل چنگی کے پاس سے گذرے گا تو وہ اس میں سے دسواں حصہ چنگی وصول کرے گا۔

۲۲۴ بادشاہ روم کے قاصد سے یا کسی ایسے شخص سے جس کو امان دی جا چکی ہو، اس سامان کے علاوہ کسی چیز پر چنگی نہیں لی جائے گی جسے وہ تجارت کے لیے لایا ہو۔ سامان تجارت کے علاوہ ان کے پاس جو ساز و سامان ہو اس پر چنگی نہیں عاید ہو گی۔

۸۸۶۔

(سرحد پر پکڑا جانے والا) یہ حربی اگر یہ کہے کہ میں اپنا ملک چھوڑ کر مسلمان ہو کر آیا ہوں۔ تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی اور اگر وہ اسلام نہ لائے تو مسلمانوں کے لیے فئے قرار دیا جائے گا۔ مسلمانوں کو اختیار ہو گا کہ اس کو قتل کر دیں یا غلام بنا لیں۔ اگر جب اسے قتل کرنے

کے لیے لایا جائے تو وہ کہے کہ میں تمہارے دین پر ایمان لایا اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم، تو یہ اسلام لانا ہوا اور اس کے نتیجہ میں اس کی جان محفوظ ہو جائے گی اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ البتہ اس کا مال مسلمانوں کے لیے فئے قرار پائے گا۔

۸۸۷۔

ہم سے اعمش نے بروایت ابو سفیان بروایت جابر حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ نہ کہہ دیں۔ جب وہ یہ کلمہ ادا کر دیں تو ان کے خون اور مال میری طرف سے محفوظ ہو جائیں گے۔ الا یہ کہ کسی حق کی بنا پر مواخذہ کیا جائے، اور ان کی نیتوں کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔"

۸۸۸۔ مستامن

اگر یہ قاصد — بادشاہ کا قاصد — یا وہ شخص جسے امان دی گئی ہو دار الحرب واپس جانا چاہے تو اس کو اس کا موقع نہ دیا جائے گا کہ اپنے ہمراہ اسلحے، مویشی یا جنس سے تعلق رکھنے والے قیدیوں میں سے بنائے ہوئے غلام لے جا سکیں۔ ان میں سے کوئی چیز اگر وہ خرید کر لے جا رہے ہوں تو یہ چیز فروخت کنندہ کو واپس کر کے اس کی قیمت ان لوگوں کو واپس دے دی جائے گی اگر اس قاصد یا امان یافتہ فرد کے پاس دار الاسلام میں داخل ہوتے وقت کوئی عمدہ ہتھیار تھا اور اب اس نے اسے کسی گھٹیا ہتھیار سے بدل لیا ہو، یا کوئی اچھا جانور تھا جسے اس نے کسی خراب جانور سے بدل لیا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اسے اس کو لے جانے دینا چاہیے۔ البتہ اگر اس نے اپنے ہتھیار یا جانور کو بہتر ہتھیار یا جانور سے بدل لیا ہو تو اسے اس کا اپنا ہتھیار یا جانور واپس دلوا دیا جائے گا اور بدلی ہوئی چیز کو اس کے اصل مالک کو لوٹا دیا جائے گا۔ امام کو چاہیے کہ کسی حربی کو جو امان لے کر یا اپنے بادشاہ کا قاصد بن کر دار الاسلام میں آیا ہو،

دار الاسلام سے واپس جاتے وقت اپنے ساتھ غلام، اسلحہ جات یا کوئی ایسی چیز لے جانے دے جس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں دشمن کی طاقت میں اضافہ ہو۔ کپڑے اور دوسرے سامانوں اور عام اشیاء استعمال کے لے جانے کی ممانعت نہ ہو گی۔

۸۸۹۔

قاصد یا امان یافتہ حربی کو شراب یا سور کی خرید و فروخت یا سودی کاروبار کی اجازت نہیں۔ کیوں کہ اس فرد کے لیے بھی وہی قانون ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے لیے ہے اور دار الاسلام میں ان چیزوں کی تجارت نہیں ہونی چاہیے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دے دیا ہے۔

۸۹۰۔

دار الاسلام میں امان لے کر یا قاصد بن کر آنے والا اگر چوری یا زنا کا ارتکاب کرے تو ہمارے
بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس پر حد نہیں جاری کی جائے گی، البتہ اگر اس نے مال مسروقہ
٢٢٥ کو صرف کر ڈالا ہو تو اسے اس کی قیمت ادا کرنے کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ
یہ آدمی دار الاسلام میں اس لیے نہیں آیا ہے کہ ذمی بن جائے اور اس پر ہمارے قوانین نافذ
ہونے لگیں۔ اگر یہ شخص کسی آدمی پر زنا کی تہمت لگائے تو ان فقہاء کے نزدیک اس پر حد جاری کی جائے
گی، یا کسی کو گالی دے تو اسے تعزیری سزا دی جائے گی کیوں کہ یہ انسانوں کے حقوق ہیں۔ لیکن
ہمارے بعض دوسرے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ شخص چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے اور
زنا کرے تو اس پر حد جاری کی جائے۔ ہم نے اس باب میں جو اقوال سنے ہیں ان میں ہمارے
نزدیک بہترین رائے یہ ہے کہ ہم ان افراد کو تمام حدود کا پابند قرار دیں اور ان پر حدیں جاری
کریں۔ واللہ اعلم۔

۸۹۱۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے فرد کا مال چرائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اور اگر کوئی مسلمان اس کا ہاتھ عمداً کاٹ دے تو اس کے بدلہ مسلمان کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ قیاس

کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے بدلہ ہاتھ کاٹا جائے[1]۔ اور مسلمان اس کا مال چرا لے تو بھی اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ لیکن میں نے استحسان کرتے ہوئے ان لوگوں کے قول کو ترجیح دی ہے جو مذکورہ بالا رائے رکھتے ہیں۔

جو امان لے کر دارالاسلام میں آیا ہے[2] وہ اگر عورت ہو اور کوئی مسلمان اس کے ساتھ زنا کرے تو میرے نزدیک اور دوسرے فقہاء کے نزدیک بھی اس پر حد جاری کی جائے گی۔

۸۹۲۔

اگر یہ مستامن دارالاسلام میں کافی طویل عرصہ ٹھہرا رہ جائے تو اسے واپس چلے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ اگر اس کے بعد وہ ایک سال اور قیام پذیر رہے تو اس پر جزیہ عائد کر دیا جائے گا۔

۸۹۳۔ مشتبہ افراد

حربی مشرکین کے کسی جہاز کو اس کے ساز و سامان سمیت ہوائیں مسلمانوں کے کسی شہر کے قریب ساحل پر لا ڈالتی ہیں، مسلمان اس کے مسافروں کو پکڑ لیتے ہیں اور جہاز پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم قاصد ہیں ہمیں ہمارے بادشاہ نے بھیجا ہے اور بادشاہ عرب کے نام اس کا خط ہمارے پاس یہ موجود ہے اور جہاز میں جو سامان ہے وہ بادشاہ عرب کے لیے بھیجا ہوا تحفہ ہے۔ تو ایسی صورت میں جس والی نے ان لوگوں کو گرفتار کیا ہو اسے چاہیے کہ انھیں ان کے سارے سامان کے ساتھ امام کے پاس بھیج دے۔ اگر صورت واقعہ ان کے بیان کے خلاف ثابت ہو تو یہ افراد اور ان کے سارے سامان مسلمانوں کے لیے فئے ہوں گے۔ ان افراد کے بارے میں فیصلہ امام کے اختیار میں ہوگا۔ وہ مناسب سمجھے تو ان کو زندہ رہنے دے[3] اور مناسب سمجھے تو قتل کر دے۔ امام جو فیصلہ بھی مناسب سمجھے کر سکتا ہے۔ اگر جہاز کے لوگ یہ کہیں کہ ہم تاجر ہیں اور سامان

۲۲۶ تجارت لے کر تمہارے ملک کی طرف آ رہے تھے تو ان کا یہ عذر نہیں قبول کیا جائے گا اور ان کو اور ان کے سارے سامان کو تمام مسلمانوں کے لیے فئے قرار دے دیا جائے گا۔ ان کا یہ بیان نہیں

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے: کہ اس کا قصاص لیا جائے۔

[2] تیموری نسخہ میں ہے: امان لے کر دارالاسلام میں آنے والی۔ [3] تیموری نسخہ میں ہے: ان کو غلام بنا لے

تسلیم کیا جائے گا کہ ہم تاجر ہیں۔

۸۹۴۔ جاسوس

امیرالمومنین نے دریافت فرمایا ہے کہ جاسوس گرفتار ہوں تو ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ یہ جاسوس ذمی، حربی، یا مسلمانوں میں سے ہوتے ہیں۔ اگر جاسوس حربی، یا جزیہ ادا کرنے والے ذمیوں۔ یہود، نصاریٰ یا مجوس — میں سے ہوں تو ان کی گردن اڑا دیجیے۔ اگر معلوم ہو کہ یہ مسلمانوں میں سے ہیں تو ان کو سخت سزائیں دیجیے اور مدت طویل تک قید میں رکھیے تا آنکہ یہ توبہ کر لیں۔

۸۹۵۔

جس سرحدی مقامات پر اہل شرک کے ممالک کی جانب سے راستے نکلتے ہوں وہاں امام کو فوجی چھاؤنیاں اور اسلحہ خانے قائم کرنے چاہئیں۔ جو تاجر وہاں سے گزریں ان کی تلاشی لی جانی چاہیے جس کے پاس سے اسلحے برآمد ہوں اس کے اسلحے ضبط کر لیے جائیں اور اسے واپس لوٹا دیا جائے۔ جس کے ساتھ غلام ہوں اُسے بھی واپس کر دیا جائے جس کے ساتھ خطوط ہوں اس کے خطوط پڑھے جائیں۔ جس خط میں مسلمانوں سے متعلق کوئی خبر درج ہو اس کے لے جانے والے کو گرفتار کر کے اسے امام کے یہاں حاضر کیا جائے تاکہ وہ اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے۔

۸۹۶۔ حربی قیدی

امام کو چاہیے کہ دشمن کے کسی ایسے فرد کو جو قید ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آیا ہو واپس دارالحرب نہ جانے دے۔ اِلّا یہ کہ اس کا فدیہ ادا کیا گیا ہو۔ بغیر فدیہ کے کسی کو واپس نہیں جانے دینا چاہیے۔

۸۹۷۔

امام ایک فوجی دستہ روانہ کرتا ہے جو دشمن کی کسی بستی پر حملہ کر کے وہاں کے مردوں، عورتوں اور بچوں کو پکڑ لیتا ہے۔ امام ان کو دارالاسلام لے آنے کا حکم دیتا ہے اور ان سب کو تقسیم کر دیتا ہے پھر امام ان کو حصہ داروں سے خرید لیتا ہے، وہ اس کی ملکیت بن جاتے ہیں اور امام ان سب کو آزاد کر دیتا ہے۔ اب یہ سارے مرد اور عورتیں دوبارہ دارالحرب واپس جانا چاہتی ہیں — ایسی صورت

میں ہم کو ان لوگوں کا ارادہ نہیں پورا ہونے دینا چاہیے۔ ان میں سے کسی ایک فرد کو بھی دارالاسلام میں آجانے کے بعد دارالحرب میں واپس نہیں جانے دینا چاہیے۔ واپسی کی صرف ایک شکل ہے یعنی انھیں فدیہ دے کر چھڑا لیا جائے، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

۸۹۸۔ دارالحرب میں ہتھیار لے جانے کی ممانعت

ہم سے اشعث نے بروایت حسن بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ: کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ مسلمانوں کے دشمن کے یہاں ہتھیار یا مویشی لے جائے اور اس طرح مسلمانوں کے مقابلہ میں دشمن کی طاقت میں اضافہ کرے۔ اس طرح کوئی ایسی چیز بھی نہیں لے جانا چاہیے جس کے ذریعہ اسلحے یا مویشی حاصل کیے جا سکتے ہوں۔

۸۹۹۔ غیر مسلم بادشاہوں کے ہدیے

ہم سے ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے ۲۲۷
کہ اکیدر دومہ نے، جو مشرک تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تو آپ نے اُسے قبول کر لیا۔

۹۰۰۔

ہم سے مسعر نے بروایت ابوعون، بروایت ابوصالح، بروایت علی رضی اللہ عنہ حدیث بیان کی ہے کہ: اکیدر دومہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ریشمی کپڑا ہدیۃً بھیجا۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے اسے علی کو دے دیا اور فرمایا کہ: "اسے پھاڑ کر اوڑھنیاں بنا دو اور عورتوں میں تقسیم کر دو۔"

پندرھواں باب
قوانین جنگ
فصل ۱
جنگ اور اس کے آداب

۹۰۱۔ امیرالمومنین کا سوال

امیرالمومنین! آپ نے دریافت کیا ہے کہ:

اہلِ شرک سے جنگ کرنے سے پہلے ان کو اسلام لانے کی دعوت دی جائے گی یا بغیر دعوت دیئے جنگ کی جا سکے گی؟

ان کو دعوت دینے، ان سے جنگ کرنے اور ان کے بچوں کو غلام بنانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ اہلِ قبلہ میں سے جو لوگ باغی ہو جائیں ان سے جنگ کا طریقہ کیا ہے؟ کیا ان پر حملہ کرنے سے پہلے ان کو اسلام لانے اور (نظام) جماعت میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے گی؟ ان باغیوں میں سے جو لوگ پکڑے جائیں ان کے اموال اور ان کے بچوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

۹۰۲۔ جنگ سے پہلے دعوت

جہاں تک ہمیں معلوم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی، کسی قوم سے بھی، اُسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دیے بغیر جنگ نہیں کی۔

۹۰۳۔

ہم سے حجاج نے ابن ابی نجیح سے، انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے عبداللہ بن

عباس سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی قوم سے بھی' ان لوگوں کو (اسلام کی طرف) دعوت دیئے بغیر جنگ نہیں کی۔"

۹۰۴۔

مجھ سے عطار بن السائب نے بروایت ابوالبختری حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: جب سلمان نے فارس کے مشرکوں سے جنگ کی تو (اپنے ساتھیوں سے) کہا: "ابھی ٹھہر جاؤ: پہلے میں ان لوگوں کو اسی طرح دعوت دے لوں جس طرح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انھیں دعوت دیتے سنا کرتا تھا۔" پھر آپ نے ان کے پاس جاکر ان سے کہا: "ہم تم کو اسلام کی طرف بلاتے ہیں' اگر تم اسلام لے آؤ تو تمھیں بھی وہی حقوق حاصل ہو جائیں گے جو ہمیں حاصل ہیں اور تم پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو ہم پر عائد ہیں۔ اگر تم کو اس سے انکار ہو تو زیر دست بن کر جزیہ دینا منظور کرو' اگر تم نے ایسا کرنے سے بھی انکار کیا تو ہم تم سے جنگ کریں گے۔" ان لوگوں نے جواب دیا کہ: جہاں تک اسلام لانے کا سوال ہے ہم اسلام نہیں لائیں گے' ہم جزیہ بھی نہیں ادا کریں گے' البتہ جنگ کی شکل منظور ہے' ہم تم سے جنگ کریں گے۔" سلمان نے ان لوگوں کو اسی طرح تین بار دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر آپ نے فوجیوں کو بلا کر کہا' ان پر حملہ کر دو۔ ۲۲۸

۹۰۵۔

بعض فقہاء اور تابعین نے یہ بھی کہا ہے کہ اب جتنی مشرک قومیں ایسی ہیں جن تک ہماری فوجیں پہنچ سکتی ہیں ان تک ہماری دعوت پہنچ چکی ہے اور مسلمانوں کے لیے دعوت دیئے بغیر ان سے جنگ کرنا جائز ہو گیا ہے۔

۹۰۶۔

مجھ سے منصور نے بروایت ابراہیم بیان کیا ہے کہ میں نے ان سے اہل دیلم کو دعوت دینے کی (ضرورت) کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: "ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ ان کو کس چیز کی طرف بلایا جا رہا ہے۔"

۹۰۷۔

سعید نے بروایت قتادہ بروایت حسن مجھ سے یہ بیان کیا ہے کہ وہ اس میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے کہ اس زمانہ میں مشرکوں کو (جنگ شروع کرنے سے پہلے) دعوت نہ دی جائے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ "اب یہ لوگ تمھارے دین سے اور تم جس چیز کی طرف انھیں دعوت دیتے ہو اس سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں۔"

۹۰۸۔ حملہ کرنے میں احتیاط

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی آبادی پر رات کے وقت نہیں حملہ کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ صبح ہو جانے کے بعد ان پر حملہ کرتے تھے۔ جب آپ رات باقی رہے کسی آبادی کے پاس پہنچ جاتے تو اگر (ادھر سے) اذان کی آواز سن لیتے تو حملہ کرنے سے باز رہتے۔

۹۰۹۔

مجھ سے محمد بن طلحہ نے بروایت حمید بروایت انس یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی طرف کوچ کیا اور وہاں رات کے وقت پہنچے۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ جب رات کے وقت کسی قوم کے پاس پہنچ جاتے تو صبح ہونے تک حملہ نہ کرتے۔ پھر اگر (ادھر سے) اذان کی آواز سن لیتے تو حملہ سے باز رہتے۔

۹۱۰۔

ہم سے سفیان بن عیینہ نے عبدالملک ابن نوفل سے' انہوں نے مزینہ کے ایک آدمی سے اور اس نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ اس نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی فوجی دستہ روانہ کرتے تو ان لوگوں سے یہ فرماتے: "جب تمھیں کوئی مسجد نظر آجائے' یا اذان سنائی دے جائے' تو کسی کو نہ قتل کرنا۔"

۹۱۱۔ اچانک حملہ

دشمن کے جنگ سے غافل ہونے کی شکل میں اس پر اچانک حملہ کے بارے میں ہمیں

لے تکبیر، دوسرے نسخہ میں ہے: مؤذن کی آواز

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ نے ایسا کیا ہے۔ آپ نے بنی المصطلق پر اس حال میں حملہ کیا تھا کہ وہ لوگ ادھر سے بالکل غافل تھے۔ ان میں سے بعض لوگ چشمہ پر پانی کرنے میں مشغول تھے۔ جویریہ بنت حارث بھی ان میں سے تھیں جنھیں آپ نے اس دن پایا تھا یہ گھوڑوں کے پاس تھیں۔

۹۱۲۔ امورِ جنگ میں اخفا سے کام لینا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ کا ارادہ ہوتا تو بظاہر ایسا کرتے کہ کہیں اور کا ارادہ معلوم ہوتا، صرف غزوہ تبوک میں آپ نے ایسا نہیں کیا تھا۔ یہ سفر چونکہ سخت گرمی میں پڑا اور آپ کا ارادہ کافی لمبی مسافت طے کرنے کا تھا لہٰذا آپ نے لوگوں کو بتا دیا تھا تاکہ وہ اپنے دشمنوں سے جنگ کے لیے ضروری سامان مہیا کر لیں

۹۱۳۔ لڑائی کا وقت

اگر دشمن سے دن کے ابتدائی حصّہ میں سامنا ہو جاتا لیکن اس وقت جنگ نہ شروع ہوتی تو آپ سہ پہر تک لڑائی کو مؤخر رکھتے تاکہ سورج ڈھل جائے، ہوا چلنے لگے اور اللہ کی مدد نازل ہو۔

۹۱۴۔ لڑائی کے وقت دعا

دشمن سے مقابلہ ہونے پر آپ یہ دعا فرماتے،

"خدایا تو ہی میرا سہارا اور مددگار ہے تیرے ہی سہارے جھپٹ کر پھر آگے بڑھتا ہوں

تیرے ہی سہارے حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی خاطر جنگ کرتا ہوں۔" ۲۲۹

اور جب دشمنوں سے مقابلہ ہوتا تو ان کے خلاف یہ بددعا بھی کرتے تھے کہ،

"اے میرے خدا جس نے کتاب نازل کی جو بہت جلد حساب لینے والا واقع ہوا ہے اور دشمن کی فوجوں کو شکست دیتا ہے۔ ان لوگوں کو شکست دے اور متزلزل کر دے۔"

۹۱۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا۔

آپ کا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا۔

مجھ سے محمد بن اسحاق نے بروایت عبداللہ بن ابوبکر بروایت عمرۃ بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا جو عائشہ کی ایک منقش چادر سے بنایا گیا تھا۔

۹۱۶۔

مجھ سے عاصم نے بروایت حرث بن حسان حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے میں مدینہ آیا تو دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہیں اور ہر طرف سیاہ جھنڈے بلند ہیں میں نے پوچھا کہ یہ جھنڈے کس کے ہیں تو لوگوں نے بتایا کہ عمرو بن العاص کے ہیں جو ایک لڑائی پر سے واپس آئے ہیں۔ بلال تلوار باندھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے تھے۔

۹۱۷۔ سفر کا دن اور وقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی لشکر[1] یا فوجی دستہ[2] روانہ فرماتے تو ان لوگوں کو صبح سویرے روانہ کرتے۔ آپ اپنی اُمّت کے لیے یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ صبح سویرے کام کرنے میں اسے برکت عطا ہو۔ آپ جمعرات کے دن سفر کرنا پسند کرتے تھے۔

۹۱۸۔

ہم سے یعلی نے بروایت عمارہ بن حدید بروایت صخر الغامدی یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "خدایا میری اُمت کو سویرے کام کرنے میں برکت عطا فرما۔"

۹۱۹۔

آپ جب کوئی فوجی دستہ یا لشکر روانہ کرتے تو دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ کرتے۔ نبی صلی اللہ

---

[1] متن میں "جیش" ہے۔ جیش اس لشکر کو کہتے ہیں جس میں چار سو سے زیادہ افراد ہوں۔ (بحوالہ مجمع بحار الانوار)

[2] متن میں "سریّۃ" ہے۔ سریّہ اس لشکر کو کہتے ہیں جس میں زیادہ سے زیادہ چار سو افراد ہوں (بحوالہ بحار الانوار)

علیہ وسلم امیرِ لشکر کے نیزہ میں ایک جھنڈا باندھ دیتے۔ غزوہ ذات السلاسل میں آپ نے عمرو بن العاص کے لیے جھنڈا باندھا تھا۔ آپ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید کے لیے ان کے نیزہ میں ایک جھنڈا باندھا تھا اور ان سے فرمایا تھا "روانہ ہو جاؤ، اللہ تمھارے ساتھ ہے۔"

۹۲۰۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم پر فتح پا لیتے تو تین دن ان کی بستی میں قیام کرنا پسند کرتے تھے۔

مجھ سے سعید بن عروبہ نے بروایت قتادہ یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم پر فتح پا لیتے تو تین دن ان کی بستی میں قیام کرنا پسند فرماتے۔"

۹۲۱۔ سفر کی دعائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم، کا طریقہ یہ تھا کہ سفر پر روانہ ہوتے وقت یہ فرماتے "خدایا تو ہی سفر میں ساتھی اور گھر پر ہماری جگہ نگراں ہے۔ خدایا میں سفر کی ہولناکیوں اور واپسی کی مشکلات سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ یا اللہ ہمارے لیے زمین کو مختصر کر دے اور سفر کو آسان بنا دے۔" ۲۳۰

سفر سے واپسی پر تشریف لانے پر فرماتے، "ہم توبہ کرتے ہوئے، اللہ کی عبادت گذار بن کر اس کی حمد کرتے ہوئے، واپس آ رہے ہیں۔"

جب اپنی گھر والیوں کے پاس پہنچ جاتے تو فرماتے، "ہم لوٹ آئے، اپنے رب کی طرف آ گئے، اللہ ہمیں کسی غم سے نہ دوچار کرے۔"

۹۲۲۔ امیرِ لشکر کو ہدایتیں

مجھ سے منہال نے بروایت عکرمہ بروایت عبداللہ بن عباس بروایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ سپہ سالاروں کو روانہ کرتے وقت ان کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور جو مسلمان ساتھ ہوں ان سے اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین فرماتے، نیز یہ فرماتے کہ: اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں، اللہ سے کفر کرنے والے کے ساتھ جنگ کرو، حملہ کرو اور خیانت نہ کرنا

غداری نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا، اور کسی عورت یا بچے کو نہ قتل کرنا۔

۹۲۳۔

مجھ سے ابوجناب نے ابو مجلز سے انہوں نے علقمہ بن مرثد سے یا کسی آدمی کے واسطے سے علقمہ بن مرثد سے اور انہوں نے سلیمان بن بریدہ سے روایت کرتے ہوئے حدیث بیان کی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ کے پاس مسلمانوں کا کوئی لشکر تیار ہو جاتا تو آپ ان پر کسی عالم اور فقیہ فرد کو امیر مقرر کر دیتے۔ ایک بار ایک لشکر تیار ہوا تو آپ نے سلمہ بن قیس کو ان کا امیر مقرر کیا اور فرمایا: اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں اللہ سے کفر کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ جب اپنے مشرک دشمنوں سے تمھارا مقابلہ ہو تو ان کو دعوت دو کہ تین شکلوں میں سے کوئی شکل اختیار کر لیں: ان کو اسلام کی طرف دعوت دو، اگر وہ اسلام لے آئیں اور اپنے ہی علاقہ میں مقیم رہنا پسند کریں تو ان کے اموال میں سے زکوٰۃ لی جائے گی اور انھیں مسلمانوں کی غنیمت میں سے کوئی حصہ نہ ملے گا۔ اگر وہ تمھارے ساتھ نکلنا پسند کریں تو ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو تمھارے لیے ہیں اور ان پر بھی وہی ذمہ داریاں عاید ہوں گی جو تم پر عائد ہیں۔ اگر وہ یہ شکل نہ منظور کریں تو ان سے کہو کہ جزیہ ادا کریں۔ اگر وہ جزیہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو ان کے دشمنوں سے لڑ کر ان کا دفاع کرو اور خود انھیں اپنے خراج کی ادائگی کے لیے فارغ چھوڑ دو اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بار نہ ڈالو۔ اگر وہ اس شکل کو بھی نہ منظور کریں تو ان سے جنگ کرو، اللہ ان کے مقابلہ میں ضرور تمھاری مدد کرے گا۔ اگر وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہیں اور پھر تم سے درخواست کریں کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کی شرط پر ہتھیار ڈال دینے دیا جائے تو تم ان کی یہ درخواست نہ منظور کرنا۔ ان سے اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کی شرط پر ہتھیار نہ رکھواؤ کیوں کہ تم کو نہیں معلوم ہو سکتا کہ ان کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ کیا ہے، اگر وہ یہ کہیں کہ ہم کو اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری پر ہتھیار رکھ دینے دو تو تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ نہ دینا بلکہ خود اپنا ذمہ دینا۔ اگر وہ تم سے جنگ کریں تو غداری نہ کرنا، خیانت نہ

کرنا، مُثلہ نہ کرنا اور کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔

سلمہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم روانہ ہو گئے اور بالآخر اپنے مشرک دشمنوں کے پاس
جا پہنچے۔ ہم نے امیرالمومنین کی ہدایت کے مطابق انھیں دعوت دی مگر انھوں نے اسلام لانے
سے انکار کر دیا۔ پھر ہم نے ان سے جزیہ ادا کرنے کو کہا تو وہ اس پر بھی نہیں آمادہ ہوئے۔ چنانچہ ۲۲۱
ہم نے ان سے جنگ کی اور اللہ نے ہمیں ان پر فتح عطا فرمائی۔ ہم نے لڑائی کے قابل مردوں
کو قتل کر دیا اور بچوں کو غلام بنا لیا۔

۹۲۴۔ جنگ میں تلفِ مال

ہم سے اسماعیل بن ابو خالد نے بروایت قیس بن ابی حازم، بروایت جریر حدیث بیان کی
ہے کہ انھوں نے کہا: "مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم مجھے ذی الخلصہ سے نجات
نہ دلاؤ گے؟" ذی الخلصہ خثعم کا ایک بت خانہ تھا جس کی لوگ دورِ جاہلیت میں پرستش کرتے تھے۔
اسے کعبۂ یمانی کہا جاتا تھا۔ جریر کہتے ہیں کہ پھر میں ایک سو پچاس سواروں کے ہمراہ روانہ ہوا
اور ہم نے اس بت خانہ کو آگ لگا کر اس طرح جلا دیا کہ اس کی شکل خارشتی اونٹ جیسی ہو گئی۔
پھر میں نے ایک آدمی کو یہ خوش خبری دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ اس نے جا کر
آپ سے یہ کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں آپ کے پاس اسی وقت
آیا ہوں جب ہم نے اسے جلا کر خارشتی اونٹ کے مانند بنا دیا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے احمس اور اس کے گھوڑوں کے لیے برکت کی دعا کی۔

۹۲۵۔

فقہا کا ایک گروہ دشمن کے علاقہ میں آگ لگانے اور کھجور یا دوسرے پھل دار درختوں کو
کاٹنے کو جائز قرار دیتا ہے اور دوسرا گروہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ یہ حضرات قرآن کریم میں
اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں کہ:

ما قطعتم من لينة او تركتموها	کھجور کے جن درختوں کو تم نے کاٹ ڈالا یا

قائمة على اصولها فباذن الله وليخزي الفاسقين۔ (الحشر: ۵)	ان کی جڑوں پر قائم رہنے دیا تو اللہ کے حکم ہی سے (ایسا کیا) اور تاکہ اللہ فاسقوں کو رسوا کرے۔

اور

يخربون بيوتهم بايديهم وايدي المومنين۔ (الحشر: ۲)	وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں اجاڑنے لگے۔

نیز یہ حضرات جریر کے ذی الخلصہ کو جلانے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسا کرنے کو
معیوب یا ممنوع نہ قرار دینے سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس باب میں بہترین
مسلک یہ ہے ــــ واللہ اعلم ــــ کہ دشمن سے جنگ میں ہر طرح کے ہتھیار استعمال کیے جا سکتے ہیں،
گھروں کو جلایا اور غرق کیا جا سکتا ہے۔ درختوں اور کھجوروں کو کاٹا جا سکتا ہے، اور دشمنوں پر منجنیق سے
پتھر پھینکے جا سکتے ہیں، البتہ ان میں عمداً کسی عورت، بوڑھے یا بچے کو ہدف نہیں بنایا جائے گا۔
دشمن کے جو لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگیں ان کا تعاقب کیا جا سکتا ہے، زخمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا
جا سکتا ہے، اور دشمن کے قیدیوں سے اگر مسلمانوں کے خلاف خطرہ اندیشہ ہو تو ان کو قتل کیا جا سکتا
ہے۔ صرف اسی کو قتل کیا جائے گا جو بالغ ہو چکا ہو، نابالغ لوگ جنھیں قتل کیے جائیں گے، ان کا
شمار بچوں میں ہے۔ جنگی قیدی جب پکڑ کر امام کے سامنے پیش کیے جائیں تو امام کو اختیار ہے
کہ انھیں قتل کر دے یا ان کا فدیہ لے کر انھیں چھوڑ دے۔ ان دونوں شکلوں میں سے جو شکل اسلام
کے لیے زیادہ محفوظ اور مسلمانوں کے لیے زیادہ مفید ہو، امام کو وہی شکل اختیار کرنی چاہیے۔ ان کے ۲۲۱
فدیہ میں صرف مسلمان قیدیوں کو قبول کرنا چاہیے۔

۹۲۶۔ غنیمت کی تقسیم

دشمن اپنے لشکر میں جو ساز و سامان لایا ہو یا ان سے جو مال یا سامان لوٹ کر حاصل کیا جائے،
وہ ایسی فے ہے جس میں سے خمس نکالا جائے گا۔ ان کا پانچواں حصہ ان لوگوں کے لیے ہے

جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں نامزد فرمادیا ہے۔ باقی ⅘ حصہ ان فوجیوں کے درمیان تقسیم کیا جائے گا جنھوں نے یہ غنیمت حاصل کی ہے۔ گھوڑے کے لیے دو حصے ہوں گے اور پیدل کے لیے ایک حصہ۔ اگر دشمن کی کچھ زمینیں قبضہ میں آگئی ہوں تو امام اس علاقہ کے سلسلہ میں وہ طریقہ اختیار کرے گا جو مسلمانوں کے لیے زیادہ محفوظ اور مفید ہو۔ اگر اس کی رائے یہ ہو کہ جس طرح عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سواد کے علاقہ کو اس کے باشندوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیا تھا اسی طرح اس زمین کو اس کے باشندوں کے پاس رہنے دے۔ اور ان پر خراج عائد کر دے، تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ اور اگر اس زمین کو اس کے [مسلمان[1]] فاتحین کے درمیان تقسیم کر دینا مناسب سمجھے تو پانچواں حصہ علیحدہ کر کے باقی کو تقسیم کر سکتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ امام مسلمانوں کے مجموعی مصالح کا لحاظ رکھتے ہوئے ان میں سے جو شکل بھی اختیار کرے گا اس کے لیے گنجائش ہے۔

۹۲۷۔ عورتوں، بچوں، اور بوڑھوں کے قتل کی ممانعت

مجھ سے حجاج نے بروایت حکم، بروایت مقسم، بروایت ابن عباسؓ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔"

۹۲۸۔

مجھ سے عبیداللہ نے بروایت نافع، بروایت ابن عمر حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی غزوہ میں ایک عورت (میدان جنگ میں) مقتول پائی گئی تو آپ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت کر دی۔"

۹۲۹۔

مجھ سے لیث نے مجاہد کا یہ قول روایت کیا ہے کہ: "جنگ میں بچوں، عورتوں اور بہت

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے: "آدمی کے لیے" [2] یہ اضافہ تیموری نسخہ میں ہے

بوڑھے افراد کو نہیں قتل کیا جائے گا۔"

۹۳۰۔

ہم سے داؤد نے بروایت عکرمہ، بروایت ابن عباسؓ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے لشکر روانہ کرتے تو یہ فرماتے کہ خانقاہ نشینوں[1] کو نہ قتل کرنا۔

۹۳۱۔ قیدی کا قتل

ہم سے اشعث یا کسی اور شخص نے حسن سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ ایک دفعہ حجاج کے پاس ایک قیدی کو لایا گیا تو اس نے عبداللہ ابن عمر سے کہا: "اٹھو اور اس کو قتل کر دو۔" ابن عمر نے جواب دیا: "ہمیں ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

حتی اذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق۔ فاما منا بعد واما فداء۔ (محمد: ۵۰۴)	یہاں تک کہ جب انھیں خوب قتل کر چکو تو قیدی بناؤ۔ پھر بعد میں انھیں احسان کے طور پر یا فدیہ لے کر (چھوڑ سکتے ہو)

۹۳۲۔

ہم سے اشعث نے حسن کے بارے میں روایت کی ہے کہ آپ قیدیوں کو قتل کرنے کو مکروہ (تحریمی) سمجھتے تھے۔

۹۳۳۔

ہم سے ابن خدیج نے عطا کے بارے میں روایت کی ہے کہ وہ قیدیوں کے قتل کرنے کو مکروہ (تحریمی) سمجھتے تھے۔

۹۳۴۔ قیدیوں کا تبادلہ اور فدیہ لے کر چھڑانا

میری رائے میں قیدیوں کے بارے میں فیصلہ امام کی صواب دید پر منحصر ہے۔ اگر امام کے نزدیک اسلام اور اہل اسلام کے مصالح کے پیش نظر قیدیوں کو قتل کر دینا زیادہ بہتر ہو تو انھیں

---

[1] متن میں ہے "اصحاب الصوامع" (صوامع جمع صومعہ بمعنی تکیہ) (مترجم)

۲۲۳ قتل کر دے، اور اگر فدیہ لے کر چھوڑ دینا زیادہ مفید نظر آئے تو جنہیں مسلمان قیدیوں کو ان کے فدیہ میں دے کر انہیں چھوڑ دے۔

۹۳۵۔

مجھ سے محمد نے بروایت زہری بروایت حمید بن عبدالرحمٰن یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ عمرؓ نے کہا ہے، وہ ایک مسلمان کو بھی کفار کے ہاتھوں سے چھڑا لینا مجھے پورے جزیرہ عرب سے زیادہ عزیز ہے۔

۹۳۶۔

لیث نے حکم اور مجاہد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ ان دونوں نے کہا ہے کہ ابوبکرؓ نے فرمایا ہے، مشرکین میں سے کسی کو پکڑ لینے کے بعد اگر تمہیں اس کے فدیہ میں دو مدی دینار بھی دیے جائیں تو اسے نہ قبول کرنا۔

۹۳۷۔

ہم سے ابوحنیفہ نے بروایت حماد بروایت ابراہیم ان کا یہ قول بیان کیا ہے کہ قیدیوں کے بارے میں امام کو اختیار حاصل ہے۔ چاہے تو فدیہ لے کر چھوڑ دے، چاہے تو بطور احسان رہا کر دے، اور چاہے تو قتل کر دے۔

۹۳۸۔ مسلمان قیدیوں کو چھڑانے کی ذمہ داری

ہم سے ایک استاذ نے بروایت علی بن زید، بروایت یوسف بن مہران یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: ابن عباس نے کہا ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے، مسلمان فرد مشرکین کی قید میں ہو اس کی گردن چھڑانے کا بار مسلمانوں کے بیت المال پر ہوگا۔

فصل ۲

غنیمت اور اس کی تقسیم

۹۳۹۔ شریک جنگ عورتوں کا انعام

ہم سے عطا بن السائب نے بروایت شعبی، بروایت عبداللہ یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ جنگ احد کے موقع پر عورتوں کو زخمیوں کی خدمت کا صلہ دیا جاتا تھا۔

۹۴۰۔ غنیمت کی تقسیم کا وقت

جب مسلمانوں کو اہل شرک سے مال غنیمت حاصل ہو تو میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ جب تک اسے دار الحرب سے دار الاسلام میں منتقل نہ کر لیا جائے اس کی تقسیم نہ عمل میں لائی جائے کیوں کہ جب تک یہ مال دار الحرب میں ہے اسے محفوظ مال نہیں قرار دیا جا سکتا لیکن اگر دار الحرب ہی میں تقسیم عمل میں آ جائے تو یہ تقسیم نافذ ہو جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے غنائم کو مدینہ آنے کے بعد تقسیم کیا تھا۔ آپ نے اس میں سے ایک حصہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھی دیا تھا جنہیں اپنی بیوی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی رقیہؓ کی دیکھ بھال کے لیے، جو مریض تھیں، مدینہ میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ آپ نے ایک حصہ طلحہ بن عبید اللہ کے لیے بھی رکھا جو اس جنگ میں شریک نہیں تھے بلکہ شام میں تھے۔ اسی طرح حنین کے غنائم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے واپس آ کر جعرانہ میں تقسیم کیا تھا۔ خیبر کے غنائم کو آپ نے خیبر ہی میں تقسیم کر دیا تھا لیکن خیبر پر آپ پوری طرح غالب آ چکے تھے اور اس کے باشندوں کو جلاوطن کر دیا تھا لہٰذا اب اس کی حیثیت دار الاسلام کی ہو گئی تھی۔ بنی المصطلق کے غنائم کو بھی آپ نے انہی کے علاقے میں تقسیم کیا تھا لیکن اسے بھی آپ فتح کر چکے تھے اور وہ علاقہ آپ کے زیر حکومت آ گیا تھا۔ وہاں تقسیم کرنا ایسا ہی تھا جیسے مدینہ میں تقسیم کرنا۔

۹۴۱۔ غنیمت کی حلت.

۲۲۴ ہم سے یزید بن ابی زیاد نے بروایت مجاہد، بروایت عبداللہ بن عباس، بروایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم، یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: "میرے لیے غنیمت حلال کر دی گئی ہے، مجھ سے پہلے کسی کے لیے بھی نہیں حلال کی گئی تھی۔"

۹۴۲۔

ہم سے اعمش نے بروایت ابوصالح بروایت ابوہریرہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم سے پہلے کالے سروں والی کسی قوم کے لیے غنیمت نہیں حلال کی گئی تھی، آسمان سے ایک آگ اترتی تھی اور اسے چٹ کر جاتی تھی۔" چنانچہ جب بدر کی جنگ ہوئی تو لشکر کے لوگ تیزی سے غنیمت لوٹنے کی طرف متوجہ ہو گئے، پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم	اگر اللہ پہلے سے ایک بات نہ لکھ چکا ہوتا
فی ما اخذتم عذاب عظیم	تو تم کو اس لوٹ کے معاملہ میں بڑا عذاب
فکلوا مما غنمتم حلالاً طیباً	پہنچتا۔ اب جو تم کو غنیمت میں ملا ہے اسے
(الانفال: ۶۹، ۷۰)	کھاؤ کہ وہ حلال و پاک ہے۔

۹۴۳۔ حصّہ ملنے سے پہلے اس کی فروخت

کسی شخص کو غنیمت میں سے اپنا حصّہ اس وقت تک نہیں فروخت کرنا چاہیے، جب تک کہ غنیمت کی تقسیم نہ عمل میں آ جائے۔

اعمش نے بروایت مجاہد بروایت ابن عباس ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم سے پہلے حصۂ غنیمت کی فروخت سے منع فرمایا ہے۔"

۹۴۴۔ تقسیم سے پہلے غنیمت میں تصرّف

غنیمت میں جو اشیاء خوراک ہاتھ آئیں ان کو تقسیم سے پہلے کھانے میں، یا جو چارا اور

بجو وغیرہ ملے اُسے جانوروں کو کھلانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ انھیں ضرورت پڑے تو بکری یا گائے ذبح کر کے کھا سکتے ہیں۔ اپنی یا اپنے جانوروں کی خوراک میں وہ جو کچھ صرف کریں اس پر خمس نہیں عاید ہوگا۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے صحابی ایسا کرتے تھے لیکن کوئی شخص ان چیزوں میں سے کسی چیز کو فروخت نہیں کرے گا۔ اگر کسی نے کوئی چیز فروخت کی تو اس کی قیمت کو صرف کرنا اس کے لیے جائز نہ ہوگا۔ وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا بلکہ اسے چاہیے کہ اس (قیمت) کو تقسیم غنائم کے ذمہ دار کے حوالہ کر دے۔ تقسیم غنیمت سے قبل تصرّف کی اجازت صرف غذائی اشیاء اور جانوروں کی خوراک کے سلسلہ میں دی گئی ہے۔ کسی اور چیز میں تصرّف کی اجازت نہیں جس نے خود کھانے یا جانوروں کو کھلانے کے علاوہ کوئی اور تصرّف کیا وہ مالِ غنیمت میں خیانت کا مرتکب ہوا۔

۹۴۵۔

مجھ سے یحییٰ بن سعید نے بروایت محمد بن یحییٰ یعنی ابن حیان[1]، بروایت ابوعمرہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے زید بن خالد الجہنی کو حدیث بیان کرتے سنا ہے کہ خیبر میں کسی مسلمان کا انتقال ہو گیا اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی تو آپ نے فرمایا: "اپنے ساتھی کی نماز جنازہ تم لوگ ادا کر لو۔" یہ سن کر لوگوں کے چہروں کا رنگ فق ہو گیا۔ جب آپ نے ان کا یہ حال دیکھا تو فرمایا: "تمھارے ساتھی نے اللہ کی راہ میں ہوتے ہوئے بھی خیانت کی ہے۔" پھر ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں یہودیوں کی ایک چمڑے کی تھیلی پائی جس کی قیمت دو درہم تھی۔

۹۴۶۔

ہم سے ہشام نے بروایت حسن یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو جب غنیمت ہاتھ آتی تھی تو وہ اس میں سے خود کھاتے اور اپنے جانوروں کو کھلاتے
۲۲۵ لیکن اس میں سے کسی چیز کو فروخت نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی چیز فروخت کی جاتی تو لوگ اسے

---

[1] تیموری نسخہ میں "ابن حباب" ہے۔

تقسیم کنندہ کے پاس واپس بھجوا دیتے۔

۹۴۷۔

ہم سے مغیرہ نے بروایت حماد بروایت ابراہیم یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: یہ لوگ غنیمت میں سے خمس علیحدہ کرنے سے پہلے دار الحرب میں غذائی اشیاء کھاتے تھے، اور جانوروں کو چارہ کھلاتے تھے۔

۹۴۸۔ مالِ غنیمت میں سے انعام دینے کا اختیار

امام یا لشکر یا فوجی دستہ پر اس کے مقرر کیے ہوئے والی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ کسی آدمی کو (مالِ غنیمت میں سے) انعام دے۔ مثلاً یہ اعلان کر دے کہ جو شخص کسی آدمی کو قتل کرے گا اس وقت اس آدمی کے پاس جو سامان ہو گا وہ اس کو دے دیا جائے گا۔ یا جو شخص لڑائی پر چلے[1] گا اور اس کے ہاتھ یہ اور یہ آئے گا تو اس کو اس میں سے اتنا دے دیا جائے گا۔ یہ انعام اسی وقت تک دیا جا سکتا ہے جب تک مالِ غنیمت ایک جگہ جمع کر کے محفوظ نہ کر دیا جائے۔ اس کے بعد والی کو یہ اختیار نہیں رہتا کہ کسی کو کوئی چیز بطور صلہ کے دے۔

۹۴۹۔

ہم سے حسن بن عمارہ نے حبیب ابن نہار سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے تستر کے قلعہ میں آگ لگائی۔ جب ہم نے اسے فتح کر لیا تو اشعری نے مجھے میری قوم کے دس افراد کا امیر مقرر کیا اور تقسیم غنیمت سے پہلے مجھے میرے اور میرے گھوڑے کے حصہ کے علاوہ ایک حصہ بطور انعام دیا۔

۹۵۰۔ غنیمت میں سے حصہ دینے کے اصول

غنیمت کی تقسیم میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے گا کہ کون فوجی کتنی تیاری کے ساتھ لشکر

---

[1] تیموری نسخہ میں ہے: "یا جو کسی کو زخمی کرے گا"۔

میں شامل ہوا تھا۔

جو شخص گھوڑا لے کر آیا تھا لیکن اس کا گھوڑا غنیمت جمع ہو جانے والا اس کا کچھ حصہ جمع ہو جانے کے بعد مگر تقسیم سے پہلے مارا گیا اس کے گھوڑے کے لیے حصہ لگایا جائے گا۔

جو شخص پیدل شامل ہوا تھا لیکن پھر اسے ایک گھوڑا مل گیا جس پر سوار ہو کر اس نے جنگ کی اس کے گھوڑے کے لیے کوئی حصہ نہ ہو گا۔

وہ غلام یا ذمی جو مسلمان اپنی لڑائیوں میں مدد لیں غنیمت میں سے باقاعدہ حصہ نہیں پائیں گے۔ لیکن ان کو کچھ صلہ دیا جائے گا۔

یہی حکم عورت کے بارے میں بھی ہے۔ اگر اس سے زخمیوں کی مرہم پٹی یا مریضوں کے پانی پلانے میں کچھ مفید خدمات حاصل ہوئی ہوں تو اسے کچھ صلہ دیا جائے گا۔ اس کے لیے باقاعدہ حصہ نہیں لگایا جائے گا۔ لیکن اگر عورت یا غلام یا ذمی سے کوئی فائدہ نہ پہنچا ہو تو انھیں کوئی صلہ نہ دیا جائے گا۔

مزدور، تیلی، بڑھئی وغیرہ اور بازار کے عام لوگوں میں سے جو افراد لڑائی میں شرکت کریں ان کو حصہ دیا جائے گا اور جو لڑائی میں حصہ نہ لیں ان کو نہیں دیا جائے گا۔

جن افراد کو امام یا اس کا والی سامان کی حفاظت اور کیمپ کی نگرانی پر مامور کرے ان کو بھی غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا۔

۹۵۱۔ عورتوں کو حصہ نہیں دیا جائے گا۔

محمد بن اسحاق نے زہری سے انہوں نے یزید سے اور انہوں نے ابن عباس کے کاتب ہرمز[1] سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نجدہ نے عبداللہ بن عباس کو لکھ کر ان سے دریافت کیا کہ کیا عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ پر جاتی تھیں؟ اور کیا ان کے لیے حصہ لگایا جاتا تھا؟ یزید کہتے ہیں کہ پھر میں نے نجدہ کو ابن عباس کا یہ خط لکھا کہ:

---

[1] غالباً یہاں "یزید بن ہرمز" ہونا چاہیے کیوں کہ جیسا کہ آگے آتا ہے۔ کاتب کا نام یزید تھا نہ کہ ہرمز۔

عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاتی تھیں لیکن ان کے لیے حصہ نہیں لگایا جاتا تھا بلکہ
۲۳۶ انھیں کچھ صلہ دے دیا جاتا تھا۔"

۹۵۲۔ غلام کو حصہ نہیں دیا جائے گا

ہم سے حسن نے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ: مجھے محمد بن یزید نے آبی اللحم کے موالی عمیر سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: میں جنگ خیبر میں موجود تھا۔ اس وقت میں غلام تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کر لیا تو مجھے ایک تلوار عطا فرمائی اور کہا کہ: اسے باندھ لے۔ اس کے علاوہ آپ نے مجھے کچھ دوسری معمولی چیزیں دیں لیکن میرے لیے باقاعدہ حصہ نہیں لگایا۔

۹۵۳۔

مجھ سے حجاج نے بروایت عطا، بروایت ابن عباس حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: "غلام کے لیے غنیمت میں کوئی حصہ نہیں۔"

۹۵۴۔

ایسے غلام یا مزدور کے بارے میں جو جنگ میں شریک ہو مجھ سے اشعث نے حسن اور ابن سیرین کا یہ قول روایت کیا ہے کہ: "انھیں غنیمت میں سے کچھ نہیں دیا جائے گا۔"

۹۵۵۔ لڑائی میں نظم کی پابندی

کوئی فوجی دستہ امام یا اس کے مقرر کردہ امیر لشکر کی اجازت کے بغیر کسی مہم پر نہیں جائے گا۔ امیر لشکر کی اجازت کے بغیر مسلمانوں کے لشکر کا کوئی آدمی کسی مشرک پر نہ تو حملہ کرے گا نہ اسے دعوت مبارزت دے گا۔

۹۵۶۔

ہم سے اعمش نے بروایت ابو صالح بروایت ابو ہریرہ حدیث بیان کرتے ہوئے اللہ عز و جل کے ارشاد "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" کے بارے میں

آپ کی یہ رائے بیان کی ہے کہ اس سے مراد امرا ہیں۔

۹۵۷۔

ہم سے اشعث نے حسن کا یہ قول بیان کیا ہے کہ: کوئی فوجی دستہ اپنے امیر کی اجازت کے بغیر کسی مہم پر نہیں جائے گا اور امیر ان لوگوں کو جو انعامات دے وہ ان کے ہو جائیں گے۔

۹۵۸۔ لاش کی فروخت

اگر مسلمان کسی مشرک کو قتل کر دیں اور دشمن چاہے کہ اس کی لاش ان سے خریدے تو ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ: اس میں کوئی مضائقہ نہیں، کیوں کہ مسلمانوں کے لیے ان دشمنوں کا مال غصب کر لینا بھی جائز ہے تو جب وہ راضی خوشی اپنا مال حوالے کر رہے ہوں تو اس کا قبول کر لینا زیادہ درست اور بہتر ہوگا [کیوں کہ ان کی جان و مال مسلمانوں کے لیے حلال ہیں[1]] میں اس کو برا اور ممنوع سمجھتا ہوں۔ مسلمانوں کے لیے دشمنوں یا دوسرے لوگوں کے ہاتھوں شراب، سور، اور مردار یا خون کی فروخت جائز نہیں۔ علاوہ ازیں اس بارے میں ہم سے عبداللہ ابن عباس کا ایک قول بھی روایت کیا گیا ہے۔

۹۵۹۔

۲۳۷ ہم سے ابن ابی لیلیٰ[2] نے بروایت حکم، بروایت مقسم، بروایت ابن عباس یہ حدیث بیان کی ہے کہ ایک مشرک خندق میں گر کر مر گیا تو مسلمانوں کو اس کی لاش کے عوض مال پیش کیا گیا۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے انھیں منع کر دیا۔

۹۶۰۔ تلف مال

جب مسلمان کسی خطرہ کی بنا پر یا کسی اور سبب سے دار الحرب سے واپس آنا چاہیں اور انھیں دشمن کی سرزمین میں اپنے کچھ جانور چھوڑنے پڑیں یا بوجھ زیادہ ہونے کے سبب کچھ سامان اور اسلحہ ساتھ

---

[1] یہ اضافہ تیموری نسخہ میں ہے۔

[2] مطبوعہ نسخہ کے حاشیہ پر لکھا ہے، ایک نسخہ میں ان کی جگہ ابن ابی نجیح کا نام ہے۔

دلایا جا سکتا ہو تو ان اشیاء کے سلسلہ میں انھیں کیا کرنا چاہیے ؟ اس بارہ میں ہمارے فقہاء کے درمیان اختلاف ہے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہ چیزیں علی حالہٖ چھوڑ دینا چاہیے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ نہیں بلکہ جانوروں کو ذبح کر کے وہاں چھوڑے جانے والے دوسرے سامانوں کے ساتھ جلا دینا چاہیے۔ میرے نزدیک بھی ذبح کر دینا اور جلا دینا زیادہ بہتر ہے تاکہ دشمن ان میں سے کسی چیز سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

۹۶۱۔ دشمن سے بازیافتہ اموال کا حکم

مسلمانوں کے جن سامانوں، غلام یا مویشی وغیرہ، پر دشمن کا قبضہ ہو جائے اور پھر یہ چیزیں مالِ غنیمت میں ان کے ہاتھ آ جائیں تو اگر غنیمت کی تقسیم سے پہلے کسی چیز کا اصل مالک اسے پالے تو وہ اسے بغیر قیمت ادا کیے لے لے گا۔ اگر اسے یہ چیز تقسیم کے بعد نظر آئے تو یہ چیز جس کے حصہ میں گئی ہو اس سے قیمت ادا کر کے حاصل کر سکے گا۔ اگر کوئی تیسرا شخص اس چیز کو حصہ پانے والے سے خرید چکا ہو یا خود دشمن سے خرید کر اس چیز کو حاصل کر چکا ہو تو اس مالک کو یہ حق حاصل ہو گا کہ خریدار نے جو قیمت ادا کی ہے اسی قیمت پر اس سے یہ چیز واپس لے سکے۔ اگر کسی آدمی کو وہ چیز کسی حربی نے بلا قیمت ہبہ کر دی ہو تو مالک اس چیز کی قیمت ادا کر کے اس آدمی سے حاصل کر سکے گا۔

۹۶۲۔

ہم سے عبداللہ بن عمر نے بروایت نافع بروایت ابن عمرؓ یہ حدیث بیان کی ہے ان کا ایک غلام ایک گھوڑا لے کر بھاگ گیا اور دشمن کے علاقہ میں چلا گیا۔ خالد بن ولید نے یہ علاقہ فتح کیا تو ان میں سے ایک چیز آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں آپ کو واپس دے دی اور دوسری چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد واپس دی۔

۹۶۳۔

ہم سے سماک بن حرب نے بروایت تمیم بن طرفہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے

لہ تیموری نسخہ میں بھی اسی طرح ہے لیکن مطبوعہ نسخہ میں بروایت ابن عباس ہے

کہا ہے: ایک مسلمان کی اونٹنی مشرکوں کے ہاتھ لگ گئی۔ پھر ایک آدمی نے یہ اونٹنی دشمنوں سے خرید لی۔ بعد میں اونٹنی کے اصل مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس شخص کے خلاف مقدمہ پیش کیا اور اپنے دعویٰ کا ثبوت بھی فراہم کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ مالک خریدار کو وہ قیمت ادا کرے جس کے عوض خریدار نے یہ اونٹنی دشمن سے خریدی ہے، بصورت دیگر اونٹنی خریدار کے قبضہ میں رہنے دی جائے۔

۹۶۴۔

ہم سے حجاج نے بروایت حکم بروایت ابراہیم ان کا یہ قول بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کے
۲۳۰ جو سامان مشرکین کے قبضہ میں آ جائیں اور پھر مسلمان ان پر قبضہ کر لیں تو اگر کسی چیز کا مالک غنیمت کی تقسیم سے پہلے مطالبہ پیش کر دے تو اس کی چیز اسے دے دی جائے گی۔ اگر وہ تقسیم کے بعد مطالبہ کرے تو اس کو یہ حق دیا جائے گا کہ اس چیز کی قیمت ادا کر کے اسے واپس لے لے۔

۹۶۵۔

لیث نے مجاہد کے بارے میں بھی ہم سے یہی قول روایت کیا ہے۔

۹۶۶۔

مغیرہ نے ابراہیم سے روایت کرتے ہوئے ہمیں بتایا ہے کہ ان کے نزدیک وہ آزاد مسلمان مرد یا عورت یا [آزاد]لہ ذمی مرد یا عورت، جنھیں دشمن قید کر لے جائے اور پھر انھیں کوئی مسلمان ان سے خرید لے، غلام نہیں سمجھے جائیں گے۔ البتہ ان کی یہ ذمہ داری ہو گی کہ خریدار نے جو قیمت ادا کر کے انھیں خریدا ہے اس کی ادائیگی کے بقدر اس آدمی کے لیے کام کر کے اسے ادا کر دیں۔

میرے نزدیک بھی اس باب میں بہترین مسلک یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۶۷۔

اسی طرح اگر ام ولد لونڈی، یا مدبر غلام دشمن کے قبضہ میں جانے کے بعد خریدے

لہ یہ اضافہ تیموری نسخہ میں ہے۔

جائیں تو ان پر ملکیت نہیں جاری ہوگی۔ البتہ جب وہ آزاد ہو جائیں گے تو خریدار ان سے اپنی ادا کردہ قیمت وصول کر سکے گا۔

۹۶۸۔

وہ آزاد فرد جسے دشمن نے پکڑ لیا ہو اور بعد میں وہ (دشمن) اس شرط کے ساتھ مسلمان ہوں کہ یہ فرد ان کا غلام رہے گا، حسب سابق آزاد سمجھا جائے گا، غلام نہیں رہے گا۔ یہی حال ام ولد اور مدبر کا ہے۔ (دشمن قابض کے اسلام لانے پر) انھیں ان کے آقاؤں کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ اس طرح مکاتب غلام بھی (اس صورت میں) حسب سابق مکاتب سمجھا جائے گا۔ ان میں سے کوئی بھی غلام نہیں رہے گا۔

۹۶۹۔

کوئی ایسی چیز جس کی خرید و فروخت جائز نہ ہو، اگر دشمن کے قبضہ میں چلی گئی تو وہ ان دشمنوں کے اسلام لانے کے بعد ان کی ملکیت نہیں تسلیم کی جائے گی۔ لیکن اگر کوئی غلام یا لونڈی یا مسلمانوں کا کوئی سامان ان کے قبضہ میں چلا گیا ہو اور یہ ان کے مالک ہونے کی حالت میں اسلام لے آئیں تو چیزیں ان کی ملکیت میں باقی رہیں گی، سابق مالک یا آقا ان کو واپس نہ لے سکے گا۔

۹۷۰۔

ہم سے حسن بن عمارہ نے حدیث بیان کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ ہم سے عنبر[۱] نے عبداللہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے کہ: میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) حاضر ہوا اور اسلام لے آیا۔ پھر میں نے عرض کیا: اے رسول اللہ! میری قوم کو ان چیزوں کا مالک رہنے دیجئے جن کے وہ اسلام لاتے وقت مالک رہے ہوں۔ آپ نے یہ بات مان لی۔

۹۷۱۔

ہم سے حجاج نے بروایت عطاء ان کا یہ قول بیان کیا ہے: انسان اسلام لاتے وقت

---

[۱] مطبوعہ نسخہ میں ہے: "منیر بن عبداللہ سے"

جن چیزوں کا مالک رہا ہو ان کا بدستور مالک رہے گا۔

۹۷۲۔

ابن جریج روایت کرتے ہیں کہ میں نے عطاء سے دریافت کیا کہ ایک شخص چند آزاد عورتوں کو جو دشمن کے قبضہ میں چلی گئی تھیں، خرید لیتا ہے، کیا وہ ان عورتوں سے صنفی تعلق قائم کر سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ، نہیں، وہ ان کو لونڈی نہیں بنا سکتا۔ بلکہ جو قیمت ادا کر کے اس نے انھیں خریدا ہے اسی قیمت کے عوض ان کو آزادی عطا کر دے۔ انھیں وہ دشمنوں کو واپس نہ کر سکے گا۔

فصل ۳

ثالثی اور امان کے مسائل

۹۷۳۔ ثالثی کے مسائل

مسلمان دشمنوں کے کسی قلعہ کا محاصرہ کریں اور وہ لوگ اس شرط پر صلح کر لیں کہ وہ اپنے نامزد کردہ کسی آدمی کو حکم تسلیم کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیں گے، اور پھر یہ آدمی ان کے بارے میں یہ فیصلہ کرے کہ لڑائی کے قابل مرد قتل کر دیے جائیں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے تو یہ ۲۲۹
فیصلہ قابل نفاذ ہوگا۔ بنی قریظہ کے بارے میں سعد بن معاذ نے اسی طرح فیصلہ کیا تھا۔

۹۷۴۔

مجھ سے محمد بن اسحاق نے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا۔ ان لوگوں نے اس شرط پر ہتھیار رکھ دیے کہ سعد بن معاذؓ کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔ اس وقت سعد بن معاذ جنگ خندق میں ایک تیر لگ جانے کے سبب زخمی ہو کر رفیدہؓ کے خیمہ میں پڑے ہوئے تھے۔ پھر آپ کی قوم کے لوگ آئے اور آپ کو ایک گدھے پر بٹھا کر لے چلے۔ انہوں نے آپ کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بنو قریظہ کے سلسلہ میں جو

آپ کے حلیف ہیں، فیصلہ کرنے کا مجاز قرار دے دیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اب سعد کے لیے وہ وقت آگیا ہے جب اسے خدا کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ اس وقت جو لوگ آپ کے ساتھ تھے اور جنھوں نے یہ بات سن لی تھی ان میں سے کچھ لوگ اپنے قبیلہ کی بستی میں جاکر انہیں بنی قریظہ کی ہلاکت کی خبر دینے لگے۔ جب آپ اس جگہ سے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مطلع کیا کہ انھیں کیا اختیار سونپا گیا ہے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست سے نظریں بچاتے ہوئے یہ کہا: تم لوگ یہ عہد وپیمان کرتے ہو کہ ان پر وہی حکم نافذ ہوگا جس کا میں فیصلہ کردوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے جواب دیا: "ہاں" پھر انہوں نے [دوسرے فریق کی جانب رُخ کرکے یہی بات کہی تو ان لوگوں نے بھی کہا: "ہاں" پھر انہوں نے][1] کہا: "میں نے ان کے بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ لڑائی کے قابل افراد قتل کر دیے جائیں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔" یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے ان کے بارے میں وہ فیصلہ کیا جو سات آسمانوں کے اوپر سے خود اللہ نے کر دیا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسلمانوں نے ان لوگوں کو قلعہ سے نکال کر بنی نجار کی ایک عورت کے گھر میں جس کا نام بنت حارث تھا [قید][2] رکھا، پھر ان سب کی گردن ماردی گئی۔

۹۷۵۔

اگر ثالث نے بجائے یہ فیصلہ کرنے کے قابل جنگ افراد قتل کر دیے جائیں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے یہ فیصلہ کیا ہو کہ ان پر جزیہ عاید کر دیا جائے تو یہ بھی درست ہوگا۔ اگر اس نے یہ طے کیا ہو کہ وہ ان کو اسلام کی دعوت دے اور دعوت دینے پر وہ لوگ اسلام لے آئیں تو یہ فیصلہ بھی درست ہوگا اور وہ سب لوگ آزاد مسلمان ہوجائیں گے۔

اگر وہ لوگ اس بات پر راضی ہوگئے ہوں کہ ان کے بارے میں امام یا امیر لشکر فیصلہ کرے تو بھی مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق فیصلے کیے جاسکیں گے [اور یہ فیصلے بھی اسی طرح

[1] یہ اضافہ تیموری نسخہ میں ہے۔

[2] یہ اضافہ تیموری نسخہ میں ہے۔

درست ہوں گے جس طرح ان کی مرضی کے کسی اور ثالث کا فیصلہ][1]

۹۷۶۔

اگر فریق مخالف کسی مسلمان فرد کو ثالث بنانے پر آمادہ ہو کر ہتھیار ڈال چکا ہو اور یہ ثالث فیصلہ کرنے سے پہلے وفات پاجائے تو والی کو چاہیے کہ ان لوگوں سے کسی دوسرے فرد کو ثالث نامزد کرنے کا مطالبہ کرے۔ اگر یہ لوگ یہ مطالبہ تسلیم کرلیں تو مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق فیصلہ ہوگا لیکن اگر یہ اس مطالبہ کو نامنظور کریں تو ان سے ثالثی کا جو معاہدہ کیا گیا ہے اسے ختم کر دیا جائے گا اور پہلے کی طرح دوبارہ حالتِ جنگ قائم ہوجائے گی، بشرطیکہ یہ لوگ اپنے قلعہ کے اندر ہوں۔ اگر یہ قلعہ سے باہر آچکے ہوں اور اس کے بعد یہ مطالبہ رد کردیں تو پہلے ان کو قلعہ کے اندر واپس جانے دیا جائے گا، پھر ثالثی کا معاہدہ ختم کر دیا جائے گا۔

۹۷۷۔

اگر انھوں نے دو افراد کو ثالث بنا کر ہتھیار ڈالا ہو اور ان میں سے ایک فرد فیصلے سے پہلے
۲۴۰ وفات پاجائے اور اس کے بعد دوسرا ثالث مندرجہ بالا صورتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا فیصلہ صادر کرے تو آپ کے لیے اس کا نفاذ اسی شکل میں جائز ہوگا جب کہ فریق مخالف اس پر راضی ہو۔ اگر ان لوگوں کو اس سے اختلاف ہو تو وہ موجودہ ثالث کے ساتھ فیصلہ کرنے کے لیے مرجانے والے ثالث کی جگہ کسی اور فرد کو نامزد کریں گے۔

اگر ان دونوں ثالثوں میں سے کسی کی وفات نہ ہوئی ہو بلکہ فیصلہ میں ان کے درمیان اختلاف ہوجائے تو اس شکل میں بھی ان کے فیصلے نہیں نافذ ہوں گے الا یہ کہ فریق مخالف ان میں سے کسی ایک کے فیصلہ کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہو اور دونوں فریق اس فیصلہ پر راضی ہوجائیں۔ اگر ایک ہی فریق آمادہ ہوا ہو تو اس فیصلہ کا نفاذ جائز نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک فریق ایک ثالث کے فیصلہ پر مطمئن ہو اور دوسرا فریق دوسرے ثالث کے فیصلہ پر تو یہ شکل بھی ناقابلِ نفاذ ہوگی۔

اگر دونوں ثالث یہ متفقہ فیصلہ دیں کہ ان لوگوں کو حسب سابق قلعہ میں واپس جانے دیا

[1] یہ اضافہ تیموری نسخہ میں ہے

جائے تو اُسے فیصلہ نہیں سمجھا جائے گا بلکہ ثالث کی حیثیت ترک کر دینے کے ہم معنی قرار پائے گا۔ گویا کہ انہوں نے یہ کہا ہو کہ ہمیں ثالثی کرنا منظور نہیں ہے۔

اگر ان دونوں ثالثوں نے یہ فیصلہ کیا ہو کہ ان لوگوں کو دارالحرب میں ان کے محفوظ ٹھکانوں یا قلعوں میں واپس بھیج دیا جائے تو اُسے فیصلہ نہیں تسلیم کیا جائے گا بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ انہوں نے ثالثی ترک کر دی۔ اب اگر فریقِ مخالف کو منظور ہو گا تو از سرِ نو ثالث مقرر کیا جائے گا ورنہ حسبِ سابق ان کا محاصرہ کر لیا جائے گا۔

۹۷۸۔

اگر دشمن اس شرط پر ہتھیار رکھنے کی پیش کش کریں کہ ان کے بارے میں اللہ کے حکم یا قرآن کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا تو واضح رہے کہ حدیث نے دشمن سے حکم الٰہی کی شرط پر ہتھیار رکھوانے کی ممانعت کر دی ہے کیوں کہ ہم نہیں جانتے کہ ان کے بارے میں اللہ کا حکم کیا ہے۔ لہٰذا ان کی یہ پیش کش نہیں منظور کی جائے گی۔ اگر لشکر والوں نے یہ بات منظور کر لی اور فریق مخالف نے اس شرط پر ہتھیار رکھ دیے تو ان کے بارے میں فیصلہ امام کی صواب دید پر منحصر ہو گا۔ اور وہ دین و اسلام کے لیے جو شکل بہترین ہو گی اُسے اختیار کرے گا۔ اگر اس کی رائے میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے یہ زیادہ بہتر ہو کہ قابلِ جنگ افراد قتل کر دیے جائیں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے تو امام سعد بن معاذ کے فیصلہ کی طرح یہ فیصلہ نافذ کرے گا۔ ان کو ذمی بنا کر خراج وصول کرنا دین اور اسلام کے لیے بہتر نظر آئے اور ریاست کی آمدنی میں ایسے اضافہ کا ذریعہ بننے والا ہو جس سے مسلمانوں کو خود ان لوگوں اور دوسرے مشرکوں کے مقابلہ میں مزید قوت حاصل ہو سکتی ہو تو امام ان کے سلسلہ میں یہ طریقہ بھی اختیار کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں خود اس شکل کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حتّٰی یعطوا الجزیۃ عن یدٍ وھم صاغرون۔ (توبہ: ۲۹)

یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کو اسلام کی دعوت دیتے اور اگر وہ اس دعوت کو نہ قبول کرتے تو ان کے سامنے جزیہ ادا کرنے کی شکل پیش کرتے۔ اسی طرح عمر بن الخطاب نے باشندگان سواد پر فتح پا لینے کے بعد ان کے خون معاف کر دیے تھے اور انھیں ذمی قرار دے دیا تھا۔

۹۷۹۔

قبل اس کے کہ امام کوئی فیصلہ کرے کہ اس کا نفاذ عمل میں لے آئے اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو ان کی حیثیت آزاد مسلمان کی ہو جائے گی۔ یا اگر امام مذکورہ بالا شکلوں میں سے کوئی شکل اختیار کرنے سے پہلے انھیں اسلام کی دعوت دے اور اسلام لے آئیں تو وہ آزاد مسلمان سمجھے جائیں گے۔ ان کی زمینیں انہی کی ملکیت رہیں گی اور عشری زمینیں قرار پائیں گی۔ اگر امام نے انھیں ذمی کا درجہ دے دیا ہو تو زمین انہی کی ملکیت رہے گی لیکن اس پر خراج عاید کیا جائے گا۔

اگر امام نے ان کے مردوں کے قتل کرنے اور بچوں کو غلام بنا لینے کا فیصلہ کر دیا ہو

۲۴۱ لیکن اس فیصلہ کا نفاذ عمل آنے سے پہلے یہ لوگ اسلام لے آئیں تو نہ قتل کیا جائے گا نہ غلام بنایا جائے گا۔

۹۸۰۔

اگر یہ لوگ اسلام نہ لے آئیں اور مرد قتل کر دیے جائیں اور بچے غلام بنا لیے جائیں تو ان کی زمینیں فئے قرار پائیں گی۔ ان زمینوں کے سلسلہ میں امام کو اختیار ہو گا۔ چاہے تو پانچواں حصہ علیحدہ کر کے باقی کو فوجیوں پر تقسیم کر دے اور چاہے تو زمینوں کو علیٰ حالہ رہنے دے اور وہاں کے والی سے کہے کہ ان زمینوں کو ایسے لوگوں کے سپرد کرے جو ان کو زیر کاشت لائیں اور ان کا خراج ادا کریں۔ یہ وہی شکل ہے جو ذمیوں کی ان زمینوں کے بارے میں اختیار کی جاتی ہے جن کے مالک انھیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

۹۸۱۔

اگر دشمن یہ چاہے کہ اُسے کسی ذمی فرد کو ثالث بنا کر ہتھیار ڈالنے دیا جائے تو اسے نہیں

منظور کیا جائے گا۔ مسلمانوں کی جنگوں یا دوسرے دینی امور میں کسی کافر کو ثالث نہیں بنایا جا سکتا اگر کسی مقام کا والی غلطی سے دشمن کی یہ شرط تسلیم کرلے اور مقرر کردہ ثالث مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی صورت کو اختیار کرنے کا فیصلہ دے تو بھی اس کا فیصلہ ناقابلِ تسلیم ہوگا۔

۹۸۲۔

اسی طرح اگر ان لوگوں نے ایسے آزاد مسلمان افراد کی ثالثی تسلیم کرتے ہوئے ہتھیار ڈالے کی پیش کش کی ہو جن پر قذف کے جرم میں حد جاری کی جا چکی ہو تو یہ پیش کش بھی ناقابلِ قبول ہوگی، کیوں کہ ایسے افراد کی گواہی نہیں تسلیم کی جاتی۔ یہی حیثیت بچے، عورت، اور غلام کی بھی ہے۔ دشمن کی درخواست اِن کو دین کی خاطر جانے والی جنگ یا امورِ اسلام میں ثالث نہیں بنانا چاہیے۔ اگر والی نے غلطی سے ان کی یہ درخواست منظور کرلی ہو تو اُن کے بارے میں ایسے افراد کا کیا ہوا فیصلہ نہیں تسلیم کیا جائے گا۔ البتہ اگر یہ افراد یہ فیصلہ کریں کہ ان دشمنوں کو ذمی قرار دے کر ان سے خراج وصول کیا جائے تو اسے منظور کرلیا جائے گا اور قابلِ نفاذ سمجھا جائے گا۔ کیوں کہ اگر وہ لوگ بغیر ثالثی کرائے ذمی کی حیثیت اختیار کرلینا چاہتے تو بھی اسے منظور کرلیا جاتا۔

۹۸۳۔

اگر کوئی عورت یا ایسا غلام جو جنگ میں شریک ہو، دشمن کو امان دے تو ان لوگوں سے یہ کہا جائے گا کہ یا تو اسلام لائیں یا ذمی بن جائیں۔

۹۸۴۔

اگر فریقِ مخالف نے کسی مسلمان کو حکم بنایا ہو اور اس نے ان کے بارے میں یہ فیصلہ دیا ہو کہ قابلِ جنگ مردوں، بچوں، اور عورتوں سب کو قتل کر دیا جائے تو اس کا فیصلہ غلط اور خلافِ سنت ہے۔ اس شکل میں بچوں اور عورتوں کو نہیں قتل کیا جائے گا، صرف قابلِ جنگ مردوں کو قتل کیا جائے گا۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے گا۔

۹۸۵

اگر ثالث نے یہ فیصلہ دیا ہو کہ ان کے بعض اکابر اور چند دوسرے مردوں کو، جن سے غداری اور بغاوت کا اندیشہ ہو، قتل کر دیے جائیں اور باقی مردوں اور بچوں کو ذمی بنا لیا جائے تو یہ فیصلہ درست ہوگا۔

۹۸۶۔

اگر دشمن نے کسی ثالث کے فیصلے کی شرط پر ہتھیار ڈالے ہوں لیکن انہوں نے کسی خاص فرد کو ثالث نہ نامزد کیا ہو تو امام ثالثی کرے گا، اور مذکورہ بالا شکلوں میں سے جس شکل کو اسلام اور اہلِ اسلام کے لیے بہتر سمجھے گا اختیار کرے گا۔

۹۸۷۔

کسی والی کو دشمن کی طرف سے غیر نامزد ثالث کے فیصلے کی شرط پر ہتھیار ڈالنا نہیں منظور کرنا چاہیے۔ اور نہ بچے، عورت، غلام، ذمی، اندھے، جرمِ قذف میں سزا یافتہ، فاسق، یا شر پسند مشتبہ آدمی کو ثالث تسلیم کرنا چاہیے۔ ثالثی کے لیے صاحب الرائے، دین دار، اور مسلمانوں کے درمیان معزز اور بزرگ اور مصالحِ دین کا پورا شعور و لحاظ رکھنے والے بہتر سے بہتر فرد کا انتخاب ۲۴۲
کرنا چاہیے۔ اتنے اہم اور بڑے معاملہ میں کسی ایسے فرد کو کس طرح ثالث بنایا جا سکتا ہے جو اگر کسی ایک آدمی کے خلاف گواہی دے تو بھی اس کی گواہی نہ تسلیم کی جائے یا کوئی دو آدمی اپنے معاملہ میں اسے ثالث بنانا چاہیں تو بھی اسے فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تسلیم کیا جائے؟

۹۸۸۔

اگر دشمن نے اس شرط پر ہتھیار رکھے ہوں کہ وہ مسلمانوں کے لشکر میں سے جسے چاہے گا حَکَم بنائے گا اور بعد میں کسی ایسے شخص کو حَکَم نامزد کرے جو اس مقام کا اہل ہو تو اسے منظور کرلیا جائے گا لیکن اگر وہ مذکورہ بالا قسم کے کسی ایسے فرد کو حَکَم نامزد کرنا چاہیں جس کی شہادت اور ثالثی ناقابلِ تسلیم ہو تو اسے نہیں منظور کیا جائے گا اور ان کو ان کے سابق مقام

پر واپس کر دیا جائے گا۔ انھیں ان کے سابق قلعے سے زیادہ مضبوط قلعہ یا اس سے زیادہ دفاعی قوت رکھنے والی جگہ نہیں جانے دیا جائے گا۔ اگر وہ ایسا کرنے کا مطالبہ کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ کسی ایسے شخص کو ثالث نامزد کرو جو ثالثی کا اہل ہو۔

۹۸۹۔

اگر ان لوگوں نے کسی مسلمان کی ثالثی کو شرط بنا کر ہتھیار ڈالے ہوں اور پھر ایک مسلمان کو ثالث نامزد کرنے کے ساتھ ایک اپنے آدمی کو بھی ثالث نامزد کرنا چاہیں تو اسے نہیں منظور کیا جائے گا۔ امورِ دین سے متعلق کسی فیصلہ میں کسی کافر کو نہیں شریک کیا جا سکتا۔ اگر والی نے غلطی سے ان کی یہ بات منظور کر لی ہو اور ان دونوں نے مل کر کوئی فیصلہ صادر کر دیا ہو تو امام ان کا یہ فیصلہ نہیں نافذ کرے گا۔ البتہ اگر ان کا فیصلہ یہ ہو کہ دشمن کے افراد مسلمانوں کے ذمّی بن کر رہیں گے یا اسلام لے آئیں گے تو یہ فیصلہ قابلِ تسلیم ہو گا، کیوں کہ اگر یہ لوگ اسلام لے آتے تو ان سے کسی تعرض کا سوال ہی ختم ہو جاتا، اور اگر ذمّی بن کر رہنا منظور کر لیتے تو ثالثی کے بغیر بھی اسے منظور کر لیا گیا ہوتا

۹۹۰۔

اگر دشمن کے پاس کچھ مسلمان قیدی ہوں اور وہ یہ چاہیں کہ ان قیدیوں میں سے کسی فرد کو ثالث بنا کر ہتھیار ڈال دیں تو یہ شکل نہیں منظور کی جائے گی۔ اگر امام نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی تو بھی ان کے بارے میں اس قیدی کا فیصلہ نہیں نافذ کیا جا سکے گا، اِلّا یہ کہ اس کا فیصلہ یہ ہو کہ وہ لوگ ذمّی بن جائیں یا اسلام لے آئیں، پھر ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔

۹۹۱۔

ثالثی کے سلسلہ میں یہی اصول اس تاجر پر بھی منطبق ہو گا جو کفار کے ساتھ ان کے ملک میں ہو اور دشمن قوم کے ان افراد پر بھی جو مسلمان ہو گئے ہوں مگر انہی کے ملک میں مقیم ہوں۔ اگر کوئی ایسا فرد مسلمانوں کے لشکر میں مقیم ہو لیکن اس کا تعلق دشمن قوم سے ہو تو اس کے

مسلمان ہونے کے باوجود، مجھے یہ نہیں پسند ہے کہ اسے ثالث بنایا جائے، کیوں کہ یہ معاملہ بہت اہم ہے اور (ذرا سی غلط روی سے) اسلام کے لیے بہت سے خطرات کا باعث بن سکتا ہے۔

۹۹۲۔

دشمن نے کسی مسلمان فرد کو ثالث بنا کر ہتھیار ڈالے، جس نے ثالث بننا منظور کر لیا، دشمن کے ساتھ بچے، غلام اور دوسرے اموال ہیں اور ساتھ ہی کچھ مسلمان قیدی، مسلمان غلام اور مسلمانوں کا کچھ مال بھی ہے۔ ثالثی عمل میں آنے سے پہلے ثالث کا انتقال ہو جاتا ہے ـــــ اب اگر یہ لوگ یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ انھیں دوبارہ اپنے قلعہ اور جائے پناہ میں واپس جانے دیا جائے تاکہ وہ غور و خوض کے بعد کسی نئے ثالث کا انتخاب عمل میں لائیں تو ان کو اپنا سارا سامان ساتھ لے جانے دیا جائے گا مگر مسلمان قیدیوں کو ان سے چھین لیا جائے گا، اور مسلمان غلاموں کو فروخت کر کے جو قیمت ہے وہ انھیں دے دی جائے گی۔ اسی طرح اگر ہمارے کچھ آزاد ذمّی افراد ان کے قبضہ میں ہوں تو ان کو بھی چھین لیا جائے گا۔ اگر ان کے قبضہ میں کچھ ایسے افراد
۲۴۳ ہوں جو اسلام لا چکے ہوں اور ان کا مطالبہ ہو کہ ان مسلمان افراد کو بھی ان کے ساتھ واپس بھیج دیا جائے تو یہ مطالبہ نہیں تسلیم کیا جائے گا اور انھیں ان کے قبضہ سے نکال لیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے بارے میں ثالثی عمل میں آنے اور فیصلہ ہونے کا نہ تو اس پر انحصار ہے نہ اس سے کوئی تعلق ہے کہ مسلمانوں کو شرک و حرب کے علاقوں میں واپس بھیج دیا جائے۔ ہماری ذمّی رعایا کے غلاموں کی حیثیت بھی وہی ہے جو ہمارے اپنے غلاموں کی ہے۔ اگر ان لوگوں کے پاس کچھ غلام ایسے ہوں جو اسلام لا چکے ہوں اور یہ لوگ یہ مطالبہ کریں کہ ان غلاموں کو ان کے ساتھ واپس بھیج دیا جائے تو ایسا نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کو ان غلاموں کی قیمت ادا کر کے انھیں لے لیا جائے گا۔

۹۹۳۔ ذمّی کی دی ہوئی امان

مسلمان جن ذمّیوں سے اپنی جنگ میں مدد لے رہے ہوں وہ دشمن کو امان نہیں

نہ دے سکتے، تو تیموں کی دی ہوئی امان مسلمانوں پر کوئی ذمہ داری نہیں عاید کرتی۔

۹۹۴۔ غلام کی دی ہوئی امان

غلام اگر لڑائی میں عملاً شریک ہو تو اس کا امان دینا درست ہوگا کیوں کہ حدیث ہے کہ "ویسعی بذمتھم ادناھم" (ان کے معمولی افراد بھی ان کی ذمہ داری کے حامل ہوتے ہیں) اگر غلام لڑائی میں عملاً نہ شریک ہو تو اس بارے میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے کہ وہ امان دے سکتا ہے یا نہیں بعض کے نزدیک وہ امان دے سکتا ہے اور بعض کے نزدیک نہیں دونوں گروہ اپنی رائے کے حق میں حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ عمرؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک غلام کی دی ہوئی امان کو درست قرار دیا تھا لیکن یہ بات ہم تک نہیں پہنچ سکی کہ وہ غلام جنگ میں عملاً شریک تھا یا نہیں۔

۹۹۵۔ عورت کی دی ہوئی امان

عورتوں کی دی ہوئی امان درست ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ زینب نے اپنے شوہر کو اور ام ہانی نے اپنے شوہر کے دو بھائیوں کو امان دی تھی (جسے آپ نے درست قرار دیا تھا)

۹۹۶۔ نابالغ اور قیدی کی دی ہوئی امان

نابالغ بچے امان دینے کے مجاز نہیں۔ اسی طرح وہ مسلمان قیدی جو دشمن کے قبضہ میں ہو، اور وہ مسلمان تاجر جو دارالحرب میں ہو، ان کی دی ہوئی امان مسلمانوں پر کوئی ذمہ داری نہیں عائد کرتی۔

۹۹۷۔ امان دینے کے طریقے

اگر کوئی آدمی ہاتھ کے اشارے سے کسی آدمی کو امان دینے کا اظہار کرے اور زبان سے اس کی صراحت نہ کرے تو اس کے بارے میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے بعض کے نزدیک یہ درست ہے اور بعض حضرات اسے امان دینا نہیں تسلیم کرتے۔ ہم اس بارے میں جس مسلک

کو قابل ترجیح سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اسے امان قرار دیا جائے۔ واللہ اعلم۔ اس ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ اس بارے میں عمرؓ سے یہ مروی ہے کہ انھوں نے اس کی دی ہوئی امان کو امان قرار دیا تھا۔ اسی طرح اگر امان دینے والا فارسی زبان[1] میں امان دینے کا اعلان کرے تو بھی امان ہو جائے گی۔

۹۹۸۔ غلام کی دی ہوئی امان

ہم سے عاصم نے بروایت فضیل بن یزید الرقاشی حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے کہا: عمرؓ نے ہمیں لکھ بھیجا کہ "مسلمانوں کا غلام مسلمانوں میں کا ایک فرد ہے، اس کی ذمہ داری اُن کی ذمہ داری شمار ہو گی' اس کی دی ہوئی امان درست ہے۔"

۹۹۹۔

ہم سے اعمش نے بروایت ابو صالح، بروایت ابو ہریرۃ بروایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: "سارے مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہے' ان کا ایک معمولی فرد بھی اس کا حامل ہوتا ہے۔"

۱۰۰۰۔ امان کے الفاظ

۲۴۴ ہم سے اعمش نے بروایت ابو وائل حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم خانقین[2] میں تھے تو ہمارے پاس عمر کا یہ مراسلہ آیا: "جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور وہ لوگ تم سے یہ چاہیں کہ تم انھیں اللہ کے فیصلہ کی شرط پر ہتھیار ڈالنے دو تو تم ایسا نہ کرنا۔ کیوں کہ تم نہیں جانتے کہ ان کے بارے میں اللہ کا فیصلہ ٹھیک ٹھیک معلوم کر سکو گے کہ نہیں' تم ان کو اپنے فیصلہ کی بنیاد پر ہتھیار ڈالنے کو کہو اور اس کے بعد ان کے بارے میں جو فیصلہ چاہو کرو۔ اور جب کوئی آدمی کسی آدمی سے یہ کہہ دے کہ "لا توجل" یا "لا تخف" تو اس نے اسے امان دے دی۔

---

[1] مطبوعہ نسخہ کے حاشیہ پر یہ عبارت ہے: ایک نسخہ میں ہے "عربی کے علاوہ کسی زبان میں" اور ایک دوسرے نسخہ میں ہے "فارسی کے علاوہ کسی اور زبان میں"؛ [2] سواد بغداد کی ایک بستی جس میں نعمان نے عدی بن زید کا گلا گھونٹا تھا اور یہی اس کی بنائے تسمیہ ہے۔ (خَنَقَ = گلا گھونٹنا۔ مترجم)

اسی طرح اگر وہ اس سے کہے کہ "مطرس"[1] تو بھی اس نے امان دے دی کیوں کہ اللہ ساری زبانیں جانتا ہے۔

۱۰۰۱۔

مجھ سے ایک استاذ نے بروایت ابان بن صالح بروایت مجاہد حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے، کوئی مسلمان دشمن کے کسی فرد کو یہ اشارہ کرے کہ اگر تو قلعے سے اتر آیا تو میں تجھے قتل کر دوں گا لیکن وہ یہ سمجھ کر اتر آئے کہ اس نے امان دینے کا اشارہ کیا ہے تو اس نے اسے امان دے دی۔

۱۰۰۲۔ عورت کی دی ہوئی امان

محمد بن اسحاق نے سعید بن ابی ہند سے انہوں نے عقیل بن ابی طالب کے آزاد کردہ غلام ابو ہریرۃ سے اور انھوں نے ام ہانی بنت ابی طالب سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو میرے شوہر کے دو بھائی بھاگ کر میرے پاس آئے اور میں نے ان کو پناہ دے دی ——— یا انھوں نے پناہ سے ملتا جلتا کوئی لفظ استعمال کیا تھا ——— اس کے بعد میرا بھائی آیا اور کہنے لگا کہ میں ان دونوں کو قتل کر کے رہوں گا۔ میں نے ان دونوں کو گھر کے اندر بند کر دیا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی۔ آپ مکہ کے بالائی حصے میں تھے۔ آپ نے فرمایا: "ام ہانی کو خوش آمدید، کس کام سے آئی ہو؟" ام ہانی کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا، "اے اللہ کے نبی، میرے شوہر کے دو بھائیوں نے بھاگ کر میرے یہاں پناہ لی، پھر میرا بھائی آ کر یہ کہتا ہے کہ وہ ان کو قتل کرے گا۔" آپ نے فرمایا کہ "نہیں، جس کو تو نے پناہ دی اُسے ہم نے پناہ دی، اور جس کو تو نے امان دی اُسے ہم نے امان دی۔"

---

[1] فارسی لفظ مترس کا معرب ہے جس کے معنی ہیں "نہ ڈر۔"

۱۰۰۳

ہم سے اعمش نے بروایت ابراہیم بروایت اسود بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "عورت بھی مسلمانوں کے لیے ذمہ داریاں لے لیا کرتی تھی۔"

۱۰۰۴۔

ہم سے ہشام نے حسن کا یہ قول روایت کیا ہے کہ "عورت اور غلام کی دی ہوئی امان درست ہے۔"

فصل ۴

غنیمت میں ہاتھ آنے والی لونڈیوں کا حکم

۱۰۰۵۔

[ہم سے شیبانی نے روایت کی ہے کہ سعد بن مالک نے ایک یہودی گروہ کو ساتھ لے کر جنگ کی تو انھیں کچھ عطا دیا۔[1]]

۱۰۰۶۔ لونڈی سے مباشرت

جب تک غنیمت کی باقاعدہ تقسیم عمل میں نہ آ جائے کسی مسلمان کے لیے غنیمت میں ہاتھ آنے والی لونڈیوں میں سے کسی کے ساتھ مباشرت کرنا جائز نہیں۔ تقسیم کے بعد کسی مسلمان کے حصہ میں جو لونڈی آئے اس کے ساتھ مباشرت اس کے لیے اس وقت تک جائز نہیں جب تک ایک حیض یا دو حیض آنے کی مدت تک انتظار کر کے یہ نہ دیکھ لے کہ وہ حاملہ نہیں ہے، بشرطیکہ اسے حیض
۲۳۵ آتے ہوں۔ اگر اسے حیض نہ آتے ہوں[2] تو اسے دو تین مہینہ چھوڑ دینا چاہیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں۔ پھر اگر اسے حمل نہ ہو تو اس سے مباشرت کر سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] یہ اضافہ تیموری نسخہ میں ہے اور مطبوعہ نسخہ کے حاشیہ پر درج ہے کہ ایک نسخہ میں یہ عبارت بھی ہے۔

[2] تیموری نسخہ میں ہے، "اگر اسے اب تک حیض نہ آئے ہوں۔"

علیہ وسلم نے وضع حمل سے پہلے حاملہ لونڈیوں سے مباشرت کرنے سے منع کیا ہے۔

۱۰۰۷۔

ہم سے ابان بن ابی عیاش نے بروایت انس حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھنے والے افراد کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ دونوں ایک ہی طہر میں کسی عورت سے مباشرت کریں۔

۱۰۰۸۔ مجوسی لونڈی کا حکم۔

اگر کسی آدمی کے حصہ میں کوئی مجوسی لونڈی آئی ہو تو اس کے لیے اس سے مباشرت جائز نہیں۔ متقدمین فقہا نے اسے حرام قرار دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مجوسیوں سے نکاح کے بارے میں یہی منقول ہے۔

۱۰۰۹۔

مجھ سے قیس بن ربیع نے بروایت قیس بن مسلم، بروایت حسن بن محمد بن الحنفیہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لینے کی شرط پر صلح کی تھی مگر ان کی عورتوں سے نکاح کو یا ان کو ذبیحہ کھانے کو حلال نہیں قرار دیا تھا۔

۱۰۱۰۔

سماک بن حرب نے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ جو آدمی مالِ غنیمت میں سے، یا خرید کر، کوئی مجوسی لونڈی حاصل کرتا ہے اس کے بارے میں انہوں نے کہا ہے کہ وہ اس سے اس وقت تک مباشرت نہیں کرے گا جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے"۔

۱۰۱۱۔ مشرک لونڈی کا حکم

ہم سے سعید نے بروایت قتادہ بروایت معاویہ بن قرہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ عبداللہ مشرک لونڈی سے مباشرت کو مکروہ (تحریمی) سمجھتے تھے۔

۱۰۱۲۔

ہم سے مغیرہ نے بروایت حماد، بروایت ابراہیم یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: جب مجوسی یا بت پرست عورتیں لونڈی بنا کر لائی جائیں تو ان کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا، اسے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور ان سے مباشرت کی جائے گی اور خدمت لی جائے گی۔ اگر وہ اسلام لانے سے انکار پر مصر رہیں تو ان سے صرف خدمت لی جائے گی، مباشرت نہیں کی جائے گی۔

۱۰۱۳۔ کتابیہ لونڈی کا حکم۔

ہم سے مغیرہ نے بروایت حماد، بروایت ابراہیم یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو یہودی یا عیسائی عورتیں لونڈی بنائی جائیں ان کے بارے میں انہوں نے یہ کہا ہے کہ: ان کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا، اور وہ اسلام لائیں یا نہ لائیں ان سے مباشرت کی جائے گی اور خدمت لی جائے گی۔ اور ان کو (جنابت کے بعد) غسل کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

میرے نزدیک اس باب میں بہترین مسلک یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل ۵

صلح کے مسائل

۱۰۱۴۔ متعین مدت کے لئے معاہدۂ امن

اگر کوئی والی کسی دشمن قوم کے ساتھ چند متعین سالوں کے لیے اس شرط پر امن کا معاہدہ کرے کہ ان لوگوں میں سے جو افراد مسلمان ہو کر اس کے یہاں چلے آئیں گے وہ انھیں واپس دے دیئے جائیں گے تو امام کو چاہیے کہ اس شرط پر معاہدۂ امن نہ منظور کرے اور اگر مسلمانوں میں دشمن کا مقابلہ کرنے کی طاقت ہو تو اپنے والی کے اس معاہدہ کی توثیق نہ کرے۔ جن دشمنوں سے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کے پاس کافی طاقت موجود ہو ان سے والی کو معاہدۂ امن نہیں کرنا ۲۴۶

چاہیے۔ البتہ اگر اس کا مقصد یہ ہو کہ اس طرح ان لوگوں کو کچھ موقع دیا جائے تاکہ وہ اسلام سے مانوس ہو کر اسے قبول کر لیں یا ذمی بن جانا منظور کر لیں تو ان کی اصلاح حال تک کے لیے ان کے ساتھ معاہدۂ امن کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔

۱۰۱۵-

اگر دشمن کسی قلعہ میں رہنے والے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیں اور مسلمانوں کو اپنی جانیں چلی جانے کا اندیشہ ہو اور وہ ان سے کھل کر مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو ان کے لیے ان دشمنوں سے معاہدۂ امن کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ اپنی جان بچانے کے لیے ان کو فدیہ کے طور پر مال دے سکتے ہیں اور یہ شرط بھی منظور کر سکتے ہیں کہ ان لوگوں میں جو فرد مسلمان ہو کر ان کے یہاں آئے گا اُسے انھیں واپس دے دیں گے لیکن اگر مسلمان ان دشمنوں سے کامیاب مقابلہ کی طاقت رکھتے ہوں تو انھیں ان دونوں میں سے کسی شرط کے بھی منظور کرنے کا حق نہیں۔

۱۰۱۶-

مجھ سے محمد بن اسحاق نے بروایت زہری یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے موقع پر یہ ارادہ کیا کہ مدینہ کی پھلوں کی پیداوار کے تہائی حصہ کو فدیہ کے طور پر دے کر صلح کر لیں۔ پھر آپ نے اس سلسلہ میں سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے مشورہ کیا اور فرمایا: "میں دیکھ رہا ہوں کہ سارے اہل عرب محمد کی قوم پر ٹوٹ پڑے ہیں اور انھوں نے ہر چہار جانب سے تمھیں نرغے میں لے لیا ہے میں نے سوچا ہے کہ ہم مدینہ کے تہائی پھلوں کو بطور فدیہ دے کر ایک مدت تک کے لیے ان کا زور توڑ دیں۔" یہ سن کر ان دونوں نے یہ کہا: رسول خدا! جب ہم اور یہ سب شرک کی حالت میں تھے تو یہ لوگ ہمارے پھلوں کو چوری چھپے[1] یا مہمان بن کر کھانے کے سوا کسی اور طرح کھانے سے قاصر رہے۔ اب جب کہ اللہ نے آپ کو اور اسلام کو بھی ہمارے یہاں بھیجا ہے تو کیا ہم ان کو اپنا مال (اس طرح "بطور فدیہ") دیں؟ ہمیں ایسا

[1] یہ ترجمہ اس تصحیح کے مطابق ہے جو عربی نسخہ (طبع ۱۳۳۵ھ) کے حاشیہ پر ہے (یعنی متن کے الاشری کی جگہ الاّ شِرًا)۔ مترجم

کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اچھا تو پھر تمھاری ہی بات رہے۔"

۱۰۱۷-

حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے معاہدۂ امن کر لیا تھا اور جنگ کرنے سے پرہیز کیا تھا۔ لہٰذا امام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر اسے مشرکوں سے معاہدۂ امن کر لینے میں دین اور اسلام کا بھلا نظر آئے اور یہ توقع ہو کہ اس کے ذریعہ وہ مشرکین کو اسلام سے مانوس کر سکے گا تو ایسا ہی کرے۔

۱۰۱۸- صلح حدیبیہ

مجھ سے ہشام بن عروہ نے اپنے والد کے واسطہ سے، اور محمد بن اسحاق اور کلبی نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے ــــ ہر ایک کے بیان میں دوسرے پر کچھ اضافے پائے جاتے ہیں ــــ کہ حدیبیہ کا واقعہ شوال میں پیش آیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں حدیبیہ کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ جب آپ عسفان[1] پہنچے تو بنی کعب کے چند افراد آپ سے ملے اور انہوں نے آپ سے
کہا: اللہ کے رسول! ہم یہ دیکھ کر آ رہے ہیں کہ قریش نے اپنے حبشیوں کو جمع کر لیا ہے اور انھیں ۲۴۷
خزیرہ[2] کھلا رہے ہیں۔ ان کا ارادہ ہے کہ آپ کو بیت اللہ جانے سے روک دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عسفان سے کوچ کیا۔ آگے بڑھنے پر قریش کے مقدمۃ الجیش، خالد بن ولید سے راستہ میں ان سے آمنا سامنا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ریت کے ڈھیلوں کے درمیان سے ہو کر نکال لے گئے اور عام راستہ سے بچتے ہوئے غمیم[3] جا پہنچے۔ غمیم میں پڑاؤ کرنے کے بعد آپ نے (مسلمانوں کو خطاب کیا) کلمۂ شہادت ادا کیا اور اللہ کی مناسب حمد و ثنا بیان کرنے

[1] مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر جحفہ اور مکہ کے درمیان واقع ایک گاؤں کا نام ہے۔

[2] تیموری نسخہ میں خنزیر ہے جو بعید از قیاس ہے۔ خزیرہ گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو خوب پکا کر اس میں آٹا ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔

[3] رابغ اور جحفہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔

کے بعد فرمایا:

"امابعد! اہلِ قریش اپنے حبشی غلاموں کو جمع کر کے ان کو خونریز کھلا رہے ہیں اور ان کا ارادہ ہے کہ ہمیں بیت اللہ کی زیارت سے روک دیں۔ تم لوگ مجھے مشورہ دو کہ تمھاری کیا رائے ہے۔ کیا تمھاری رائے میں ہمیں سر — یعنی اہلِ مکہ — کی طرف بڑھنا چاہیے یا ان لوگوں کی طرف چلیں جو ان کی مدد کر رہے ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے ان کی عورتوں اور بچوں کو جا لیں۔ پھر اگر یہ (مکہ میں) ہی بیٹھے رہ جاتے ہیں تو شکست خوردہ ہو کر بیٹھیں گے اور انتقام لیا جا چکا ہو گا، اور اگر ہمارا پیچھا کرتے ہیں تو کمزور ہو کر پیچھا کریں گے اور اللہ انھیں ذلیل کر دکھائے گا۔"

ابوبکر نے کہا: رسول اللہ ہماری رائے یہ ہے کہ سر — یعنی اہلِ مکہ — کی طرف چلیں۔ کیونکہ اللہ جل شانہٗ ضرور آپ کی مدد کرے گا، معاونت فرمائے گا، اور آپ کو غلبہ عطا کرے گا؛ اور مقداد نے کہا: خدا کی قسم ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہی تھی "اذهب انت وربك فقاتلا۔ انا ههنا قاعدون" (آپ اور آپ کا پروردگار جائے اور جنگ کرے، ہم لوگ یہاں بیٹھے ہیں) بلکہ یہ کہتے ہیں کہ آپ اور آپ کا پروردگار چلے اور جنگ کرے، ہم بھی آپ دونوں کے ساتھ جنگ کریں گے۔

۱۰۱۹۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے۔ جب حرم کے علاقہ میں داخل ہوئے اور حدودِ حرم کے نشانات سے آگے نکلے تو آپ کی اونٹنی، جدعا، بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا: اَڑ گئی؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ اس کی اَڑنے کی عادت ہے نہ اس وقت یہ اَڑ کر بیٹھی ہے بلکہ اسے اس ذات نے روک دیا ہے جس نے (ابرہہ کے) ہاتھیوں کو مکہ (پر حملہ آور ہونے) سے روک دیا تھا۔ قریش مجھے محارم کی تعظیم کی دعوت نہیں دے رہے ہیں کہ خود ہی اس کی طرف پیش قدمی کریں (وہ تو مانع و مزاحم ہوں گے ہی) تم لوگ ادھر چلو — اپنے ساتھیوں سے

۴۲۸ فرمایا — اور دائیں جانب چل کر وات الحنظل نامی وادی طے کی اور وادیٔ حدیبیہ میں پہنچ کر وہاں پڑاؤ کیا۔ لوگوں نے ایک کنوئیں سے پانی نکالنا شروع کیا تو اس کا پانی ختم ہو گیا اور ان کی ضروریات کے لیے کافی نہ ہوا۔ لوگوں نے اس کا شکوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ نے ان کو اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر دیا اور فرمایا: "اسے اس کنوئیں میں لگا دو۔" انھوں نے اس تیر کو وہاں لگایا تو کنوئیں سے پانی ابل پڑا اور اوپر آ کر بہنے لگا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے وہاں اونٹوں کے لیے پانی پینے کا گھاٹ بنا دیا۔

۱۰۲۰۔

جب قریش نے یہ خبر سنی تو بنی حلس کے بھائی کو آپ کے پاس بھیجا۔ یہ ایک ایسی قوم کا فرد تھا جو قربانی کے اونٹوں کی بڑی تعظیم کرتے تھے۔ جب آپ نے اُسے دیکھا تو فرمایا: "ابن حلس آ رہا ہے، اور یہ ان لوگوں میں سے ہے جو قربانی کے اونٹوں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ لہٰذا تم قربانی کے اونٹوں کو کھڑا کر کے سامنے کر دو تاکہ وہ انھیں دیکھ سکے۔" جب اس شخص نے ان اونٹوں کو قلادے پہنے ہوئے دیکھا تو ان لوگوں سے کچھ نہ بولا اور فوراً قریش کے پاس واپس چلا گیا۔ اس نے اُن سے کہا: یہ لوگ قربانی کے اونٹ اور قلادے لے کر آئے ہیں۔ اس نے ان لوگوں کو اس کی اہمیت جتلائی اور (مزاحمت کرنے سے) ڈرایا۔

راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر اہلِ قریش نے اسے برا بھلا کہا اور اس کی پیشانی پر چپت رسید کیے اور کہا: تو ایک احمق دیہاتی ہے اور نرا جاہل ہے۔ ہمیں تیرے اوپر تعجب نہیں ہے بلکہ اپنے اوپر تعجب ہے کہ ہم نے تجھے بھیجا ہی کیوں تھا۔

۱۰۲۱۔

پھر انھوں نے عروہ بن مسعود ثقفی سے کہا کہ محمد کے پاس جاؤ اور اپنی رائے سے ان کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ کر لینا۔ چنانچہ عروہ آپ سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے اور ملاقات ہونے پر کہا:

"محمد! تم ذلیل لوگوں کو جمع کر کے یہاں اس لیے لائے ہو کہ اپنے خاندان

والوں پر اپنے اس حلقہ خاص پر حملہ کرکے اس کو ہلاک و برباد کردو جس نے تم سے قطع تعلق کرلیا ہے تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں کعب ابن لوی اور عامر بن لوی کے یہاں سے تمھارے پاس آیا ہوں جو چیتے کی کھالیں پہن کر (جنگ کے لیے تیار ہو) چکے ہیں۔ بچے اور عورتیں ان کے ساتھ ہیں۔ ان سب نے قسم کھا رکھی ہے کہ تم ان کے سامنے جو شکل بھی رکھو گے، وہ تمھارے سامنے اس سے سخت تر شکلیں رکھیں گے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

"ہم لوگ جنگ کرنے نہیں آئے ہیں بلکہ عمرہ ادا کرنے اور اپنے قربانی کے اونٹوں کی قربانی کرنے آئے ہیں۔ کیا تم اتنا کرسکتے ہو کہ میری قوم کے پاس جا ؤ، کہ یہ لوگ اب بھی میرے اہل خاندان ہیں، انھیں جنگ نے ڈرا دیا ہے، ان کی بھلائی اس میں نہیں کہ جنگ ان کو جو نقصانات پہنچا چکی ہے اب اس پر کوئی مزید اضافہ کرے ـــــ (اور ان سے یہ کہو کہ) وہ میرے اور اپنے درمیان ایک مدت (امن) طے کرلیں جس میں ان کی نسل بڑھے گی، ہمیں ان کے شر سے نجات حاصل رہے گی، اور لوگ مجھے بیت اللہ آنے دیں تاکہ ہم اپنا عمرہ ادا کرلیں اور اپنے جانور قربان کردیں اور یہ لوگ میرے اور عام انسانوں کے درمیان حائل نہ ہوں۔ ۲۴۹

اگر لوگ مجھے ختم کردیتے ہیں تو یہ قریش کی مانگی مراد ہے، اور اگر اللہ مجھے عام انسانوں پر غلبہ عطا کرتا ہے تو اس وقت اہل قریش انتخاب کرلیں گے کہ یا تو پوری تیاری کے ساتھ جنگ کرلیں یا بڑی تعداد میں اسلام میں داخل ہوجائیں کیونکہ خدا کی قسم میں تو اس معاملہ میں سرخ و سیاہ تمام اقوام سے جنگ کردوں گا پھر یا تو اللہ کا حکم نافذ ہوجائے گا یا میری گردن الگ ہوجائے گی۔"

عروہ آپ کی یہ بات سن کر واپس قریش کے پاس گیا اور ان سے یہ کہا:

"تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ تم میرے ننہالی رشتہ دار اور اہل خاندان ہو، سارے انسانوں میں تم مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔ میں نے بڑے بڑے مجمعوں میں عرب عوام کو تمھاری مدد کے لیے آنے پر ابھارا اور جب وہ لوگ تمھاری مدد کے لیے آنے پر نہیں آمادہ ہوئے تو میں اپنے گھر والوں سمیت اگر تمھارے ہی درمیان آ بسا ہو گیا تاکہ ہر کام میں تمھارے ساتھ شریک رہوں۔ تم خوب جانتے ہو کہ مجھے تمھارے بغیر جینا نہیں مرغوب ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں نے بڑے بڑے سرداروں کو دیکھا ہے اور بادشاہوں کے یہاں بھی جا چکا ہوں۔ میں خدا کی قسم کھا کر تمھیں کہتا ہوں کہ میں نے آج تک کسی سردار یا بادشاہ کو اپنے مصاحبوں کے درمیان اتنا بڑا نہیں پایا جتنا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (ان صحابہ کے درمیان) پایا۔ ان کے ساتھیوں میں سے جسے بولنا ہوتا ہے، پہلے آپ سے اجازت لیتا ہے۔ آپ اجازت دیتے ہیں تو بولتا ہے نہیں دیتے تو خاموش رہتا ہے۔ پھر جب آپ وضو کرتے ہیں تو وہ لوگ وضو کا پانی لپک لپک کر اپنے ہاتھوں سے روک لیتے ہیں اور اسے اپنے سروں پر ڈالتے اور باعث برکت خیال کرتے ہیں۔"

۱۰۲۲۔

راوی کہتا ہے کہ عروہ کا یہ بیان سننے کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو اور مکرز بن حفص کو آپ کے پاس بھیجا اور ان دونوں سے کہا: محمد کے پاس جاؤ۔ جو بات انہوں نے عروہ سے کہی ہے اس پر اگر تم سے معاہدہ کرنے کو تیار ہوں تو ان سے یہ طے کرلو کہ اس سال وہ واپس چلے جائیں اور بیت اللہ کی زیارت کا خیال ترک دیں تاکہ عربوں میں سے جسے بھی معلوم ہو یہی معلوم ہو کہ ہم نے انھیں بیت اللہ سے روک دیا۔ ان دونوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ان سے یہ بات کہی اور آپ نے اسے منظور کرلیا۔ اور فرمایا:

"لکھو! بسم اللہ الرحمٰن الرحیم . . . ."

ان دونوں نے کہا: "نہیں، خدا کی قسم ہم یہ کبھی نہیں لکھیں گے۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ "پھر کیسے لکھا جائے؟" انھوں نے کہا: "لکھیے: 'باسمک اللّٰھم'" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ بھی اچھا کلمہ ہے، اسی کو لکھو۔" چنانچہ لوگوں نے اسے لکھا۔ پھر آپ نے فرمایا:

"لکھو: یہ وہ بات ہے جس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عہد و پیمان کیا ہے۔"

لوگوں نے کہا کہ "واللہ! اسی پر تو ہمارے درمیان اختلاف ہے۔" آپ نے فرمایا: "پھر کیسے
لکھا جائے؟" لوگوں نے کہا: "آپ اپنا اور اپنے والد کا نام لکھیے (یعنی) محمد بن عبداللہ۔" آپ
۲۵۰ نے فرمایا: "یہ بھی ٹھیک ہے، اسی کو لکھو۔" چنانچہ لوگوں نے اسے لکھا۔ ان کے شرائط میں یہ باتیں
شامل تھیں۔ ہمارے دل ایک دوسرے کی طرف صاف ہیں۔ خفیہ طور پر کوئی خیانت یا چوری چھپے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں ہوگی۔ ہم میں سے جو افراد تمھارے یہاں آئیں انھیں تم ہمیں واپس دے دو گے اور تمھارے یہاں سے ہمارے پاس جو افراد آئیں گے ان کو ہم تمھیں واپس نہ دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو لوگ میرے ساتھ شامل ہو جائیں ان کے لیے وہی شرائط ہوں گے جو میرے لیے ہیں۔" قریش نے بھی کہا کہ "جو لوگ ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں ان کے لیے وہی شرائط ہوں گے جو ہمارے لیے ہیں۔" پھر بنو کعب نے کہا کہ "اے رسول اللہ! ہم آپ کے ساتھ ہیں" اور بنو بکر نے کہا کہ "ہم قریش کے ساتھ ہیں۔" ابھی یہ لوگ (معاہدہ) تحریر ہی کر رہے تھے کہ قبیلہ بنی عامر بن لؤی کا ایک فرد ابو جندل بن سہیل بن عمرو جو زنجیروں میں بندھا ہوا تھا، مسلمان ہو کر آیا۔ وہ کفار کے قبضہ سے نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھاگ آیا تھا۔ جب مسلمانوں نے اسے دیکھا تو پکار اٹھے: "یا اللہ! ابو جندل!" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ میرے ہیں۔" ان کے باپ سہیل نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر رہا تھا، یہ کہا کہ اس کے آنے سے پہلے میرے اور آپ کے درمیان ایک بات طے پا چکی تھی، لہٰذا یہ میرے قبضہ میں آئے گا۔ آپ لوگ تحریر پڑھ لیجیے۔ لوگوں نے تحریر پر غور کیا تو یہی نتیجہ نکلا کہ انھیں سہیل کے قبضہ میں جانا چاہیے، چنانچہ انھوں نے ان کو

اس کے حوالہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر ابو جندل نے دہائی دی۔

"اے اللہ کے رسول! اے مسلمانو! کیا تم مجھے مشرکین کے ہاتھ میں واپس دے رہے ہو تاکہ وہ مجھ پر ظلم و ستم ڈھا کر میرے دین کو آزمائش میں ڈال دیں؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"ابو جندل! ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان ایک بات طے پا چکی ہے، ہمارے لیے عہد شکنی کسی طرح درست نہ ہوگی۔ اللہ تمھارے لیے اور تمھارے ساتھ جو کمزور مسلمان ہیں ان کے لیے ضرور کوئی راہ نکالے گا اور آسانی پیدا کرے گا۔"

اس پر عمر نے کہا: اے ابو جندل! یہ تلوار موجود ہے، وہ (سہیل) بھی آدمی ہے اور تم بھی آدمی ہو (اس سے نبٹ لو)۔ سہیل نے آپ سے کہا: "عمر! تم میرے خلاف اس کی مدد کر رہے ہو۔" پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل سے کہا: "اس (ابو جندل) کو ہبہ کے طور پر مجھے دے دو۔" اس نے کہا: نہیں۔ پھر آپ نے کہا: "تو تم ان کو میری خاطر پناہ میں لے لو۔" لیکن سہیل نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ (یہ دیکھ کر) مکرز نے کہا: "محمد! میں نے تمھاری خاطر اسے اپنی پناہ میں لے لیا، اب یہ پریشان نہ ہوگا۔"

۱۰۲۳-

پھر راوی کہتا ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگو! اب اونٹوں کی قربانی
۲۵۱ کرو، سر منڈاؤ، اور احرام کھول دو۔" راوی کہتا ہے کہ اس کے باوجود سارے آدمیوں میں سے
ایک آدمی بھی نہ اٹھا۔ آپ نے پھر یہی بات کہی۔ پھر بھی کوئی نہ اٹھا۔ راوی کہتا ہے کہ لوگوں کو (اس طرح صلح کرنا) بہت شاق گذر رہا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہ کے پاس گئے اور ان سے کہا: "تمھارا کیا خیال ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟" آپ نے جواب دیا کہ "یا رسول اللہ! آپ جا کر اپنے اونٹ کی قربانی کیجیے، سر منڈائیے اور احرام کھول دیجیے۔" پھر سارے لوگوں نے قربانی کی، سر منڈائے اور احرام کھول دیے۔

۱۰۲۴۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے جب آپ مدینہ پہنچے تو قریش کا ایک فرد ابوبصیر مسلمان ہو کر آپ کے پاس آیا اور قریش نے اس کا مطالبہ کرنے کے لیے دو آدمیوں کو بھیجا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان دونوں کے حوالہ کر دیا۔ اور اس سے وہی بات کہی جو آپ نے ابوجندل سے فرمائی تھی۔ یہ دونوں ان کو لے کر روانہ ہوئے۔ جب ذی الحلیفہ پہنچے تو ابوبصیر نے ان میں سے ایک سے کہا: "بنی عامر کے برادر! کیا تمھاری یہ تلوار تیز ہے؟" اس نے کہا: "ہاں"! انہوں نے کہا: کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں؟ اس نے کہا: ہاں! راوی کہتا ہے کہ پھر ابوبصیر نے وہ تلوار میان سے باہر نکالی اور اس کو لے کر اس آدمی پر ٹوٹ پڑے اور اُسے قتل کر دیا۔ اُس کا دوسرا ساتھی بھاگ کھڑا ہوا۔ ابوبصیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے اور آپ سے کہا: "آپ نے اپنا عہد وفا کر دیا اور اللہ نے آپ کی ذمہ داری پوری کر دی۔ میں نے اس ڈر سے خود کو اپنے دین سمیت بچا لیا ہے کہ یہ لوگ مجھے ظلم وستم ڈھا کر آزمائش میں مبتلا کر دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کا برا ہو۔ اسے کچھ آدمی مل جائیں تو یہ جنگ بھڑکا دے گا۔" یہ سُن کر ابوبصیر وہاں سے چل دیے اور ذی الحلیفہ آکر ٹھہرے۔ پھر مکہ میں جو بھی مسلمان ہوتا ان کے پاس آکر ان سے مل جاتا۔ یہاں تک کہ ان کے ساتھ ستر آدمی ہو گئے۔ ابوبصیر قریش اور دوسرے قبائل کے تاجروں پر ڈاکے ڈالتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ قریش نے اپنی خونی قرابت داری کا حوالہ دیتے ہوئے رسول اللہ کو لکھا کہ ان لوگوں کو اپنے یہاں آنے دیں، اور قریش کو اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ چنانچہ رسول اللہ نے ان سب کو (مدینہ آنے کی) اجازت دے دی۔ پھر اسی وقفۂ امن میں بعض عورتوں نے (مکہ سے) ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی: "اذا جاءکم المومنات مہاجرات[1] ...الخ" اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ ان کے مہر ان کے (مشرک) شوہروں کو واپس دے دیں۔

---

[1] سورۂ ممتحنہ۔ آیت: ۱۰

۱۰۲۵۔ قریش کا نقضِ عہد

فریقین کے درمیان امن قائم رہا۔ پھر بنی کعب اور بنی بکر کے درمیان جنگ سی چھڑ گئی۔ بنی بکر ان لوگوں میں سے تھے جو صلح معاہدۂ امن میں قریش کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ قریش نے اسلحہ جات اور اشیاء خوراک کے ذریعہ بنی بکر کی مدد کی اور ہر طرح سے ان کی پشت پناہی کرتے رہے یہاں تک کہ بنی بکر نے بنی کعب کو شکست دی اور انھیں خوب قتل کیا۔ اب قریش کو یہ خوف محسوس ہوا کہ (شاید یہ حرکت کر کے) وہ معاہدہ کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ابوسفیان سے کہا کہ "محمد کے پاس جا کر معاہدہ کی تجدید عمل میں لاؤ اور لوگوں کے درمیان صلح ۲۵۲
قائم کر دو۔"

ابوسفیان مدینہ آئے تو رسول اللہ نے (مسلمانوں سے) فرمایا: "ابوسفیان تمھارے پاس آ رہا ہے۔ اس کی ضرورت پوری نہیں ہوگی لیکن وہ راضی خوشی واپس جائے گا۔" ابوسفیان ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے یہ کہا: "ابوبکر معاہدہ کی تجدید کرو اور لوگوں کے درمیان صلح قائم کرو۔" ابوبکر نے جواب دیا کہ فیصلہ کا اختیار مجھے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کو ہے۔ پھر وہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے وہی بات کہی جو ابوبکر سے کہہ چکا تھا۔ عمر نے اسے جواب دیا: "تم سے (صلح کا) بار نہ اٹھایا گیا۔ اب اللہ اس کے نئے کو پرانا کر چکا، اور جو بند مضبوط تھے انھیں کاٹ چکا۔" راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر ابوسفیان نے کہا: "آج جو کچھ آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اسے اب تک کبھی نہ دیکھا تھا۔ ایک قبیلہ جو (جنگ کرنے والی) قوم سے تعلق نہیں رکھتا، صرف اس کی سرپرستی کرتا اور اسلحہ جات اور اشیاء خوراک سے اس کی مدد کرتا ہے اس کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ اس نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی؟؟"

پھر ابوسفیان نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر ان سے کہا: فاطمہ کیا تم ایک ایسا کام کرو گی جس کے سبب تم کو اپنی قوم کی ساری عورتوں پر فوقیت حاصل ہو جائے گی؟ اور اس نے آپ سے وہی بات کہی جو ابوبکر سے کہہ چکا تھا۔ آپ نے جواب دیا کہ فیصلہ کا اختیار مجھے نہیں۔

قبیلہ کا اختیار اللہ اور اس کے رسول کو ہے۔ پھر وہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے بھی وہی بات کہی جو ابوبکر سے کہہ چکا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: "میں نے آج تک کسی آدمی کو اتنا بر غلط نہیں دیکھا۔ تو خود تمام لوگوں کا سردار ہے، تو ہی معاہدہ کی تجدید کرے اور صلح بحال کردے۔!"

راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر ابوسفیان نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر مارا اور کہا: "میں نے لوگوں کو ایک دوسرے کی طرف سے پناہ دی۔" پھر وہ مکہ واپس آیا اور ان لوگوں کو اپنے کیے کی روداد سنائی۔ ان لوگوں نے کہا: "خدا کی قسم ہم نے کسی بھیجے جانے والے کو (اس طرح کی بات سے کر) واپس آتے نہیں دیکھا! واللہ! تو نہ تو جنگ کی خبر لایا کہ ہم ہوشیار ہو جاتے، نہ صلح کی خبر لایا کہ ہم چین سے بیٹھتے۔ تو دوبارہ جا۔"

۱۰۲۶-

راوی کہتا ہے کہ بنی کعب کا ایک نمائندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ کو قریش کے کرتوت اور بنی بکر کو مدد دینے کا حال کہہ سنایا۔ اس نے آپ سے مدد کی درخواست کی اور یہ اشعار پڑھے۔

"بارالہا! ہم محمد کو وہ قدیم عہدِ دوستی یاد دلاتے ہیں جو ہمارے اور ان کے آباؤ اجداد کے درمیان زمانۂ دراز سے چلا آ رہا ہے۔

"ہم بمنزلۂ باپ کے تھے اور تم بمنزلۂ بیٹے کے تھے، پھر ہم اسلام لے آئے اور اس کے بعد سے ہم نے کبھی (اطاعت سے) ہاتھ نہیں کھینچا۔

"قریش نے آپ سے وعدہ کی خلاف ورزی کی، اور اس پختہ عہد کو توڑ دیا جو آپ نے ان سے لیا تھا۔

"ان کا دعویٰ ہے کہ آپ خدائے واحد کو نہیں پکارتے۔[1] وہ تعداد میں بھی کم

[1] متن میں ہے "ولا تدعو احداً"۔ اس کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "ان کا دعویٰ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷۱ پر)

ہیں اور پست و خوار بھی ہیں۔

۱۵۲ "ایک رات آخر شب میں ان لوگوں نے ہم پر وتیر[1] میں حملہ کر دیا اور ہمیں اس حال میں قتل کیا کہ ہم رکوع و سجود میں مشغول تھے۔!

"وہ کداء[2] میں میرے لیے گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ پس اے اللہ کے رسول مدد کیجیے، خوب تیاری کے ساتھ مدد کیجیے۔

"اللہ فوجوں کو ہماری مدد کے لیے بھیجے، ان کا لشکر جرار اس طرح آئے جس طرح جھاگوں سے بھرا سمندر لہریں لیتا ہوا آتا ہے۔

"اسی لشکر میں اللہ کا رسول بھی ہو جو میدان میں ٹھن کر اتر پڑا ہو، جس کے چہرہ کا رنگ ذلت و شکست کی دھمکی سے بدل جاتا ہے۔"

۱۰۲۷-

راوی کہتا ہے کہ اسی وقت ایک بادل آسمان پر سے گزرا جس سے گرجنے کی آواز آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ بادل گرج گرج کر بنی کعب کی مدد کا اعلان کر رہا ہے۔" پھر آپ نے عائشہ سے کہا: "میرے (لڑائی پر جانے کے) لیے تیاری کر دو لیکن کسی کو اس کی خبر نہ کرنا۔" پھر ابوبکر عائشہ کے پاس آئے تو انھیں ان کے بعض کام معمول سے ہٹے ہوئے نظر آئے۔ انہوں نے پوچھا: "یہ کیا ہے؟" آپ نے جواب دیا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ان کا سامان تیار کر دوں۔" انھوں نے پوچھا کہ کہاں کے لیے؟ "آپ نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷۰) کہ آپ کسی کو نہیں پکارتے۔

فرانسیسی مترجم فاگناں نے تدعو کی تصحیح کی ہے اور ادعو پڑھا ہے (صفحہ ۳۲۰، نوٹ ۳) اس تصحیح کے مطابق ترجمہ یہ ہوگا "ان کا دعویٰ ہے کہ میں کسی کو نہیں پکارتا۔" (مترجم)

[1] مکہ کے زیریں علاقہ میں خزاعہ کے ایک چشمہ کا نام ہے۔

[2] مکہ کے بالائی علاقہ میں محصب کے پاس واقع ہے۔

جواب دیا کہ، مکہ کے لیے۔ ابوبکر نے کہا۔ خدا کی قسم ابھی تو ہمارے اور ان کے درمیان معاہدہ امن نہیں ختم ہوا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ پھر ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ان سے اس بات کا ذکر کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: "پہلے ان لوگوں نے عہد شکنی کی ہے۔"

۱۰۲۸- فتح مکہ

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت سارے راستوں کی ناکہ بندی کر دی گئی۔ پھر آپ مسلمانوں کو لے کر مکہ کے مقصد سے روانہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر فتح عطا فرمائی۔

۱۰۲۹-

راوی کہتا ہے کہ عباس بن عبدالمطلب نے رسول اللہ سے یہ عرض کیا تھا کہ اگر آپ مجھے اجازت دیتے تو میں جا کر اہلِ مکہ کو اسلام کی دعوت دیتا اور امن کی پیش کش کرتا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ بات اس وقت ہوئی تھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے کنارے پہنچ چکے تھے اور زبیر کو مکہ کے بالائی حصہ اور خالد کو اس کے زیریں حصہ کی جانب آگے روانہ کر چکے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے ان کو ایسا کرنے کی اجازت دی اور عباس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر، شہباء پر سوار ہو کر آگے روانہ ہو گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے باپ کو میرے پاس واپس بلا لو، میرے باپ کو میرے پاس واپس بلا لو: آدمی کا چچا اس کے باپ ہی کی ایک شاخ ہوتا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ قریش ان کے ساتھ وہ سلوک نہ کریں جو انہوں نے پہلے کیا ہے [ابن مسعود کے ساتھ، کہ انہوں نے ان لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا تو ان لوگوں نے انھیں قتل کر دیا][1] خدا کی قسم اگر انھوں نے ان کے ساتھ بھی یہی حرکت کی تو میں ان کے اس شہر کو آگ لگا دوں گا۔"

---

[1] یہ اضافہ تیموری نسخہ میں ہے۔

۱۰۳۰-

عباس روانہ ہو کر مکہ جا پہنچے۔ آپ نے ان لوگوں سے یہ کہا: اہلِ مکہ! اسلام لے آؤ، محفوظ رہو گے۔ تم پر بڑی کٹھن گھڑی آن پڑی ہے۔ زبیر مکہ کے بالائی حصہ سے آ رہے ہیں اور خالد زیریں حصہ سے۔ جو اپنے ہتھیار ڈال دے گا۔ امان پائے گا۔ ۲۵۲

فصل ۶

اہلِ قبلہ محاربین کا حکم

۱۰۳۱- امیرالمومنین کا سوال

امیرالمومنین! آپ نے سوال کیا ہے کہ اہلِ قبلہ مخالفت پر آمادہ ہو کر لڑائی کرنے آئیں تو ان سے جنگ کا طریقہ کیا ہوگا؟ پہلے ان کو (اطاعت امام میں واپس آنے کی) دعوت دی جائے گی یا اس کے بغیر جنگ کی جا سکتی ہے؟ ان کے اموال، عورتوں اور بچوں کے سلسلہ میں کیا حکم ہے؟ اور وہ لوگ اپنے لشکر میں جو سامان ساتھ لائے ہوں اس کے بارے میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

۱۰۳۲- حضرت علیؓ کا طریقہ

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہم کو جو روایتیں پوری صحت کے ساتھ معلوم ہو سکی ہیں وہ بتاتی ہیں کہ آپ نے دعوت دیے بغیر اپنے مخالفوں سے کبھی جنگ نہیں کی۔ نیز جنگ ختم ہونے اور ان پر فتح پانے کے بعد آپ نے ان کی چھوڑی ہوئی میراثوں یا عورتوں اور بچوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا۔ ان کے کسی قیدی کو قتل نہیں کیا، کسی زخمی کو جان سے نہیں مارا، اور کسی پیٹھ پھیر کر بھاگ نے والے کا تعاقب نہیں کیا۔ البتہ ان کے لشکر کے ساز و سامان اور جو چیزیں یہ لوگ اپنے ساتھ لائے ہوں ان کے بارے میں ہمیں مختلف روایتیں ملی ہیں بعض

راویوں نے کہا ہے کہ وہ لوگ آپ کے خلاف اپنے لشکر میں جو کچھ بھی لائے تھے انھیں آپ نے خمس علیحدہ کرنے کے بعد تقسیم کر دیا بعض دوسرے راویوں نے کہا ہے کہ ان چیزوں کو آپ نے انہی لوگوں کی میراث قرار دیتے ہوئے واپس کر دیا تھا۔ رہے وہ ساز و سامان' یا مال و دولت' اور غیر منقولہ جائداد جو ان کے ساتھ کیمپ میں نہیں تھی تو ان سے آپ نے کبھی کوئی تعرض نہیں کیا اور ان کو ان کے مالکوں کے قبضہ میں رہنے دیا۔ اس طور پر آپ نے جو جائدادیں چھوڑ دیں ان میں کوفہ کا فشاستج نامی موضع بھی شامل ہے جو طلحہ کا تھا۔ اسی طرح مدینہ میں طلحہ اور زبیر کے سارے اموال و املاک اور بصرہ والوں کے گھر بار، مال اور ساز و سامان کو بھی آپ نے چھوڑ دیا تھا۔

۱۰۳۳۔

ہمارے بعض رفقاء کا کہنا ہے کہ، اگر باغیوں کے لشکر کا کیمپ منظم طور پر قائم ہو تو ان کے قیدی قتل کیے جائیں گے' بھاگنے والوں کا تعاقب ہو گا۔ اور زخمیوں کو مار ڈالا جائے گا۔ لیکن اگر ان کا کوئی منظم جتھا یا لشکر نہ ہو جس میں یہ پناہ لیتے ہوں تو بھاگنے والوں کا تعاقب نہ ہو گا، زخمیوں کی جان نہیں لی جائے گی' اور قیدیوں کو نہیں قتل کیا جائے گا۔ اگر قیدیوں سے اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر انھیں چھوڑ دیا گیا تو یہ ایک جتھا بنا لیں گے تو انھیں قید خانہ میں بند کر دینا چاہیے' اور اس وقت تک قید میں رکھنا چاہیے جب تک اطمینان نہ ہو جائے کہ انہوں نے توبہ کر لی۔

۱۰۳۴۔ مقتول باغی کا حکم

مقتول باغیوں کی نماز جنازہ نہیں ادا کی جائے گی۔ برحق گروہ کے افراد نے جن لوگوں کو قتل کیا ہے (وہ اگر شرعاً ان کے وارث ہوں تو) ان کو ان قتل کیے ہوئے لوگوں سے ورثہ ملے گا، اسی طرح جس طرح کہ ان لوگوں کو ملے گا جنھوں نے (اپنے مورث کا) قتل نہ کیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قاتل نے اس (مورث) کا قتل حق کی بنا پر کیا ہے۔ کوئی باغی اگر برسرِ حق گروہ کے کسی فرد کو خود اپنے ہاتھ سے قتل کرے تو وہ اس سے ورثہ نہیں پائے گا کیوں کہ اس نے

اسے بربنائے باطل قتل کیا ہے۔ اہلِ عدل میں سے جو لوگ مارے جائیں ان کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ ان کی نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین اس طرح ہو گی جس طرح شہیدوں کی کی جاتی ہے یعنی انہیں غسل نہ دیا جائے گا اور وہ انھیں کپڑوں میں دفن کیے جائیں گے جن میں مارے گئے۔ البتہ کسی مقتول کے بدن پر آہنی یا چرمی جامہ ہو تو اسے اتار لیا جائے گا۔ ان کے بدن پر خوشبو نہ ملی جائے گی' غرض یہ کہ وہی طریقے اختیار کیے جائیں گے جو شہداء کی تجہیز و تکفین میں اختیار کیے جاتے ہیں۔

۱۰۳۵۔

مندرجہ بالا باتیں ان مقتولین سے متعلق ہیں جو دورانِ جنگ جان بحق تسلیم کریں۔ اگر کسی میں ابھی کچھ جان باقی ہو اور لوگ اسے اٹھا کر اس کے خیمہ میں لے جائیں۔ [اور وہاں یا راستہ میں اس کا انتقال ہو جائے[1]] تو اسے غسل دیا جائے گا، کفن پہنایا جائے گا، بدن پر خوشبو ملی جائے گی' اور وہ طریقے اختیار کیے جائیں گے جو عام میت کے ساتھ اختیار کیے جاتے ہیں' اور اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔

۱۰۳۶۔ تائب ہو کر آنے والے باغی کا حکم

جو باغی تائب ہو کر امام کے تحت آ جائے اور اطاعت کرنے لگے اس نے دورانِ جنگ جو قتل کیے ہوں یا زخم لگائے ہوں' یا جو چیزیں تباہ کی ہوں ان پر اس سے کوئی مواخذہ نہ کیا جائے گا۔

۱۰۳۷۔

اسی طرح وہ محارب جو رہزنی کرتا ہے اور اس میں قتل کرے' یا مال چھینے' اگر گرفتار ہونے سے پہلے تائب ہو کر امان کی درخواست سے کر امام کے پاس واپس آ جائے اور امام کی اطاعت کرنے لگے تو اس نے لڑائی کے دوران جو زخم لگائے ہوں' یا مال لوٹ کر صرف کر ڈالا ہو ان

---

[1] یہ اضافہ تیموری نسخہ میں ہے۔

پر اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ البتہ اگر کسی آدمی کی کوئی چیز علی حالہٖ اس کے پاس موجود ہو تو اسے اس سے لے کر واپس دے دیا جائے گا۔ لیکن جو چیز وہ صرف کر چکا اس کا وہ دین دار نہ ہوگا۔

۱۰۳۸۔ باغیوں سے ہاتھ آنے والے اموال کا حکم

باغیوں کے جو مویشی یا اسلحے وغیرہ اہلِ عدل کے ہاتھ لگ جائیں وہ مالِ غنیمت قرار پائیں گے جن میں سے امام خمس علیحدہ کر کے باقی ۴/۵ کر تقسیم کرے گا۔

۱۰۳۹۔

مجھ سے محمد بن اسحاق نے بروایت جعفر یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں کہا ہے کہ، جنگ صفین کے موقع پر جب علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی قیدی لایا جاتا تو آپ اس کا سواری کا جانور اور اسلحے چھین لیتے اور اس سے یہ عہد لے کر اسے چھوڑ دیتے کہ وہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔

۱۰۴۰۔ باغی قیدیوں کا حکم

ہم سے اشعث نے روایت کی ہے کہ حسن قیدیوں کو قتل کرنا مکروہ (گھناؤنا) سمجھتے تھے۔

۱۰۴۱۔

ہم سے ایک استاذ نے جعفر بن محمد سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے حدیث بیان کی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کے منادی نے جنگ بصرہ کے موقع پر یہ اعلانِ عام کیا تھا کہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے، کسی زخمی کو جان سے نہ مارا جائے اور کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسے امان ہے، جو اپنے ہتھیار رکھ دے اسے امان ہے۔"

راوی کہتا ہے کہ آپ نے ان کا کوئی سامان نہیں چھینا تھا۔

۱۰۴۲۔ امان یافتہ محارب کا حکم

ہم سے مغیرہ نے بروایت حماد بروایت ابراہیم یہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی آدمی حدِ شرعی کا مستحق قرار دیا گیا اور وہ محارب بن کر بھاگ کھڑا ہوا، پھر اس نے امان مانگی اور اسے امان دے دی گئی تو ان کی رائے یہ ہے کہ ایسے آدمی پر وہ حد جاری کی جائے گی جس کا وہ مستحق قرار دیا جا چکا ہو۔

۱۰۴۳۔

ہم سے حجاج نے حکم کا یہ قول روایت کیا ہے کہ، جب کسی محارب کو امان دے دی جائے تو اسے اس حالت میں کیے ہوئے جرائم کی سزا نہیں دی جائے گی، الا یہ کہ وہ اس سے پہلے کوئی جرم کر چکا ہو تو اس سے اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔

ہمارے نزدیک اس باب میں بہترین مسلک یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۴۴۔ فسادی کی سزا

۲۵۶ جو آدمی اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرنے لگے اس کے بارے میں ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے کہ، اگر اس نے صرف مال لوٹا ہو تو اُسے قتل اور پھانسی کی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اس کا ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹا جائے گا۔ اگر اس نے مال لوٹنے کے ساتھ ہی قتل بھی کیا ہو تو اس کے بارے میں امام کو اختیار ہے کہ اُسے قتل کر دے، ہاتھ پاؤں نہ کاٹے، یا پھانسی دے دے اور ہاتھ پاؤں نہ کاٹے یا ہاتھ پاؤں کاٹ کر تب قتل کرے یا سُولی چڑھا دے۔ اگر اس نے مال نہ لوٹا ہو، صرف قتل کیا ہو، تو اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا ہے کہ زمین سے ہٹا دینے کا مطلب پھانسی دینا ہے۔ یہ رائے ابو حنیفہ نے حماد کے واسطے ابراہیم سے روایت کی ہے۔

۱۰۴۵۔

میری رائے یہ ہے کہ اگر محارب نے قتل کیا ہو اور مال بھی لوٹا ہو تو اسے پھانسی

دی جائے گی۔ اگر اس نے قتل کیا ہو مگر مال نہ لوٹا ہو تو اسے قتل کیا جائے گا۔ اور اگر اس نے صرف مال لوٹا ہو، قتل نہ کیا ہو، تو اس کا ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیا جائے گا۔ ہم سے حجاج بن ارطاۃ نے بروایت ابن عباس اسی مضمون کی حدیث بیان کی ہے۔

فصل ۷
متفرق

۱۰۴۶۔ فتوحات

ایک قریشی استاذ نے زہری سے روایت کرتے ہوئے مجھے بتایا ہے کہ مصر اور شام عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتح ہوئے اور افریقیہ، خراسان اور سندھ کا کچھ علاقہ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتح ہوا۔

۱۰۴۷۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عطیہ

راوی کہتا ہے کہ ایک بار تمیم الداری —— یعنی لخم کے ایک فرد تمیم بن اوس —— نے کھڑے ہو کر یہ کہا: "اے اللہ کے رسول! فلسطین میں میرے کچھ رومی پڑوسی ہیں جن کے پاس حبیرون اور عینون نامی دو گاؤں ہیں۔ اگر اللہ شام کو آپ کے زیر نگیں کر دے تو یہ دونوں گاؤں مجھے دے دیجیے گا۔" آپ نے فرمایا: "وہ دونوں گاؤں تجھے مل جائیں گے۔" اس نے کہا: "آپ میرے لیے اس کی بابت ایک تحریر لکھ دیجیے۔" راوی کہتا ہے کہ چنانچہ آپ نے اس کے لیے یہ لکھ دیا کہ:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ تمیم بن اوس داری کے لیے محمد رسول اللہ کی تحریر ہے کہ حبیرون اور بیت عینون نامی دونوں گاؤں اس کے لیے ہیں

ان کے اندر جو کچھ ہے: وادیاں، پہاڑ، پانی کے چشمے، کھیت، نخل، گائیں اس کے بعد یہ چیزیں اس کی نسل میں منتقل ہوتی رہیں گی۔ کوئی آدمی ان دونوں گاؤں کے سلسلہ میں اس کے مقابلہ میں حق دار بن کر نہ کھڑا ہوگا اور کوئی وہاں ان کی مرضی کے خلاف زبردستی نہ داخل ہوگا۔ جو کوئی ان لوگوں میں سے کسی پر ذرا بھی ظلم کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔"

۱۰۴۸۔ راوی کہتا ہے کہ جب ابوبکر خلیفہ ہوئے تو آپ نے ان لوگوں کے لیے ایک تحریر لکھ دی جس کا متن یہ ہے:

۵۷ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ رسول اللہ کے امین، ابوبکر کی جانب سے "جو آپ کے بعد زمین پر خلیفہ مقرر کیا گیا ہے"، ایک تحریر ہے "جو اس نے داریین کے لیے لکھی ہے کہ حبیرون اور عینون کے گاؤں سے ان کو تھوڑا یا بہت جو فائدہ بھی ہو اس میں کوئی مداخلت نہ کی جائے، جو لوگ اللہ کی بات سنتے اور اس کی فرماں برداری کرتے ہوں، انھیں چاہیے کہ ان دونوں گاؤں میں کوئی گڑبڑ نہ مچائیں۔ چاہیے کہ اصحاب وجاہت ان لوگوں کی پشت پناہی کر کے ان کو فسادیوں کی دست برد سے محفوظ رکھیں۔"

۱۰۴۹۔ اہل کتاب سے تعزیت

میں نے ابوحنیفہ سے دریافت کیا کہ اگر کسی یہودی یا نصرانی کا لڑکا یا کوئی اور عزیز وفات پا جائے تو اس سے تعزیت کس طرح کرنی چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کے لیے موت مقدر کر دی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ اس کو پردۂ غیب میں چھپی ہوئی اس چیز کی خبر بتا دے جس کا انتظار ہے۔ ہم سب اللہ کے ہیں اور ہم سب اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ تم پر جو مصیبت آئی ہے اس پر صبر کرو۔ اللہ تمھاری تعداد نہ گھٹائے۔"

۱۰۵۰

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ایک عیسائی حسن کے پاس آیا کرتا تھا، اور ان کی مجلسوں میں شرکت کرتا تھا۔ پھر اس کا انتقال ہو گیا۔ حسن اس کی تعزیت کے لیے اس کے بھائی کے پاس گئے اور اس سے کہا، تم پر جو مصیبت پڑی ہے اس پر اللہ تمھیں وہ اجر دے جو اس نے تمھارے ہم مذہبوں میں سے اس مصیبت کا شکار ہونے والوں کو دیا ہے۔ اللہ موت کو ہمارے لیے برکت کا ذریعہ بنائے، اور اسے کسی پردۂ غیب میں چھپی ہوئی اس چیز کی خبر بنائے جس کے ہم سب منتظر ہیں۔ تمھیں چاہیے کہ تم پر جو مصیبتیں پڑی ہیں ان پر صبر سے کام لو۔

عفا اللہ عنہ
محمد عبد الرحمٰن
24-6-80
شعبان ۱۴۰۰ھ

ضمیمے اور اشاریئے

ضمیمہ (۱)

فہرست عربی نسخہ کتاب الخراج

(جیسا کہ مقدمۂ مترجم میں واضح کر دیا گیا ہے۔ ہم نے عربی نسخہ کی ترتیب کا التزام نہیں کیا ہے بلکہ ابواب اور فصلیں از سرِ نو قائم کی ہیں۔ عربی نسخہ کی فصلوں کے عنوانات درج ذیل ہیں۔ مراجعت میں سہولت کی خاطر ہم نے ۱۳۴۶ھ کے ایڈیشن (مکتبہ سلفیہ۔ قاہرہ) کے صفحات کے نمبر اور اس ترجمہ کے صفحات کے نمبر دے دیے ہیں۔ نیز ہر فصل کے تحت اس ترجمہ کے جو فقرے آتے ہیں ان کی بھی نشان دہی کر دی ہے۔ مذکورہ بالا عربی نسخہ کے صفحات کے نمبر ترجمہ کے متن میں بھی حاشیہ پر درج کر دیے گئے ہیں۔ مترجم)

عربی نسخہ کی فصلوں کے عنوانات	صفحات: عربی ایڈیشن	صفحات: ترجمہ	فقرے
مؤلف کا امیر المومنین ہارون الرشید کو خطاب	۳	۱	۱
امیر المومنین کو مؤلف کی نصیحتیں	۴	۲	۲-۳
ترغیب و تحضیض پر مشتمل احادیث	۷	۱۲	۴-۵۴
باب۔ تقسیم غنائم	۲۱	۵۱	۵۵-۹۲
فصل فئے اور خراج	۲۸	۶۸	۹۳-۱۰۲
سواد میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا گیا	۳۲	۸۴	۱۰۳-۱۳۶

عربی نسخہ کی فصلوں کے عنوانات	صفحات عربی نسخہ	صفحات ترجمہ	فقرے
فصل اہلِ ذمّہ کے لباس اور ان کی پوشاک کے بارہ میں	۱۵۱	۳۸۵	۵۵۹-۵۶۸
فصل مجوس، بت پرستوں، اور مرتدین کے بارہ میں	۱۵۳	۳۸۹	۵۶۹-۵۸۵
فصل عشورہ کے بارہ میں	۱۵۸	۳۹۸	۵۸۶-۶۱۲
فصل گرجا گھروں، بیعوں اور صلیبوں کے بارہ میں	۱۶۴	۴۱۲	۶۱۳-۶۳۷
فصل بدمعاشوں، چوروں، اور مجرموں کے بارہ میں، اور ان جرائم کے بارہ میں جن پر حد واجب ہے	۱۷۸	۴۴۱	۶۳۸-۸۴۱
فصل اسلام سے مرتد ہو جانے والے کا حکم	۲۱۳	۵۲۷	۸۴۲-۸۷۸
قاضیوں اور عمّال کو مشاہرے کس مد سے دیے جائیں	۲۲۲	۵۴۹	۸۷۹-۸۸۲
ان حربی باشندوں کے بارہ میں جو مسلمانوں کی چھاؤنی سے گذریں اور اس بارہ میں کہ جاسوس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے	۲۲۳	۵۵۱	۸۸۳-۹۰۰
فصل مشرکوں اور باغیوں سے جنگ کے بارہ میں اور یہ کہ ان کو دعوت کس طرح دی جائے۔	۲۲۷	۵۵۹	۹۰۱-۱۰۵۰

ضمیمہ (۲)

سکّے اوزان اور پیمانے

اوقیہ : ۹۰-۲۲۷-۲۳۱-۲۷۱-۳۶۵-۴۴۰

جریب : ۶۶-۱۰۰-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۳-۱۹۴-۲۰۰-۲۱۴-۳۰۳-۳۹۳

حجاجی : ۱۰۱-۱۹۱

دانق : ۲۳-۹۸-۱۶۳

درہم : ۲۳-۲۴-۴۰-۵۲-۶۵-۶۶-۶۹-۷۴-۷۵-۹۷-۹۸-۱۳۷-۱۵۱-۱۶۳-
۱۷۳-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۱-۱۹۳-۱۹۴-۲۰۱-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۲-۲۱۷-۲۱۹-۲۴۶-
۲۳۷-۲۴۷-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۱۰-۳۲۷-۳۴۲-۳۵۰-۳۵۴-۳۵۸-۳۶۴-
۳۷۷-۳۸۰-۳۸۲-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۹۳-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-
۴۳۵-۴۳۷-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۹-۴۵۳-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۸۲-۴۸۶-

دینار : ۴۰-۹۸-۱۷۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۴۱-۲۴۷-۲۵۹-۲۸۴-۳۷۰-۳۹۳-
۳۹۸-۴۰۸-۴۴۴-۴۷۶-۵۳۳-

ربع ہاشمی : ۱۰۰-۲۲۸-

رطل ۲۳-۸۸-۹۹-۱۰۰-۱۹۱-۲۲۴-۲۲۶-۲۲۸-۲۳۴-۲۶۸-

صاع ۳۴-۸۸-۹۷-۹۸-۹۹-۱۰۰-۱۰۱-۱۹۱-۲۱۳-۲۲۸-۲۳۱-

قسط ۱۰۰-۲۰۰-

قفیز ۱۰۰-۱۸۸-۱۹۳-۱۹۴-۲۱۴-۲۲۴-۲۲۸-۳۰۳-۳۵۳-۳۹۳-

قفیز حجاج : ۱۰۱-

مثقال : ۱۰۰-۱۵۱-۱۶۳-۳۰۵-۳۵۸-۳۸۴-۴۰۱-۴۰۲-

مختوم : ۱۰۰-۱۰۱-۱۹۱-۲۲۸-

مدّ : ۹۹-

مدی : ۱۰۰-۱۹۹-۳۹۳-۵۳۴-

مَن : ۸۰-۸۶-۹۹-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۳۱-۲۳۲-۳۱۳-

اشاریۂ مضامین

الف

ف

ق

ک

گ

اشاریہ اسماء

(※ کا نشان یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ کسی مقام یا ملک وغیرہ کا نام ہے ۔)

الف

ب

ص

ض

ط

ع

کتاب الخراج

مولئف : امام ابو یوسفؒ

(اسلام کا نظام محاصل)

مترجم: محمد نجات اللہ صدیقی

پیشکش: طوبیٰ ریسرچ لائبریری

بشکریہ: مفتی محمد امداد اللہ یوسف زئی صاحب (اشرفیہ لائبریری)

۷۸۶

شعبہ وقف لائبریری مکی مسجد بی
بلاک ۲ سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

محمد عفا اللہ عنہ
محمد عبدالرحمن الفرخ

24 6/80

طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفرنامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com